

فتاویٰ علی حمہ شانیہ



دارالافتاء دارالاحیاء

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالافتاء
ودینہ مہفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ

بمکملی و مستم

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالافتاء
مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مجلد پنجم مختار اللہ حقانی

ناشر

جامعہ دارالافتاء دارالاحیاء حقانیہ کورہ حیدرآباد

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالْأُولَىٰ لَآتَيْنَاهُ مِنْهُنَّ عِلْمًا تَنْبِيهُ (الانبیاء)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی کے افسانہ نویس ملک فناوی کا مجموعہ

فناوی حقانیہ

جلد دوم

نگرانی و اہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

تفادلس

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی نو شہر علی بابا کراچی

(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب فتاویٰ حقانیہ (جلد دوم)

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصّص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ۶۳۰ صفحات

طابع مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد دوم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲	مذہبِ اربعہ کی مخالفت کا حکم	۲۵	کتاب الاجتہاد والتقليد
۳۳	مذہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا۔	۲۵	تقلید کی شرعی حیثیت
۳۳	اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم	۲۵	مجتہد اور مقلد کے دلائل میں فرق
۳۴	صحابہ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ	۲۶	مذہبِ اربعہ کو حق جانتے ہوئے قرآن و حدیث پر عمل کرنا۔
۳۵	مجتہد کو خطا پر بھی اجر ملتا ہے۔	۲۷	دو مذاہب پر عمل کرنے کا حکم
۳۵	مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم	۲۷	موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا
۳۶	تقلید مذاہبِ اربعہ کا احادیث سے ثبوت	۲۸	اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا
۳۷	شاہ اسماعیل شہیدؒ مقلد تھے	۲۸	امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں
۳۷	اجماع و قیاس کی شرعی حیثیت	۲۸	امام ابو حنیفہؒ کی مرویات کی تعداد
۳۷	مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم	۲۹	صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات
۳۷	مذہبِ اربعہ قرآن و سنت کے موافق ہیں	۳۰	میزان الاعتدال کی عبارت کی تحقیق
۴۱	کتاب البدعة والرسوم	۳۱	پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم
۴۱	بدعت کی تعریف	۳۱	شاہ ولی اللہ مقلد تھے۔
۴۱	بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق	۳۱	مذہبِ حنفی موافق سنت ہے۔
۴۲	بدعت للہدین کے جواز کا حکم		
۴۳	قبر پر اذان کا حکم		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۱	مساجد میں تعزیہ لانے کا حکم	۲۳	میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم
۷۲	ختم کی دعوت بدعت نہیں	۲۴	تین دن کے بعد تعزیت کرنا
۷۲	درود شریف کیلئے قیام کرنا	۲۴	روٹی کو چھری سے کاٹنے کی رسم کا حکم
۷۳	مصائب میں بخاری شریف کے ختم کا حکم	۲۵	تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہیے
۷۳	بڑے لوگوں کی برسیاں منانا	۲۶	قل خوانی اور رسم جہلم کا شرعی حکم
۷۴	شاہی کے موقع پر سہرا باندھنا	۲۶	صفر المظفر میں چوری کی رسم کی شرعی حیثیت
۷۴	سالگرہ کی شرعی حیثیت	۲۷	بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا بدعت نہیں
۷۵	عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا	۲۷	تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم
۷۵	نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا	۲۸	عمارہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم
۷۶	جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم	۲۹	میت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم
۷۶	کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا	۵۰	روٹی چومنا بدعت نہیں
۷۷	اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرنا	۵۱	بوقت ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کا ٹٹا
۷۷	قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا	۵۱	جنازہ اٹھاتے وقت ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے
۷۸	والدین کی قبروں کو بوسہ دینے کے بارے میں شرعی حکم	۵۲	میت پر قرآنی کلمات سے منقش چادر ڈالنے کا حکم
۷۹	بغیر نماز کے شبینہ کا حکم	۵۳	اپنے لئے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں
۷۹	تیجے (رسم قل) وغیرہ میں ختم قرآن کا حکم	۵۳	جمعہ وعیدین کی نماز کے بعد مروجہ مصافحے کا حکم
۸۰	نماز کے بعد التزائم ان الحمد و ملئکمہ الز پڑھنا	۲۴	بغیر عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم
۸۰	عرفہ کے دن خجاج سے شہادت کے لئے	۵۵	دعا بعد الجنازہ کا حکم
۸۰	شہر سے باہر نکلنا	۵۷	مروجہ قضاء عمری بدعت ہے
۸۱	چندے کی رقم سے شیری تقسیم	۶۰	حلیہ اسقاط کی شرعی حیثیت
۸۱	کرنے کی شرعی حیثیت	۶۱	دعا بعد السنۃ بلیغۃ اجتماعیہ کا حکم
۸۲	ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا	۶۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک کی شرعی حیثیت
۸۲	تعزیہ کے طور پر براق کی صورت بنانے کا حکم	۷۰	فرض نمازوں کے بعد آواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا
۸۳	تعزیہ کے جلوس میں شرکت حرام ہے	۷۰	ایک دوسرے کو عید مبارک کہنے کا شرعی

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۰	{ مال حرام کو صدقہ کرنا موجب ثواب ہے یا نہیں؟ تعارض کا حل۔	۸۴	{ صفر المنظر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت
۱۲۱	فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ	۸۵	رمضان المبارک تیسویں رات کی مٹھائی تقسیم کرنا
۱۲۶	استبراء رحم کیلئے عدہ نہ ہونے پر اشکال کا ازالہ	۸۶	فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں
۱۲۶	لفظ قیل کی وضاحت	۹۱	خطبہ جمعہ وعیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا
۱۲۶	متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کے پاس ہوگی	۹۲	عید میلاد النبیؐ کی تاریخی اور شرعی حیثیت
۱۲۷	حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ	۹۵	نماز کے بعد مصافحہ کا حکم
۱۲۷	ذبیح اللہ کون تھے؟	۹۶	محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم
۱۳۱	کتاب التفسیر	۹۶	مسجد میں ذکر باکھمر کا حکم
۱۳۱	قرآن مجید کا رسم الخط تو قیفی ہے	۱۰۳	خواتین کا زیارت قبور کے لیے جانا
۱۳۱	تعداد حروف قرآن کریم	۱۰۵	ایصال ثواب اور تخصیص ایم کے بارے چند سوالات
۱۳۲	تعداد آیات قرآن کریم	۱۰۹	اپریل فون منانے کا حکم
۱۳۳	سکی اور مدنی سورتوں میں فرق	۱۱۱	بستنت کا تہوار منانے کا حکم
۱۳۴	سکی اور مدنی کی پہچان	۱۱۵	کتاب العلم
۱۳۴	تعوذ کا حکم	۱۱۵	لاؤڈ سپیکر پر درس قرآن دینے کا حکم
۱۳۵	تعوذ کی جزئیات کا حکم	۱۱۵	قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ
۱۳۵	تسمیہ کی جزئیات کا حکم	۱۱۶	کسب معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا
۱۳۶	تعداد آیات سورہ فاتحہ	۱۱۶	لڑکیوں کے لئے عصری تعلیم کا حکم
۱۳۶	فاتحہ الکتاب کا جزء قرآن ہونا	۱۱۷	تعلیم و تہذیب سکھانے کیلئے کس بجے کو سزا دینا
۱۳۷	اسمائے سورہ فاتحہ	۱۱۸	استاد کا شاگرد کو سزا دینا
۱۳۷	کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم	۱۱۸	دینی علوم کے طالب علم کے نفقہ کا حکم
۱۳۸	شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں	۱۱۹	علماء دین کی توہین کرنا
۱۳۹	حضرت عیسیٰؑ کا مثل آدم ہونا	۲۰	ہر سال بلا وجہ مدرسہ تبدیل کرنا۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۵۹	ختم قرآن کے وقت سوزِ اخلاص میں مرتبہ پڑھنا	۱۴۰	قاتل کی توبہ کا قبول ہونا
۱۶۰	قرأت سبعہ میں قرآن کریم پڑھنا	۱۴۰	آدم کے بیٹوں میں نزاع کا سبب
۱۶۰	قرأت عشرہ کا ثبوت	۱۴۲	غیر ذوی العقول کیلئے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال
۱۶۱	مقام محمود سے کیا مراد ہے	۱۴۲	مالا یخلق میں "ما" کا معنی و مراد
۱۶۲	دوان تلاوت حضور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم	۱۴۲	لفظ عباد کی تفسیر
۱۶۳	اذان کے دوان قرآن کریم کی تلاوت کرنا	۱۴۳	فرعون کی لاش کی تحقیق
۱۶۳	قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود پڑھنا	۱۴۴	لفظ لاجرم کی تحقیق
۱۶۴	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں	۱۴۴	حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق
۱۶۵	نیکر پہننے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے	۱۴۵	حضرت یوسفؑ کے حیلے کی حقیقت
۱۶۵	بوسیدہ قرآن مجید دفنانا جائز ہے	۱۴۶	مسئلہ روح
۱۶۶	جس کمرے میں قرآن مجید ہوا کسی چھت پر پڑھنا	۱۴۸	اصحاب کھف کے کتے کا جنت میں جانا
۱۶۶	قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق	۱۴۸	صاحب موسیٰؑ کا بشر ہونا
۱۶۷	ابلیس بھی حکم سجدہ کا مکلف تھا	۱۴۹	نبوت خضر علیہ السلام
۱۶۷	معیشۂ ضنک کی تفسیر	۱۵۰	حیات خضر کی تحقیق
۱۶۸	ازانی لایسبح الا زانیۃ کی تفسیر	۱۵۱	ذوالقرنین کون تھا؟
۱۶۹	اقیموا الصلاۃ سے مراد نماز ہے	۱۵۲	لا تبدیل لخلق اللہ کی تفسیر
۱۷۰	خارج نماز تلاوت قرآن سننا واجب نہیں	۱۵۳	حضرت ایوبؑ کی بیماری کی تحقیق
۱۷۰	علی الذین یطیعونہ فدیۃ کا حکم منسوخ ہے	۱۵۴	حضرت داؤدؑ اور اسرائیلی روایات
۱۷۱	آیات قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت	۱۵۵	تعداد ازواج حضرت داؤدؑ
۱۷۲	سب سورتوں کے نام تو قیفی ہیں	۱۵۵	ام کنت من العالین کی تفسیر
۱۷۳	قصہ یاروت و ماروت کی تحقیق	۱۵۶	لفظ اعداء اللہ کی تفسیر
۱۷۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا؟	۱۵۸	منافقین کی لکڑی سے تشبیہ
		۱۵۸	ورفعنا لک ذکرک کا عموم پر حمل کرنا
		۱۵۹	قرآن کریم کو چومنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۹۲	امام ابو حنیفہؒ تابعی تھے	۱۷۴	آیت کریمہ قالوا لعلہ یکن ارض اللہ واسعة
۱۹۳	شیعہ سے روایت کرنے کا حکم	۱۷۵	فتحا جرو فیہا کی تحقیق و تشریح
۱۹۴	حضورؐ کا شعر سننے کا ثبوت	۱۷۶	قبل المسخ شیطان کافر شتوں سے افضل ہونا
۱۹۵	علیکم بسنتی کا ثبوت	۱۷۷	واللہ انبتکم من الارض نباتا اور دارون کا نظریہ ارتقاء
۱۹۵	تلاوت قرآن کی فضیلت	۱۷۸	من الجنة والناس کی تفسیر اور مصداق
۱۹۶	تبسج فاطمی کا حدیث سے ثبوت	۱۷۹	آیت کریمہ انہ من سلیمان وانہم اللہ الا کی تحقیق
۱۹۷	سورۃ الحشر کی فضیلت کے بارے میں روایت	۱۸۰	لعمرك جملہ قسمیہ ہے
۱۹۸	فضائل سورۃ الملک	۱۸۱	تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا اور پڑھانا
۱۹۸	لاجعۃ ولا تشریق کی تحقیق	۱۸۱	سلیمانؑ کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ
۱۹۹	اختلاف امتی و رجۃ کی تحقیق	۱۸۲	پشتو زبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر
۲۰۰	حضورؐ کا خود گو گرنے کا معزم اور اسکی تحقیق	۱۸۲	حضرت یوسف علیہ السلام کی برادری میں
۲۰۱	حضرت علیؑ کی نماز اور طلوع آفتاب کا ثبوت	۱۸۳	شیر خوار بچے کا گواہی دینا
۲۰۲	ابو اشیح کے حالات زندگی	۱۸۴	سورۃ الحج کا سجدہ ثانیہ عند الخفیہ
۲۰۳	من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة کی تحقیق	۱۸۵	وقیل من راق کا پشتو ترجمہ
۲۰۳	حدیث لولاک لما..... کی تحقیق	۱۸۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے گھوڑوں
۲۰۴	مہاجرین و انصار میں عقد موخات اور	۱۸۷	کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق
۲۰۴	انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش کرنا	۱۸۸	ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا کی تفسیر
۲۰۵	اشعۃ اللغات کی ایک عبارت کی تشریح	۱۸۹	عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ..... الخ
۲۰۵	بشر و اولاد تنفرد کی تحقیق	۱۹۰	کتاب ما یتعلق بالحديث
۲۰۶	رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھنے کی سزا	۱۹۱	کتابت اور تدوین حدیث
۲۰۶	مرتد عن الاستاد کی حدیث کی تحقیق	۱۹۲	اقسام حدیث
۲۰۷	حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا		حدیث کی لکھام باعتبار صفات
۲۰۷	نسبت الی الغیر پر وعیدیں اور اسکی توجیہ		شاذ کی تعریف
۲۰۸	نماز میں اشارہ ممنوعہ کی حقیقت		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۲۲	انبیاء کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا	۲۱۹	فقیہہ اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت
۲۲۳	لاصلوۃ لہما لم یسجدہ کا مطلب	۲۱۹	حضرت علیؓ اور قوت حافظہ والی روایت
۲۲۵	من صلی علی عند قبری کی تحقیق	۲۱۰	انچاس کروڑ گنا ثواب کی حدیث
۲۲۵	حدیث قال لا یبیع بعضکم کفی وضاحت	۲۱۱	ولد الزنا لا یدخل الجنة کی تحقیق
۲۲۶	{ حدیث قال جاء رسول الله بلینا وانا صبی اور فقہی روایات میں تطبیق	۲۱۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ سے غذا کی روایت
۲۲۷	احادیث وحی غیر مستلو ہیں	۲۱۲	گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق
۲۲۷	کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث فالجنة علیہ	۲۱۳	منجیات و مہلکات کی تشریح
۲۲۷	{ حرام میں اسکی حرمت کی تحقیق	۲۱۳	اطلبوا العلم ولو بالصین کی تحقیق
۲۲۸	{ حدیث بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة میں قبول کی تحقیق	۲۱۴	امت محمدیہ کے بہتر فرقوں کا ثبوت
۲۲۹	حدیث بریضۃ کی تحقیق اور احکا کا جواب	۲۱۵	تفرق کی تحقیق
۲۳۰	حدیث لا تشد والرجال کی تشریح	۲۱۶	لا تعلمون الکتابۃ کی تحقیق
۲۳۱	{ حدیث المولود حق یبلغ الخنث ما یعمل من حسنۃ اور فقہی روایت میں تطبیق	۲۱۷	امام مہدی کے بار میں روایات کی تحقیق
۲۳۲	یتبع المیت ثلاثۃ اہلہ کی تشریح	۲۱۷	اللہ طاق ہے کی روایت کی تحقیق
۲۳۲	مقدمہ مسلم میں ضامراً خطاب کا مرجع	۲۱۸	شہر اعد لا ینقصان کی تحقیق
۲۳۳	مہربنوت میں لکھائی کی تحقیق	۲۱۸	اتانی و آدم بین الماء والطین کی تحقیق
۲۳۴	حدیث انہا تذب حتی تنجد تحت العرش کی تشریح	۲۱۹	طلب العلم فریضۃ کی تحقیق
۲۳۵	حدیث من تشبه بقوم کا مطلب	۲۱۹	انام دینۃ العلم وعلی بابہا کی تحقیق
۲۳۶	تطبیق بین الاحادیث	۲۲۰	الوحیۃ سراج امتی کی تحقیق
۲۳۷	ثلاث مہلکات کی تحقیق و تشریح	۲۲۱	ما تقول فی هذا الرجل کا مطلب
	-----	۲۲۱	علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق
		۲۲۲	رب کاسیۃ فی الدنیاء عاریۃ فی الآخرۃ کی تحقیق
		۲۲۲	انا من نور اللہ والمؤمنون منی کی تحقیق
		۲۲۳	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت
		۲۲۳	سبحان من زین الرجال باللہی کی تحقیق

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۵	کافروں میں اولیاء کا حکم	۲۴۳	کتاب السلوک
۲۵۶	اولیاء اللہ کا جمع ہونا	۲۴۳	شریعت اور طریقت کی حقیقت
۲۵۶	فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا	۲۴۳	بیعت کی حقیقت
۲۵۷	ولایت کے لئے بیعت ہونے کا مسئلہ	۲۴۴	پابند شریعت شخص کی بیعت کا حکم
۲۵۷	ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے بیعت ہونا	۲۴۵	مرشد کے لئے شرائط کا تذکرہ
۲۵۸	پیر کامل بننے کی شرط	۲۴۵	عورت کے لئے بیعت کا حکم
۲۵۸	ایک پیر کے الفاظ کا حکم	۲۴۷	بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم
۲۵۹	نماز روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعویٰ	۲۴۷	بیعت توڑنے کا حکم
۲۵۹	مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا	۲۴۸	فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا
۲۶۰	پیر کے بار میں مبالغہ آمیزی سے کام لینا	۲۴۸	بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم
۲۶۰	پیر سے پردہ کرنا	۲۴۹	مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا
۲۶۱	تصوف کے چار سلسلوں کا ثبوت	۲۴۹	ذکر حداری کا طریقہ اور اس کی حقیقت
۲۶۱	تصوف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح	۲۵۰	صلوۃ معکوس کا حکم
۲۶۲	سلاسل الربیعہ حق پر ہیں	۲۵۰	ذکر میں دل پر ضربیں لگانا
۲۶۳	تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم	۲۵۰	ذاکرین پر وجہ طاری ہونے کا حکم
۲۶۳	ذکر سلطان الاذکار کا حکم	۲۵۱	ذکر میں اللہ تعالیٰ کے معالفت کرنے کا حکم
۲۶۴	غوث و قطب کے وجود کا حکم	۲۵۲	دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم
۲۶۵	متصرف کا حکم	۲۵۲	عملیات میں اجازت شیخ کا حکم
۲۶۶	اصحاب القبور کا تصرف	۲۵۳	مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا
۲۶۶	بعد الوفا اولیاء اللہ کے تصرفات کا حکم	۲۵۳	مہمان کے لئے اوراد و وظائف چھوڑنے کا حکم
۲۶۷	کرامت اولیاء بعد الموت کا حکم	۲۵۴	مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا
۲۶۸	اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم	۲۵۴	چالیس دن کے چلہ کا حکم
۲۶۸	کشف القبور کے علم کا حکم	۲۵۵	اولیاء اللہ کی پہچان
۲۶۹	دوزخ کے لئے فنا کا حکم		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۸۱	پس پشت تھا ثقی بیان کرا بھی غیبت ہے	۲۶۹	صفت جمالی و جلالی کا فرق
۲۸۱	ربط قلب باب شیخ کی وضاحت	۲۷۰	کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معیت کا حکم
۲۸۲	قلندر اور مجذوب کا مطلب	۲۷۰	وحدة الوجود اور وحدة الشہود کا مسئلہ
۲۸۳	الصوفی لامذہبہ کی وضاحت	۲۷۱	اصطلاح حقیقت المحمدی
۲۸۳	سیر الی وسیر فی اللہ کا مطلب	۲۷۱	استاد اور پیر کے حقوق کا حکم
۲۸۴	استغفار نایحتاج الی استغفار کثیر کا مطلب	۲۷۲	خواب میں خلاف شریعت حکم دیکھنا
۲۸۴	دل کو روشن کرنے کا طریقہ	۲۷۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کا حکم دینا
۲۸۴	ریاکاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا	۲۷۳	کشف پر عمل کرنے کا حکم
۲۸۵	صرف سلام کر دینے سے بلا عذر شرعی کسی سے بات چیت نہ کرنے پر وارد وعید ختم ہو جاتی ہے	۲۷۳	تصور شیخ کا حکم
		۲۷۴	اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی مدد کرنا
۲۸۹	کتاب السياسة	۲۷۴	شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا
۲۸۹	سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم	۲۷۵	حلاوت ذکر کا مسئلہ
۲۹۰	مروجہ سیاست میں ابکھنا	۲۷۵	ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ
۲۹۲	امارت شرعی کے قیام کا حکم	۲۷۶	بجائز ہونے کیلئے بیعت شیخ ضروری نہیں
۲۹۳	اسلام میں انتخاب امیر کا طریقہ کار	۲۷۶	مسجد کی فضیلت خانقاہ پر
۲۹۴	عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے	۲۷۷	کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے
۲۹۷	اولوالامر کی حقیقت	۲۷۷	کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنا
۲۹۸	خلافت یا ملوکیت	۲۷۸	پیر کے نام کا وظیفہ کرنا
۳۰۰	منصب خلافت کے انتخاب کا معیار	۲۷۸	اعمال صالحہ میں دل نہ لگنے کا علاج
۳۰۱	قومی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت	۲۷۹	تصور فنا فی الشیخ کی شرعی حیثیت
۳۰۲	ووٹ کی شرعی حیثیت	۲۷۹	آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا
۳۰۳	ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا	۲۸۰	رضا بالقضاء اور دُعا کرنا
۳۰۵	دین کے لئے ووٹ کے استعمال میں والدین کی تاقربانی میں گناہ نہیں	۲۸۰	اشارۃ و کنایۃ غیبت کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲۷	جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا	۳۰۶	ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا
۳۲۷	غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا	۳۰۶	بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا
۳۲۸	پھانسی کی سزا کا شرعی حکم	۳۰۷	شرع داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم
۳۲۹	{ سرکاری اداروں میں افسران کو سلیوٹ کرنے کی شرعی حیثیت }	۳۰۸	{ دیندار امیدار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا }
۳۳۱	{ شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری }	۳۰۸	{ مسلمانوں اور مرزائیوں کی مقررہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت }
۳۳۱	{ انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا شرعی حکم }	۳۱۰	فاسق و فاجر کے حق میں ووٹ استعمال کرنا
۳۳۲	کسی چیز پر پابندی دراز تک قبضہ مفید ملک نہیں	۳۱۱	ووٹ لینے کے غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا
۳۳۳	تغزیر بالمال کا شرعی حکم	۳۱۱	عورت کے لئے ووٹ کا حق استعمال کرنا
۳۳۴	اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا	۳۱۳	مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا
۳۳۵	حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس کی شرعی حیثیت	۳۱۴	{ انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا }
۳۳۸	{ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقہ کار }	۳۱۵	انتخابات میں خود امیدوار بننا
۳۴۰	{ حکومت کو زنا با بکبر اور رضا کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں }	۳۱۶	انتخابی وعدوں کا شرعی حکم
۳۴۲	{ غربت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کارروائی کا حکم }	۳۱۷	کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے
۳۴۴	پاسپورٹ اور ویزہ کی شرعی حیثیت	۳۲۰	سیاہ و سفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت
۳۴۵	سی، آئی، ڈی کی شرعی حیثیت	۳۲۰	جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم
۳۴۷	مخبری کرنیوالے پر ضمان کا حکم	۳۲۱	بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا
۳۴۸	{ قبائل میں سے ایک گروہ کا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو جہا و قرار دینا }	۳۲۲	مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے
		۳۲۳	حدود اور قصاص میں حاکم وقت کا دائرہ اختیار
		۳۲۴	اصلاحی کمیٹی کا دائرہ اختیار
		۳۲۵	جمعہ وعیدین میں شرط سلطان کی وضاحت
		۳۲۵	حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴۹	تکبہ لگا کر کھانا پلینا	۳۴۹	شریعت بل کا پس منظر
۳۹۰	تین انگلیوں سے کھانا	۳۵۱	اسلامی اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ
۳۹۱	ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مستحسن طریقہ	۳۵۳	سوشلزم اور اسلام کا موازنہ
۳۹۱	سود خور کی دعوت قبول کرنا	۳۵۴	سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ
۳۹۲	جس دعوت میں گانے بجانے اور	۳۵۶	بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت
۳۹۲	لہو و لعیب کا اہتمام ہوا سہیں شرکت کا حکم	۳۵۸	بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت
۳۹۳	چونا کھانے کا حکم	۳۵۸	عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم
۳۹۳	افیون کھانے کا حکم	۳۵۹	عائلی قوانین کی شرعی حیثیت
۳۹۴	پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانا	۳۶۱	حضرت حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے
۳۹۴	بھنگ کے استعمال کا حکم	۳۶۳	عورت کا سر براہ مملکت بننا
۳۹۵	بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا	۳۶۴	امامت کبریٰ کے مستحق کا حکم
۳۹۵	کافر کے ساتھ کھانے کا حکم	۳۶۴	آئین پاکستان میں گستاخ رسول ایک ہی ترمیم کا حکم
۳۹۶	خلاق شریعت دعوت میں شرکت کا حکم	۳۶۶	سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم
۳۹۷	باب التداوی	۳۸۱	قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف
۳۹۷	انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا حکم		کتاب لکراہیۃ والاباحۃ
۳۹۷	انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم		باب الاکل والشرب
۳۹۸	پوسٹ مارٹم کا حکم	۳۸۷	کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدم کیا جائے
۳۹۹	خاندانی منصوبہ بندی اور نافع حمل دویا کا حکم	۳۸۷	کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا
۳۹۹	انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم	۳۸۷	دشتر خوان پر روٹی رکھ کر سالن کا انتظام کرنا
۴۰۰	بیمار کو خون دینے کا حکم	۳۸۸	کھڑے ہو کر کھانا پلینا مکروہ ہے
۴۰۰	تعویذ کی شرعی حکم	۳۸۹	کھانا کھاتے وقت خاموشی کا حکم
۴۰۱	مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم		
۴۰۲	شہر کو راغب کرنے کیلئے تعویذات کا سہارا لینا		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۱۷	سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا	۴۰۲	تعویذات میں یا بدوح لکھنا
۴۱۷	عورتوں کیلئے لوبے کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں	۴۰۳	غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا
۴۱۸	کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا	۴۰۳	بیماری کا علاج کرنا سنت ہے
۴۱۸	مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا	۴۰۴	خاندانی منصوبہ بندی کا شریعت مطہرہ
۴۱۹	چاندی کی انگوٹھی کا بلا ضرورت استعمال درست نہیں	۴۰۴	کی روشنی میں جائزہ
۴۱۹	سٹیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا	۴۰۷	جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا
۴۲۰	عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا	۴۰۸	باب اللباس
۴۲۰	بڑے بڑے ناخن رکھنا	۴۰۸	سونے چاندی کی گھڑی پہننا
۴۲۱	غیر ضروری بالوں کی صفائی کیلئے	۴۰۸	عورتوں کے لئے سفید کپڑے پہننے کا حکم
۴۲۱	بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا	۴۰۹	خواتین کا باریک لباس پہننا
۴۲۲	مصنوعی بھنویں بنانے کا حکم	۴۰۹	مردوں کیلئے تیلہ کے استعمال کا حکم
۴۲۲	عورتوں کے چہرے پر سیاہ بال نکل آنے کا حکم	۴۱۰	دانت جوڑنے کیلئے سونا، چاندی استعمال کرنا
۴۲۳	وسدہ استعمال کرنے کا حکم	۴۱۰	لوبے کی انگوٹھی پہننے کا حکم
۴۲۵	پی ٹی میں نیکر پہننے کا حکم	۴۱۱	عورت کے لئے پازیب پہننے کا حکم
۴۲۷	مردوں کیلئے زرد رنگ کے لباس کا حکم	۴۱۲	بدن پر خال یا نام لکھوانا جائز نہیں
۴۲۸	باب التصاویر	۴۱۲	بالوں کو سیاہ خضاب لگانا
۴۲۸	خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے	۴۱۳	بچوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا
۴۲۸	کسی جاندار کی تصویر کا حکم	۴۱۳	پگڑی کے شعلے کی مقدار کا تعین
۴۲۹	بٹوہ میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا	۴۱۳	مسلمانوں کے لئے ٹائی باندھنا جائز نہیں
۴۲۹	کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تبرک لگانا	۴۱۵	دانتوں کے ارد گرد چاندی کا خول لگانا
۴۳۰	آرائش کیلئے گھر میں نصف فوٹو لگانا	۴۱۵	واڑھی پر مہندی لگانا
۴۳۱	شادی کی تقریبات کی تصاویر بنانا	۴۱۶	شلوار یا ٹجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا
۴۳۱	خانہ کعبہ کی تصاویر میں چھوٹی چھوٹی انسانی تصاویر کا حکم	۴۱۶	ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۳۲	باب المسائل المتفرقة	۲۳۲	جدید آلات کا حکم
۲۳۳	والدین کو گالی دینے والے کا حکم	۲۳۳	تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا
۲۳۴	گالی گلوچ کرنے والے کا حکم	۲۳۳	پچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا
۲۳۴	والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے	۲۳۴	باب الملاحی
۲۳۸	دوسرے سے حسن سلوک نہ کرنا	۲۳۴	خوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم
۲۳۸	بلکہ کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے	۲۳۴	کیرم بورڈ کھیلنا
۲۳۸	بیوی کو طلاق دینا	۲۳۴	شطرنج کھیلنا
۲۳۹	والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے	۲۳۵	جوڈو کراٹے کھیلنا
۲۵۰	علم دین کے حصول کیلئے والدین کی اجازت کا حکم	۲۳۵	کھیل کود میں رافلز کو کھلا رکھنے کا حکم
۲۵۱	کسی مسلمان کو برے القابات سے پکارنا	۲۳۶	ورزش کرنا
۲۵۱	مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا	۲۳۷	تاش کھیلنے کا حکم
۲۵۲	استمناء بالید کا حکم	۲۳۸	باب الامر بالمعروف والنہی
۲۵۳	ہاتھ پاؤں چومنے کا حکم	۲۳۸	عن المنکر
۲۵۳	کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم	۲۳۸	تبلیغ دین فرض کفایہ ہے
۲۵۳	مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم	۲۳۸	مستورات کی تبلیغی جماعت کا حکم
۲۵۴	حشرات الارض کو جلانے کا حکم	۲۳۹	سالانہ چیلہ لگانے کا حکم
۲۵۴	مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا	۲۴۰	مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب
۲۵۵	مسجد میں سوال کرنے کا حکم	۲۴۱	تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں
۲۵۶	مسجد میں سونے کا حکم	۲۴۱	تبلیغی چلے کی حقیقت
۲۵۶	بار بار چھینک آنا	۲۴۲	تبلیغی جماعت کا طریقہ بدعت نہیں
۲۵۷	زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نماز جنازہ پڑھنے کا حکم		
۲۵۸	کسی کو ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولنے کا حکم		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۷۳	مساوات مرد و زن - تہذیب مغرب کا اہم فائدہ	۲۵۹	زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا
۲۷۵	بے حیائی کا عروج	۲۵۹	گائے، بچانے کو ذریعہ معاش بنانا
۲۷۵	وزیر اعظم بھٹو کی دعوت بے حجابی	۲۶۰	بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا
۲۷۶	اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق	۲۶۰	قاری یا سامعین کو تلاوت پر سلام کرنا
۲۷۶	ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام	۲۶۱	غائب کو سلام پہنچانے کا حکم
۲۷۷	عورت اور جاہل اقوام کے نظریات	۲۶۲	ننگے سر نماز پڑھنا
۲۷۸	عورت پر اسلام کے احسانات	۲۶۲	مونچھیں کاٹنے کا حکم
۲۷۸	دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی	۲۶۳	عورتوں کا سر کے بال کٹوانا
۲۷۸	اور معاشرتی حقوق کا تحفظ	۲۶۳	مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوانا
۲۷۹	عورت کی عصمت و آبرو کا احترام	۲۶۴	غیر ضروری بالوں کے صفائی کا حکم
۲۸۱	آزادی نسوان تبرج جاہلیت کا دوسرا نام	۲۶۵	زیر ناف بالوں کی صفائی کی حد
۲۸۲	آزادی نہیں غلامی کی دعوت	۲۶۵	زیر ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت
۲۸۲	اسلام کا نظام عفت و عصمت	۲۶۶	پیدائشی طور پر بختون بچے کے ختنے کا حکم
۲۸۳	پردہ کے احکام	۲۶۶	بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم
۲۸۳	جلباب	۲۶۷	چہرے کے زائد بال دور کرنے کا حکم
۲۸۳	آیت حجاب	۲۶۷	داڑھی کی شرعی حد
۲۸۴	حامیان بے پردگی کی مغالطہ انگیزی	۲۶۸	مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا
۲۸۵	ستر اور حجاب میں فرق	۲۶۸	بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم
۲۸۶	بات چیت میں احتیاطی تدبیر	۲۶۹	ٹیلیوژن کے برے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری
۲۸۶	خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت	۲۷۰	ٹیلیوژن اور وی، سی، آر کا شرعی حکم
۲۸۷	خروج کے شرائط اور قیودات	۲۷۲	داڑھی کی مسنون مقدار
۲۸۹	حرف علمی، علمی نہیں، بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدید		
۲۹۰	کیا پردہ حبس ہے یا ہے		
۲۹۱	مرد اور عورت کا دائرہ کار		

رسالہ

عورتوں کے حقوق آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰۵	وضو میں ہاتھ دھونے کی ابتدا،	۴۹۱	گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے
۵۰۶	انگلیوں کی طرف سے کرنا سنت ہے	۴۹۲	پردہ نہیں بے پردگی خرابی صحت کا باعث ہے
۵۰۶	وضو کرنے کا افضل طریقہ	۴۹۳	نظربازی، ذہنی انتشار اور فساد معاشرہ کا ذریعہ
۵۰۶	سردی کے موسم میں اعضاء وضو دھونے کا طریقہ	۴۹۳	تعلیم کیلئے بے پردگی
۵۰۷	وضو میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم	۴۹۴	ماڈرن یفنے کی شوقین
۵۰۷	بیماری کی وجہ وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ		
۵۰۸	بیسن میں وضو کرنے کا حکم		
۵۰۸	وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم		
۵۰۹	بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم	۴۹۹	
۵۱۰	وضو میں واجبات نہیں		
۵۱۰	اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو	۴۹۹	وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم
۵۱۰	مس کرنے کا حکم	۴۹۹	بیرش مسواک کی سنت کا متبادل نہیں
۵۱۰	کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم	۵۰۰	مسواک نہ ہونے کی صورت میں
۵۱۱	سرخ، پاؤں، کمریم کی موجودگی میں وضو کا حکم	۵۰۰	سبیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے
۵۱۱	جماعت کے فوت ہونے کی ڈر کے	۵۰۰	مسواک چبانے کا حکم
۵۱۱	باوجود کامل وضو کرنا ضروری ہے	۵۰۱	ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم
۵۱۲	آپ زرم سے وضو غسل کرنا	۵۰۱	وضو میں گردن کا مسح
۵۱۳	نشہ آور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم	۵۰۲	سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ
۵۱۳	نشہ آور دوائیوں کے استعمال کی	۵۰۳	وضو کرتے وقت دائرہ ہی ترک کرنے کا حکم
۵۱۳	صورت میں وضو کا حکم	۵۰۳	خضاب طالی دائرہ ہی پر وضو کا حکم
۵۱۴	انگلش لگانے سے وضو کا حکم	۵۰۴	وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا
۵۱۴	فلم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا	۵۰۴	عبادت کیے بغیر وضو علی الوضو کا حکم
۵۱۵	گرم پانی سے وضو کرنا جائز ہے	۵۰۵	وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم
	کشف عورت ناقض وضو نہیں	۵۰۵	گلے کے مسح کا حکم

کتاب الطہارۃ

باب الوضوء

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۲۷	دوران غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں	۵۱۵	وضو کے بعد شک غیر مؤثر ہے
۵۲۸	غسل کے لئے کشف عورت کا حکم	۵۱۶	وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم
۵۲۸	کشف عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت	۵۱۶	کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے
۵۲۹	شہوت کے باوجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم	۵۱۷	جب تک اچیل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا
۵۳۰	غسل کرتے وقت جہاں پانی { پہنچانا مشکل ہو تو اس کا حکم	۵۱۷	بدن سے خالص پانی نکلنے پر وضو کا حکم
۵۳۰	غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا حکم	۵۱۸	خون پھیل جانے سے وضو کا حکم
۵۳۱	خواب سے بیداری کے بعد محض تری { کے احساس سے غسل کا حکم	۵۱۸	پاؤں کے شگاف میں دوائی لگانے کے بعد وضو کا حکم
۵۳۲	احتلام بھول جانے کی صورت { میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم	۵۱۹	انجکشن کے ذریعہ خون نکالنا ناقض وضو ہے
۵۳۲	گندوم کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے	۵۱۹	صاحب عذر کے وضو اور کیڑوں کا حکم
۵۳۳	ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے وجوب غسل کا حکم	۵۲۰	پاخانہ کے مقام سے کیڑا نکلنے پر وضو کا حکم
۵۳۳	جانور سے وحلی کرنے کی صورت { میں غسل کا حکم	۵۲۱	
۵۳۳	التقاء ختائین کی صورت میں غسل کا حکم	۵۲۱	غسل میں غرغره کا حکم
۵۳۴	غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم	۵۲۱	غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم
۵۳۵	سوئنگ پول میں غسل کرنے کا حکم	۵۲۲	مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم
۵۳۶	جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں	۵۲۳	دانتوں پر سونے کے خول چڑھانے سے غسل کا حکم
۵۳۶	مصنوعی بالوں کا وضو و غسل میں حکم	۵۲۳	دانت بھرانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا
۵۳۷	صرف تری محسوس کرنا موجب غسل نہیں	۵۲۴	جنابت کے غسل میں عورت کو { مینڈھیاں کھونا ضروری نہیں
۵۳۷	متعد بار جماع کے لئے ایک غسل کافی ہے	۵۲۵	جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم
۵۳۸	جنابت کی حالت میں بوقت { ضرورت مسجد میں جانا	۵۲۵	حالت جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم
		۵۲۵	دوران غسل باتیں کرنے کا حکم
		۵۲۶	غسل کرتے وقت بغیر لباس وضو کا حکم
		۵۲۶	کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

باب الغسل

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۶۸	معذور کی شرعی تعریف	۵۵۷	حالت حیض میں جماع کرنے کا حکم
۵۶۸	ایسے معذور شخص کا حکم جس کا	۵۵۷	ناقص الخلقیت بچے کی ولادت پر نفاس کا حکم
۵۶۸	روٹی رکھنے سے پیشاب رک جائے	۵۵۸	ایام حیض میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا حکم
۵۶۹	باب الانجاس	۵۵۹	حیض کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی
۵۶۹	نیند کی حالت میں منہ سے نکلنے	۵۵۹	دوران حیض ہرگز کب کا پانی حیض ہے
۵۶۹	والے پانی کا حکم	۵۶۰	حائضہ عورتیں اوقات نماز میں ذکر
۵۶۹	غسل کتے وقت پانی سے برتن میں	۵۶۰	واذکار معمول بنائیں
۵۶۹	چھینے پڑنے سے پانی کا حکم	۵۶۱	حیض کی حالت میں جماع کرنا
۵۷۰	پلاٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۱	حالت حیض میں تعلیم قرآن کا حکم
۵۷۰	جنب کے پینے کا حکم	۵۶۱	حائضہ عورت کے لئے دینی کتابوں
۵۷۱	کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۲	کا مطالعہ جائز ہے
۵۷۲	منی، مندی، اور وردی سے طہارت کا حکم	۵۶۲	حالت حیض میں آیۃ الکرسی پڑھنا
۵۷۲	دجاجہ مخلات کا جھوٹا	۵۶۲	حائضہ عورت کے ہاتھ کے پچے ہوئے
۵۷۳	کتے کی کھال قابل دباغت ہے	۵۶۳	کھانے کا حکم
۵۷۳	کتے کے جھوٹے برتن میں کھانے	۵۶۳	آپریشن سے ولادت کے بعد
۵۷۴	اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۴	نکلنے والے خون کا حکم
۵۷۴	بخس کپڑا دھونے کے بعد نچوڑنے کا حکم	۵۶۴	ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم
۵۷۵	غیر ملکی کپڑوں سے نماز پڑھنا	۵۶۵	حائضہ عورت سے انتفاع جائز ہے
۵۷۶	موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۵	انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم
۵۷۶	ڈرائی کلینر سے کپڑے پاک ہونے کا حکم	۵۶۶	پندرہ دن طہر گزرنے سے قبل خون آنے کا حکم
۵۷۷	دودھ میں مینگنی یا گو برگر جانے	۵۶۶	حالت جنابت میں کمپیوٹر سے
۵۷۷	پر دودھ کا حکم	۵۶۶	قرآن لکھنے کا حکم
۵۷۸	ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۷	حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم
		۵۶۷	استحاضہ کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۸۶	نُعَاب دہن سے قرآن مجید { کی ورق گردانی کرنا	۵۷۹	انتداب حقیقت سے { حکم بدل جاتا ہے
۵۸۶	جانور کو ناپاک چیز { کھلانے کا حکم	۵۷۹	نجس چیز سے بنے ہوئے { صابن کا حکم
۵۹۷	گتے کا متہ اگر کپڑے { کو لگ جائے تو؟	۵۸۰	حلال جانور کے پیشاب اور { بول و براز کا حکم
۵۸۷	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم { کے فضلات کا حکم	۵۸۰	گتے کے پیشاب کا حکم
۵۸۸	گوہر کے اُپلے استعمال کرنے { اور نیچے کا حکم	۵۸۱	پاک اور ناپاک کے { اختلاط کا حکم
۵۸۸	زندہ سانپ کے { جامے کا حکم	۵۸۲	واشتگ مشین سے دھلے { ہوئے کپڑوں کا حکم
		۵۸۲	شراب کی خالی بوتل کے { استعمال کا حکم
۵۸۹	باب الاستنجاء	۵۸۳	شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم
		۵۸۳	چمکا دڑ کے پیشاب کا حکم
۵۸۹	کشف عورت کی صورت { میں استنجاء کا حکم	۵۸۳	کنوئیں میں رہنے والے { پینڈک کے پیشاب کا حکم
۵۸۹	قدر درہم سے زیادہ { نجاست معاف نہیں	۵۸۴	نجس مٹی سے بنے ہوئے برتن { کے استعمال کا حکم
۵۹۰	ٹائیلٹ پیپر سے { استنجاء کرنے کا حکم	۵۸۵	مردار جانور کی کھالی کا حکم
۵۹۰	استنجاء کے وقت سلام کا حکم	۵۸۵	خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے { برش کے استعمال کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۰۱	بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا {	۵۹۵	پانی سے استنجاء کا حکم
۴۰۲	احادیث کے اوراق سمیت جانا {	۵۹۳	دائیں ہاتھ سے استنجاء کا حکم
۴۰۲	قضا حاجت کے دوران برش یا مسواک کرنا {	۵۹۳	استنجاء کیلئے پانی کی مقدار
۴۰۲	بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم {	۵۹۳	مغربی طرز کے بیت الخلاء {
۴۰۳	استعمال شدہ ڈھیلوں کے {	۵۹۳	میں پیشاب کرنے کا حکم {
۴۰۳	دوبارہ استعمال کا حکم {	۵۹۳	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم
۴۰۴	مسائل شتی	۵۹۳	استنجاء کرتے وقت شمال کی {
۴۰۴	غسل اور وضو کے لئے پانی کی مقدار {	۵۹۳	طرف منہ کرنے کا حکم {
۴۰۴	گنجد سر والے آدمی کے چہرے کی حد کا حکم {	۵۹۴	گھاس وغیرہ سے استنجاء کرنے کا حکم
۴۰۵	نیند سے بیدار ہونے کے بعد {	۵۹۵	استنجاء کر کے ہاتھ دھونے کے {
۴۰۵	مسواک کرنے کا حکم {	۵۹۵	باوجود بدبو محسوس ہونے کا حکم {
۴۰۶	مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم {	۵۹۵	عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے {
۴۰۶	غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا {	۵۹۶	کا استعمال ضروری ہے {
۴۰۷	نجس اشیاء کے دھوئیں کا حکم {	۵۹۶	صرف ڈھیلے سے استنجاء پر اکتفا کرنا
۴۰۷	شیرخوار بچے کی قے کا حکم {	۵۹۶	پیشاب کرتے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرنا
۴۰۸	چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا {	۵۹۷	استنجاء سے عاجز شخص کیلئے استنجاء کا حکم
۴۰۸	وضو کرتے وقت اذان کا جواب {	۵۹۷	مرد اور عورت کے استنجاء میں فرق
۴۰۸	دینے کا حکم {	۵۹۸	بوجہ مجبوری دوسرے سے استنجاء کرانا
۴۰۹	تیمم کے جواز کیلئے مسافت کی تحدید {	۵۹۸	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ
۴۰۹	کوئلہ سے تیمم کرنا {	۵۹۹	پیشاب کرتے وقت بچے کو قبلہ رخ کر کے پکڑنا
۴۰۹	راکھ پر تیمم کرنے کا حکم {	۵۹۹	بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ
۴۱۰	گدایا تکبیر پر تیمم کا حکم {	۶۰۰	دوران قضا حاجت اگر چھینک {
۴۱۱	ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمم کرنا {	۶۰۰	آجائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ {
		۶۰۰	قضا حاجت کو بیٹھنے کیلئے کس وقت کپڑا اٹھائے

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۲۲	چشمہ دار کنوئیں کی پاکیزگی میں { امام محمدؒ کا قول مفتی ہے {	۴۱۲	تلاوت قرآن کے لئے کئے گئے تیمم { سے نماز پڑھنے کا حکم {
۴۲۳	فرج سے نکلی ہوئی ہونا ناقض الوضوء نہیں	۴۱۲	تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا درست نہیں
۴۲۳	عادت سے پہلے نفاس بند ہو جانے کی صورت میں جماع کا حکم	۴۱۲	جیل خانہ میں پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم
۴۲۴	پکی اینٹ پر تیمم کرنا	۴۱۳	زخمی تیمم کر سکتا ہے
۴۲۴	استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج { ہو جانے پر استنجاء کا حکم {	۴۱۳	سرد علاقوں میں تیمم کا حکم
۴۲۵	ہوا خارج ہونے کا شک ہو پر وضو کا حکم	۴۱۴	نمک پر تیمم کرنے کا حکم
۴۲۵	جگالی کے دوران جانور کے منہ { سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے {	۴۱۴	ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمم کرنے کا حکم
۴۲۵	پنچ سورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلاء جانا	۴۱۵	ناٹوں کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم
۴۲۶	نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم	۴۱۶	مجلدین و منعلین جرابوں کا کیا حکم ہے
۴۲۶	پیشاب اور پاخانہ کے وقت { کن امور سے بچنا چاہیئے؟ {	۴۱۶	سوتلی جراب پہننے ہوئے بوٹ پر مسح کا حکم
۴۲۶	لو اسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم	۴۱۸	عامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کرنے کا حکم
۴۲۸	معذور کا قبل از وقت وضو { کر کے اس سے نماز پڑھنا {	۴۱۸	پٹی پر مسح کرنے کا مسئلہ
۴۲۸	عورت کے رحم سے نکلنے والی { سفید رطوبت سے وضو کا حکم {	۴۱۸	زخم پر مسح کرنے کا مسئلہ
		۴۱۹	پلٹسر پر مسح کرنے کا مسئلہ
		۴۲۰	سانپ کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم
		۴۲۰	کسی حیوان کا اندام اگر کنوئیں { میں گر جائے تو کیا حکم ہے {
		۴۲۱	پھپکی گرنے سے پانی کا حکم
		۴۲۱	پرندوں کی بیٹ گرنے سے { پانی نجس نہیں ہوتا {





۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

کتاب الاجتهاد والتقليد

راجتہاد اور تقلید کے احکام و مسائل

تقلید کی شرعی حیثیت | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقلید کرنا شرک ہے، جو ائمہ اربعہ کی تقلید کرتا ہے وہ مشرک ہے، دریافت مسئلہ یہ ہے کہ تقلید ائمہ اربعہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا واقعی تقلید کرنے سے ایک مسلمان مشرک ہو جاتا ہے؟

الجواب :- تقلید کسی ماہر شریعت کی راہنمائی میں شریعت مقدسہ کی اتباع کا نام ہے، قرآنی آیات، احادیث نبویٰ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں بھی عامی شخص کو کسی ماہر شریعت کی پیروی کا حکم ملتا ہے، اس لیے عامی آدمی کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا واجب ہے اس سے شرک لازم نہیں آتا۔

قال العلامة ابن نجيم: ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذهبهم وانتشارها وكثرة أتباعهم۔
(الاشباه والنظائر ج ۱ ص ۳۳۳ القاعدة الاولى: الاجتهاد لا يفتق بالاجتهاد) لہ

مجتہد اور مقلد کے دلائل میں فرق | سوال :- ادلۃ المجتہد اور ادلۃ المقلد میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب :- مجتہد کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے ادلۃ اربعہ سے استدلال کرتا ہے اور مقلد اپنے مسئلہ کے لیے مجتہد کا قول پیش کرتا ہے، مقلد چونکہ کتاب و سنت سے ناواقف ہوتا ہے اس لیے وہ ثبوت مسئلہ کے لیے دلیل نہیں لاسکتا۔

لما قال العلامة صدر الشريعة: وقولنا يتوصل بها اليه الظاهر ان هذا

لہ قال العلامة عبد العزيز الفهردي: ثم من لم يكن مجتهداً وجب عليه اتباع المجتهد۔ (نبراس شرح شرح عقائد ص ۲۷ تقلید المجتہد)
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب القضاء۔

يختص المجتهد فان المجتهد في هذا العلم قواعد يتوصل المجتهد بها الى الفقه
ليس الا المجتهد فان الفقه هو العلم بالاحكام من الادلة التي ليس دليل المقلد
منها فلهم الم يذكر مباحث التقليد والاستفتاء في كتبنا ولا يبعد ان يقال انه يعم
المجتهد والمقلد فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد فاما المقلد
فالدليل عند قول المجتهد فالمقلد يقول هذا الحكم واقع عندي لانه ادى
اليه رأى ابي حنيفة وكل ما ادى اليه رايه فهو واقع عندي -
(توضيح وتلويح مك مقدمة له

مذاهب اربعة كوثق جانتے ہوئے قرآن و حدیث پر عمل کرنا | سوال :- ایک شخص

جانتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے، تو
ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو مقلد ہوگا یا پھر مجتہد ہوگا،
اب اگر وہ مقلد ہے تو مقلد پر تقلید واجب ہے، اور اگر مجتہد ہے تو وہ قرآن و سنت
سے استدلال کر سکتا ہے، لیکن عصر حاضر میں چونکہ کسی میں بھی اجتہاد و مطلقہ کی صلاحیت
موجود نہیں ہے اس لیے اس شخص کا خیال غلط ہے۔

ما قال العلامة الحسكي: وقد ذكر وان المجتهد المطلق قد فقد -
الدر المختار على هامش رد المختار ج ۱ ص ۱۷ مطلب في طبقات الفقهاء ۲۷

له قال العلامة ابن عابدین: وظيفة العوام التمسك بقول الفقهاء واتباعهم في
اقوالهم وافعالهم دون التمسك بالكتاب والسنة -

والفتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۳۶ مسائل وفوائد شتى من الخطر والاباحة -

ومثله في البصائر ج ۱ ص ۵ كتاب الطهارة -

له ما قال العلامة الحسكي: وقد ذكر وان المجتهد المطلق قد فقد - قال السيد احمد الطحطاوى

رقوله فقد وهو جائز الوجود لان فضل الله تعالى لا يقيد بزمن من دون زمن -

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار ج ۱ ص ۱۷ مقدمة

دو مذاہب پر عمل کرنے کا حکم | سوال :- ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد
دوسرے امام کے مذاہب پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- خروج عن المذہب میں چونکہ اتباع ہوتی ہی ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی
شخص مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذاہب پر عمل کر رہا ہو تو وہ اقل مذاہب کے ہوتے
ہوئے دوسرے مذاہب پر عمل نہیں کر سکتا اس کو اصطلاح میں تلفیق کہتے ہیں اور یہ باطل
ہے تاہم اشد ضرورت کے وقت اپنے مذاہب میں رہتے ہوئے دوسرے مذاہب پر
اہل علم حضرات فتویٰ دے سکتے ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (تحت قول الحنفی: وان الحكم الملقق باطل
بالاجماع ہما لا متوفی سال من بدنہ دم ولس امرأۃ ثم صلی قال صحۃ
ہذہ الصلوۃ ملفقة من مذہب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحة
(رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۸ مطلب فی حکم التقليد والرجوع عندہ) لہ

موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا | سوال :- کیا موضع ضرورت
میں دوسرے مذاہب پر

عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے مگر اس
ضرورت کا تعین اکابر علماء کریں گے، جیسے زوجہ مفقودہ انجیر میں امام مالک کے مذاہب پر
فتویٰ عند الضرورت دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وقد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالك في
هذه الحالة للضرورة (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۵ مطلب فی آثارہ منہ) ايضاً قال لوافق مفتيشي
من هذه الافعال للضرورة طلباً للتيسير كان حسناً۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۸ مطلب لا يجوز العمل بالضعيف الخ) لہ
لہ قال العلامة الطحطاوي: متوفى سال من بدنہ دم ولس امرأۃ ثم صلی الخ۔ (طحطاوي علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۸)
(ومثله في خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق عند النابلسي ص ۱۵۸)

لہ لما قال العلامة عبد العزيز الفرهاري رحمہ اللہ: اذا اشتدت الحاجة فيجوز
الرجوع الى قاضي مذہب اخري فتى بحاجته وهذه الفوائد مما
تحفظ۔ (النبراس ص ۱۵۸ تقليد المجتمع)

اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا | سوال :- کیا ایک حنفی کے لیے اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک حنفی کا اہل حدیث کے فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اہل الظاہر (اہل حدیث) اصحاب الفتویٰ میں سے نہیں ہیں۔

لما قال العلامة الکیراتوی: قال ابوبکر الرازی الجصاص فی اصولہ لا یعد بخلاف من لا یعرف اصول الشریعة ولہ یرتض بطریق المقابیس ووجوہ اجہاد الرائی کداود الاصفہانی (امام اہل الظاہر) والکراہیسی اضرابہما۔

(مقدمہ اعلام السنن ج ۲ ص ۱۸۵ الفائدۃ الثانیۃ لا یعد بخلاف الظاہر) لہ

امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں | سوال :- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں یا تبع تابعی اور آپؒ نے کس صحابی کو دیکھا ہے؟

الجواب :- امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اس زمانہ میں کافی تعداد میں صحابہؓ حیات تھے اس لیے آپؒ نے کئی صحابہؓ کی زیارت کی ہے جن میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اس لیے آپؒ تابعی ہیں، اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔

لما قال الملا علی القاری: قد ثبت رؤیتہ بعض الصحابة واختلف فی روايته عنہم والمعتمد ثبوتہا..... فہو من التابعین الاعلام۔ (مقدمہ اعلام السنن ج ۳ ص ۱۰۱ الفصل الاول)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کی تعداد | سوال :- کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں

لہ قال العلامة ابن عابدین: وقد استقر رأی الاصولیین علی ان المفتی هو المجتہد فاما غیر المجتہد فمن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفت والواجب علیہ اذا سئل ان یدکر قول المجتہد کالامام علی وجہہ الحکایۃ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۹ مطلب رسم المفتی)

وَمِثْلُهُ فِي الطَّحطاوى على در المختار ج ۱ ص ۱۰۱

لہ قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ: انما رأی انس بن مالک بعینہ

(العلل المتناہیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ باب الکفالة برزق التفقہ)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۱ ص ۶۴ مطلب فی اختلاف فیما من رآیہ الامام عن الصحابة۔

سے زیادہ نہیں جانتے تھے، جیسا کہ ابن خلدونؒ نے ذکر کیا ہے؟
الجواب :- جو کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں سے زیادہ نہیں جانتے تھے وہ غلط کہتا ہے اور اس کا یہ کہنا مندرجہ ذیل وجوہات سے باطل ہے :-

(۱) امام ابو حنیفہؒ باتفاق اُمت مجتہد ہیں اور خود ابن خلدونؒ کا کہنا ہے کہ مجتہدین کا استنباط قرآن و سنت سے ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا تو آج ہر اہل حدیث مجتہد ہوتا۔

لما قال ابن خلدونؒ: ولا سبيل الى هذا المتقد في كبار الاسماء ملان الشريعة
 انما تؤخذ من الكتاب والسنة۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۳۷۱)

(۲) ابن خلدونؒ نے یہ قول یقال سے ذکر کیا ہے جو صیغہ تریض ہے پھر خود ہی اس کا رد بھی کیا ہے۔

(۳) صرف امام یوسفؒ نے ”کتاب الآثار“ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات کی تعداد ۱۰۶۷ ذکر کی ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہؒ کی اپنی مسند موجود ہے جس میں ہزاروں روایات درج ہیں۔

(۵) امام ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ میں ذکر کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جو ایک لاکھ حدیثیں جانتا ہو۔

(۶) وقال محمد بن سماعۃؒ: ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا وسبعین الفا حدیث وانتخب الآثار من الربعین الف حدیث۔

(مقدمہ اعلیٰ السنن ج ۱ الفصل التاسع فی تراجم ائمتنا الثلاثة)

اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اس قسم کا بے جا اعتراض کرنا بغض و حسد کی علامت ہے۔

صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات | سوال :- صحاح ستہ خاص کہ بخاری و مسلم میں امام ابو حنیفہؒ

سے روایات کیوں منقول نہیں ہیں؟

الجواب :- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کام روایات سے مسائل کا استنباط تھا، نہ کہ

محض روایات بیان کرنا۔ فقہی استنباطات میں شبانہ روز مشغولیت کی وجہ سے آپؒ

روایات کثرت موجود نہیں، نیز یہ بھی واضح ہو کہ بخاری و مسلم نے جس طرح امام ابو حنیفہؒ کی روایات کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس طرح امام شافعیؒ کی بھی کسی روایت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور امام الحدیث احمد بن حنبلؒ کی صرف دو روایات موجود ہیں وہ بھی ایک تعلیق اور دوسری نازل بواسطہ۔

لما قال العلامة الكوثري: ومما يلتفت أن شيخين لم يخرجوا في الصحيح شيئاً من حديث الإمام أبي حنيفة مع انهما ادركا صغار أصحاب اصحابه واخذوا عنهم ويخرجان أيضاً من حديث الإمام الشافعي مع انهما لقي بعض اصحابه ولا يخرج البخاري من حديث أحمد إلا حديثين أحدهما تعليقاً والآخر بواسطه مع أنه ذكره الأئمة - (التعليق على شروط الأئمة الستة ص ۸)

”میزان الاعتدال“ کی عبارت کی تحقیق | سوال :- علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب ”میزان الاعتدال“ میں امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف

میں شمار کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب :- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”میزان الاعتدال“ میں امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف کہا گیا ہے وہ غلطی پر ہیں، علماء احناف نے اس کے مندرجہ ذیل جوایات ذکر کیے ہیں :-

(۱) اول تو یہ کہ یہ عبارت علامہ ذہبیؒ کی نہیں ہے بلکہ کتاب میں بعد میں داخل کر دی گئی ہے۔

لما قال العلامة طبري أحمد العثماني (بعد تحقیق) : فقد تصافت الأدلة على

تمس ترجحة أبي حنيفة في الميزان انها الحقت في بعض النسخ بغير قلم

مؤلفه - (مقدمه اعلام السنن ج ۱ ص ۳۵) ثبوت العدالة بالاستفاضة

وان هذه العبارة ليست لها اثر في بعض النسخ المتبادرة على ما رأيتها بعين نقل

من الامام عبد المحي الكهنوتي ما تمس اليه الحاجة - (مقدمه ابن ماجه)

(۲) اور خود علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور امام ابو حنیفہؒ کو انکی جلالت شان کی وجہ سے

میزان الاعتدال میں ذکر نہیں کیا ہے۔ کذا ذکر فی کتابی من الأئمة المتبوعين في الفروع احداً

لجلالته في الاسلام وعظمته في النجوم مثل أبي حنيفة و الشافعي - (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲)

(۳) یہ جرح مبہم ہے جو کہ قبول نہیں، انما الجرح فائز لا يقبل الا مفسواً يتنا بسبب الجرح -

(اعلام السنن ج ۱ ص ۳۵) تدبیر الراوی ج ۱

پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب !

مذہب شافعی یا دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ یہاں ان پر عمل کرنے سے فتنہ و فساد کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور شاہی یہاں ان مذاہب کو کوئی جانتا ہے ؟

الجواب : مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی حقانیت پر پوری امت کا اجماع ہے مگر یہاں جہاں جو مذاہب رائج ہو اسی کی تقلید کی جائے گی دوسرے مذاہب کی تقلید نہیں کی جائے گی، خصوصاً اس وقت جبکہ فتنہ و فساد کا خطرہ ہو رہی دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

ما قال الشيخ شاه ولي الله الدهلوي: فاذا كان جاهل في بلاد الهند وبلاد ماوراءالنهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتب هذا المذاهب وجب عليه ان يقلد المذهب ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من هذا لانه جيز ين يخلع من عنقه مراقة الشريعة ويبقى سدى مهملًا.

والانصاف منع كشاف ^{۱۷۸۱} ہندوستان میں جہاں پر تنقید البصیفة واجب ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقلد تھے | سوال :- ہم نے بعض علماء سے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی مقلد نہیں تھے

کیا واقعی حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے ؟

الجواب :- یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے، بلکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ باوجود صلاحیت اجتہاد کے مقلد تھے بلکہ آپ کو تقلید سے خروج پر ممانعت کی گئی تھی، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں :-

والتفقدات منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ما كان عندى وما كانت طبعي تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالى على.... وتاثيرها الوصاية بالاتباع بهذا المذهب.

(فيوض الحرمين ۶۵۰ ۶۴۲)

مذہب حنفی موافق السنۃ ہے | سوال :- آج کل غیر مقلد حضرات عوام میں یہ پراپیگنڈ کر رہے ہیں کہ مذہب حنفی خلاف سنت ہے، کیونکہ

مذہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب !
عصرِ حاضر میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ

کسی نئے مذہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- علماء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زمانہ حال میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ کوئی ایسا شرعی جزیئہ نہیں ہے جس کے بارے میں ان مذاہب نے تصریح نہ کی ہو۔

لما قال العلامة الشيخ أحمد الطحطاویؒ: فعليكم يا معشر المؤمنين باتباع
الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فان نصرته في موافقتهم و
خذلانه وسخطه ومقتته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت
اليوم في المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبلون
ومن كان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة ذلك الزمان من اهل البدعة
والنار۔ (الطحطاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۵۳ کتاب الذبائح) حلہ

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب ! کیا اس دور میں
بھی اجتہاد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں
سے سنا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و
سنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اجتہاد مطلق کا سلسلہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، آج کل کسی میں بھی
اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اجتہاد مطلق کے درجے تک پہنچ سکے، البتہ اجتہاد
فی المسائل کی اب بھی اجازت ہے مگر جو شخص نئے مسائل میں اجتہاد کرتا ہو اس میں

لما قال العلامة ابن الہمامؒ: وعلى هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع التقليد غير
الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقييد مسائلهم وتخصيص عمومها ولم
يس مثله في غيرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحيح۔ (التحریر فی
اصول الفقه ص ۵۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ ص ۸۹ کتاب العلم)

ومثله في فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ ص ۹ کتاب العلم۔

اجتہاد کی صلاحیت کا موجود ہونا ضروری ہے بدون اس کے اجتہاد کی اجازت نہیں۔
 قال العلامة النووي: اما الاجتهاد مطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتى
 اوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على امته ونقل امام الحرمين الاجماع عليه۔
 روضة الطالبين بحواله فتاوى رحيمية ج ۴ ص ۱۲۶ کتاب العلم لہ

صحابہ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! جیسا کہ آجکل
 مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اسی طرح
 صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی تقلید ہوا کرتی تھی یا یہ کہ سب صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد
 سے کام لیتے تھے؟

الجواب :- صحابہ کرامؓ میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، بعض مجتہد اور بعض مقلد،
 تو جس طرح اس زمانہ میں اجتہاد رائج تھا اسی طرح مجتہد صحابہ کرامؓ کی تقلید بھی ہوئی
 کرتی تھی، غیر مجتہد صحابہ کرامؓ دوسرے مجتہد صحابہؓ کی تقلید کر کے ان کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے۔
 عن سالم قال سئل ابن عمر عن رجل يکون له الدين على

لہ قال العلامة قادی محمد طیب: باقی میں عرض کر چکا ہوں کہ اجتہاد کی وہ نوع جو استنباط
 عل اور اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے آج اس لیے نہیں پائی جاتی کہ اس کی ضرورت
 باقی نہیں ہے، ائمہ نے اس کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے
 کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے لیکن اس میں مزید تحقیق و تلاش کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔
 ہاں اس خاص نوع کو چھوڑ کر جس نوع کے پردہ میں آج بھی جنس اجتہاد باقی ہے وہ
 عام تحقیق و تلاش، کتاب و سنت میں تدبیر ان کے لطائف و حقائق کا استخراج ہر
 زمانے کے کوئی حواث سے شرعی مسائل کو تطبیق دے کر مناسب فتویٰ دینا، معاندین
 اسلام کے نئے نئے شکوک و شبہات کی تردیدات، نصوص سے استنباط کرنا اصول
 اسلام کے اثبات و تحقیق کے لیے کتاب و سنت سے مؤیدات پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ
 ہے، اجتہاد کی یہ نوع کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

{ اجتہاد اور تقلید ص ۵۹ تا ص ۶۲ }
 { اجتہاد کی ایک نوع ختم ہو چکی ہے }

الرجل الى اجل فيصبح عنه صاحب الحق يعجله الاخر فكرة ذلك عبد الله بن عمر
ونهي عنه - (موطا امام مالك ۲۲۷ کتاب الیسوع - باب ما جاء في الربا في الدين)

سوال :- اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے
مجتہد کو خطا پر بھی اجر ملتا ہے | اس میں خطا کر جائے تو کیا وہ عند اللہ مانع ہو
گایا مجبور ؟

الجواب :- جب کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور وہ مسئلہ صواب اور
درست ہو جائے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور جب خطا کر جائے تو عند اللہ اسے ایک
نیکی ملے گی۔

لما قال النبي صلى الله عليه وسلم : اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب
قله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر واحد۔

(الصحيح البخاري ج ۲ ص ۱۹۲ باب اجر الحاكم)

سوال :- جناب مفتی صاحب !
مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم | جو عالم دین خود مجتہد نہ ہو یعنی
قرآن و سنت سے بلا واسطہ استنباط نہ کر سکتا ہو تو فتویٰ دیتے وقت اس کو
کیا کرنا چاہیے ؟

الجواب :- جو عالم دین مفتی تو ہو لیکن درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہو تو اس
کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی روایت اور اس کے مذہب کو نقل کر کے
فتویٰ دے۔

قال العلامة الحصكفي: وان الخلاف خاص بالقاضي المجتهد واما المقلد

لقال الشيخ الشاه ولي الله الدهلوي: لان الناس لم يزالوا من زمن الصعابة
الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء
من غير نكير من احد يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلا لا تكروه۔

(عقد الجيد مع سلف مروارید ۲۹ آخر باب دوم)

وَمِثْلُهُ فِي اجْتِهَادٍ وَتَقْلِيدٍ ۵۴ صحابہ میں بھی تقلید رائج تھی۔

فلا ينفذ قضاؤه بخلاف مذهبه أصلاً لما في القنية - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۷) مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه (لہ)

تقليد مذاہب اربعہ کا احادیث سے ثبوت | سوال :- جناب مفتی صاحب !

میرا ایک دوست بسلسلہ روزگار کئی سالوں سے کراچی میں مقیم ہے، جب وہ گاؤں سے کراچی جا رہا تھا تو صحیح سنی مسلمان تھا اب کراچی میں رہتے ہوئے اس کے نظریات بدل چکے ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا شرک ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، آپ سے گزارش یہ ہے کہ کیا واقعی مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

الجواب :- مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک کہنا لاعلمی اور جہل ہے، غیر مقلدین کے علاوہ کسی نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے بلکہ اسی پر اٹھا امت کا تعامل چلا آ رہا ہے، قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کی کثیر تعداد تقلید کے اثبات کی تائید کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **اتبعوا السواد الاعظم** - (الحديث) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کے قریل میں لکھتے ہیں: ولما اندرست المذاہب الحقۃ الہذہ الامربعة کان اتباعہا اتباعاً للسواد الاعظم -

(عقد الجید مع سلک مرارید ص ۳۳ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کی الح) لہذا آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

لہ قال ابو حفص قال لی ابواسحاق لما جلست فی جامع المنصور للفتیاء ذکر تہذہ المسئلة رای مسئلة حفظ اربعائے حدیث للفتیاء فقال لی رجل اقامت ہوذا لا تحفظ ہذا المقدار حتی تفتی للناس فقلت لہ عافاک اللہ ان کنت لا تحفظ ہذا المقدار فانی ہوذا افتی الناس بقول من کان یحفظ ہذا المقدار واكثر منه ہذا یرشدک الی انہ اذا مرکب الرجل من اهل الفتوی والاجتہاد فعلیہ ان یفتی بقول المجتہد -

رمقدمۃ اعلام السنن ص ۹ شرائط الافتاء، قواعد الفقہ

سوال ۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شاہ اسماعیل شہید مقلد تھے، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی انہوں

نے تقلید نہیں کی، تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بڑے بلند پایا عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ براہ راست قرآن و سنت سے مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر جہاں آپ کو صریح نص نہ ملتی تھی وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت شاہ صاحب ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔

لما قال الشيخ رشيد احمد گنگوہی: بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۲۰۹ تقلید و اجتہاد کے مسائل)

سوال ۲۔ جناب مفتی صاحب! آجکل کے غیر مقلد حضرات اجماع امت اور قیاس کو حجت شرعی

نہیں مانتے اور نہ ان سے ثابت شدہ مسائل مانتے ہیں۔ تو کیا واقعی اجماع امت اور قیاس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں؟

الجواب :- اسلامی احکامات کا استنباط ادلہ اربعہ سے ہوتا ہے جن میں اجماع اور قیاس بھی شامل ہے، نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی ثابت ہے، ان کو دلیل شرعی نہ ماننا جہل مرکب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۲۰۵ تقلید و اجتہاد کے مسائل)

سوال ۳۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم

گاؤں میں جماعت المسلمین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو سب مقلدین کو مشرک کہتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کا مقلد ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- مطلق تقلید قرآن و سنت سے ثابت ہے اور غیر القرون سے اس پر

تعامل چلا آ رہا ہے جو شخص تقلید کو شرک کہتا ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مشرک اور دائرۃ اسلام سے خارج تصور کرتا ہے خود اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کو ایسے الفاظ پر تلفظ کرتے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ: جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود خاالی ہے اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بتائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی، کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ اور تعامل سلف سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلید شخصی کا جواز بھی قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و تعامل سلف سے ثابت ہے، پس اس کو شرک کہنا بھالت ہے۔

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب العقائد، تقلید و اجتہاد)

سوال :- آجکل جو چار مذاہب مسلمانوں میں رائج ہیں، بعض لوگ حنفی، بعض شافعی اور بعض حنبلی اور بعض

مالکی ہیں، ان میں سے کون سا مذہب قرآن و سنت کے موافق ہے؟ کیونکہ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ قرآن و سنت کے موافق نہیں ہیں، ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب :- اصول اور مبادی دین میں سارے ائمہ اسلام متفق ہیں اصول عقائد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں البتہ فروعی جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ اختلاف اصل اسلام میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف اعمال منقول ہوئے ہیں، ان کی مختلف مدارج کی ترتیب معلوم نہ ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مواقع اور مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی طرح بعض غیر منصوص مسائل کے حل میں دماغی تناسب اور رجحانات کے اختلاف کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ یا پھر عربی لغت کے کثیر المعانی لفظ کے تعین میں اختلاف کی بناء پر ائمہ اربعہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اس قسم کے اختلافات سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شرائع میں بھی اس قسم کا اختلاف تھا، صحابہ کرامؓ میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف تھا، اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ اختلاف الامتی رحمة کہ امت کے ائمہ کا اختلاف رحمت ہے۔ لہذا مذاہب اربعہ حق پر ہیں کوئی بھی باطل پر نہیں۔



کتاب البدعة والرسوم

(بدعت اور رسومات کے احکام و مسائل)

بدعت کی تعریف | سوال :- جناب مفتی صاحب! بدعت کی جامع و مانع تعریف کیا ہے، آجکل بعض لوگ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب :- بدعت کا لغوی معنی ہے الاحداث یعنی نئی چیز پیدا کرنا، شریعت کی اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان تمام تعریفات میں جامع و مانع تعریف وہ ہے جو علامہ ابن رجب اور دوسرے محققین نے بیان کی ہے کہ بدعت شرعاً وہ عمل ہے جس کی دین مقدس میں کوئی بنیاد نہ ہو، اس تعریف سے بہت سے وہ اعمال جن کو بعض حضرات بدعت کہتے ہیں خارج ہو جائیں گے۔

لما قال العلامة ابن رجب الحنبلي: والمواد بالبدعة ما أحدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه وأما ما كان له أصل من الشرع يدل فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة - كتاب جامع العلوم والحكم ص ۲۳۳ الحديث الثامن والعشرون

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق | سوال :- بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں فرق کی وضاحت فرمائیں، بعض لوگ بدعت

کی اس تقسیم حسنہ و سیئہ کو نہیں مانتے، جبکہ ہم نے اکثر علماء سے بدعت کی یہی تقسیم سنی ہے؟
الجواب :- بدعت اصطلاحی و شرعی ہر صورت میں قبیح و مذموم ہے، البتہ بدعت لغوی اپنی بعض اقسام کے اعتبار سے بدعت حقیقی (شرعی) نہیں رہتی بلکہ بدعت صوری بن

له قال العلامة القرطبي رحمه الله: كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع ولا فان كان لها اصل كانت واقعة تحت ما ندب الله اليه وحقق رسوله اليه فهي في حيز الممدوح وان لم يكن مثاله الخ -

(احکام القرآن للقرطبي ج ۱ ص ۸۷ سورة البقرة)

ومثله في صفوة التفاسير ج ۱ ص ۹۲ سورة البقرة -

جاتی ہے، اور بدعت کی یہ صورت مشابہ سنت ہونے کی وجہ سے بدعت حسنہ کہلاتی ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کلیاً یا جزئاً دین میں نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دین علماً و عملاً بنالینا بوجہ مزاحمت احکام شرعیہ کے بدعت ہے و سبیل اس کی حدیث صحیح ہے من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رذ۔ کلمہ من اور فی اس مدعا پر صاف صاف دلالت کر رہے ہیں اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیدہ ہی ہوگی اور بدعت حسنہ صوری بدعت ہے۔ (امداد الفناوی ج ۵ ص ۲۸۵ کتاب البدع)۔

سوال: بدعت فی الدین اور بدعت للہین میں کیا فرق ہے؟ نیز وہ کون سا اصول یا ضابطہ ہے کہ جس کے ذریعے ہر دو بدعت میں تفریق و تمیز ہو سکے؟

الجواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی سب ضروری باتیں قرآن و حدیث میں بتدوین کو بتادی ہیں، اب دین میں کوئی نئی بات نکالنا جو دین متین میں داخل نہیں ہے اور لوگ اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہوں تو ایسی نئی بات کو بدعت فی الدین اور احداث فی الدین کہا جاتا ہے اور اسی کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے، اور اس کے برعکس وہ امر جس کی اصل دین متین میں موجود ہو تو وہ بدعت للہین کے زمرے میں آتا ہے اور اس کو فقہاء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے، پس ایک احداث للہین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للہین معنی سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء ج ۲ ص ۱۲۱ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، الباب السادس سنت کی تعریف)

قال العلامة ابن حجر العسقلانی: والتحقیق انہا ان كانت مما تدرج تحت مستحسن فی الشرع فہی حسنة وان كانت من ما تدرج تحت مستقبح فی الشرع فہی مستقبحة والافہی من قسم المباح وقد تنقسم الی الاحکام الخمسة۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب صلوۃ التراويح) ومثله فی المنہاج الواضح بحوالہ راجع سنت ص ۹۸

قبر پر اذان دینے کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کو حویلی میں رکھ کر اس پر پتھر رکھنے کے بعد اور مٹی ڈالنے سے پہلے اذان دی جاتی ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- قبر پر اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں جبکہ اذان کے مواقع شرعاً معین ہیں، لہذا اس کا خلاف شریعت اور بدعت ہونا ظاہر ہے، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت رد فن المیت (لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما هو المعتاد الآن۔ وقد صرح ابن الحجر فی فتاویٰ یانہ بدعة وقال ومن ظن انه سنت قیاساً علی تدبیر المولود الحاقاً لخاتمة الامر۔

(رد المحتار ج ۲۵۸ باب الاذان) لے

میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میت کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین سے پہلے کچھ لوگ میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا اس وقت مسنون ہے جب وہ تعزیت کے لیے بیٹھ جائیں، خواہ وہ میت کو دفن کرنے سے پہلے بیٹھ جائیں یا بعد میں، البتہ تعزیت کے لیے بیٹھنے سے قبل میت کی تدفین کا کام مکمل کیا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر دفن کرنے سے پہلے یا بعد میں تعزیت کرنے سے میت کے پسماندگان پریشان ہوتے ہوں تو پھر تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

وفی الہندیۃ: وہی بعد الدفن اولیٰ منها قبلہ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ

ج ۱ ص ۶۷ کتاب الجنائز، یتصل بذلك المسائل)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقال کثیر من متاخرین ائمتنا یکرہ الا اجتماع

اعلم ان قال العلامة اشرق علی التھانویؒ: بہر حال بوجہ عدم ثبوت بالدلیل شرعی کے یہ عمل بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۰۲ کتاب البدعات)

عند صاحب البيت ويكره له الجلوس في بيته حتى يأتي اليه من يعزي بل اذا افرغ
ورجع من الدفن فليتنفقا وليشتغل الناس بامورهم وصاحب البيت بامرهم اهـ۔

(رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۰۲ کتاب الجنائز) ۱۷

تین دن کے بعد تعزیت کرنا | سوال :- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی کے ہاں
میت ہو جائے کے بعد تین دن حجرے یا مسجد میں
تعزیت کے لیے بیٹھتے ہیں، کیا شرعاً تین دن تک تعزیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تین
دن کے بعد تعزیت کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- مقیم لوگوں کے لیے تین دن تک میت کے پسماندگان سے تعزیت
کرنا جائز ہے، البتہ غائب آدمی جس نے کسی قسم کی تعزیت نہ کی ہو واپسی کے وقت کر
سکتا ہے اگرچہ کافی عرصہ کے بعد واپس آئے۔

لما في الهندية : وقتها حين يموت الى ثلاثة ايام ويكره بعدها الا ان يكون
المعزي او المعزى اليه غائبا فلا بأس بها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۶۰۲ کتاب
الجنائز، فصل في التعزية) ۱۸

روٹی کو چھری سے کٹنے کی رسم کا حکم | سوال :- آج کل یہ رسم عام ہے کہ شادی بیاہ
اور دیگر تقریبات کے موقع پر لوگ روٹی اور گوشت
وغیرہ کو چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں، اس رسم کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟
الجواب :- مناسب اور بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان روٹی یا گوشت وغیرہ چاقو یا چھری

۱۷ قال العلامة وهبة الزحيلي : وهي بعد الدفن افضل منها قبله
لان اهل الميت مشغولون بتجهيزه و وحشهم بعد الدفن
لفراقه اكثر۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۵۴۳ المطلب

الثالث التعزية الخ)

۱۸ قال العلامة ابن عابدين : وفي الاحكام عن خزانة الفتاوى الجلوس في المصيبة
ثلاثة ايام للرجال جاءت الرخصة فيه ولا تجلس النساء قطعاً۔
(رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۰۲ کتاب الجنائز)

سے کاٹ کر نہ کھایا جائے، ایک مسلمان کے لیے روٹی کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے، لیکن شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے مواقع پر ایسا کرنا یعنی چاقو، پھری سے روٹی وغیرہ کاٹ کر کھانا مخصوص اور جائز ہے اور جو روایت منع کے بارے میں مشہور ہے وہ شرعاً صحیح ہے۔

لما قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ: قال فہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقطع الخبز بالسکین وقال اکرموا قات اللہ عز وجل قد اکرمہ۔ قال ابن الجوزی قال دارقطنی تضرع بہ نوح وهو متروک وكذلك قال مسلم بن الحجاج و ابو حاتم الرازی وهو متروک۔ وقال یحییٰ نوح لا یکتب حدیثہ لیس بشیء۔ وقال ابن حبان لا یجوز الاجتماع بہ۔ (الموضوعات ج ۲ باب فصل الخبز ص ۲۹)

تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہیے | سوال: بعض لوگ تعزیت کیلئے راستوں میں دریاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ حجروں اور مساجد کو استعمال کرتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز تعزیت میں کیا الفاظ کہنے چاہئیں؟

الجواب: کسی مسلمان کی وفات پر اس کے پسماندگان سے تعزیت کرنا سنت ہے اس کے لیے جو جگہ مناسب ہو استعمال کی جاسکتی ہے یعنی ایسی جگہ ہو جہاں تعزیت میں بیٹھنے والوں اور آنے والوں کو تکلیف نہ ہو، البتہ راستوں اور دروازوں میں بیٹھنا بُری بات ہے اور اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

لما فی الہندیۃ: ولا بأس لاهل المصیبة ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلاثۃ ايام ولنا من یأتونہم ویعزونہم ویکرہ الجلوس علی باب الدار وما یضنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطرق من اقباح القباہ، کذا فی النظریۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الجنائز فصل فی التعزیت) تعزیت میں صبر کرنے، غم بھلانے اور حوصلہ سے کام لینے کے الفاظ استعمال کرنا مناسب ہے بہتر کلمات یہ ہیں: ان اللہ ما اخذ والہ ما اعطى وكل شیء عندہ بأجل مُسمًی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۷ فصل فی التعزیت)

لما قال العلامة وہبۃ الزحلی: وقال الخنفیۃ لا بأس بالجلوس للتعزیتۃ فی غیر المسجد ثلاثۃ ايام واولہا افضلہا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۵۴۳ المطب الثالث فی التعزیت)

قل خوانی اور رسم چہلم کا شرعی حکم | سوال :- آجکل میت کے ایصالِ ثواب کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ جمعرات، تیجہ، دسواں اور چہلم کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع اور ملامت کی جاتی ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان رسومات کی شریعت مقدسہ میں کیا حیثیت ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب :- وارثانِ میت کا ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرنا ہر وقت جائز ہے مگر وقت کے تعین کی جو صورتیں عوام میں مروج ہیں، مثلاً شبِ جمعہ و جمعرات کے دن (تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ)، اس تخصیص کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ تخصیص اور التزام کی وجہ سے کبھی کبھی مباح اور جائز افعال بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ، والطعام فی الايام الخمسة المخصوصة كالثلث والخامس والتاسع والعشرين والاربعين والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة۔
(شرح منهاج بحوالہ راہِ سنت ص ۲۶۵) ۱۔

صفر المنظر میں پُجوری کی رسم کی شرعی حیثیت | سوال :- عوام میں مشہور ہے کہ صفر کے مہینے میں آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں، اور پھر اس ماہ کے آخری بدھ کو گھر وغیرہ صاف کر کے مٹھائی اور پُجوری وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، کیا پُجوری کی یہ رسم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ سب خرافات اور جاہلیت کی باتیں ہیں، اس ماہ مبارک میں آسمان سے کوئی بلا نازل نہیں ہوتی، اور یہ مٹھائی و پُجوری وغیرہ کی تقسیم کا اہتمام و التزام کرنا بدعت ہے۔
عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا عدوی ولا صفر ولا غول۔ انرجہ مسلم۔ رما ثبت بالسنة للشيخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۶۶

۱۔ قال العلامة ابن البزازی رحمہ اللہ، ویکرہ اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث والاعداس والاعیاد۔

(الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة ج ۱)

ومثله فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۳ مطلب فی کراہۃ الضیافت من اهل المیت۔

بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا بدعت نہیں | سوال :- علماء، مشائخ اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو جھک کر چومنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کو بدعت کہنا صحیح ہے؟ جبکہ افغانستان اور بعض دیگر علاقوں میں اس کا عمومی رواج ہے؟

الجواب :- مشائخ کرام، علماء اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز ہے البتہ اس موقع پر رکوع کی سی کیفیت اختیار کر کے جھک جانا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اگر بغیر جھکے چوما جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ: وقيل لا يكره التقبيل لزهد وعلم وكبر سن قال النووي تقبيل يد الغير ان كان لعلمه وصيانتهم وزهدهم وديانتهم ونحو ذلك من الامور الدينية لم يكره بل يستحب وان كان لغناه أو جاهه في دنياه كره۔

(مرقاۃ ج ۹ ص ۷۶ باب المصافحة والمعانقة۔ الفصل الثاني) لے

تشریف میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ کافی شدت اختیار کر چکا ہے کہ نماز میں

التحیات پڑھتے وقت اشہد ان لا الہ الا اللہ کے موقع پر انگلی سے اشارہ کرنے کو بعض لوگ بدعت کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض اشخاص کی انگلیاں بھی توڑ دی گئی ہیں، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کو بدعت کہنا کیسا ہے؟

الجواب :- التحیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا احادیث نبویہ سے ثابت ہے جس کی مختلف ہیئتیں ہیں، مگر احناف کے نزدیک مختار طریقہ وہ ہے جو وائل ابن حجر کی روایت میں مذکور ہے کہ وسطیٰ واہمام سے حلقہ بنایا جائے اور خنصر و بنصر کو ہتھیلی سے ملا کر سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

كما فعل عليه السلام: عن وائل ابن حجر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولا بأس بتقبيل يد الرجل المتورع على سبيل التبرك..... الخ۔ (مراد المختار ج ۵ ص ۲۷۱ قبل فصل في البيع، كتاب الخطر والا باحة)

قال ثم جلس فافتش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ومد يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض ثنتين وحلق حلقة ثم رفع أصبعه فرأيت يحرکها يدعوبها۔ (مشکوٰۃ ص ۸۵ باب التشهد، الفصل الثاني)

ان جملہ طریقوں کو فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے لہذا اس کو بدعت کہنا علم سے دوری کی دلیل ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے ان جملہ طریقوں کو نقل کر کے مذکورہ طریقے کو رائج قرار دیا اور فرمایا ہے: والاخیر هو المختار عندنا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۲۸ باب التشهد۔ الفصل الثاني) لے

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم | سوال :- بعض حضرات عمامہ

کہتے ہیں اور اسی پر دوام کر کے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں، تو کیا عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عمامہ باندھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، افضل یہ ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھی جائے، یہی عمل مستحب ہے مگر اس پر اس طرح دوام کرنا کہ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والے پر لعن طعن کیا جائے غلو فی الدین کے مترادف ہے، جو شرعاً ممنوع ہے لہذا بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنا بد اکراہت جائز ہے تاہم اگر کسی مستحب کو وجوب کا درجہ دیا جائے تو وہ واجب الترتیب ہے۔

لما قال العلامة طاهرين عبد الرشيد البخاري: والمستحب ان يصلي الرجل

لما خرج الامام ابوداؤد: عن وائل بن حجر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قعد في الصلوة جعل قدمه اليسرى تحت فخذه اليمنى وساقه وفرش قدمه اليمنى ووضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى واشتار باصبعه وارانا عبد الواحد واشتار بالسبابة۔

رسنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۹ کتاب الصلوٰۃ۔ باب اللیاقۃ فی التشہد

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۹ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ۔

فی ثلاثة اثواب قميص وانار وعمامة - (خلاصة الفتاوى مع مجموعة الفتاوى ج ۱ ص ۳۱ الفصل السادس فی ستر العورة) لہ

میت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

میت والے گھر سے پہلے تین دن تک کھانا پینا جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- میت والے گھر سے پہلے تین روز کھانا کھانے کو فقہانے مکروہ کہا ہے ۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں : وقال ايضا يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لافي الشروع بدعة مستقبحة روى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت ومنعم الطعام من النياحة - (رد المحتار جلد ۱ ص ۶۰۳)

کتاب الجنائز، مطلب فی کراهة الضيافة من اهل الميت) - البتہ یہ حکم اس کھانے کا ہے جو میت کے گھر میں بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے ۔ اور اگر میت کے گھر والوں کو دوسرے لوگ کھانا کھلائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایک مستحب امر ہے ۔ علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے : قال في الفتح ويستحب لجيران الميت واقربائه الا بعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم و ليلتهم لقوله عليه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاءهم ما يشغلهم حسنه الترمذی وصححه الحاكم ولانه برؤ ومعروف ويلم عليهم في الاكل لان الحزن يمنعم من ذلك فيضعفون - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۳ باب صلوة الجنائز تحت مطلب فی کراهة الضيافة من اهل الميت) باقی رہی وہ صورت کہ جس میں

لہ قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ - وفيه لوصلي في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنہ كما يفعله القصار في المقصر جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الزائد ولكن فيه ترك الاستحباب حينئذ - (کبری شرح منية ص ۳۴۹ فصل فی ما يكره فعله فی الصلوة وما لا يكره)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۵۹ الباب الثالث فی شروط الصلوة ، الفصل الاول فی الطهارة وستر العورة -

ورثاء (او بیا میت) میت کے گھر کھانا تیار کر کے پھر دوسروں کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھلا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کسی خاص دن اور وقت کا تعین ضروری نہیں، تخصیصِ ایام کی وجہ سے علماء نے اس کو بھی مکر وہ کہا ہے۔

قال العلامة ابن البزائز: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للتعظيم الخ۔ والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الأكل يكره۔ اور معراج الدراية میں ہے: وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيتحرز عنها لاتهم لا يريدون بها وجه الله تعالى۔ (الفتاوى البزازية على هامش المهندية ج ۴ ص ۸۱ کتاب الجنائز) اور ایصالِ ثواب کے لیے میت کے گھر کھانا پکا کر خیرات کرنا تب جائز ہوگا جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں:-

- (۱) خیرات کرنے میں رسم و رواج پورا کرنے کی نیت بالکل نہ ہو۔
- (۲) ریاء اور نمود و نمائش کے لیے بھی نہ ہو۔
- (۳) ترکہ کی تقسیم کے بعد ہوا اور اگر قبل از تقسیم ہو تو تمام مستحق ورثاء بالغ و عاقل ہوں اور سب کی طرف سے بطیب خاطر اس کی اجازت بھی ہو ورنہ ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی بڑے وارث نے دوسروں کی اجازت کے بغیر خرچ کر لیا تو اس کی ذمہ داری دوسرے ورثاء پر عائد نہ ہوگی بلکہ خرچ کرنے والا خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔
- (۴) مالِ حلال سے ہو، سود وغیرہ حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال نہ ہو ورنہ پھر بھی ناجائز ہوگی۔

(۵) اسی طرح وقت کی تخصیص و تعین بھی اس میں نہ ہو ورنہ بدعت شمار ہوگی۔

سوال:- ایک آدمی سے روٹی غلطی سے گر گئی، روٹی کو چومنا بدعت نہیں | دیکھنے والے آدمی نے اُسے کہا کہ اس کو اٹھا کر چومو اور ادب و احترام کر دو کیونکہ ایسا نہ کرنے سے یہ بدعت دیتی ہے، اس پر پہلے آدمی نے کہا کہ نہیں تو ہم پرستی اور بدعت ہے، تو کیا ایسا کرنا واقعی توہم پرستی اور بدعت ہے؟

الجواب:- گری ہوئی روٹی اٹھالینا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا واقعی

رزق کا ادب ہے اور اسراف سے بچنا ہے، تاہم گرمی ہوئی روٹی کو چومنا اور نہ چومنے والے کو گنہگار سمجھنا اور اس نہ چومنے کو بد فالی اور بدعت کہنا درست نہیں، چونکہ رزق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس انعام الہی کی قدر کرتے ہوئے چوم لینا بھی مباح اور جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي: .. واما تقبيل الخبز فحذرہ الشافعية أنه بدعة مباحة وقيل حسنة..... ثم وقواعدنا لا تأباه۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۲) کتاب الخطر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، قبیل فصل فی البیع

بوقت ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کاٹنا | سوال :- آجکل دوکاندار بیکری ڈالنے کے لیے آسانی کی خاطر تیز چھری کے ساتھ اس کے ٹکڑے کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا روٹی کی بے ادبی اور ایک بری رسم تو نہیں؟
الجواب :- ضرورت کے وقت روٹی یا دوسری اشیاء خوردنی کو چھری کے ساتھ کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ کا عمل یا بری رسم نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وفي المجتبى لا يكره قطع الخبز واللحم بالسكين۔ (رد المختار على الدر المختار ج ۵ ص ۲۷۲) کتاب الخطر والاباحۃ، باب الاستبراء، قبیل فصل فی البیع۔

جنازہ اٹھاتے وقت ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے | سوال :- آجکل اکثر جگہ یہ قبرستان یا جنازہ گاہ لے جاتے ہوئے اسے کندھا دینے والا ہر نیا آدمی بلند آواز سے کہتا ہے ”کلمہ شہادت“ شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں؟

الجواب :- جنازہ میں شریک لوگ اگر ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں ذکر الہی کریں، آواز بلند کرنے اور نعرے لگانے کو علماء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ عبرت و فکر کا مقام ہوتا ہے ایسے وقت خاموش رہنا بہتر ہے۔

قال العلامة عبدالحی الکنہوی رحمہ اللہ: يكره رفع الصوت بالذكر والقراءة لئلا يلهي عن التفكير.

ومن معهم تحريماً وقيل تنزيهاً وينبغي ان يطيلوا الصمت ولو ارادوا الذكر ذكروا في أنفسهم. كذا في فتح القدير وفي الجواهر النفيسة شرح الدقة المنيفة: لا يرفع صوته بالذكر اي يكره رفع الصوت بالذكر والقراءة والتكبير خلف الجنائزة. رسيحة الفكر في الجهر بالذكر ۵۵ ابواب الثاني في ذكر مواضع الجهر ۱۰

میت پر قرآنی کلمات سے منقش چادر ڈالنے کا حکم | سوال :- اکثر علاقوں میں غسل اور کفن کے بعد دفنانے

کے لیے لے جاتے وقت میت پر قرآنی آیات والی چادر ڈالی جاتی ہے، کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق میت پر قرآنی کلمات سے مکتوب چادر ڈالنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر توہین اور بے ادبی کے در کی وجہ سے ڈالنا جائز نہیں۔ قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: بساط او غیرہ کتب علیہ الملك لله يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة اه ثم قال بعد اسطر قلت وظاهرة انتفاء الكراهية بمجرد تعظيمه وحفظه۔ (رد المحتار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۲)

باب المياہ، کتاب الطہارۃ ۲

۱۰ قال العلامة وهبة الزحيلي: اللغط أي رفع الصوت بذكر او قراءة والصياح خلف الجنائزة كقول استغفروا لها ونحو لما روى البيهقي ان الصحابة كرهوا رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر..... والصواب ما كان عليه السلف من السكوت في حال السير مع الجنائزة والاشتغال بالتفكير في الموت وما يتعلق به۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۵۱ مکروہات الجنائزہ)

۲۰ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: اقول في فتح القدير وتكره كتابة القرأت واسماء الله تعالى على الدراهم والمعايير والجردان وما يفرش اھ۔ وقال ما ذاك إلا لاحترامه وخشيته وطئه ونحوه مما فيه إهانة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۰ قبیل باب الشہید،

کتاب الصلوة)

اپنے لیے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک آدمی نے اپنے لیے پہلے سے قبر

تیار کر رکھی ہے جس میں کبھی کبھی وہ سو جاتا ہے، بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بھائی یہ تو بہت بڑی دعوت ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- موت کو یاد رکھنا، آخرت کے مناظر کا تصور و یقین دل میں بٹھانا اور ہر وقت سامنے رکھنا کثیر آیات قرآنیہ، احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ و مشائخ عظامؒ کے مسلسل واقعات سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کی بناء پر اعمال صالحہ میں انہماک نہایت ہی ضروری ہے، تاہم حسی طور پر قبر کے لیے جگہ خرید کر مخصوص کرنا بھی ایک اعتبار سے موت کیلئے تیاری ہے، اور موت کو یاد رکھنے کی مذکورہ صورت اور طریقہ دعوت حضرات مبلغین کے ہاں رائج ہے لہٰذا نہ تھا، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر موت کو یاد رکھنے کی نیت سے پہلے سے قبر تیار کر لے تو یہ خلاف شرع نہیں بلکہ ایسا کرنے والا اجر کا مستحق ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله (ويعفر قبرا لنفسه) ای ولا بأس به۔ والتارخانية لا بأس به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبدالعزيز والربيع بن حيثم وغيرهما۔ رمد المختار ج ۱ ص ۶۶ کتاب الجنائز، قبل الصفحة الواحدة من باب الشهيد)۔

جمعہ وعیدین کی نماز کے بعد مروجہ مصافحے کا حکم | سوال :- آج کل نماز جمعہ وعیدین کے بعد مساجد کے

اندر جو مصافحہ مروج ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر محققین علماء کرام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور بعض دیگر حضرات نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالا یلزم ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں تاہم نہ کرنا بہتر ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ونقل في تبیین المحارم عن الملتقط انه تكراه المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصعابة رضى الله عنهم ما صافحوا بعد اداء الصلوة ولا نها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية

انہ بدعتہ مکروہۃ لا اصل لہا فی الشرع وانہ فاعلہا اولاً و یعذر ثانیاً ثم قال ابن الحاج من المالیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لایخیرہ لای فی ادبار الصلوۃ فہیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنۃ۔ (رد المحتار ج ۵) ^{۲۵۲} وایضاً فی النسخۃ الاخری۔ (رد المحتار ج ۵) ^{۲۵۳} کتاب الخطر والاحۃ) لہ

بغیر عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم | سوال :- ہمارے ہاں بعض سجادہ نشین حضرات اپنے مردوں کو بڑے اعزاز کے

تابوتوں میں دفن کرتے ہیں، بعض لوگ اس کو بدعت اور بعض جائز کہتے ہیں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز لوہے کا تابوت استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- بغیر کسی شدید عذر کے مرد میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر میت عورت ہو تو پھر تابوت میں دفن کرنا افضل ہے بشرطیکہ تابوت لکڑی کا ہو، لوہے کا تابوت استعمال کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: (روکایاں باتخاذ تابوت ولو من حجر او حديد له عند الحاجة كرخاوة الارض) قوله لا بأس باتخاذ تابوت ای یرخص ذلک عند الحاجة والا کراه قد منّا آنفا۔ قال فی المحلیۃ نقل عن غیر واحد عن الامام ابن الفضل انه يجوز في ارضيهم ليرثها۔ وقال لكن ينبغي ان يفرش فيه التراب.... والسنۃ ان يفرش في القبر التراب ثم لم يتعقبوا الرخصة في اتخاذ من حديد بشئ ولا شک فی کراہتہ کما هو ظاهر الوجه۔ (رقولہ لہ) ومفهومہ انہ لا بأس بہ للمرأة مطلقاً وبہ صرح فی شرح المنیۃ فقال وفي المحيط واستحسن مشائختنا اتخاذ التابوت للنساء یعنی ولو لم تکن الارض الروحۃ فانه اقرب الستر والتحرر عن مسها عند الوضع فی القبر۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ کتاب الجنائز)

لہ قال العلامة الحصکفی: ما نقلہ عنہ شارح المجمع من انها بعد الفجر والعصر ليس بشئ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷ کتاب الخطر والاباحۃ)

وَمِثْلُهُ فِي مائَةِ مَسَائِلِ ۶۸ - سوال چہل و پنجم۔

دُعَا بَعْدَ الْجَنَازَةِ كَحُكْمِ [سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مشروع ہے یا ممنوع، اگر مشروع ہو تو اس کا اذان عید سے کون سا فرق ہے کہ وہ ممنوع

ہے اور یہ نہیں؟

الجواب: نماز جنازہ کے بعد اسی حالت میں دعا کا التزام تو بدعت ہے لیکن اگر کسر اصفوت کے بعد ہو اور بلا التزام ہو تو ممنوع نہیں البتہ دعا قبل السلام پر اکتفاء کرنا افضل اور قول منصوص ہے۔ **دلیل:** کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس دعا کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کما لا یخفی علی من راجع الی کتب الحدیث اور علامہ ابن الہمام وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، ویؤیدہم ما رواہ ابو داؤد ۱۶۳ اِنَّ مَا سَلَتْ عَنْهُ فَمَوْعُفٌ۔ لہذا دعا بعد الجنازہ جو کہ بذات خود بڑی عبادت ہے مباح اور جائز ہوگی بخلاف اذان عید کے، کیونکہ اس کے متعلق نہ کرنے کی روایت ثابت ہے۔ وهو ما رواہ ابو داؤد ۱۶۳ اِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ وَلَا أَقَامَةٍ وَأَيُّا بَكْرٍ وَعَمْرٍ۔ (ابو داؤد ۱۶۳ باب ترک الاذان فی العید) یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے نماز عید کو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھا، پس عدم الروایت اور روایت العدم اور عدم ذکر اور ذکر عدم میں فرق نہ کرنا عبادت یا جہالت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب: اگر کوئی یہ کہے کہ دعا بعد الجنازہ کے متعلق حدیث وارد ہے تو ہو ما رواہ ابو داؤد: اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ ۲۳ باب الدعاء لمیت الجنائز۔ جب تم میت پر جنازہ پڑھتے ہو تو اس کے لیے دعائیں اخلاص کیا کرو نیز امام کا سانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع جلد ۳ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ نماز جنازہ فوت ہوئی آپ نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الصلوٰۃ علی الجنائز لا تُعَادُ وَالْكَفَّ ادْعُ لِمَيِّتٍ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ کتاب الجنائز) یعنی نماز جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے گی لیکن اس میت کے لیے دعا اور استغفار کرو۔ وروی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاتتہما صلوٰۃ علی جنازۃ فلما حضرا ما زاد علی الاستغفار له۔ وروی عن عبد اللہ بن سلام اِنَّهُ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَى جَنَازَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَلَمَّا جَهَزَ قَالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِي بِالْدُّعَاءِ لَهُ۔ انتہی (بدائع الصنائع ج ۳ فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنائز) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک میت پر نماز جنازہ فوت

ہو گئی تو انہوں نے حاضری کے وقت اس میت کے لیے صرف استغفار پر اکتفاء کیا، اور عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ ادا کرنا فوت ہوا تو لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ مجھ پر نماز جنازہ میں سبقت لے گئے تو مجھ پر دعا کرنے میں سبقت نہیں لے سکتے، یعنی مجھ سے دعا تو فوت نہیں کر سکتے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مرفوعہ میں دعا سے مراد دعا قبل السلام ہے، محدثین اور فقہاء نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ اور جن روایات کو صاحب بدائع الصنائع نے ذکر کیا ہے تو ان میں اس شخص کے دعا کرنے کا ذکر ہے جس کے نماز جنازہ فوت ہوا ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے۔

سلفینہ کسے دلیل کا جائزہ: اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کی ورنہ منقول اور مروی ہوتا، اور بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تو اس سے اس دعا کا بدعت اور مکروہ ہونا لازم نہیں آتا ورنہ قرائض کے بعد ہیئت اجتماعی سے دعا کرنا اور قرآن مجید کا پشتو اور اردو وغیرہ میں ترجمہ کرنا بھی بدعات ہوں گے حالانکہ یہ امور بدعات نہیں ہیں، بس اسی طرح دعا بعد الجنازہ بھی بدعت اور مکروہ نہ ہوگا۔ ہمارے جن مشائخ، فقہاء اور مفسرین نے اس دعا کو مکروہ کہا ہے تو کسی نے بھی اس کراہت کو اس سلفی دلیل پر پناہ نہیں کیا ہے انہوں نے دیگر دلائل سے اس مدعی کو میرہن کیا ہے۔ ایک تو ہم کا ازالہ: بعض وہ لوگ جو کہ دیوبندیت اور خفیت کے لباس میں نجدیت اور سلفیت کی اشاعت کرتے ہیں صاحب ہدایت اور ملا علی قاریؒ کی بعض مختصر عبارات سے تمسک کرتے ہیں کہ جو کام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت ہوگا، یہ ان لوگوں کی خود غرضی اور مطلب پرستی ہے، کیونکہ حدیث صرف فعل رسول کا نام نہیں ہے، حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول، فعل، تقریر تینوں کو کہا جاتا ہے، آپ کی عبارات، اشارات، دلالت، اقتضاء، اعتبار کوئی بھی بدعت نہ ہو۔ مزید تفصیل کے لیے التعلیق المجدد (۱۴۴) باب قنوت الفجر کو مراجعت کیا جائے۔ فقہاء کرام کسے آراء: اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے دعا بعد الجنازہ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے البتہ امام فضلی بخاریؒ سے جواز مروی ہے۔ کافی البحر (ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز) وعن الفضلی لا بأس به۔ انتہی

بیزواضح رہے کہ ان مشائخ دمانعین میں سے بعض نے دلیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اور بعض نے ملا علی قاری رحمہ اللہ زیادت علی الجنازہ کو مبنی قرار دیا ہے، حیث فی المرقاة (ج ۳ ص ۳۴) کتاب الجنائز

لَا تَنْتَهِیْ الزَّیَادَةَ فِی صَلَوةِ الْجَنَازَةِ۔ اور بعض نے صاحب ہدایہ نے (تکرار جنازہ کے معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جِثْ قَالَ لَا تَنْتَهِیْ دَعَا مَرَّةً لِأَنَّ أَكْثَرَهَا دَعَاءٌ۔ (البزازیة علی هامش الہندیة ج ۴ ص ۹ کتاب الجنائز) یعنی نماز جنازہ میں مقصود دعا ہوتی ہے، تو گو یا نماز جنازہ دعا سے عبارت ہے، پس دعا کرنے سے تکرار جنازہ کا تو ہم لازم ہوگا۔ اور اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سلام سے قبل دعا کرنے کے باوجود اگر دعا بعد السلام کی جائے تو تکرار دعا لازم ہوگا کیونکہ تکرار دعا بذات خود ممنوع نہیں ہے ورنہ اوقات خمسہ میں سلام سے قبل دعا کرنے کی وجہ سے دعا بعد السلام کا ممنوع ہونا لازم ہوگا۔

پس بناءً بر تحقیق یہ کراہت تشبیہ پر مبنی ہوگی کہ اس دعا سے نماز جنازہ پر زیادت اور توہم تکرار لازم آتے ہیں، جیسا کہ فرائض کے بعد متصل اسی مکان میں سنت پڑھنا بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ تشبیہ اس وقت لازم ہوتی ہے جب صفوف میں کھڑے ہو کر دعا کی جائے اور چونکہ کسر الصفوف کے بعد یہ تشبیہ موجود نہیں رہتی لہذا کراہت بھی نہ ہوگی۔ ویشیر الیہ تعبیر ہم بلا یقوم بالدعاء مع کون التعبیر بلا ید عوّاخصر۔

التزام بدعت ہے : چونکہ یہ دعا نہ لازم اور واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ یا زائد ہے لہذا اس کا واجب اور سنت ماننا یا اس کے تارک پر انکار کرنا بدعت ہوگا جیسا کہ اس کے مطلق فاعل کو مبتدع قرار دینا منکر ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ ایک خاص طریقے سے

مروجہ قضاء عمری بدعت ہے

رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نماز باجماعت اس عقیدے کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس سے ساری عمر کی قضا نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ عرف عام میں اس کو قضاء عمری کہا جاتا ہے اور اس کے اثبات میں لیلۃ التعریس اور خندق والی احادیث پیش کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب : قضاء عمری جو بعض علاقوں میں متعارف طریقہ سے ادا کی جاتی ہے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ نماز پڑھی ہے اور نہ اس کی ترغیب فرمائی ہے، اسی طرح یہ نماز آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے قول یا فعل سے بھی ثابت نہیں، ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام و نشان نہیں۔ اس بناء پر یہ نماز یقینی طور بدعت ہے اور اس کا فاعل از روئے شریعت مبتدع ہے۔ کتب حنفیہ کی طرف اس کے جواز و طریقہ کو منسوب کرنا کذب بیانی اور ائمہ دین پر افتراء ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں قضاء نماز کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اور ہے اور مروجہ قضاء عمری اور چینیہ ہے، اس میں تو صرف پانچ نمازوں کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھ کر پوری عمر یا ستر، اسی سال کی قضاء شدہ نمازوں کا قائم مقام اور ان کے لیے جبرہ و کفارہ سمجھا جاتا ہے، اور کتب فقہ حنفی میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاء کے طور پر پڑھنے کا طریقہ مذکور ہے، یعنی اگر پوری عمر کی قضاء نمازوں کی تعداد ہزار ہو تو ہزار نمازیں پڑھی جائیں گی اور اگر لاکھ ہوں تو لاکھ، اور ان دونوں طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رہی وہ حدیث جس پر مروجہ قضاء عمری کی بناء ہے تو ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین نے اس کو موضوع یعنی خود ساختہ قرار دیا ہے جس سے استدلال جائز نہیں۔

(۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حدیث من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من رمضان کان جابراً لكل صلوٰۃ فائتة فی عمرہ الى سبعین سنة باطل قطعاً لانه مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا یقوم مقام فائتة سنوۃ ۱۸۔
الموضوعات الکبیر ص ۲۲۲ رقم حدیث ۹۵۳ حرف المیم)

(۲) علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: حدیث من صلی فی آخر جمعة من رمضان خمس صلوٰۃ من الفرائض فی الیوم واللیلة قضت عنه ما أخل به من صلوٰۃ سنتہ ۱۸۔ ہذا موضوع لاشک فیہ ولم اجدہ فی شیء من الکتب الّتی جمع مصنفوها فیہا الاحادیث الموضوعة ولكنہ اشہر عند جماعة من المتفقهة بمدیة صنعاء فی عصرنا ہذا و صار کثیر منهم یفعلون ذلک ولا ادری من وضعہ لم یقیم اللہ الکذابین۔ انتہی (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة ص ۵۲ النوع الثامن صلوٰۃ المفیدة بايام الشهور و بیالیال منها)

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: الخامس ان یکون الحدیث مخالفاً لمقتضى العقل والنقل وتکذبہ القواعد الشرعیة مثل حدیث

قضاء العمری ونحوہ۔ انتہی (العجالة النافعة من فی بیان قرائن وضع الحدیث)
(۴۲) علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: واقیم من ذلك ما اعتید فی بعض البلاد من
الصلوة الخمس فی آخر جمعة من رمضان عقب صلواتها زاعمین انها تکفر صلوة
العام او العمر المتروكة وذلك حرام بوجوه لا تغفل۔ انتہی

(تحقق منها ج النروی ص

کیا ان مذکورہ تصریحات سے اس حدیث کا موضوعی ہونا اظہر من الشمس ثابت نہیں ہوا؟
اب اس کے باوجود بھی جو لوگ حدیث مذکور کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر
قضاء عمری کے اثبات کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے
کیونکہ معاند کا علاج ممکن نہیں۔

نیز یہ متعارف قضاء عمری چند مفاسد پر مشتمل ہے جن سے بچنا حد درجہ ضروری ہے
وہ یہ کہ اس نماز کے متعلق عوام اور بعض کم علم خواص بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے عمر بھر
یا ستر سال یا کم از کم ایک سال کی فوت شدہ نمازیں قضاء ہو کر ان سے ذمہ فارغ ہو
جاتا ہے جیسا کہ اس نماز کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس نماز
کے لیے جس قدر اہتمام کرتے ہیں دوسرے فرائض و واجبات کے لیے اتنا اہتمام نہیں کرتے
بلکہ ان سے نہایت بیدارگانہ طریقہ سے ناغہ کر کے یہ خیال اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قضاء عمری
کی ایک نماز سے یہ سب کی سب ادا ہو جائیں گی، حالانکہ یہ اعتقاد بتصریح فقہاء اسلام
موجب کفر ہے۔ فتاویٰ الہندیہ میں ہے: ”دَجَلٌ یُّصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ لَا غَیْرَ وَ یَقُولُ
اِیْنَ خُودٌ بَسِیْرٌ اَسْتُ اَوْ یَقُولُ زِیَارَتِ مِیْ اَیْدٍ لَا نَکَلْ صَلَوةً فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ
سَبْعِیْنَ صَلَوةً یُکْفِرُ۔ انتہی۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۲۶۸ باب التاسع فی
احکام المرتدین ومنها ما یتعلق بالصلوة والصوم والزکوة) لہ

نیز فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ قضاء نماز اس طرح پڑھنا کہ دیکھنے والے کو پورے
معلوم ہو کہ یہ قضاء نماز پڑھی جا رہی ہے مگر وہ تحریمی ہے خواہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو۔
قال العلامة الحسکفی: ویکفر قضاءها فی المسجد لان التأخیر معصیة فلا

یظہرہا۔ وفي رد المحتار: ويظهر من تعليلها ان المكروه قضاءها مع الاطلاع عليها ولو في غير المسجد۔ اجم رد المحتار على الدر المختار ج ۲۹۵ قبيل باب السجود، باب قضاء الفوائت (علامہ حصکفی) مزید فرماتے ہیں: وينبغي ان لا يطلع غيره على قضاءه لا تاخير معصية۔ اور علامہ ابن عابدین اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: قلت والظاهر ينبغي ههنا للوجوب وان الكراهة تعزيمية لان اظهار المعصية لمعصية لحديث الصحيحين كل امتي معاني الا المجاهرين وان من المجاهر ان يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يصبح وقد ستره الله عليه فيقول عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۲۹۵ قبيل باب السجود، باب قضاء الفوائت) چونکہ قضاء عمری کی اس مروجہ نماز میں بھی دوسروں کو اطلاع اور اعلان پایا جاتا ہے لہذا یہ بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔

باقی غزوہ خندق اور لیلۃ التعلیس کی احادیث سے بھی اس کا اثبات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں صرف یہی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار ثعلبہ نوم یا جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے ایک یا چند نمازیں قضاء ہوئی تھیں اور نیند سے اٹھنے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً وہ تمام نمازیں پڑھ لی گئی تھیں۔ ان میں نہ تو رمضان کا ذکر ہے اور نہ آخری جمعے کا اور نہ یہ کہ وہ تمام عمر کی قضا نمازوں کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں۔

بہر حال شریعت مقدسہ قضاء نمازوں کے متعلق اپنا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہوں ان سب کا پورا پورا پڑھنا فرض ہے اس کے بغیر ان سے زمرہ فارغ نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من نام عن صلوة او نسيها فليصلها اذا ذكرها لا كفارة لها الا ذلك۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۲ باب من نسي صلوة فليصل اذا ذكرها لا يعيد الا تلك الصلوة)

فقہاء کرام، ائمہ جرح و تعدیل، محدثین کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں مروجہ قضاء عمری کو ہم بدعتِ قبیحہ اور مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

سوال:۔ آج کل اکثر علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت جیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت کے ساتھ قرآن مجید قبرستان لے جاتے ہیں اور قرآن مجید پر کچھ نقد رقم رکھ کر چند آدمی آپس میں اس کو بھراتے ہیں اور اس طریقے کو اسقاط کہا جاتا ہے

اور اس کے جواز میں قرآن کریم کی آیت **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (الآیۃ) پیش کی جاتی ہے،
ازراہ کرم اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق پوری وضاحت فرمائیں؟

الجواب :- واضح رہے کہ جس مکلف (عقل، بالغ مسلمان) سے نماز اور روزہ عمدًا یا غیر عمدًا فوت ہوئے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان کی باقاعدہ قضاء کرے اور قضاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم ہوگا اور زندگی سے مایوسی کے وقت اس پر وصیت کرنا ضروری ہوگا، یعنی وہ وصیت کرے گا کہ اس کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) سے ہر نماز اور روزہ کے بدلے میں دو دوسیر (انگریزی) گندم یا اس کی قیمت مسا کین کو ادا کی جائے اور ایسی وصیت نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم اور گنہگار مرے گا، البتہ اگر اس شخص کا مال نہ ہو یا مال کا ایک تہائی (۱/۳) فراغت ذمہ کے لیے ناکافی ہو یا اس نے جہل، فسق یا سستی کی وجہ سے فدیوں کے بارہ میں وصیت نہ کی ہو تو وارث وغیرہ اس میت کی طرف سے باقاعدہ جیلہ اسقاط کر سکتے ہیں۔

(۱۷۰ المختار ج ۱ ص ۹۱) باب صلوة الجنائز، مطلب فی اسقاط الصلوة عن الميت
جیلہ کی تشریح | جیلہ یا مخرج اس مباح کام اور کفار کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی مقصود کی طرف پوشیدہ طریقہ سے رہائی حاصل ہو۔ کما فی المفردات (۱۳۸) **الْجِلَّةُ مَا يَتَوَقَّلُ بِهِ إِلَى حَالَةٍ مَا خَفِيَةٍ**۔ انتہی۔ وفی فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۷۷) ہی ما یتوقل بہ الی مقصود طریق خفی۔ انتہی

جیلہ کی اقسام | جیلہ کی بہت سی اقسام ہیں ان میں سے بعض یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔
(الف) وہ جیلہ ہے جو کہ تحلیل حرام کے لیے ہو اور ابطال شریعت کے لیے ہو، جیسا کہ اصحاب البیت نے تحلیل صید کے لیے کیا تھا اور بعض یہود نے تحلیل شحم (چربی) کے لیے کیا تھا (رواہ البخاری) یہ جیلہ بلا شک و شبہ حرام اور ناجائز ہے۔

(ب) وہ جیلہ ہے جو کہ حرام سے بچنے اور فراغت ذمہ اور اسقاط واجب کے لیے ہو، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا، اور جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض غیر شادی شدہ کے لیے کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد ص ۶۱۲۔ **قَالَ لَوْ مَا زَيْنًا بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مِنَ الْفَتْرِ مِثْلَ الَّذِي هُوَ بِهِ لَوْحَلْنَا إِلَيْكَ لَتَفْسَحَتْ عِظَامُهُ مَا هُوَ إِلَّا جِلْدٌ عَلَى عَظْمٍ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْخُذَ وَالَهُ مِائَةً شِمْدًا خَافِضَةً بِهَا ضَرْبَةً وَاحِدَةً**۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الحدود باب فی إقامة الحد علی المریض)

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص جس سے زنا صادر ہوا تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا کے متعلق بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اس جیسا کہ تکلیف میں بتلاہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا ہے، اگر ہم اس کو یہاں لائیں تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، اس کی ہڈیوں پر صرف چمڑا رہ گیا ہے۔ پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کو خرمک کے ایک گچھا سے جس کی سوشا خیں ہوں، ایک دفعہ مار جائے اور یہ جیلہ جائز ہے، نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے۔ اور یہی مروی ہے عطاء اور امام شعبی، اور اس کو احناف، شوافع اور حنابلہ نے مختار کیا ہے بخلاف مالکیہ اور سلفیہ کے جن کے نزدیک یہ جیلہ مشروع نہیں ہے۔ فلیراجع الی تفسیر القرطبی ج ۱^{۲۱۳} و شرح الاشیاء للمصوی ص ۷۱۸ و فتح الباری ج ۱۲^{۲۴۵} کتاب الحیل

فقہاء کرام کی آراء | جیلہ اسقاط جس طرح باصلہا ثابت ہے تو اسی طرح فقہاء کرام خصوصاً وہ فقہاء جن سے اکابر دیوبند فتاویٰ نقل کرتے ہیں نے اس کی مشروعیت پر تصریح کی ہے۔ (فلیراجع الی رد المحتار ج ۱ ص ۶۸ و الطحاوی ص ۲۶۳ و الشرح الکبیر و خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۳ و البحر ج ۲ ص ۹ و الاشیاء و التظاہر ص ۱۸ و ہکذا فی غیر واحد من الفتاویٰ) لہذا اس جیلہ کی مشروعیت میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

شرائط | البتہ اس جیلہ کی مشروعیت کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں جن کی رعایت نہایت

ضروری ہے۔

(الف) یہ کہ عدم وصیت کی صورت میں ورثاء میں غائب اور نابالغ نہ ہوں کیونکہ ان کے اموال سے تبرع ناجائز ہے۔

(ب) یہ کہ دائرہ میں صرف مسکین بیٹھے ہوں، غنی کو دینے سے فراغت ذمہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(ج) یہ کہ مسکین کو واقعی تملیک کیا جائے نہ کہ فرضی اور لسانی، ورنہ اس جیلہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ رکمانی منہ الجلیل ج ۱^{۲۲۵} و یجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع

للفقیر الہزل و الحیلۃ ان یدفعہا حقیقۃ لا تحیلًا ملاحظًا ان الفقیر اذا ابی عن الہبۃ الی الوصی کان لہ ذلک ولا یجبر علی الہبۃ۔ انتہی۔)

خلاصہ یہ کہ وصی وغیرہ پر ضروری ہے کہ مسکین کو تھیلی وغیرہ دینے کے وقت حزل یا حیلہ کا ارادہ نہ کرے گا بلکہ اس تھیلی وغیرہ کا مسکین کو واقعی اور حقیقی تملیک کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر یہ مال کافی

مقدار میں ہو اور جیلہ کرنے کے وقت حج کے لیے داخلہ کا اعلان ہوا ہو تو اس مسکین پر حج فرض ہو گا، دوسرے شخص کو ہبہ کرتے سے یہ فریضہ ساقط نہ ہوگا اور یہ ملحوظ رکھے گا کہ اگر مسکین نے واپس دینے سے منع کیا تو یہ اس کے لیے درست ہوگا اور اس کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

فقہاء کوام کے جیلہ اسقاط اور مروجہ اسقاط میں فرق (۱) فقہاء اپنے اسقاط کو جیلہ اسقاط سے تعبیر کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اسقاط نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب، کیونکہ جیلہ کی شرعی حیثیت اس طرح نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت ایاحت کی ہو سکتی ہے، وہ بھی تب جبکہ اس میں محرمات شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو، جبکہ مروجہ اسقاط کی حیثیت عوام الناس میں فرض و واجب سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس کو پورا کرنے میں قطعی فرائض چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی
بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یضی بما علیہ ان لہ
لم یضق الثلث - الم - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۹۲) باب الفوائت، تحت مطلب فی یطلان الوصیۃ
بالاحتیات والتہلیل

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ فعل دور کا یہ جیلہ اسقاط صرف ان اموات کے لیے ہے جو فقیر اور غریب ہوں یعنی ان کے ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اس میں شرعی طریقہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ فی نماز اور فی روزہ شرعی نصف صاع گندم یا پورا صاع جو پورا ہو سکے، امراء اور اغنیاء کے لیے یہ جیلہ اسقاط ایجاد نہیں کیا گیا ہے، لیکن عوام میں اس جیلہ کا استعمال صرف فقراء اور غریب اموات کے لیے نہیں بلکہ امراء، اغنیاء اور سلاطین تک کے لیے یکساں طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جن اموات کے ترکہ میں سے پورا فدیہ ادا کیا جاسکتا ہو ان کے ترکہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا پورا فدیہ نہ نکالنا ضروری ہے بشرطیکہ میت نے اس کی وصیت بھی کی ہو اور ثلث ترکہ میں وہ پورا ہو سکتا ہو، نہ کہ ان کے لیے بھی مروجہ جیلہ اسقاط پر عملدرآمد کیا جائے۔

(۳) یہ بھی فقہاء کی کتابوں میں بھراحت مذکور ہے کہ اگر میت مالدار ہو اور اس نے وصیت بھی نہ کی ہو تو میت کے اولیاء پر یہ جیلہ اسقاط لازم نہیں ہے، نہ ان میں سے ایک وارث دیگر تمام وارثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ میں سے کچھ بھی اس طرح کے جیلوں پر خرچ کر سکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً ایسا

کرنے کا مجاز نہیں ہے، اور اگر کسی وارث نے دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو شرعاً دوسرے وارثوں کو یہ ضامن ہوگا، فتاویٰ بزاز یہ ہیں اس کی تصریح موجود ہے، جبکہ مرقیہ اسقاط میں اس کا خیال اصلاً نہیں کیا جاتا بلکہ ہر حالت میں اس کو لازم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر ورثاء میں کوئی نابالغ یا غیر حاضر ورثاء بھی موجود ہوں یا حاضر ورثاء ناراض ہوں تو اس وقت بھی ان میں سے جو بڑا وارث ہو وہ لازماً یہ اسقاط کر کے تمام ورثاء کا بے جاتی تلف کرے گا اور خرچ کیا ہوا مال تمام ورثاء کے ذمہ مشترکہ مشترکہ طور پر ڈالا جائے گا، حالانکہ یہ شریعت مقدسہ کے سراسر خلاف ہے۔

(۴) فقہانے مال اسقاط کا مصرف فقراء اور مساکین کو قرار دیا ہے، کوئی خاص طبقہ اس کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا ہے نہ اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا گیا ہے، مگر عوام کے اسقاط میں ایک طرف مخصوص طبقہ اس کے لیے مقرر ہے کہ اگر اس طبقہ کے علاوہ اسقاط کا مال شہر کے دوسرے فقراء و مساکین یا یتیموں اور یتیموں وغیرہ پر تقسیم کیا جائے تو یہ اسقاط ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اس کے لیے جنازہ کا خاص وقت مقرر کیا گیا ہے جو اس سے آگے پیچھے کیا ہی نہیں جاسکتا، نہ آگے پیچھے کرنے کو وہ جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

(۵) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل دور سے قبل میت کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا حساب کیا جائے گا، پھر جتنا مال برائے فدیہ یعنی اسقاط مقرر کیا گیا ہو اس کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ کتنی نمازوں کے لیے فدیہ ہو سکتا ہے، تو اس حساب سے نمازوں کے لیے وہ فدیہ بن سکتا ہے فعل دور اس اندازے کے مطابق اس وقت تک جاری رکھا جائے گا کہ پوری عمر کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہو سکے یعنی فعل دور پوری نمازوں کے اندازے اور تعداد کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ اس سے کم۔ جبکہ عوام کے اسقاط میں فعل دور صرف تین دفعہ کیا جاتا ہے اگرچہ یہ تین دفعہ کا دور پوری نمازوں کے لیے کافی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو، نیز میت کی نمازوں کا حساب بھی نہیں کیا جاتا اور نہ ہی فدیہ کا اندازہ معلوم کیا جاتا ہے۔

(۶) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس حلقہ میں مال اسقاط کا دور کیا جانا ہو اس میں غنی اور مالدار آدمی ہرگز نہ ہو، کیونکہ غنی اور مالدار کے لیے واجب فدیہ کا مال لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، لہذا دور کے حلقہ میں کوئی غنی اور مالدار ہرگز نہ ہوگا، لیکن عوام کے اسقاط میں جو لوگ دور میں شریک

ہوتے ہیں وہ اکثر مالدار اور غنی ہوتے ہیں بن کے لیے صدقات واجبہ کا مال لینا قطعی طور پر حرام ہوتا ہے، لہذا یہ مروجہ اسقاط فقہاء کا اسقاط ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۷) عوام کے اسقاط میں قرآن مجید کو جزو فدیہ بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے بغیر کوئی اسقاط کیا ہی نہیں جاتا حالانکہ معتبر کتب فقہ میں جہاں اسقاط کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہاں قرآن مجید کے متعلق اس بات کا نام و نشان نہیں ملتا کہ اس کو بھی مال اسقاط کا جزو بنا کر پھرایا جائے۔ اس موقع پر بعض ائمہ مساجد قرآن کریم کے ساتھ بیع کا ایک معاملہ کرتے ہیں جو نہایت غلط بھی ہے اور پر فریب بھی۔ چنانچہ میت کے وارث کا اگر اپنا کوئی قرآن نہ ہو تو یہ ائمہ حضرات اس پر دوسرے شخص کا قرآن ہزار دو ہزار روپیہ پر دھڑلا فروخت کرتے ہیں، اس میں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب ہزار دو ہزار روپیہ پر قرآن مجید فروخت کر کے پھر اس کو مال فدیہ کے ساتھ جزو بنا دیا جائے تو فدیہ کی تعداد زیادہ ہو جائے گی کیونکہ فدیہ کے ساتھ دو ہزار روپیہ کا قرآن بھی شامل کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ بیع اولاً تو بیع ہی نہیں کیونکہ یہ بیع دھڑلا ہے جدا نہیں ہے، اور ثانیاً علمائے فقہ و اصول لکھتے ہیں کہ دھڑلا بیع شرعی بیع نہیں ہے نہ اس سے بیع کسی کی ملکیت میں آتی ہے، تا وقتیکہ ہزل سے اعراض کر کے تانیا بطور جدا بیع نہ کی جائے۔ ثانیاً بالفرض اگر یہ بیع منعقد ہو بھی جائے تو فدیہ کے ساتھ قرآن مجید رکھنے سے فدیہ کی تعداد ہزار دو ہزار روپیہ تک کیسے بڑھ سکتی ہے جبکہ ہزار دو ہزار اس کی قیمت نہیں بلکہ من بذمہ مشتری مقرر کیا گیا ہے، اور فدیہ میں اگر شامل ہو سکتی ہے تو صرف قرآن مجید کی اصلی قیمت اور مالیت شامل ہو سکتی ہے جو ظاہر ہے کہ ہزار دو ہزار نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپے تک پہنچ سکتی ہے فقہاء کرام کے اسقاط میں اس قسم کی پُر فریب چالوں کا اصلاً ذکر نہیں ہے یہ صرف مروجہ عوامی اسقاط ہی میں پائی جاتی ہیں۔

(۸) فقہاء کرام کے نزدیک اسقاط صرف اس دور کو کہتے ہیں جو حلقہ کے اندر کیا جائے اس سے ان کے نزدیک اسقاط پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد مال کی تقسیم و ثناء کے ذمہ پر فرض یا واجب نہیں ہے نہ اس پر کسی درجہ میں اسقاط کا توقف ہے اور اپنی مرضی سے اگر صدقہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ کل مال تصدق کریں یا انہیں لوگوں پر تصدق کریں جو میت کی چار پائی کے ارد گرد حلقہ بناٹے ہوئے بیٹھے ہوں بلکہ اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی خرچ کر دیا جائے اور حلقہ والوں کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین

کو دیا جائے تب بھی ثواب ملے گا اور اسقاط میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس مروجہ دور اسقاط کے بعد مال کی تقسیم بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسقاط ہو ہی نہیں سکتا، یا کم سے کم مکمل نہیں ہو سکتا اور یہ تقسیم بھی ان لوگوں پر ضروری ہے جنہوں نے محنت کر کے دور کا عمل کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین پر اگر یہ مال تقسیم کیا جائے تو پھر اپنے اسقاط کا تماشا دیکھ لیں کہ اس کی کیا گت بنتی ہے۔

(۹) ان تمام چیزوں کے علاوہ ننانوے فیصد لوگ اس اسقاط کو ایک رسم اور رواج سمجھ کر ریا اور نمائش کے لیے کرتے ہیں یا اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی بدنامی نہ ہو اور لوگ ان کا مذاق نہ اڑائیں، ایسے لوگوں کی نیت اصلاً ثواب کی نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر ریا و نمود و نمائش یا بدنامی سے بچنے کے لیے خواہ لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جائے اس کا ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملتا۔ لہذا ایسے اسقاطوں میں میت کو بھی کوئی ثواب یا نفع نہیں پہنچتا ہے، البتہ اسقاط کرنے والوں کی لوگوں میں نیک نامی ضرور ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بھی دنیوی منفعت مل جاتی ہے جن کے ہاتھ اسقاط میں چند روپے آجاتے ہیں، میت بے چاری کو اس طرح کے اسقاطوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) اس کے علاوہ عوام کے اسقاط میں مال کی تقسیم بھی بڑے غلط طریقہ سے کی جاتی ہے، یعنی جو لوگ عزت دار اور ذی وجاہت ہوتے ہیں اور کسی بڑی مسجد کے پیش امام ہوتے ہیں ان کو تو دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ روپے دیتے ہیں اور غریب محتاج طاہر^۱ یادگیر فقراء و مساکین جو کسی مسجد کے پیش امام نہیں ہوتے ہیں ان کو ایک یا دو آنے دیئے جاتے ہیں۔ اب انصاف سے کہیے کہ یہ تمام چیزیں عوام کے مروجہ اسقاط میں پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر پائی جاتی ہیں اور یقیناً پائی جاتی ہیں تو براہ کرم یہ بھی بتائیے کہ مروجہ اسقاط کو فقہاء کے اسقاط کے ساتھ کوئی مماثلت ہے یا نہیں؟ پھر کس طرح یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اسقاط کا ذکر کیا ہے اس لیے عوام الناس میں جو اسقاط رائج ہے یہ بھی جائز ہوگا کیونکہ اس کا نام بھی اسقاط ہے۔ حاشا وکلا۔

اس بناء پر اسقاط کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر کہیں یہ اسقاط فقہاء کے

کے تعلیم کردہ اسقاط کے موافق کیا جانا ہو اور اس میں مندرجہ بالا مفاسد میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو وہ جائز اور کارِ ثواب ہوگا بشرطیکہ اس کو فرض یا واجب جان کر نہ کیا جائے اور اگر مندرجہ بالا مفاسد میں سے بعض مفاسد اس میں پائے جاتے ہوں تو وہ اسقاط ان مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ کارِ ثواب۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ پہلے قانونِ وراثت کی رو سے میت کے ترکہ میں سے پہلے اس کا فرض ادا کریں اس کے بعد وراثہ کے مابین شرعی قانون کے مطابق باقیماندہ ترکہ تقسیم کر کے ہر ایک وارث کو اپنا اپنا حصہ دیدیوں، اس کے بعد وراثہ میں سے کوئی اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے جتنا مال چاہے خرچ کرے، یہی صحیح اور شرعی طریقہ ہے جو کہ سلف صالحین سے منقول ہوتا چلا آیا ہے اور قرآن و حدیث کے احکامات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ كِى شَرْعِي حَيْثِيَّتْ | سوال :- محرم المقام جناب مفتی صاحب

ایک مسئلہ ہمارے ہاں بڑے نزاع کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ عَلَى الْاِطْلَاق اور بعض کا کہنا ہے کہ دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ ضرور کرنی چاہیے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

الجواب :- دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ ایک حرکتِ الاراء مسئلہ بن چکا ہے بعض لوگ اسی دعا کے ترک کرنے میں انتہا کر جاتے ہیں اور اتنا غلو کر جاتے ہیں کہ اس عمل کو مطلقاً بدعت قرار دیتے ہیں اور بعض غلو سے کام لے کر بالالزام دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ راہِ امتدال سے ہٹ کر مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت مقدسہ نے دعا کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ اجْتِمَاعِيَةٍ اور افراداً دونوں طرح ثابت ہے۔ نیز احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دُرُ الصَّلَاةِ دعا مانگنے کی ترغیب بھی وارد ہوئی ہے جبکہ دُرُکِ اِطْلَاق جعفریہ متون کے مشتمل وقت پر ہوتا ہے اسی طرح مفصل وقت یعنی سنتوں کے بعد پر بھی ہوتا ہے لہذا اگر اُکْثَرُ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ بِالْاِزْمَامِ مانگی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قبحیت نہیں۔ مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ کو فقہ و فساد کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

کَمَا قَالَ الْعَلَامَةُ يُوْسُفُ الْبَنْوَرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی الدُّعَاءُ لِلْاِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ وَالْمُنْفَرِدِ مُسْتَحَبٌّ عَقِبَ كُلِّ صَلَاةٍ بِاِخْلَافٍ وَيَقُوْلُ وَيَسْتَحَبُّ اَنْ يَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَيَدْعُوْا

معارف السنن ۳/۱۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت | سوال: جناب مفتی صاحب! افغانستان اور مقبوضہ کشمیر

میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ربال موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لیے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں تدراسے وغیرہ پیش کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی کسی جگہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہیں اور ان کی زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:- روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ربال موجود تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے صلق فرمایا تو ان موئے مبارک کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جاتوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لما رواه الامام ابو عيسى الترمذى رحمه الله : عن انس بن مالك قال : لما رمى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمره نحر نسكه ثم ناول الحائق شقه الايمن فحلقه فأعطاه ابا طلحة ثم ناوله شقه الايسر فحلقه فقال : اقسمه بيت الناس

{ الجامع الترمذى على صدمعارف السنن ج ۲۴۵ }
{ باب ما جاء بأى جانب الرأس يبدأ فى الحلق كتاب الحج }

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں اپنے خود میں ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامة العيني رحمه الله : وذكر غير واحد ان خالد بن الوليد كان فى قفصوته شعرات من شعره

صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک کان لا یقدم علی وجهہ الا
فتح لہ ویؤیدہ ما ذکرہ الملافی السیرۃ ان خالد سأل
ابا طلحۃ حین فرق شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الناس
ان یعطیہ شعرۃ ناصیتہ فاعطاہ ایاہ فکان مقدم
ناصیتہ مناسباً لفتح کل ما اقدم علیہ۔

عمدة القاری ج ۱۰ ص ۶۳ کتاب الحج
باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور
ان کے اہل و عیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا و مافیہا
سے زیادہ محبوب تھے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے
پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ آپ کے موئے مبارک
صحابہ کرامؓ کے واسطے سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے: عن ابن سیرین
قال: قلت لعبدۃ! عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ
من قبل انس او من اهل انس فقال لا! تکنون عندی شعرۃ منہ
احب الی من الدنیا وما فیہا۔ (معارف السنن ج ۶ ص ۲۷۹، ۲۸۰ کتاب الحج)

توان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آ رہے
ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی تیارت کے
لیے سفر کریں، تاہم اگر اس بارے میں کہیں شک پیدا ہو جائے تو خاموشی
اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ نزاع کی صورت اختیار کرنے سے
اجتناب کیا جائے۔

فرض نمازوں کے بعد آواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے

بارے میں کہ بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد امام صاحب مع مقتدیوں کے تین مرتبہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ کر درود شریف اور اللہم انت السلام الخ کو بھی آواز بلند پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں مسبوقین بھی موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب اس کے تارک پر لعن طعن کی جاتی ہو۔

الجواب :- کلمہ طیبہ اور درود شریف کا بھر سے پڑھنا اجتماعاً و افراداً دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اگر ایسا کرنے سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل پڑتا ہو تو پھر یہ عمل درست نہیں۔

ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہنے کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل عیدین کے موقع پر اکثر لوگ ایک دوسرے کو "عید مبارک"

کے الفاظ کہتے ہیں، جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عیدین کے موقع پر اسلام میں کئی افعال اور اعمال سنت ہیں جو ہر مسلمان کے لیے خوشی کے مواقع (عیدین وغیرہ) پر جائز قرار دیئے گئے ہیں، جیسا کہ احادیث و آثار سلف صالحین میں وارد ہے البتہ رسومات قبیحہ اور بدعات مرقومہ سے بچنا بھی نہایت ہی ضروری ہے۔

صورتِ مشولہ کے مطابق عیدین کی خوشی پر اگر ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے یہ کہہ دے کہ عید مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے روزے، نمازیں اور تراویح قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی قبول فرمائے، تو یہ ایک عبادت کے کرنے پر تشابہ و ترغیب ہے اور اعمالِ صالح کی عند اللہ قبولیت کے لیے دعا ہے۔ ایسا کہنے میں بظاہر کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح کے الفاظ کہنے کو لازم سمجھنا اور نہ کہنے والے سے ناراض ہونا یا اس کا اتنا اہتمام کرنا اور عید کی مبارکباد دینے کے لیے گلی گلی اور گھر گھر بھرتا یقیناً ایک مکروہ عمل ہے اور ثواب کی نیت و ارادہ سے کرنا احداث فی الدین ہے۔

الدر المختار میں ہے: والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر الخ اور المختار میں ہے کہ: قوله والتهنئة وانما قال ذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن ابي حنيفة واصحابه وذكر في القنية انه لم يتقل عن اصحابنا كراهة وعن مالك انه كرهها وعن الاوزاعي

أنها بدعة وقال المحقق ابن امير الحاج بل الأشبه انها جائزة مستحبة في الجملة
ثم ساق آثاراً باسناد جيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم ذلك والمتعامل
في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق
بذلك في المشروعية والاستحياء لما بينها من التلازم فان قبلت طاعته
في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة
بها هنا ايضاً اهـ رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۷ لـ

مساجد میں تعزیر لانے کا حکم | **سوال:-** ہمارے محلے میں بریلوی حضرات کی ایک مسجد ہے
محرم الحرام میں یہ لوگ تعزیر بنا کر مسجد میں لاتے ہیں اور وہاں
حضرت امام حسینؑ کی یاد میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کی مجالس منعقد کرتے ہیں
اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں تعزیر لانا اور مرثیہ خوانی وغیرہ کی مجالس قائم کرنا شرعاً
جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اولاً تو اسلام میں کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور
ناجائز ہے، احادیث میں اس پر کافی وعیدیں آئی ہیں، البتہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر
چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔ ثانیاً اسلام میں تعزیر سازی کا کوئی وجود نہیں
پہ جائیکہ اسے مسجد میں لایا جائے، بلکہ ایسا کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: تعزیر داری اور مجالس مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور
ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور بالخصوص مساجد میں یہ کام سخت ظلم اور معصیت اور موجب

لـ قال ابن الحاج في المدخل: قد اختلف علماء تار حجة الله عليهم في قول الرجل لا خيه
يوم العيد تقبل الله منا ومنك وغفر لنا ولك على اربعة اقوال جائز لانه قول
حسن، مكروه لانه من فعل اليهود مندوب اليه لانه دعاء دعاة المؤمنين لاخيه مستحب
البراع لا يبتدئ به فان قال له أحد رد عليه مثله، واذا كان اختلا فم في هذا الدعاء الحسن مع
تقدم حدوته فما بالك بقول القائل عيد مبارك مجرداً عن تلك الالفاظ مع انه متأخر الحدوث
فن باب أولى أن يكرهه وهو مثل قولهم يوم مبارك وليلة مباركة وصباحك الله بالخير
ومسالك بالخير۔ (المدخل لابن الحاج المالكي ج ۲ ص ۲۸۲ فصل في سلام العيد)

عتاب الہی ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنا چاہیئے، یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں، اصرار کرنے والا ان امور پر فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔

(عذیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۱ کتاب السنۃ والبدعۃ)

سوال :- بچے کے ختنے کی خوشی میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب :- شادی بیاہ، ختنے اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر کھانا تیار کر کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

قال العلامة عبد الحق الدہلوی: در مجمع البحار گفتہ کہ ضیافت برہشت نفع است ولیمہ برائے عرس و خرس بضم خای معجمہ برائے ولادت و اغدام برائے ختان و وکیرہ برائے بنا و تقیہ برائے قدم مسافر۔ الخ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۳۹ باب الولیمۃ) لہ

سوال :- بعض لوگ جلسوں اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی کھڑے ہو کر یا وار بلند صلوٰۃ و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، شرعاً ایسے قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اگرچہ موجب ثواب ہے مگر درود شریف پڑھنے کے لیے قیام کرنا سلف و خلف میں کسی سے ثابت نہیں، اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا اور پھر اس پر التزام کرنا خلاف شرع ہے۔

لہ قال العلامة قطب الدین: (عرس اونحوہ) اس سے ختنہ اور عقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے۔ (مظاہر حق جلد ۳ ص ۳۵۸ باب الولیمۃ) وَمِثْلُہُ حَاشِیۃٌ صِحِّحٌ بخاری ج ۲ ص ۷۷۷ باب الولیمۃ حق۔

لما ورد في الحديث: عن انس قال لم يكن شخص احب اليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانوا اذا راؤوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك - رواه الترمذی - وقال حديث حسن صحيح -

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۳ باب القیام)

مصابیح میں بخاری شریف کے ختم کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض دینی مدارس میں مصیبت کے وقت

بخاری شریف کا ختم کرایا جاتا ہے، شرعاً ایسے ختم کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- مصیبت میں بخاری شریف کا ختم کرنا قرون بالخیر میں نہیں تھا مگر متاخرین علماء نے اس کو جائز کہا ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی: قرون ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (تالیفات رشیدیہ ص ۱۵۲ کتاب البدع)

سوال :- آج کل عوام میں یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ ہر سال قوم کے مقتداء اور بڑے لوگوں کی برسیاں منانا
کی برسیاں منائی جاتی ہیں، جیسے کہ یوم صدیق اکبر، یوم فاروق اعظم، یوم اقبال اور یوم قائد اعظم وغیرہ، شرعاً ان برسیوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اسلام ایک کامل اور مکمل دین اور ضابطہ حیات ہے جو کہ خدا پرستی کا داعی ہے اور شخصیت پرستی سے منع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس قسم کے اعمال (برسی وغیرہ) کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے دنیا سے جاتے کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے تابعین و تبع تابعین حتیٰ کہ کسی بھی امام یا محدث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برسی نہیں منائی اور نہ آپ کی یاد میں کوئی چھٹی کی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الاخذ ان تتحد علی میت فوق ثلثة ايام الا علی زوجہا اربعة اشهر وعشراً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۱ باب العدة - فصل فی الحداد)
البتہ اگر اس کو ایصالِ ثواب کے لیے منایا جاتا ہو اور اس دن اموات کے ایصالِ ثواب

کے لیے ختمات القرآن وغیرہ ہوتے ہوں تو اس شخص میں ایام کی وجہ سے بھی یہ خلاف شرع ہے اسلئے کہ شریعت مقدسہ نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی گنجائش ہے، اپنی طرف سے کوئی خاص دن مقرر کرنا دین میں زیادتی ہے جو اسلام کے کامل اور مکمل ہونے کی صفت کے خلاف ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خرافات اور بیہودہ رسومات سے پرہیز کریں اور یہود و ہنود کا طریقہ ترک کر دیں۔

شادی کے موقع پر سہرا باندھنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! آج کل شادی بیاہ

کے موقع پر دولہا کو سہرا باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا لازمی حصہ تصور کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- سہرا باندھنا ہندوؤں کی رسم ہے جو کہ عرصہ دراز تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں رواداری اور باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہے، اس لیے یہ واجب الترتیب ہے اور اس پر التزام و اصرار کرنا موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامة مفتی محمد کفایت اللہ: نکاح یا کسی اور تقریب کے موقع پر بایہ وغیرہ: بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرنا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۵ ص ۱۲۱) چھٹا باب، مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ

سالگرہ کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل خوشی منانے کی ایک عجیب رسم کا رواج ہے

وہ یہ کہ جب کسی کی پیدائش کی تاریخ یاد آجاتی ہے تو عزیز و اقارب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام سے موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے، معاشرے میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، لوگ اس خوشی میں ایک دوسرے کو گرانقدر تحفے تحائف دیتے ہیں، اور اس سب کچھ کو سالگرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے، اور اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنا، تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں اس قسم کے رسم و رواج کا کوئی ثبوت نہیں ہے، غیر القرون میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مروجہ طریقہ پر سالگرہ منانا ثابت نہیں، یہ رسم بدانگریزوں کی ایجاد کردہ ہے ان کی دیکھا دیکھی کچھ مسلمانوں میں بھی یہ رسم سرایت کر چکی ہے۔ اس لیے اس رسم کو ضروری سمجھنا، ایسی دعوت میں شرکت کرنا

اور تحفے تحائف دینا فضول ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا دنیا کے دیگر ممالک کی طرح

ملک عزیز پاکستان میں بھی یہ رواج ہے کہ جب نیا عیسوی سال شروع ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو (نیو ایئر ناٹ کے عنوان سے) مبارکباد دیتے ہیں، ملک بھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ تو کیا عیسوی سال کے شروع میں اس طریقہ پر خوشیاں منانے کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسلمانوں کے لیے ہجری سال مقرر ہے اور اسی سے ہمارے اسلامی تشخص کا اظہار ہوتا ہے، عیسوی سال عیسائیوں کا ہے اور وہی اس کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں۔ بعض مسلمان بہالت اور نا سمجھی سے یہ خوشیاں مناتے ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لیے، ہجری سال اپنائیں اور اپنے حساب و کتاب کا سارا دار و مدار اسی کے مطابق رکھیں، اس لیے کہ اسلامی عبادات کا تعلق قمری سال سے ہے نہ کہ عیسوی سال سے۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا

یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ جب کوئی نیا کام شروع کرتے ہیں یا مکان وغیرہ بناتے ہیں تو اس میں خیر و برکت کی غرض سے چند لوگوں کو بلا کر ان سے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور یہاں تک اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی کام شروع ہی نہیں کرتے جب تک قرآن مجید کا ختم نہ کرائیں۔ شرعاً ایسے ختم قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- قرآن کریم کی تلاوت فی نفسہ خیر و برکت کا ذریعہ ہے اس کے پڑھنے یا پڑھوانے سے کاروبار، گھر اور دوکان وغیرہ میں برکت ہوتی ہے مگر اس کو دین کا جز نہیں سمجھنا چاہیے، بغیر ختم قرآن کے بھی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا مانگی جاسکتی ہے اور مانگنی چاہیے۔ البتہ ختم قرآن کو ایک رسم کی شکل دے کر ضروری سمجھنا اور اس کا خوب اہتمام کرنا دین میں زیادتی کے مترادف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔



جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! کچھ عرصہ سے

بعض مساجد میں نماز جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر لاؤڈ سپیکر پر بآواز بلند صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا عظیم القربات میں سے ہے لیکن شریعت مقدسہ نے اس کے لیے کوئی خاص دن اور وقت مقرر نہیں کیا ہے بلکہ ایک مسلمان جب بھی اور جس وقت بھی چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھ سکتا ہے اور یہ عمل باعث خیر و برکت اور موجب اجر و ثواب ہے، مگر اس کے لیے از خود وقت اور دن متعین کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے، یہ یوں ہی حضرات کے اس نوابیجاد عمل کا خیر القرون میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ ان حضرات کا ذاتی اور خود ساختہ عمل ہے جو کہ شرعاً واجب الترک ہے۔

کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا | سوال :- بعض علاقوں میں یہ ایک عام رواج ہے کہ وہاں خواتین کھانا اور پانی کا گلاس سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ رکھتی ہیں اور پھر فاتحہ پڑھتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- ایصالِ ثواب کے لیے کھانا وغیرہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا جائز ہے مگر اس پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا بے اصل اور خلاف شرع ہے۔

لما قال المفتی کفایت اللہ: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے، کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دیدیا جائے بس ہی کافی ہے اور جو کچھ کہ ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، آدھا کھانا دریا یا ندی میں ڈالنا ناجائز ہے اور اس کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۱۹ کتاب العقائد) ۱۷

۱۷ لما قال العلامة مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ: سوال: کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، امام حسنؓ و حسینؓ، حضرات تابعینؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت غوث پاکؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھ کر کسی کو بخشا تھا؟

جواب: یہ اکابر تو جمع شریعت اور پابند سنت تھے، یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۵ ص ۲۰۴، ۲۰۸ باب البدع والرسوم)

اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرنا | سوال :- آجکل کچھ لوگ خصوصاً نواتین اولیاء اللہ کے مزارات کے ارد گرد خانہ کعبہ کے طواف کی طرح چکر لگاتی ہیں اور اس کو کارِ ثواب سمجھتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف کرنا ناجائز و حرام ہے، اور اس کو کارِ خیر سمجھ کر کرنا موجب کفر ہے اس لیے اس گندے اور مشرکانہ طرزِ عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری: ولا يطوف ائلید ورحول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المتیفة فیحرکحول قبور الانبیاء والاولیاء ولا اعتبار بما یفعله العامة الجہلة ولو كانوا فی صورة المشائخ والاولیاء۔

(ارتداد الساری ص ۳۴۲ فصل وبلغتم ایام مقامہ)

قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا | سوال :- بعض لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول وغیرہ ڈالتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- تازہ پھول اور سبز پتے یا شاخ وغیرہ اس نیت کے ساتھ قبروں پر رکھنا کہ اس سے عذابِ قبر میں تخفیف ہو اور اس کی حمد و ثناء سے میت کو نفع ہوگا اگرچہ شرعاً جائز ہے، مگر شر و فساد اور فتنوں کے اس دور میں چونکہ نیتوں میں اکثر فتور پیدا ہو چکا ہے اس لیے علماء کرام نے اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادریں ڈالنے کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: کیا عوام الناس کی یہ نیت ہوتی ہے، اگر یہ نیت ہوتی تو فساد و عصاة کی قبور پر پھول چڑھاتے اولیاء کی قبور پر نہ چڑھاتے، اور اگر کسی کی نیت ہو بھی تب بھی اس کا فعل عوام کے لیے موجب فساد

لما قال العلامة شاہ محمد اسحق دہلوی: طواف کردن قبرسہ بار یا شد یا غیرسہ بار شرعاً غیر جائز و حرام است و مرتکب حرام کہ اصرار بران و فاسق میشود و اگر جائز و مستحب دانستہ طواف نموده باشد موجب کفر است۔ (مائتہ مسائل ص ۵۹ سوال سی و چہارم)

وَمِثْلُهُ فِي تَالِيفَاتِ رَشِيدِيهِ ص ۱۳۵ کتاب البدعات۔

ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے بھی منہی عنہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۴ کتاب البدعات) لے
والدین کی قبروں کو بوسہ دینے کے بارے میں شرعی حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! ایک مولوی صاحب

سے دوران وعظ یہ بات سننے میں آئی ہے کہ والدین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے جبکہ ہم علماء کرام سے یہ سنتے چلے آ رہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا حرام اور قبر پرستی ہے تو کیا والدین کی قبریں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور کیا یہ قبر پرستی نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- قبر پرستی والدین کی ہو یا کسی اور کی، ناجائز و حرام ہے اسلام میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، مولوی صاحب نے جو بات وعظ میں کہی ہے کسی نادر الوقوع کتاب کے مصنف نے لکھی ہے مگر یہ قابل فتویٰ فتویٰ نہیں کیونکہ نادر الوقوع کتابوں پر فتویٰ دینا قواعد افتاء کے خلاف ہے اس لیے صحیح اور قابل فتویٰ قول یہ ہے کہ والدین کی قبروں کو بھی بوسہ دینا حرام و ناجائز ہے۔

لما قال العلامة عبدالحی: بوسہ دادن قبر والدین جائز است یا نہ؟ الجواب: حرام است کذا صرح علی القاری وغیرہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۷ ما يتعلق بالقبور، کتاب الجنائز)

لے قال العلامة محمد یوسف البنوری: فتی الدامة یلقون الزهو علی القبور وبالخص علی قبور الصلحاء ولا ولیاء والجملة منهم ازدادوا صمراً علی ذلک وتغالبوا فیہ ووصحت ذلک منشأ فی الجملة لعقائد فاسدة تأبها الشریعة النقیة وظنوا ذلک سبباً للشوَاب والاجر الجزیل والمصلحة العا^۱ فی الشریعة تقتضی منع ذلک بتاتاً استصلاً لشفاعة البدع وحسباً للمادة المنکرات المحدثه وبالجملة هذه ابدع مشرقیة منکره۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۲۶۵ باب التشدید فی البول)
 ۲ لے قال العلامة عبدالحق الدہلوی: این قدر تعظیم قبر در شرع آمد کہ بران جلوس نکنند و پا نہنند و نعل بران نہ دارند و از عاٹط و بول بران احتراز سازد و تعظیم قبر بوسہ دادن و دست مالیدن و سجده و طواف و تقبیل نمودن و منمنی شدن در دین پاک مالیدن درست نیست چنانچہ روایات اس امور در جوابات سابقہ گذشتہ و از ان جملہ در کتاب کشف الغطاء شیخ الاسلام مذکور است دست نہنند بر قبر و مسح کنند بوسہ نہند و منمنی نشود و بجا نماند کہ اس عادت لغوی است و مشائخ در منع ان تشدید بسیار دارند و آنچه عوام مردان لان کنند بدعتہائے منکرست شرعاً و بالجملة شک نیست۔ (مائتہ مسائل ص ۶۷ سوال چہل و چہارم)

بغیر نماز کے شبیہ کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں میت کے ایصالِ ثواب یا تقربِ الہی کے لیے چند حفاظ کرام شبیہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی کیفیت

یہ ہوتی ہے کہ ہر حافظ قرآن اپنی باری پر قرآن سامنے رکھ کر بغیر نماز کے لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کرتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا ہے، اس سے لوگوں کی نیندیں بھی خراب ہوتی ہیں، بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے جبکہ بعض خاص حالات میں قرآن سننا ویسے ہی بے ادبی ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر قرآن مجید پڑھنے کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ اعظم القربات (تقربِ الہی کے ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ) ہے مگر اس کے لیے وہ کیفیت و طریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرونِ ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوت قرآن کے لیے اختیار کرنا جو غیر القرون میں نہ ہو اور پھر اس نواہجاً و طریقہ سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو باعثِ گناہ و عذاب ہے اس لیے صورتِ مسئلہ کا شبیہ درست ہی نہیں بلکہ واجبِ ترک ہے۔

تیجہ رسمِ قل وغیرہ میں ختم قرآن کا حکم | سوال :- برصغیر پاک و ہند کے اکثر علاقوں میں یہ رسم عام ہے کہ میت کے تیسرے دن محلہ کے

امام مسجد اور حفاظ وغیرہ کو جمع کر کے میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور اس رسم پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر انتہائی گھٹیا قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں، شرعاً اس طریقہ ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نفل نمازیں اور دیگر نیک اعمال کرنا شرعاً مخصص ہے اور اس سے میت کو فائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت اور ایام کی تخصیص شرع میں ثابت نہیں، اس لیے مذکورہ بالا طریقہ ایصالِ ثواب کو فقہاء کرام نے بدعت شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی: مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و اور ضروری انگاشتن در شریعت مجریہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ رسم و راہ تخصیص بگذارند ہر روز یکہ خواہند بروج میت رسانند و میت قریب مرگ خود زیادہ تر محتاج مدد میشود ہر قدر کہ ایصالِ ثواب بہر روز یکہ شود موجب خیر است۔

(تالیقات رشیدیہ ص ۱۲۲ کتاب البدعات)

نماز کے بعد التزاماً اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ اِذَا تَرَاہُمْ يَرْثٰہُمْ | سوال :- بعض ائمہ مساجد فرض نمازوں کے بعد

بلا التزاماً باواز بلند آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ اِذَا تَرَاہُمْ يَرْثٰہُمْ پڑھ کر درود شریف پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں پر وہاں بیت اور منکر درود کا فتویٰ لگاتے ہیں، تو کیا فرض نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب :- درود شریف بلند آواز سے ہو یا آہستہ سے، دونوں طرح بلا التزاماً درست اور اجر و ثواب کا باعث ہے لیکن صورتِ مسئلہ میں درج طریقہ قرون بالخیر میں اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے، اس لیے یہ طریقہ چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں طرح خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة ابن امير الحاج المالكي: الصلوة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم لا يشك مسلم انها من اكبر العبادات واجلها وان كان ذكر الله تعالى والصلوة والسلام على النبي حسناً سرّاً وعلاً نبيّاً لكن ليس لنا ان نفع العبادات الا في مواضعها التي وضعها التي وضعها الشارع فيها ومضى عليه سلف الامة الا ترى الى قول عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قد بعث الينا محمد صلى الله عليه وسلم ولا تعلم شيئاً وانما تفعل كما رأينا يفعل ----- والصلوة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم احد ثوابها في اربعة مواضع لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى والخير كله في الاتباع لهم۔ (المدخل ج ۲ ص ۲۵، ۲۶)۔

عرفہ کے دن حجاج سے مشابہت کیلئے شہر سے باہر نکلنا | سوال :- جناب مفتی صاحب عرفہ کا دن بہت مبارک

دن ہے، اس دن حاجی صاحبان عرفات کے میدان میں جمع ہو کر وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں

۱۔ لما قال العلامة مفتي كفايت الله الدهلوي: سؤال: سنتوں کے بعد آیا جماعت کا فاتحہ پڑھنا اور درود بھیجنا کا ثواب ہے یا بدعت؟

الجواب :- سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کرنا سنت نہیں اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (کفايت المفتي ج ۱ ص ۲۲۵ کتاب العقائد)

ادا کرتے ہیں، اب اگر ہم یہاں پاکستان میں گاؤں یا شہر سے باہر جا کر کسی پہاڑی وغیرہ کے دامن میں حجاج کے ساتھ مشابہت کے لیے وہاں ظہر و عصر کی نماز ادا کریں تو کیا ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفہ کا دن اگرچہ بہت مبارک دن ہے لیکن حجاج کے ساتھ تشبہ کے لیے میدانِ عرفات کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں باہر کھلے میدان میں نکل کر ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بارے میں شریعت مقدسہ میں کوئی حکم وارد نہیں، اس لیے فقہاء کرام نے اس عمل کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے اسی لیے اس عمل پر کسی قسم کے اجر و ثواب کی امید تو درکنار بلکہ العذاب کا خطرہ ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: والحاصل ان الصحيح الكراهة كفا في الدرر بل في البحر ان ظاهر ما في غاية البيان انها تحريمية وفي شرح المينة انما مضاتيم هذه الاشياء البدع..... ومالربك من امرهم فهو بداعة والبدعة اذا لم يتلزم سنة فهي ضلالة۔ رد المحتار

سوال: آجکل کچھ مساجد چندے کی رقم سے شیرینی تقسیم کرنے کی شرعی حیثیت | میں رمضان المبارک میں تراویح

کے اندر قرآن کریم کے ختم کے وقت چندہ جمع کر کے حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے کہ واقعی ایسا کرنا بدعت ہے؟

الجواب: ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا شرعاً جائز و مخلص ہے اس کو بدعت کہنا درست نہیں، البتہ چندہ کی رقم سے شیرینی خرید کر تقسیم کرنا صحیح نہیں، تاہم اگر کوئی شخص انفرادی طور پر بغیر چندہ کے تقسیم کرے تو اس کو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة رشيد احمد گنگوہی: چندہ کر کے اس طرح شیرینی تقسیم کرنا درست

لما قال العلامة مفتي عزالرحمن: برود عرفہ جمع ہونا لوگوں کا تشبہ بالواقفین اور نقل باجماعت

کثیرہ پڑھنا، خیال حصول ثواب حج لاریب بے اصل اور بدعت و مکروہ ہے۔

(عزیز الفتاویٰ ج ۱۱ کتاب السنۃ والبدعۃ)

نہیں ہے علی الخصوص اس جگہ کہ اس شیرینی کا التزام کر لیویں اور اس کے تارک کو ملامت کرنا نادرست ہے۔ (تالیفات رشیدیہ ص ۱۲۸ کتاب البدعات) لے

ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا | سوال :- آجکل رمضان المبارک میں ختم القرآن کے موقع پر اکثر مساجد کو برقی قمقموں اور طرح طرح کی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے، اسلام میں اس عمل کا حکم ہے؟
الجواب :- مساجد اور دیگر مقامات میں ضرورت سے زائد روشنی کرنا اسراف کے حکم میں داخل ہے اور پھر اس کو کار خیر جان کر اصرار کر کے ضروری سمجھنا اور کرنا بدعت کے حکم میں ہے، اس لیے رمضان یا غیر رمضان میں ان چیزوں کا اہتمام کرنا موجب گناہ ہے۔
 لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی: ضرورت سے زائد روشنی کرنا اور پھر اس کے ساتھ اس کو ضروری سمجھنا اسراف اور بدعت ہے اور نادرست ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ص ۱۵۲ کتاب البدعات) لے
تعزیر کے طور پر برق کی صورت بنانے کا حکم | سوال :- ماہ محرم الحرام میں بعض لوگ برق کی صورت بنا کر بطور تعزیر پیش کرتے ہیں اور اس کو کار خیر اور موجب ثواب سمجھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- اسلام نے ہر موڑ پر بیت سازی کی نفی کی ہے اور لوگوں کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ برق بھی ایک جاندار مخلوق ہے اس لیے کسی بھی عنوان سے اس کی موثری بنانا شرعاً ممنوع ہے، اور اسی طرح تعزیر بنانا چاہے محرم میں ہو یا دوسرے مہینوں میں حرام اور بدعت ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن سعید بن الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاء رجل فقال یا ابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعة یدی وافی اصنع هذه

لے و لے لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: الم ترکیف اور تمام قرآن کا حکم ان امور میں یکساں ہے یعنی فضول روشنی کرنا اسراف ہے اور بدعت ہے اور شیرینی کو لازمی سمجھ کر بانٹنا یہ بھی بدعت ہے۔ الخ دامداد الفتاوی ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب البدعات)۔

التصاوير فقال ابن عباس الا احدثك ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعته يقول من صور صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح وليس بنافع فيها ايديا فرب الرجل ربوة شديدا واصفر وجهه فقال ويحك ان ابنت الا ان تصنع فعليك بهذه الشجرة وكل شئ فيه روح -

ومشكوة ۳۸۶ باب التصاوير، الفصل الثالث ۱۷

تعزیر کے جلوس میں شرکت کرنا حرام ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہر سال دس محرم الحرام کو اہل تشیع تعزیر بناتے اور

جلوس نکالتے ہیں جس میں بعض اہلسنت بھی بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اجر و ثواب کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ تو کیا اس قسم کے جلوسوں میں شرکت کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: دس محرم کو تعزیر بنانا اور اس کا جلوس نکالنا سب مخترعات اور بے اصل امور ہیں، اس قسم کے اعمال خلاف شرع اور بدعت کے حکم میں ہیں، اس لیے اس قسم کے جلوس اور جلوسوں میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

لما قال العلامة شاه عبد العزیز: تعزیر داری در عشرہ محرم و ساختن ضرائح و صورت قبور وغیرہ درست نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۶۸)

ایضاً قال: در انجلیس بہ نیت زیارت و گریہ و زاری حاضر شدن ہم جائز نیست زیرا کہ آنجا زیارت نیست کہ برائے او حاضر شود و ایں جو بہا کہ ساخته اوست قابل زیارت نیستند بلکہ قابل ازالہ اند۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۶۹)

۱۷ وعن ابی طلحة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔ متفق علیہ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱ باب من کثر القعود علی الصور، کتاب اللباس)

ومثله فی امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب البدع الفصول المحرمات فی فصل المحرم۔

۲۷ لما قال المولوی احمد رضا خان: علم، تعزیر، بیکر، ہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے شوکت اسلام نہیں ہوتی، تعزیر کو حاجت روائی یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے منت ماننا حماقت اور نہ کرنے والوں کو باعث نقصان خیال کرنا زناہ وہم ہے مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہیے۔ (رسالہ محرم و تعزیر داری ص ۵۹ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۲۳۸ رد بدعات)

ومثله فی فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ ص ۲۳۵ تا ص ۲۴۲ رد بدعات۔

صفر المنظر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت | سوال :- جناب مفتی صاحب ! بعض علاقوں

میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہ صفر المنظر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اسی دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لیے اس دن میں خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- ماہ صفر المنظر کو منحوس سمجھنا خلاف اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یا بی ہوئی تھی بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے۔

لما قال العلامة مفتی عبد الرحیم: مسلمانوں کے لیے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ ”شمس التواریخ“ وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲ صفر ۱۱ھ شنبہ کو اُسامہ بن زیدؓ امیر لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اُسامہؓ کو دیا، ابھی لشکر کے کوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز چہار شنبہ اور پنج شنبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت خوفناک ہو گئی اور ایک تھلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ جلد ۲ ص ۱۰۸)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لیے خوشی کا تو ہے ہی نہیں البتہ یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہو سکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہراتا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ

میں تعطیل رکھنا، یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰)
 کتاب العلم (۱)

سوال :- بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ رمضان المبارک کی تیسیوں رات کو مٹھائی تقسیم کرنا۔
 تیسیوں رات کو نماز تراویح کے بعد امام مسجد یا کوئی حافظ قرآن سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم کی تلاوت کر کے مٹھائی وغیرہ پر دم کرتا ہے اور وہ مٹھائی پھر حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے اور اس کو مستحب کہتے ہیں۔ کیا واقعی یہ طریقہ مستحب ہے؟
الجواب :- رمضان المبارک کی تیسیوں رات کو قرآن کریم کی بعض سورتوں (عنکبوت و روم) کو متعین کر کے پڑھتا اور پھر مٹھائی یا پیسوں پر دم کر کے حاضرین میں تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت ہے، شریعت مقدسہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ قرآن کریم کا سننا اور سنانا موجب اجر و ثواب ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: لان ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت دون اوشئ دون شئ لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لانه خلاف المشروع - (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین) (۲)

۱۔ قال المولوی احمد رضا خان البریلوی :- الجواب :- آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔

(احکام شریعت جلد ۲ ص ۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۱۲ کتاب العلم)
 ومیشکہ فی کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۲ کتاب العقائد۔

۲۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ ، بان تخصيص الذكر بوقت لم يرد به الشرع غير مشروع - ردة المحتار ج ۲ ص ۱۲۰ باب العیدین ، مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس (۳)

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں | سوال :- ہمارے محلے کی مسجد

کہا کہ حضرت آپ فرض نماز کے بعد جب دعا کرتے ہیں تو اول و آخر میں کچھ کلمات یا آواز بلند کہا کریں تاکہ ہمیں دعا کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر کوئی ثابت کر دے تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ میرے گھر میں رسی ڈال کر مجھے بازار میں گھسیٹا جائے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ ہمیں اس مسئلے کا حل قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے جواب کے لیے چند مقدمات سمجھنا ضروری ہیں جو کہ ذیل میں تفصیل کے ساتھ نمبر وار درج کیے جاتے ہیں :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نماز کے بعد دعا کرنا قولاً و عملاً دونوں طرح ثابت ہے۔ امام ابو عیسیٰ الترمذی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے :-

(۲) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان ينصرف من صلاته استغفر ثلاث مراتٍ ثم قال وانت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام۔ (ترمذی ص ۳۰۰ ج ۳ باب ما يقول اذا سلم)

(ب) امام ابن ابی شیبہ نقل فرماتے ہیں : حدثني رجل من الانصار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر الصلوة اللهم اغفر لي وتب علي انك انت التواب الرحيم مائة مرة۔

(ج) عن أم سلمة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول اذا صلى الصبح حين يسلم اللهم اني اسئلك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقيلاً۔

(د) اہما مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹ رقم ۱۱۵۱ کتاب الدعاء

(۵) علامہ ابن السنی روایت کرتے ہیں : عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلوة يقول اللهم الهي واله ابراهيم واسحاق ويعقوب الا كان حقاً على الله ان لا يرد يديه حائبتين۔

(عمل اليوم والليلۃ بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۳ باب ما يقول اذا سلم)

ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں جو دعا بعد الفرائض کو ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

الدعاء للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب كل صلوة بلا خلاف ويقول ويستحب ان يقبل على الناس فيدعوا - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۱ باب ما يقول اذا سلم) (۲) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اجتماعیہ دعا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فهذه وما شاكلها من الروايات في اواب تكفي حجة لما اعتاده الناس في البلاد من الدعوات الاجتماعية ببر الصلوة ولذا ذكره فقهاءنا ايضا كما في نور الايضاح وشرحه مراقي الفلاح - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۱ باب ما يقول اذا سلم)

(۳) ذکر اور دعا کرنے کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے خفیہ طور پر ذکر اور دعا کرنا ثابت ہے، جبکہ بعض روایات سے جہر کے ساتھ دعا کرنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع میں فقہاء اور صلحاء و علماء امت باواز بلند دعا کرتے آئے ہیں، چند دلائل بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں :-

(ا) علامہ بنوری رحمۃ اللہ نے کنز العمال کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے: لا يجتمع ملاء فيدعوا بعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۱ باب ما يقول اذا سلم) اس روایت سے باواز بلند دعا کرنا صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ دعا پر آمین تب کہی جاتی ہے جب دعا کرنے والا بلند آواز سے دعا کرے اور دوسرا شخص اس کو سنے۔

(ب) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم من صلواته يقول بصوته الا على الا الله وحده لا شريك له الخ - (فتح الملهم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذكر بعد الصلوة)

(ج) صحیح مسلم میں ہے: ان ابن عباس اخبر ان رفع الصوت بالذكر حين ليصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وانه قال قال ابن عباس كنت اعلم اذا انصرفوا بذلك اذا سمعته -

(صحیح مسلم علی صدر فتح الملهم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذكر بعد الصلوة)

یہ دونوں روایات بھی بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنے کو ثابت کرتی ہیں اس لیے کہ ابن عباسؓ
اس وقت حدیث السن تھے انہوں نے نماز سے فراغت کے بعد یہ ذکر یا تو آخر صف میں سنا ہو گا یا
مسجد سے باہر۔

اس لیے علامہ عثمانیؒ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں ، واستدل بحديث الباب بعض السلف على استحباب رفع الصوت بالتكبير والذكر - (فتح المہم ۲۱۱ باب الذكر بعد الصلوة) اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اس حدیث کے تحت لکھا ہے : لهذا الحديث دليل لما قاله بعض السلف انه يستحب رفع الصوت بالذكر عقيب المكتوبة -

(۴) اسی طرح علامہ مکھنوی نے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذكروا الله ذكراً حتى يقول المنافقون انكم مراؤون۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷۶، سبحة الفکر ص ۲۹ ابواب الاول فی حکم الجہر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکورہ روایات سے خوب ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد بآواز بلند ذکر بھی کیا ہے اور دعا بھی فرمائی ہے اور ساتھ صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب بھی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نماز کے بعد بآواز بلند ذکر اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ چند آثار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:-

(۱) کان عمر رضی اللہ عنہ اذا انصرف من صلوٰتہ قال اللہم استغفرک لذنبی واستغفرک لا یرشد امری واتوب الیک فقب علی اللہم انت ربی فاجعل رغبتی الیک واجعل غنائی فی صدري وبارک لی فیما رزقتنی وتقبل منی انک انت ربی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹ رقم ۷ کتاب الدعاء)

(۲) عن صلیۃ بن زفر قال سمعت ابن عمر یقول فی ذبر الصلوٰۃ اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹ کتاب الدعاء)

(۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابی موسیٰ انه کان یقول اذا فرغ من صلوٰتہ اللہم اغفر لی ذنبی ویسر لی امری وبارک فی رزقی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷ ص ۳۶ کتاب الدعاء)

مصنف ابن ابی شیبہ، سباحتہ الفکر اور الحاوی للفتاویٰ وغیرہ کتب احادیث میں صحابہ کرامؓ کے آثار موجود ہیں جو ذکر بعد الصلوٰۃ اور دعا بعد الصلوٰۃ بلند آواز سے ادا کرنا ثابت کرتے ہیں۔

ان تینوں مقدمات سے خوب واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا یا ذکر و اذکار میں مشغول ہونا جائز ہے، علماء امت میں سے کسی نے بھی اس کو بدعت اصطلاحی میں شمار نہیں کیا، البتہ محققین علماء نے یہاں کے خوف سے جہر کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ دعا انشاء کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: والدعا بمخصوصہ الافضل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابة۔ (الخاص للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹۴ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

اور علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: وقال ابن بطال اصحاب المذاهب المتبعة وغيرهم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقب المکتوبة۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحب سے جب اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
 (الجواب) سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کرنا
 جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۸۳ متفرق مسائل)
 علامہ ابوبکر الجصاص الرازی نے لکھا ہے: وما ذکر من الآثار دلیل علی ان اخفاء
 الدعاء افضل من اظهاره لان الخفية هي السون۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۲۸۸ سورة الاعراف)
 مگر یہ کراہت بھی تب ہے کہ مساجد یا دیگر مقامات میں بآواز بلند دعا کرنے سے لوگوں
 کو تکلیف ہوتی ہو، ان کی بیند اور دیگر امور میں خلل واقع ہوتا ہو، ورنہ بغیر اس کے بلند آواز سے
 دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اگرچہ علامہ شعرائیؒ نے بعض مواقع پر بلند آواز سے ذکر و دعا کو
 مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عن الامام الشعرائی اجمع العلماء
 سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش
 جهرهم علی نائم او مصلی او قارئ۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۸۱ باب الذکر بعد الصلوة)
 اور جہاں تک اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (الایہ) کا تعلق ہے تو یہ آیت
 مطلق دعا کو جہر کرنے سے منع پر دال نہیں، اس منع سے مراد بے جا بلند آواز سے دعا
 کرنے پر محمول ہے، علماء اہل سنت نے اسی پر اس کو محمول کیا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالحی الکنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ان هذه الآية تدل علی
 اثبات الجهر المقيراً المفروض لا علی منعه بناء علی ما فسرہ اکامام الرازی فی
 تفسیره من ان قوله: اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وسراً ومعنی
 قوله: دَوْتَ الْجَهْرَ المفروض والمراد منه ان يقع الذکر بحيث یكون
 بین المخافة والجهر ما قال الله تعالى: وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا يَتَخَفَتْ
 وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا۔ وعلی هذا تدل الآية علی جواز السر والجهر
 کلّیہما وافیضیة السر للتضرع والخيفة۔ (رباحۃ الفکر ص ۱۸۱ الباب الاول فی حکم الجهر بالذکر)
 اور حدیث لا تدمون اصم الخ بھی جہر مفروض پر محمول ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: واما حدیث انکم لا دعوون اصم ولا غائباً فمحمول
 عندی علی الافراد فی رفع الصوت۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۸۱ باب الذکر بعد الصلوة)

اس تمام تفصیل سے واضح ہو کہ بعد الفرائض بلند آواز سے دعا کرنا جائز ہے اگرچہ پست آواز سے کرنا افضل و بہتر ہے اس کو بدعت کہنا لاعلمی اور کتب حدیث و فقہ سے عدم ممارست کھم دلیل ہے، بلا وجہ کسی ثابت شدہ چیز کو بدعت کہنا شرعاً گناہ عظیم ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ صورت مسئلہ میں اگر تو مقتدیوں کا یہ مطالبہ ہو کہ امام صاحب بلا التزام دعا کے اور آخر میں چند الفاظ با واز کہیں تاکہ مقتدیوں کو دعا شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے، اس کو سنت اور ضروری نہ سمجھتے ہوں تو ایسا کرنا بلا کر بہت جائز ہے۔

پہناچہ علامہ آ لوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الانخفاء افضل عند خوف الریا او کان فی الجہر تشویش علی نحو مصلی او ناظم او قاری او مشغل بعلم شرعی و یتقدیم الجہر علی الانخفاء فیما اذا خلا عن ذلك و کان فیہ قصد تعلیم الجاہل او نحو ازالة وحشة عن متوحش او طرد نحو نعاس او کسل علی الداعی نفسه او ادخال سرور علی قلب مؤمن الخ۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۸۱ سورة الاعراف)

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے مولانا عبدالحی الکنہویؒ کا رسالہ سباحۃ الفکر، علامہ سیوطیؒ کی الحاوی للفتاویٰ، علامہ جصاص الرازیؒ کی احکام القرآن، معارف القرآن، السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ کا مطالعہ کریں۔ (ہذا مآظہری واللہ اعلم)

خطبہ جمعہ و عیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا | سوال :- اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے خطبہ ثانی میں دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور مقتدی بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہیں تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عیدین و جمعہ کے خطبوں میں جو دعا کی جاتی ہے اس میں امام کا ہاتھ اٹھانا اور مقتدیوں کا آمین کہنا کہیں ثابت نہیں۔ عجب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ لما قال العلامة مفتی عبدالرحیم، سوال: عیدین و جمعہ کے خطبہ ثانی میں بعض خطیب دعا کرتے ہیں اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اس وقت ہاتھ اٹھانا، آمین کہنا منع ہے اس میں دیوبندی، رضا خانی کا اختلاف نہیں مولوی احمد رضا خان کی مصدقہ کتاب میں ہے کہ خطیب نے مسلمانوں کیلئے دعا کی تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خطیب میں درود شریف پڑھتے وقت خطیب کا داہنے بائیں منہ کرنا بدعت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ ص ۳۰۲ باب رد بدعات)

عید میلاد النبیؐ کی تاریخی اور شرعی حیثیت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ آجکل

میلاد شریف کے نام سے مجالس وعظ منعقد ہوتی ہیں اور ان میں علماء کرام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ترغیب و ترہیب کے مسائل پیش کرتے ہیں اور نعت خوان اور شعر اُحضار اپنے اپنے منظوم کلام میں توحید رسالت ختم نبوت حب علی اطاعت اور دیگر کئی قسم کے بہترین مضامین سناتے ہیں کیا اس قسم کی تقریبات میں علماء کرام اور عوام الناس کی شرکت بدعت ہے یا نہیں؟

(۲) زید اس بات کا قائل ہے کہ ایسی مجالس واجتماعات کا انعقاد بدعت و ضلالت ہے ان میں شریک ہونا زنا، بھابازی، شراب نوشی اور قتل و غارت سے بھی بڑھ کر گناہ ہے کیونکہ خیر القرون میں اس قسم کے اجتماعات منعقد نہیں ہوتے تھے۔ تو زید کا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس کے لیے تعزیر شرعی تفصیلاً تحریر فرما کر اجر دین حاصل کریں؟

الجواب: ہمارے نزدیک محققین علماء کی تصریحات کے پیش نظر عید میلاد کے نام سے جو مجلس منعقد ہوتی ہیں اور جن کو آجکل کے علماء اور جہلاء سب سے بہترین عبادت اور کار خیر جانتے ہیں بدترین قسم کی بدعت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت عین ایمان ہے، آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے حالات زندگی صحیح طریقہ سے ذکر کرنا عبادت اور کارِ ثواب ہے۔ سال کے ہر مہینہ اور مہینہ کے ہر ہفتہ اور ہفتہ کے ہر دن اور دن کے ہر گھنٹہ اور گھنٹہ کے ہر منٹ اور منٹ کے ہر سیکنڈ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر جاتا ہے اس میں کسی بھی مسلمان کو نہ تو اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس سے انکار کی مجال ہے مگر نزاع اور موضوع بحث وہ مجلسیں ہیں جن کو ثواب کی نیت سے خاص مہینوں مثلاً ربیع الاول میں منعقد کر کے میلاد منایا جاتا ہے یہ اور چیز ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر اور شے ہے، اول بدعت ہے ثانی مندوب اور مستحب ہے صحابہ کرامؓ سے زیادہ حضور اکرم کا عاشق کوئی بھی نہ تھا، نہ آن سے بڑھ کر حضور صلعم کا احترام اور تعظیم کوئی کر سکتا ہے حضور کی محبت ان میں کامل تھی، تیس سال تک حضور اکرم صحابہؓ میں نبوت کے ساتھ خود زندہ رہے، اور پھر تیس سال تک خلافت راشدہ کی حکومت رہی، تقریباً ۱۱۰ سال تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا، کم و بیش دو سو بیس برس تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ رہا لیکن قیامت تک کوئی اس بات کا ثبوت صحیح سند سے پیش نہ کر سکے گا کہ

اتنے ممتاز زمانے اور طویل عرصے میں عشاقِ رسولؐ میں سے کسی عاشقِ صادق نے ایسی محفلِ انعقاد کیا ہے یا انعقاد کے لیے کسی سے صراحت یا اشارہ کہا ہے، یا خود حضور اکرمؐ کے مبارک زمانے میں آپؐ کی اجازت سے ایسی مجالس منعقد ہوئی ہوں۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ کارِ ثواب اور مبارک تقریب کا ان ہی زمانوں میں انعقاد کیوں نہ ہوا؟ اور اگر نہیں ہوا ہے تو بعد میں ہونے پر اس کو بدعت کیوں نہ کہیں گے؟ آپ اس کے متعلق ظاہری شکل و صورت کو دیکھ کر ترغیب و تمہیب کی بنا پر مستحب قرار دینا چاہتے ہیں مگر ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کون سی شرعی بدعت ہے جس کی ظاہری شکل و صورت عبادت کی نہ ہو؟ خاص کر جب اس کے متعلق اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے صریح فتاویٰ بھی حرمت اور ممانعت کے بارے میں موجود ہیں، تو دیوبندی ہو کر آپ کیوں اس کی طرف راغب معلوم ہوتے ہیں، میں نے خود اپنے شیخ حضرت علامہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ سے زبانی دورہ حدیث پڑھتے وقت سنا تھا کہ ”ایسی مجلسوں کا انعقاد بدعت ہے“ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ممنوع قرار دیا ہے، فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱۱ میں آپ فرماتے ہیں: ”نفی ذکر ولادت باسعاد فخر و عالم صلعم کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہو گئی“۔

مجالس عید میلاد النبیؐ کا تاریخی پس منظر | اس رسم و بدعت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی مسلمانوں میں رواج نہیں تھا، یہ نہ تو کسی صحابی کو سوچھی نہ کسی تابعی کو، نہ کسی محدثِ فقہیہ بزرگ اور ولی اللہ کو، یہ بدعت اگر سوچھی تو ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو۔ یہ بدعت ۶۰۲ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف بادشاہ اور دین سے بے پرواہ شخص تھا۔ (ابن خلکان) اس کے متعلق امام احمد بن محمد بصری مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

كان ملكاً مسرفاً يأمر علماء زمانه ان يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وان لا يتبعوا مذهب غيرهم حتى مالت اليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ويختفل مولد النبي صلعم في الربيع الاول وهو اقل من احدث من الملوك هذا العمل (القول المعتبر في عمل المولود)

(ترجمہ) وہ ایک مسرف بادشاہ تھا، علمائے زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کر کے غیروں کے مذہب پر عمل نہ کریں حتیٰ کہ دنیا پرست علماء اور فضلاء کی ایک جماعت اسی طرف

مائل ہو گئی اور وہ ربیع الاول میں محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا، بادشاہوں میں یہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔

اس محفل میلاد پر وہ کیا خرچ کرتا تھا؟ اس کے متعلق علامہ ذہبی نقل فرماتے ہیں :-
كان ينفق كل سنة على مولد النبي صلعم نحو ثلاث مائة الف -

(ردول الاسلام ج ۲ ص ۱۰۳)

(ترجمہ) ”وہ ہر سال میلاد النبی پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔“
جس دنیا پرست مولوی نے اس کے جواز کے لیے مواد جمع کیا تھا اس کا نام عمر بن داعیہ ابو الخطاب تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

كان كثير الوقعة في الاثمة وفي السلف من العلماء حيث اللسان احمق شديد
الكبر قليل النظر في أمور الدين متهاوناً - (لسان الميزان ج ۴ ص ۱۹۶)

(ترجمہ) ”وہ ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت بڑا گستاخ تھا، گندی زبان کا مالک تھا،
بڑا احمق اور بڑا متکبر تھا، دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور مست تھا۔“

ان دونوں مبتدعین نے مل کر یہ بدعت ایجاد کی، اور اس کے بعد علماء حق میں سے
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۱ میں، امام نصیر الدین شافعیؒ نے
ارشاد الاختیار ص ۲ ٹیپس، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات ج ۵ ص ۲۲ میں اور علامہ
ابن امیر الحاج مالکیؒ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ علامہ
موصوفؒ ”مدخل ابن الحاج ج ۱ ص ۸۵“ میں لکھتے ہیں :-

ومن جملة ما حدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات و اظهار
الشعائر ما يفعلونه في شهر الربيع الاول من المولد وقد ذلك على بدع ومحرمات
الى ان قال وهذه المفاصد مترتبة على فعل المولد اذا عمل بالسمع فان علامته وعمل
طعاماً فقط ونوى به المولد ودعى اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة
بنفس نيته فقط لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضيين و
اتباع السلف اولاً - ام (مدخل ابن الحاج مطبوعة مصر ج ۱ ص ۸۵)

(ترجمہ) ”لوگوں کو ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ
شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں وہ مجلس میلاد ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کیا کرتے ہیں یہ مجلس

بہت سی بدعات اور تحریکات پر مشتمل ہوتی ہے۔ (آخر میں فرماتے ہیں) اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو، پس اگر وہ سماع سے پاک ہو اور بہ نیت مولود کرانا تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا گیا ہو اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تب بھی وہ نیت انعقاد مجلس میلاد کی وجہ سے بدعت ہے کہ یہ دین میں ایک جدید امر کا اضافہ ہے جو سلف نے اس پر عمل نہیں کیا ہے اور سلف کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔ علامہ عبدالرحمن اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلق والائمة۔

(ترجمہ) مجلس میلاد کا انعقاد بدعت ہے اس کو حضور اکرمؐ، خلفاء راشدینؓ یا ائمہ اربعہؓ میں سے کسی نے نہ خود کیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں:-

اتفق علماء المذاهب الاربعة بدم هذا العمل۔
(ترجمہ) چاروں مذاہب کے علماء میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔

نماز کے بعد مصافحہ کا حکم | سوال:- بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:- مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ پہلی بار میں دلائل (کریں) تو مصافحہ کریں، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من مسلمین يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۷) مگر نماز کے بعد مصافحہ کرنا کسی صحیح حدیث یا سلف صالحین کے اقوال میں مذکور نہیں، اس لیے اس کو سنت سمجھ کر کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

ما قال العلامة ملا علی قاریؒ: فان محل المصافحة المشروعة اقل الملاقاة وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغير مدة مديدة ثم اذا صلوا يتصافحون فاین هذا من السنة المشروعة ولهذا اصرح بعض علمائنا بانها مكروهة جندیٰ وانها من البدع المذمومة۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۵۷۵)

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم | سوال :- بعض لوگ محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس ماہ کو غم اور مصائب کا

مہینہ کہتے ہیں، تو کیا محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- محرم الحرام بھی سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے جس طرح سال کے دوسرے مہینوں میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے اسی طرح محرم میں بھی جائز ہے، کسی بھی دلیل شرعی سے حرمت و ممانعت ثابت نہیں۔ روافض اور شیعوں نے اس قبیح اور بے بنیاد مسئلہ کو لوگوں میں رائج کر رکھا ہے، مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بدعت کو ترک کر دیں۔

مسجد میں ذکر بالجہر کا حکم | سوال :- ایک صاحب جو اپنے آپ کو چشتیہ خاندان کے بزرگوں سے منسوب کرتے ہیں وہ عشاء کی نماز کے

بعد مسجد میں حلقہ باندھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر بالجہر بھی کرتے ہیں اور بلند آواز سے کچھ اشعار بھی مجمع میں پڑھ کر سناتے جاتے ہیں جن سے ان کے رفقاء پر شدید وجد طاری ہو کر گر پڑتے ہیں اور غشی کی سی حالت ان پر طاری ہو جاتی ہے، اس حالت میں وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں بھی مارتے ہیں اور چیخ و پکار کرتے اور مسجد میں اٹے سیدھے ہوتے رہتے ہیں۔ جب انہیں اس قسم کی حرکات سے منع کیا جاتا ہے تو نہیں رکتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہیں، شرعاً اس کوئی ممانعت نہیں ہے، اس بارے میں جب انہیں علمائے شریعت سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں علمائے شریعت ظاہرہ سے فیصلہ کرانے کی بجائے باطنی علماء سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ تو کیا اس شخص کی مندرجہ بالا حرکات اور طرز عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب :- مسجد میں ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، ایک جماعت کے نزدیک حرام ہے، دوسری ایک جماعت ہے جو اسے جائز قرار دیتی ہے دونوں کے لیے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی گنجائش بھی ہے اور دلائل پیش کیے بھی گئے ہیں۔ فقہاء کی ایک تیسری جماعت ہے جس نے پہلے دو قولوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا خیال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اگر نمازی آدمی یا سوئے ہوئے آدمی یا قاری کے لیے

موجب اذیت نہ ہو اس طرح اس میں ریاکاری کا بھی خوف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ علامہ حصکفی رفع الصوت بالذکر کو محرمات میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ویجوز دفع الصوت بالذکر فی المسجد ۱ھ۔ بزاز یہ میں ہے: الجہر بالذکر حرام۔ (احموی) لیکن شامی نقل کرتے ہیں: اضطرب کلام البنازیۃ فی ذلک فتاوة قال انه حرام وتارة قال انه جائز ۲ھ فتاویٰ خیر یہ سے بھی شامی نے بواز نقل کیا ہے۔ اخیر میں حموی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: وفي حاشية الحموی عن الامام الشعرائی اجمع العلماء سلفاء وخلفاء علی استیجاب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها۔ الا ان یشوش جہرهم علی نائم او مصلی او قاری الخ یہی تطبیق فتاویٰ خیر یہ میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ علامہ خیر الدین الرملی لکھتے ہیں: ولا یعارض ذلک حدیث خیر الذکر الخفی لانه حدیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فان خلاعت ذلک فقال البعض الجہر افضل ۱ھ۔

حاصل التطبيق فقہاء کی عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ ممانعت اور قول بالجواز دونوں میں مخالفت نہیں ہے، ممانعت اس وقت ہوگی جب ضرورت اس سے کسی قسم کی اذیت پہنچنے کا خطرہ ہو، اور جب اس خطرے سے جہر بالذکر خالی ہو تو جائز ہوگا، یہ ہے حاصل تطبیق۔ لیکن ہمارے نزدیک چند وجوہ کی بناء پر یہ تطبیق قابل قبول نہیں ہے۔

(۱) اول یہ کہ یہ تطبیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کے صریح طور پر مخالف ہے جو آپ نے ایک ایسی جماعت کے بارے میں دیا تھا جو خاص وقت میں ہیئت مخصوصہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں مشغول تھی، یہ واقعہ فقہ اور حدیث دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں :-

عن ابن مسعود انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یدہلون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہراً فراح الیہم وقال ما عهدوا ذلک علی عہدہ علیہ الصلوۃ والسلام وما اراکم الامبتدعین فما ذال ینذکر ذلک حتی اخرجہم من المسجد۔ ۱ھ (حموی۔ بزاز یہ، بحر شامی)

اس واقعہ میں قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا یہ ہیئت اجتماعی خاص مسجد میں جہر سے ذکر

سُتْرنا اور روپڑھنا تھا، اور اس کو اس بنا پر ممنوع نہیں کہا تھا کہ وہاں کسی نائم (سوئے والے) یا نمازی یا تلاوت کرنے والے آدمی کو اذیت پہنچنے کا خطرہ تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے دلوں کی صفتِ ریاء کا علم ہو گیا تھا بلکہ ممانعت کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح ذکر کرنا معہود نہ تھا، تو بدعت فی الدین ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اسی بنا پر فرما دیا گیا کہ ما اداکم الا مبتدعین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فتوے سے قائلین حرمت الجہر بالذکر نے حرمت پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے بصورت دعویٰ یہ ذکر کیا ہے: فی فتاویٰ قاضیخان الجہر بالذکر حرام۔ ۱ھ۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ انہوں نے ذکر کیا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ مسجد میں ذکر بالجہر جن فقہاء کے نزدیک حرام ہے وہ خطرہ اذیت کی بنا پر نہیں بلکہ ابتداء اور احداث فی الدین کی وجہ سے حرام ہے۔ تو خطرہ اذیت ان کے قول بالحرمت کے لیے محل بنا، جیسا کہ مذکورہ تطبیق میں اختیار کیا گیا ہے توجیہ الکلام بما لا یضی بہ قائلہ اگر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

تطبیق کے قابل قبول نہ ہونے کی دوسری وجہ (۲) دوم یہ کہ کتاب و سنت تاویلات نہ کی جائیں، ممانعت جہر ظاہر ہے مطلقاً ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً لا ترفع الیٰ معتدین۔ سے ظاہراً یہ مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے کہ اخفاء ضروری اور جہر حد اعتدال میں داخل ہے۔ البتہ دیگر نصوص کے پیش نظر جہاں جہر کی اجازت خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہو وہاں جہر جائز ہوگا۔ اور جہاں جہر کی اجازت کا ثبوت نہ ملے وہاں اس آیت کریمہ کے عموم سے ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا نہ کہ جواز کا۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائباً۔ (المحدث) اس سے بھی ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک اخفاء محبوب ہے نہ کہ جہر بلکہ یہ مکروہ ہے۔

الحاصل دلائل سے جو کچھ ظاہراً ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہر سوائے اُن مواضع کے جہاں خود شارع علیہ السلام سے اس کی اجازت منقول ہو مثلاً اذان، تکبیرات تشریق یا تلبیۃ فی الحج وغیرہ مکروہ ہوگا مطلقاً، اور اخفاء مندوب ہوگا مطلقاً۔

اس میں اذیت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یعنی ممانعت اذیت کی صورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

ترجیح یا صحیح تطبیق | فقہاء کرام کی مذکورہ تطبیق جب مندرجہ بالا دو وجوہ کی بناء پر صحیح ثابت نہ ہوئی تو اس کے بعد دو صورتیں رہ جاتی ہیں: اول یہ کہ

ہم فقہاء کرام کے دو قولوں کے درمیان کسی صحیح طریقہ سے تطبیق دیں یا ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیں۔ پہلی صورت اگر ہم اختیار کریں گے تو صحیح طریقہ سے تطبیق یوں ہوگی کہ ہرگز نہ اس وقت جائز ہوگا جبکہ اس میں نہ تو اذیت الی الغیر پائی جائے اور نہ اس میں بدعت کا ثابتہ تک موجود ہو، مجمل قول بالجواز کے لیے یہی ہے، اور جب بھی اس میں اذیت الی الغیر پائی جائے یا وہ بدعت کی صورت اختیار کرے تو ممنوع اور ناجائز قرار پائے گا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ اس میں ضرر پایا گیا ہے جو شرعاً کلام کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور دوسری صورت میں ممانعت اس بناء پر ہوگی کہ وہ بدعت میں داخل ہو گیا ہو کہ مردود فعل ہے، اور یہی محمل ہے فقہاء کرام کے اس قول کے لیے کہ الجہر بالذکر حرام۔

ترجیح | لیکن اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں گے تو پھر اصول ترجیح کے پیش نظر قول بالحرمت کو قول بالجواز پر ترجیح ہوگی۔ اس کے لیے ہم دو وجوہ پیش کریں گے۔

اول یہ کہ فقہاء ہی نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جب دو روایتیں ائمہ مذہب سے مروی ہوں جو آپس میں مختلف ہوں تو ان میں ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کو علامہ قاضی خان رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہو، کیونکہ وہ اہل الترجیح میں سے ہیں۔ اس کی تشریح علامہ شامیؒ نے رد المحتار ج ۴ ص ۴۰۰ میں ”بیع الوفاء“ کی بحث میں کی ہے، اس مسئلہ میں بھی جیسا کہ حموی اور بنیازیہ نے تشریح کی ہے۔ چونکہ علامہ قاضی خان حرمت جہر کا قائل ہے اس بناء پر حرمت ہی کو جواز پر ترجیح دینی پڑے گی۔

دوم یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ فقہاء کرام نے اس ارشاد سے ترجیح کے لیے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ جب بھی محرم اور مباح میں تعارض واقع ہو تو ترجیح محرم کو ہوگی نہ کہ مباح کو۔ اس بناء پر یہاں بھی حرمت و اباحت میں چونکہ فقہاء کے اقوال متعارض ہیں اس لیے قائلہ مذکورہ

کی رو سے حرمت کو اباحت پر ترجیح دینی پڑے گی۔

بہر حال تحقیق مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر اگر ذریعہ اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقہ سے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہو گا۔ چونکہ واقعہ مشول عنہا میں مجھے ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقہ سے ہے اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہو گا۔ اس عمل کی حالت اُس قوم کے عمل کی حالت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جس پر ابن مسعودؓ نے بتدیین کا حکم لگایا تھا، اس بناء پر یہ بھی اس کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔

وقت اور ہیئت کی تخصیص | سنن نبویہ اور علمائے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جس عبادت کو شریعت

نے مطلق رکھا ہو اُس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت اور کیفیت کو اگر معین کر لیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:-

ومنها التزام کیفیات والھیئات المعینۃ كالذکر بهیئۃ الاجتماع علی صوت واحد..... ومنها التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لها ذلک التعین فی الشریعۃ (اعتصام ج ۱ ص ۳۲)

(ترجمہ) اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماعی سے ایک آواز پر ذکر کرنا، اسی طرح خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام بھی بدعات میں سے ہے جن کے لیے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔ صاحب "مجالس الابرار" ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سابقہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وهكذا يقال لكل من أتى فی العبادات البدنیۃ المعینۃ بصفة لم تکن فی زمن الصحابة - (مجالس الابرار ص ۱۳۳)

(ترجمہ) ایسا ہی اُس شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ بدعتی ہے، جو خالص بدنی عبادات میں کوئی صفت اور ہیئت ایسی پیدا کرے جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:-

ان هذه الخصوصية بالوقت او بالمال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضى استجابة بخصوصه وهذا اقرب ۱۰

(ترجمہ) ”وقت اور حال یا ہیئت کے ساتھ یہ خصوصیات اور فعل مخصوص‘ دونوں خاص دلیل کے محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استجاب پر دلالت کرے اور یہی اقرب الی الصواب ہے۔“
یہ بھی علماء نے اصول مسلمہ کے طور پر مان لیا ہے کہ مطلق عبادت کے مشروع اور مرغوب ہونے سے یہ لازم نہیں کہ قیودات اور تخصیصات کے ساتھ وہ عبادت مفید اور مخصوص ہو کر بھی مشروع اور مرغوب ہوگی، بلکہ بسا اوقات تقیدات اور تخصیصات سے وہ بدعت اور قابل نفرت قرار پا جاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فاذا ندب الشرع مثلاً الى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان واحد و بصوت واحد اوفى وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم يكن في ندب الشرع ما يدل على هذا التخصيص الملتزم بل فيه ما يدل على خلافه ۱۱ (اعتصام ج ۱ ص ۳۳۵)
(ترجمہ) ”شریعت نے جب کسی چیز کی ترغیب دے دی مثلاً ذکر اللہ، پس ایک قوم نے اجتماع کا التزام کر کے ایک آواز سے ایک زبان ہو کر ذکر کرتا شروع کر دیا، یا تمام اوقات میں سے کسی معین اور مخصوص وقت کو منتخب کر کے اس میں ذکر کرنے کا التزام کر دیا تو شریعت کی یہ مطلق ترغیب، تخصیص اور التزام کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اسکے خلاف پر وہ دلیل بن جائے گی۔“
اس مسلمہ اصول کے پیش نظر جب ہم واقعہ مسئلہ عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں۔ ایک وقت کی تخصیص، دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے۔

(۴) مسجد میں اُلٹے سیدھے ہو کر چیخ و پکار کرنا | صحیح احادیث نبویہ میں مساجد کے جو احکام اور آداب بیان ہوئے

ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مساجد میں چیخنے چلانے سے کھلی پرہیز اور مکمل اجتناب کیا جانا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ایاکھ وہیئات الاسواق فی المساجد۔ او کما قال علیہ السلام (ترجمہ) ”مسجدوں میں شور و غل اور چیخ و پکار سے جو عام طور پر بازاروں میں ہو رہا ہے پرہیز کرتے رہنا۔“

احادیث میں قرب قیامت کے جو علامات بیان ہوئی ہیں اور بلائے عام کے نزول کے جو اسباب متعین کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں بلند آواز سے چیخ و پکار شروع ہو جائے گی، وارتفاع الاصوات فی المساجد۔ (الحیث) ان ارشادات نبویہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسجدوں میں چیخ و پکار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واقعہ مسئول عنہا میں یہ لوگ مسجد میں وجد کی حالت میں چیخ و پکار کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۵) **وجد یا تواجد** | یہ بھی اس واقعہ میں ذکر ہے کہ وہ لوگ اس مجلس میں اشعار وغیرہ پڑھنے اور سنتے سے وجد یا تواجد میں آکر مسجد میں اُلٹے سیدھے

بھی ہوتے رہتے ہیں۔ وجد یا تواجد کا مسئلہ صوفیاء اور مشائخ کے مابین بھی اختلافی ہے، اور فقہاء اور علمائے شریعت کے درمیان بھی سخت اختلافی ہے۔ محققین صوفیاء اور فقہاء دونوں نے اس بارے میں جو اپنا فیصلہ پیش کیا ہے اور جس کو شامی وغیرہ فقہاء نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سالک کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتباع سنت کا مکمل نمونہ ہو اور اس پر خوف و خشیت خداوندی غالب ہو اور جلال خداوندی کے آثار نمایاں ہوں، اس سے اگر ذکر کرنے کی حالت میں وجد یا تواجد کی حرکات سرزد ہوں تو اس کی عام زندگی کی حالت کے پیش نظر ایسی حرکات غیر اختیاری سمجھ کر قابل ملامت اور لائق سرزنش قرار نہیں دی جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی عام زندگی میں سنت نبویہ کا پابند نہیں ہے اور اس کے عام اعمال بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں تو ایسی حرکات کو اختیاری اور ایک قسم کا قصص و بناوٹ قرار دے کر ان سے اس کو منع کر دیا جائے گا اور ایسی حرکات کو قابل ملامت اور لائق سرزنش قرار دیا جائے گا۔ فی زمانہ چونکہ خلافت شرع حرکات اور بدعات ترقی پذیر ہیں اور سنت نبویہ کا اتباع حد سے حد درجہ کم ہے، خصوصاً عصر حاضر کے صوفیوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ایجاد کردہ سنتوں (بدعات) کے تو بڑی شدت سے پابند ہوتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی سنت کی پابندی نہیں تو صرف سنت نبویہ کی نہیں، گویا ان سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعاوی بلند بانگ ہوتے ہیں، اس بنا پر ایسے لوگوں کے حق میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو اس قسم کی حرکات سے ضرور منع کر دیا جائے۔

اصل الجواب | (۱) مذکورہ بالا پانچ امور کے پیش اس اجتماع کے متعلق جو ان

خلاف شرع امور پر مشتمل ہے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے اس میں شمولیت اعانت علی البدعة اور توقیر مبتدع ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ومن قدر صاحب بدعة اعان علی هدم الاسلام (المحیث) مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے پرہیز کریں اور علماء کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو حکمت کے طریقہ سے سمجھائیں۔ ادع الی سبیل ربك بالحكمة (الآیۃ) جھگڑوں اور فسادات سے مجتنب رہیں۔ نیز اس شخص کا یہ کہنا کہ یہ تمام امور جائز ہیں سخت غلط ہے اور سابقہ دلائل سے اس کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔

(۲) شرعی فیصلہ کے مطالبہ کے جواب میں جو وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت ظاہری کے علماء پر فیصلہ نہیں کرتا ہوں باطنی علماء شریعت پر فیصلہ کرتا ہوں، اگر تو اس کا یہ جواب اس خیال پر مبنی ہو کہ علماء چونکہ ظاہری شریعت پر فیصلہ کریں گے اور ظاہری شریعت کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ اس پر فیصلہ کیا جائے تو یہ انکار شریعت ہے اور انکار شریعت مرتج کفر ہے اور اگر وہ شریعت ظاہری کو فیصلہ کن قانون کا حیثیت سے تو مانتا ہے مگر فیصلہ ماننے سے گریز کرتا ہے تو یہ منافقوں کی روش ہے، قرآن کریم اس کو منافقوں کی نشانی قرار دیتا ہے: واذ اقبل لهم تعالوا الی ما انزل الله والی الرسول ذایت المنافقین یصدون عنك صدوداً۔ (الآیۃ) اور اگر وہ یہ گریز اس خیال سے کر رہا ہے کہ علماء شریعت فیصلہ حق کے مطابق نہیں کریں گے تو یہ وہ بے جا سوء ظن ہے جس سے قرآن عزیز اجتناب کا حکم دیتا ہے: یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من النطن ان بعض النطن اثم۔ (الآیۃ) فقط واللہ اعلم

سوال: محترم مفتی صاحب! چھٹی فرمائیے **خواتین کا زیارت قبور کے لیے جانا** علماء دین دریں مسئلہ کہ رفتن مستورات براۓ زیارت قبور جائز است یا ممنوع است؟ اس مسئلہ کی مکمل تشریح بمعہ حوالہ جات درکار ہے؟

الجواب: عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم مذہب مفتی بہ کے مطابق عدم جواز کا ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہمارے سامنے ہیں، ایک وہ روایت ہے جو تھنرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: قال لعن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم زائرات

القبور۔ (الحديث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ دوسری حدیث وہ ہے جو سنن ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے جس سے عام رخصت ثابت ہوتی ہے، اور وہ حدیث یہ ہے: کنت نہیت عن زیارة القبور الا فزوروها لانها تذکرة الآخرة۔ (الحديث) مجوزین حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ سے جو لعن ثابت ہوتا ہے وہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ زیارت القبور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرمائی تھی اور جب نہیں منسوخ ہو گئی تو خواتین کو رخصت مل گئی، جیسی کہ مردوں کو حاصل تھی۔ اور مانعین حضرات فرماتے ہیں کہ خواتین کے حق میں نہیں اب تک باقی ہے بوجہ ان سے قلت صبر اور کثرت جزع کے، اور یہی وجہ ہے کہ خاص کر حدیث میں ان کا ذکر ہوا۔ چنانچہ فتح ابوداؤد حاشیہ ابوداؤد میں ہے: قيل كان ذلك حين النهي ثم اذن لهن حين تسخ النهي وقيل لبقين تحت النهي لقلّة صبرهن وكثرة جزعهن وهو الاقرب الى تخصيصهن بالذكر۔ اور ملا علی قاریؒ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں: فی الشرح السنة قيل هذا قبل الترخيص فلما رخص دخل فی الترخصة الرجال والنساء وقيل بل نهى النساء باق لقلّة صبرهن وكثرة جزعهن۔ لیکن ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے کہ یہی ان کے حق میں باقی ہے۔ مگر اس عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت جمہو علماء کے نزدیک مستثنیٰ ہے یعنی آنحضرت کی قبر کی زیارت سب کو جائز ہے، خواہ مرد، خواہ عورت۔ حضرت مولانا شاہ اسحق رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور ساتھ قول صحیح ترک کے مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ کتاب ”مستملیٰ“ میں لکھا ہے کہ: ”مستحب ہے زیارت القبور مردوں کو اور مکروہ ہے عورتوں کو اور کتاب مجالس واعظیہ سے: ”مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں کو حلال نہیں کہ نکلیں طرف مقابر کے، کیونکہ روایت کی گئی ہے ابوہریرہؓ سے: انه عليه الصلوة والسلام لعن زوارات القبور۔ اور ”نصاب الاحتساب“ میں آیا ہے کہ قاضی عیاضؒ سے پوچھا گیا نکلتے عورتوں کے طرف مقابر کے اور اس کی خرابی و قباحت کے متعلق، پس کہا انہوں نے کہ اے سائل مت پوچھ اس کے جواز و فساد سے بلکہ اس گناہ کی مقدار سے پوچھ جو اس کو لاحق ہوتی ہے لعنت سے اور سمجھ لے کہ جب عورت ارادہ کرتی ہے نکلتے کا طرف مقابر کے تو ہوتی ہے بیچ لعنت کے اللہ تعالیٰ اور

ملائکہ کے اور ہر طرف اس کے شیاطین لگ جاتے ہیں اور جب آتی ہے قبر پر لعنت کرتی ہے اس پر روح میت کی، اور جب پھرتی ہوتی ہے بیچ لعنت اللہ تعالیٰ کے میاں تک کہ واپس پہنچ جاتی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت گھر میں بیٹھے مردوں کے حق میں دعا کرتی ہے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکلے اور اگر گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے اتنے میں سید فاطمہ الزہراؓ تشریف لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! کہاں سے آرہی ہو؟ عرض کیا فلاں عورت فوت ہو گئی تھی اُن کے گھر گئی تھی، فرمایا حضورؐ نے کیا اس کی قبر پر بھی گئی تھی؟ حضرت فاطمہ الزہراؓ نے کہا کہ معاذ اللہ! جبکہ ایک چیز کی ممانعت میں نے آپ سے سُنی پھر وہ کام کیسے کر سکتی ہوں؟ پس حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو نہ پاتی خوشبو جنت کی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مالا بدامنہ میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبور مردوں کو جائز ہے نہ عورتوں کو۔ انتہی

علماء کی ان تحقیقات اور روایات مشتمل بروعیادت کے پیش نظر آجکل کے پُرفتن دور میں جہاں ہر طرف سے مستورات کی عصمت دری کے لیے شیطانی دروازے کھلے ہیں، اس بنا پر فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور کے واسطے جانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔
ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

ایصال ثواب اور تخصیص ایام کے بارے میں چند سوالات | سوال :- جناب مفتی صاحب!

- میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی:
- (۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن شریف ختم کرنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس میں کھانے وغیرہ پکھانے کو ضروری سمجھنے کا کیا حکم ہے؟
 - (۲) صدقہ اور نذر پر ختم قرآن شریف کر کے لوگوں کو کھلانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض علماء نے قرآن پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس کو وہ اجرت کے مسئلہ پر محمول کرتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟
 - (۳) بارہ وفات ۱۲ ذی الحجہ الاول کے دن اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر تسلیع وغیرہ کرتے ہیں اور

اکثر لوگ ان دنوں میں صدقہ و خیرات کو ضروری اور بہتر سمجھ کر خاص کر بارہویں تاریخ کو نکال دیتے ہیں اور جہاں تبلیغ وغیرہ ہوسا ہی ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے علماء اور خواص و عام، غنی اور فقیر سب موجود ہوتے ہیں اُن میں صدقہ و خیرات کی وہ چیزیں تقسیم کرتے ہیں شریعت مطہرہ میں ان افعال کی کیا حیثیت ہے ؟

(۲) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ میں جو چوڑی روزہ اور خیرات وغیرہ کرنے کا لوگ خصوصی اہتمام کرتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مذکورہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار حاضر ہیں ۔

(۲۰۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن مجید کا ختم کرنے میں فرق ضرور ہے اور اس پر اجرت لینے میں بھی تفصیل ہے، چاہے فقہ کی صورت میں ہو یا کھانا وغیرہ کھانے کی صورت میں ہو کتب فقہ کی تصریحات سے واضح ہے، فقہاء کرام نے صاف لکھا ہے کہ قرآن مجید پڑھانے اور تعلیم کی اجرت جائز ہے۔ قدماء حنفیہ منع کرتے تھے مگر متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے بسبب اندیشہ تلف علم کے، علوم دین اور قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا اہل حدیث سے نکلتا ہے، اس میں تو بحث کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے، کیونکہ یہ اجرت علی الطاعت ہے، تعلیم کی اجرت تو ضرورہ جائز کی گئی ہے، ایصالِ ثواب میں نہ ضرورت ہے نہ کوئی حرج دین و دنیا کا مقصود ہے لہذا قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانے کی اجرت کسی کے نزدیک بھی حلال نہیں، اگر سانپ یا بکھو کے کاٹے پر پڑھ کر یا کسی دوسرے مریض پر پھونکا جائے، جس کو رقیہ کہتے ہیں تو یہ علاج ہے نہ کہ عبادت اور ایصالِ ثواب طاعت ہے مزید تفصیل شامی وغیرہ سے معلوم ہوسکتی ہے، نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان شریف میں جو قرآن شریف تراویح اور نوافل میں سنایا جاتا ہے اُس کی اجرت یعنی دینی دونوں حرام ہیں۔ اور فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی کچھ دیا تو درست ہے اور جو حسب رواج و عرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے اگرچہ بان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔

(۳) اس میں شک و شبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور عقیدت عین ایمان ہے اور آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک زندگی

کے ہر شعبے کے صحیح حالات اور واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو پیش کرنا باعثِ نزول رحمتِ خداوندی ہے، اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات معلوم کرے اور ان کو مشعلِ راہ بنائے۔ سال کے ہر مہینہ میں اور ہفتہ میں اور ہفتہ کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور ہر منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں کہ جس میں آپ کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں، یہ بات محلِ نزاع نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ذیجہ الاول کی بارہویں تاریخ کو متعین کر کے اس میں میلاد منانا، محافل و مجالس منعقد کرنا، جلوس نکالنا یا اس دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور اہل خیر القرون سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کسی کو اس میں پس و پیش کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے فعلاً یا قولاً کیا وہی دین ہے اور اس کی مخالفت بے دینی ہے۔ تیس سال آپ بعد از نبوت قوم میں زندہ رہے، اور پھر تیس سال خلافت راشدہ کے گزرے ہیں، اور پھر اسی تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا ہے، کم و بیش دو سو بیس برس تک اتباعِ تابعین کا دور اور زمانہ تھا، عشقِ رسولؐ ان میں کامل تھا، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ اگر کوئی ہمت کر کے ان سے مذکورہ بالا افعال کا کرنا ثابت کر دے تو چہنیم مار و شن دلِ ماشاء کسی مسلمان کو اس سے سرمو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی خیر القرون سے اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے اور تا قیامت نہ کر سکے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک اور کارِ ثواب عمل اس وقت کیوں نہ ہوا اور آج یہ کیسے مبارک اور کارِ ثواب ہوا؟ وہ تمام فوائد و برکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج لوگ بیان کرتے ہیں۔

بمصطفیٰ رساں خلیش را کہ ہمہ اوست اگر بآونہ رسیدی تمام بولہبی ست
محفل میلاد، مجلس میلاد اور چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر و ولادت باسعادت اور چیز ہے، اول بدعت ہے اور ثانی مستحب اور مندوب ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: "نفس ذکر و ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آتی ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱)۔ حضرت گنگوہیؒ مزید لکھتے ہیں: "نفس ذکر و ولادت فخر و علم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگی" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱) اسی طرح علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے مدخل میں پوری صراحت اور وضاحت سے اس کی

تردید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه في الشهر الربيع الاقل من المولد وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات الى ان قال وهذه المفاسد مرتبة على فعل المولد اذا عمل بالسمع فان خلا منه وعمل طعاً فقط ونوى به المولد ودعا اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط، لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضيين واتباع السلف اولي.

اور امام جلال الدين سيوطی رحمہ اللہ "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھتے ہیں: ليس فيه نص ولكن فيه قياس.

اسی طرح علامہ عبدالرحمن مغربی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ان عمل المولد بدعة طریقل بہ ولم یفعله رسول الله صلعم والمخلقا والائمة.

یہ مختصر طور پر مروجہ میلاد کی حقیقت ہے جو آپ پر ظلم ہر کردی گئی۔

(۴) آخری چہار شنبہ (ماہ صفر) کی پوری اور خیرات کرنے کا جو لوگ خاص خیال رکھتے ہیں اس کا بھی کچھ ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور اور اطعام الطعام کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کچھ ثبوت نہیں ہے، جہلاً کی باتیں ہیں" (فتاویٰ رشیدیہ ص—)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں لکھتے ہیں: "یہ بات بالکل بے اصل ہے اور غلط ہے بلکہ حدیث میں ماہ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی مخالفت وارد ہے: قال عليه السلام لا هامة ولا صفر (الحديث) مسلمان کا بڑا کام اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرنی چاہیے کہ یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، سنی سنائی باتوں سے اتباع کرنا گناہ ہے۔ (امداد المفتین ص—)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ: "اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے۔"

فقط واللہ اعلم

اپریل فول منانے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک !

کئی دنوں سے اپریل فول کے حوالے سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ ملک عزیز پاکستان میں ہر سال یکم اپریل کو لوگ بلا وجہ ایک دوسرے کے گھروں اور دوکانوں وغیرہ پر بھوٹی حادثاتی خبریں پہنچاتے ہیں جنہیں سنکر بعض کمزور دل والوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے، اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے، کئی لوگ بیمار بھی پڑ جاتے ہیں اس فعل کو لوگ اپریل فول کہتے ہیں (یعنی لوگوں کو بلا وجہ مصیبت میں مبتلا کر کے خود خوش ہونا) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں اس مذموم فعل (اپریل فول) کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کو بنیاد بنا کر لوگوں کا جانی و مالی نقصان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں دھوکا، فریب اور دوسرے لوگوں کا بلا وجہ نقصان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور نہ اسلامی تعلیمات میں کسی کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کا اپریل فول وغیرہ جیسی فضول رسم کا سہارا لیکر جانی و مالی نقصان کر کے خوش ہوتا پھرے جبکہ اسلامی نظام نے تو ہر ایک (مسلم اور غیر مسلم ذمی) کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا درس دیا ہے اور کسی کو بلا وجہ دکھ اور تکلیف دینا حرام قرار دیا ہے، کلا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ (الحديث)

اسلام نے دوسروں سے جھوٹ بولنے کو بھی حرام قرار دیا ہے بلکہ جھوٹ کو منافق کی نشانیوں میں سے شمار کیا ہے۔ اية المتافق ثلاثة اذا حدث كذب اذا تمن خان واذا وعد اخلف (الحديث) اور غیر کے جان و مال کے تحفظ کے لیے واضح قانون جاری فرمایا: من قال لا اله الا الله عصم مني دماره وامواله الابحقة (الحديث)

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے نفوس (جانوں) اور اموال کا جتنا تحفظ اسلامی قانون میں ہے دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں۔ آج کل بلکہ زمانہ قدیم سے ہر سال یکم اپریل کو بھو فول منایا جاتا ہے اس میں مذکورہ بالا تمام خرابیاں موجود ہیں جس کی وجہ سے شرعاً اس (فول) کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خرابیوں کے علاوہ اپریل فول میں صنم پرستی کا توہم بھی موجود ہے اور یہودیوں کے ساتھ توہین رسالت میں مشابہت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تسخر جیسے قبیح امور بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ میں اس فول کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی عیسوی سے پہلے سال کا آغاز

یکم جنوری کے بجائے یکم اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس چینیے کو روحی لوگ اپنی دیوی ونیس کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں APHRO DITE کیا جاتا تھا اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے چینیے کا نام اپریل رکھ دیا گیا ہے۔

(برٹانیکا، پندرہواں ایڈیشن جلد ۸ ص ۲۹۲ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

اس لحاظ سے صنم پرستی کا توہم اس (اپریل فول) میں پایا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ان توہمات سے بھی دور رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

بعض نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، لہذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا ج ۱ ص ۲۹۶ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

تاریخ کے اس حوالہ سے (نعوذ باللہ) قدرت سے انتقام لینا مستفاد ہوتا ہے جو صریح کفر ہے۔

ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے کہ یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں یہودیوں اور رومیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام تہار اور محرف انجیلوں میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”اور جو آدمی اُسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور ماتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر ٹھانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مارا کہ بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں“۔ (لوقا ۲۲: ۶۳-۶۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اس شرمناک اور توہین رسالت پر مبنی واقعہ کی یاد میں اپریل فول مناتے ہیں۔ اور بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دن سپین سے اسلامی خلافت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا تھا جس کی خوشی میں عیسائی یہ دن مناتے ہیں اور اس دن ان کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس قسم کے یہود اور اسلامی تعلیمات کے مخالف تہوار نہیں منانا چاہیے اگر کسی نے اس قسم کا تہوار شرمناک دوسروں کا جانی یا مالی نقصان کیا تو وہ عند اللہ اور عند الناس مجرم ہے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ (واللہ اعلم)

بسنت کا تہوار منانا جائز نہیں | سوال: جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ، ملک عزیز پاکستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں خصوصاً اہلیانِ لاہور موسمِ بہار کی آمد کے موقع پر ایک موسمی تہوار بسنت کے نام سے بڑے ہوش و خروش سے مناتے ہیں، اس سال تو سرکاری سطح پر اس تہوار کو منانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے تہوار منانا شریعت مقدسہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خوشی کا کوئی بھی تہوار جس میں کسی غیر شرعی قباحت کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو اور نہ کسی غیر اسلامی مذہب کا جزم ہو تو صرف اظہارِ مسرت کی حد تک منانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں خود اسلام میں عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کو تہوار کے طور پر منانے کا حکم موجود ہے مگر جس تہوار کا کسی غیر اسلامی مذہب سے تعلق ہو مسلمانوں کو ان تہواروں سے من تشبہ بقوم فہو منہم (الحديث) کی بناء پر منع کیا گیا ہے۔ بسنت کا تہوار منانے میں دیگر حرمت کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ یہ علت بھی موجود ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے۔ مشہور محقق اور مسلم سائنسدان علامہ ابوریحان البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”کتاب الہند“ میں بسنت کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”اسی مہینہ میں استوار یعنی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے“ اس کے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں۔

(کتاب الہند باب ۷۶ ص ۳۶)

اس دن کو تہوار منانے کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے سبزے کی دیوی کو کسی اغواء کیا تھا اور اغوا کار اس کو زیر زمین لے گیا تھا، اس دیوی کا عاشق اُسے تلاش کرتا رہا اور تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد دیوی کو رہا کرنے میں کامیاب ہو گیا، دیوی کے رہا ہونے کے بعد دوبارہ ہریالی شروع ہو گئی، اس لیے ہندو اس کی رہائی اور ہریالی دیا شروع ہونے کی خوشی میں اس دن کو بسنت کے نام سے مناتے ہیں۔

اس کے برعکس پاکستان کے اکثر شہروں خصوصاً لاہور میں اس دن (بسنت) کو زیادہ زور و شور کے ساتھ منانے میں ایک اور علت بھی شامل ہے جس کی وجہ سے بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھائی جاتی ہے، وہ کہانی کچھ یوں ہے کہ مغل دورِ حکومت میں لاہور میں ”حقیقت رائے“ نامی ایک ہندو طالب علم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

شانِ اقدس میں درشنام طرازی کی، قاضی وقت نے اس کو پھانسی کی سزا سنائی، چنانچہ لاہور ہی کے علاقہ گھوڑے شاہ میں واقع سکھ نیشنل کالج کی گراؤ میں "حقیقت رائے" کو پھانسی دیدی گئی۔ ہندوؤں نے اس کو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت دے کر خوشی کے طور پر بسنت کے نام سے منانا شروع کر دیا کہ ان کے ایک نوجوان نے اپنے مذہب کے لیے اتنی قربانی دی کہ پھانسی کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنے کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

لہذا ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بسنت کو فحش موسمی تہوار نہیں بلکہ یہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے، مسلمانوں کے لیے اس تہوار کو منانا اور اس میں شرکت کرنا جائز اور صحیح نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حکومت اس تہوار کو سرکاری طور پر منانے کا جو ارادہ رکھتی ہے شرعاً صحیح نہیں کر رہی، یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے بلکہ ^{حکومت} اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ بسنت سمیت دیگر تمام غیر اسلامی تہواروں پر فوراً پابندی لگا دے تاکہ اس سے غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔





قَالَ اللَّهُ يَا فِرْعَوْنُ أَنَا اللَّهُ الْمُنِجُ
 مِنْكُمْ الذِّكْرُ وَنُفُورُ الْعَلْبِ

کتاب العلم (علم کے احکام و مسائل)

لاؤڈ سپیکر پر درس قرآن دینے کا حکم | سوال :- لائوڈ سپیکر پر تلاوت قرآن، نعت خوانی یا قرآن مجید کا درس دینا بعض اوقات مخلوق خدا کی ایذا رسانی کا باعث بن جاتا ہے، کیا اس طرح لائوڈ سپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- قرآن مجید کا درس دینا، تلاوت کرنا اور نعت خوانی وغیرہ خواہ لائوڈ سپیکر سے ہو یا اس کے بغیر، کارِ خیر اور موجبِ اجر و ثواب ہے تاہم اگر اس سے خلقِ خدا کو ایذا پہنچتی ہو اور قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہو تو ایسا کرنا مکروہ اور گناہ کا سبب ہے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: وعلى هذا يقرأ على السطح في الليل جهراً والناس ينامون يا ثم أي فلاتهم على القاري. (خلاصة الفتاوى ج ۱ فصل في القراءة)۔
قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ | سوال :- قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتابوں کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز

ہے یا نہیں؟ اگر جلانا جائز نہیں تو ایسے اوراق کی حفاظت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟
الجواب :- قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کا ادب و احترام ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے، چونکہ ان کے بوسیدہ اوراق جلانے میں سوء ادب ہے اس لیے قرآن کریم اور دیگر دینی کتب کے بوسیدہ اوراق کو کسی محفوظ مقام پر دفن کر دیا جائے یا پھر دریا برد کر دیا جائے تو بہتر ہے، جلانا شرعاً مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا

لما قال العلامة ابن الہمام: وعلى هذا يقرأ على السطح في الليل جهراً والناس ينامون يا ثم۔ (فتح القدير ج ۱ ص ۲۹۸ کتاب الصلوة فصل في صفة الصلوة) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۳ کتاب الصلوة۔ فصل في صفة الصلوة۔

يعرق بالنار اليه اشار محمد وبه ناخذ ولا يكره دفنه وينبغي ان تلف بخرقة طاهرة ويلحد له - (رد المحتار ج ۶ ص ۲۲۲ كتاب الحظر والاباحه - فصل في البيع) له

کسب معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا | سوال :- اگر کسی شخص کا گزارہ تدریس کی تنخواہ پر مشکل ہو تو کیا ایک عالم دین تدریس

کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار شروع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- تنخواہ پر گزارہ نہ ہونا ایک مبہم حقیقت ہے، ایسی صورت میں اپنی ضرورت پر نظر ثانی کر کے اخراجات کو محدود کرنا چاہیے اور غیر ضروری اخراجات سے اجتناب کرنا بہتر ہے تاکہ تدریس جیسی مقدس عبادت سے تعلق منقطع نہ ہو، تاہم اگر اہل و عیال کا نان و نفقہ تدریس کی تنخواہ سے پورا ہونا مشکل ہو اور جزوی اوقات میں متبادل ذرائع آمدن کا اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو پھر نفقہ کی تلاش میں تدریس کو چھوڑ دینا ناجائز نہیں ہے اس لیے کہ تدریس فرض کفایہ ہے اور اہل و عیال کے نفقہ کا بندوبست کرنا فرض عین ہے۔

لما قال الله تعالى : وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (سورة التوبة آیت ۱۲۲) ۲

لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم کا حکم | سوال :- عصر حاضر میں لڑکیوں کے لیے سکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مستورات کی تعلیم و تعلم کے بارے میں شریعت مقدسہ کی رائے مثبت

۱۔ لما في الهندية : والمصحف اذا صار خلقاً لا يقرا منه ويتعاف ان يضيع يجعل في خرقة ويدفن ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلك ويلحد له -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۲ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف)

۲۔ لما قال العلامة جلال الدين السيوطي : قوله تعالى (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً - الآية) فيها ان الجهاد فرض كفاية وان الفقه في الدين وتعليم الجهال كذلك - (الاكلیل فی استنباط التنزیل ص ۱۲۳ سورة التوبة)

ہے بشرطیکہ حدود اللہ کی رعایت ہو۔ تاہم عصر حاضر میں پردہ وغیرہ کے فقدان کی بناء پر خواتین کا سکول و کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا شمار مفاسد کے لیے راہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے، البتہ اگر بچیوں کو مستقل طور پر مستورات ہی کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور مفاسد کا انسداد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ما قال الشيخ المحدث علي بن سلطان محمد القاري: تحت قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تعلمين هذه رقية النملة لما علمتها الكتابية (قال الخطابي فيه دليل على ان تعلم النساء الكتابية غير مكروه قلت يحتمل ان يكون جائزاً للسلف دون الخلف لفساد النسوان في هذا الزمان - رمرقة شرح مشكوة ج ۸ باب الرقية) تعلیم و تہذیب سکھانے کے لیے کمسن بچے کو سزا دینا سوال :- ایک بچے کی عمر دل تعلیم و تہذیب سکھانے کے لیے کمسن بچے کو سزا دینا ہے لیکن تعلیم و تہذیب سکھانے میں اس کا جی نہیں لگتا، وقت ضائع کرنے کا عادی ہے، کیا ایسے بچے کو مارنا زبردستی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے اپنی اور اہل و عیال کو تعلیم و تہذیب سکھانے کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم خود بھی جہنم کی آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ، اور یہ تب ہوگا جب بچوں کو تعلیم و تہذیب اور ادب سکھایا جائے اور ظاہر ہے کہ تعلیم و تعلیم کے لیے بعض اوقات بچوں پر سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لہذا صورت مسئلہ کے مطابق اگر اس بچے کا تعلیم میں جی نہیں لگتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو زبردستی اس کو سزا دینا مرخص ہے بلکہ اس میں ثواب کی بھی امید ہے، تاہم سزا میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ جسمانی نقصان یا دل شکنی کا ذریعہ بن جائے۔

لہ رواہ اکامام محمد بن اسماعیل البخاری: عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجل فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدهن یوماً لقیہن فیہ فوعظہن وامرہن الخ۔ (الصیغ البخاری ج ۱ ص ۱۸۶ باب یجعل للنساء یوماً علیحدۃ فی العلم) وَمِثْلُهُ فِي سَنَنِ ابْنِ دَاوُدَ ج ۲ ص ۱۸۶ باب فِي الرِّقَى۔

لما قال الله تبارك وتعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا -

ریادہ ۲۸ سورۃ التحریم آیت ۶۱) لہ

استاد کا شاگرد کو سزا دینا | سوال :- کیا استاد کے لیے تعلیم و ادب کے واسطے

اپنے شاگرد کو مارنا (سزا دینا) جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- استاد کا اپنے شاگرد کو مارنے (سزا دینے) کا حق حاصل ہے کیونکہ اہل خانہ نے تعلیم و تادیب کے واسطے بچے کو استاد کے حوالہ کیا ہوتا ہے، لیکن استاد کو سزا دیتے میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ شاگرد کو جسمانی نقصان پہنچے یا استاد کی سختی کی وجہ سے بچہ تعلیمی میدان ہی چھوڑ دے بلکہ شاگرد کی اصلاح کے لیے استاد اسے معمولی سزا دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین : ولو امر غیره بضرب عبده حل للمامور بضربه بخلاف المحرق قال فلهذا تنصيص على عدم جواز ضرب الولد بامره بخلاف المعلم لان المامور يضربه نيابة عن الاب لمصلحة - (رد المحتار ج ۳ باب التعزیر ص ۱۹۳)

دینی علوم کے طالب علم کے نفقہ کا حکم | سوال :- ایک طالب علم دینی مدرسہ میں

دینی علم حاصل کر رہا ہے اور اس کا باپ غنی ہے، ضعیف بھی نہیں، تو کیا والد پر اس بچے کی ضروریات پورا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب :- دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات دین سے واقف ہو کر صحیح طریقے سے اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے، ہو انسان دینی علم کے حاصل کرنے کے لیے نکلا ہو اور صحیح معنوں میں علم حاصل کر رہا ہو اور

لہ قال العلامة الحصکفی : وفا القنیۃ لہ اکراہ طفله علی تعلیم قرآن و ادب و علم لفریضۃ علی الوالدین - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۱ باب التعزیر)

و مثله فی الاحکام الصغار علی هامش جامع الفصولین ج ۷ مطلب لیس للمعلم ان يضرب

لہ قال العلامة محمد بن محمود الاستروشنی : بلغ الصبی عشر سنین يضرب لاجل الصلوۃ (بحذف یسیر) و کذا المعلم لیس لہ ان یجوز الثلاث -

(احکام الصغار علی هامش جامع الفصولین ج ۷ مطلب لیس للمعلم ان يضرب)

وقت ضائع نہیں کرتا ہو تو ایسے طالب علم کے والد پر اس کی جملہ ضروریات پوری کرنا ضروری ہے۔
 لما قال العلامة ابن عابدین: وكذا طلبية العلم اذا كانوا عاجزين عن الكسب
 لايهتدون اليه لا تسقط نفقاتهم من آباءهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية۔
 (تنقيح الفتاوى حامدية ج ۲ ص ۷۲) ۱۰

علماء دین کی توہین کرنا | سوال :- ایک شخص جو کہ بڑا بد زبان اور بد اخلاق ہے، بغیر
 کسی سبب و جرم کے علماء دین کی توہین کرتا ہے اور ان کو
 حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور گالیاں بھی دیتا ہے، تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟
 الجواب :- اللہ تعالیٰ کے ہاں علماء دین کا بہت بڑا مقام ہے، ارشاد باری تعالیٰ
 ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورة الزمر آیت ۷) یعنی عالم
 اور جاہل دونوں برابر نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا
 وارث قرار دیا ہے۔ قرآن اور حدیث سے عالم کا مقام نمایاں ہے اور ایک عالم دین
 سے بلا وجہ بغض و حسد رکھنا یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی بلا کسی دنیوی و آخری
 سبب کے کسی عالم کی توہین کرتا ہو اور اسے گالیاں دیتا ہو تو ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء
 کے نزدیک اس کی یہ حرکت موجب کفر ہے، اور اگر کسی دنیوی وجوہات سے توہین کرتا
 ہو تو گنہگار اور فاسق ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خفی علیہ لکفر قلت
 الظاہر انہ یکفر لانه اذا ابغض عالماً من غیر سبب دنیوی و آخری فیکو بغضه لعلم الشیعة ولا
 شک فی کفر من انکر فضلاً عن ابغضه۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۷۳) ۱۱

۱۰ لما فی الہندیۃ: وكذا طلبية العلم اذا كانوا عاجزين عن الكسب لايهتدون
 اليه لا تسقط نفقاتهم عن آباءهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية۔
 (الفتاوى الہندیۃ ج ۱ ص ۵۶۳ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد۔
 کتاب الطلاق)

۱۱ قال العلامة طہر بن عبد الرشید البخاری: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خفی
 علیہ الکفر۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)

سوال :- ہر سال بلا وجہ مدرسہ تبدیل کرتا ہے۔ دینی مدارس کے بعض طالب علموں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال بلکہ سال میں دو تین مدرسے بدلتے ہیں جبکہ پہلے والے مدرسے میں ان کو ہر قسم کا آرام و راحت ملتا ہے، آب و ہوا وغیرہ بھی موافق ہوتی ہے، اسباق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، اساتذہ بھی بڑے شفیق اور مہربان ہوتے ہیں، اس سب کچھ کے باوجود مدارس کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے مدارس پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور ان کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، شریعت مطہرہ کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- تمام تر سہولیات کے باوجود مدرسہ تبدیل کرنا نعمت خداوندی کی ناشکری ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لیے بلا عذر شرعی اس سے اجتناب کیا جائے، جن طلباء کی یہ عادت ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے مدارس دینیہ متاثر ہوتے ہوں وہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى : لَيْتَ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ - (سورة ابراهيم آیت ۷)

سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض کتابوں کے مطالعہ سے ایک اشکال ذہن میں آیا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت کے کاموں پر کوئی اجر و ثواب نہیں ہوتا جبکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔ تو اب اس تعارض کا کیا حل ہوگا؟

الجواب :- حرام مال کو ثواب کی نیت سے صدقہ کرنا معصیت اور گناہ ہے جبکہ بلا نیت ثواب صدقہ کرنا اشباع علیہ السلام کی تعمیل ہے جو موجب اجر و ثواب ہے، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، جن کتابوں میں معصیت لکھا ہے تو تصدق مال حرام بہ نیت ثواب مراد ہے اور جن میں اجر و ثواب کا قول پایا جاتا ہے اس سے مراد بلا نیت اجر و ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا ہے۔

لما قال العلامة النور شاہ الکشمیری :- اقول في دفع التعارض ان ههنا شيان احدهما اتيما امر الشارع والثواب عليه والثاني التصديق بالخبير والرجاء من نفس المال يدون لحاظ رجاء الثواب من امتثال الشارع فالثواب انما يكون على اتيما امر الشارع واما رجاء الثواب من نفس المال فحرام۔
(عرف الشذی علی الجماع الترمذی ج ۱ ص ۱۸۱ باب ما جاء فی فضل الطهور)

فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ | سوال: بخد مت مقرر المقام حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب والا فیض الباری جلد ۳ ص ۳۹۵ کی اس عبارت کا مطلب آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں، امید ہے آپ ضرور راہنمائی فرمائیں گے۔

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذاهب ذهب جماعة ان التحریف فی الکتب السماویة قد وقع بكل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعاً وهو الذی مال الیہ ابن حزم وذهب جماعة الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ ابن تیمیۃ جنح الیہ وذهب جماعة الی انکار التحریف اللفظی رأساً فالتحریف عندهم کله معنوی قلت یلزم علی هذا المذهب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضاً والذی تحقق عندي ان التحریف لفظی ایضاً اما انه عن عمد منهم او لمغلطة فالله تعالی اعلم۔

مخطوطہ (خط کشیدہ) عبارت پڑھ کر سرچکرا گیا۔ ایک طرف محفوظیت قرآن کریم کی بنیادی اور قطعی یا ضروری عقیدہ وانا لہ لحافظون کے ماتحت قدیماً وحدثاً مفسرین کا ایک ایک حرف بلکہ زیر و بریک کی حفاظت کی تصریح۔ امام ابن حزمؒ کی الملل والنحل جلد ۲ ص ۸۸ کا یہ ارشاد۔۔۔۔۔ ثم مات ابو بکر وولی عمر۔۔۔۔۔ ان لم یکن عند المسلمین اذ مات عمر مائة الف مصحف من مصر الی العراق الی الشام الی الیمن فما بین ذلك فلم یکن اقل ثم ولی عثمان فزادت الفتوح فلو رام احد احصاء مصاحف اهل الاسلام ما قدر۔۔۔۔۔ واعلموا انه لو رام احد ان یزید فی شعر النابغة او شعر زهر کلمة او ینقص اخری ما قدر لانه صکان یفتتح الوقت وتخالفه النسخ المبتوتة فکیف القرآن فی المصاحف وهی من آخر الاندلس وبلاد البربر وبلاد السودان الی آخر السند وکابل وخراسان والترك والصقالیة وبلاد الهند فما بین ذلك فظهر حق الرافضة ومجاهراتها بالکذب الخ وقیل ذلك فی مک واما قولهم فی دعوی الروافض تبديل القرات فان الروافض ليسوا من المسلمين۔

اور علامہ خفاجیؒ اور خود قاضی عیاضؒ کی "شفاء" اور "نسیم الریاض" کے اس فرمان (ج ۳ ص ۵۵۳) نسیم الریاض) وكذلك كما كفرنا هذا ان كفر من انكر القرآن كله او انكر حرفاً منه او كلمة او غير شيئاً منه بابدال او زيادة او نقص فيه كلاماً ليس منه اور اس سے قبل والمتأخر

في ذلك المعلوم من الدين بالقسوة والمنكر بعد البعث وصحبة المسلمين كافر
بالاتفاق ولا يعذر بقوله لا ادرى الخ

بہر حال یہ اور اس جیسی بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ تصریحات کے باوجود جو ہم سب
طالب علموں کو معلوم ہیں، حضرت شاہ صاحب کے الفاظ بالا مغلطہ کا مقصد کیا ہے؟ — خدا
کے یہ میری نا سمجھی کا کٹھنہ ہو، اور آپ کوئی ایسی تسلی بخش تو جیہہ سے سرفراز فرماویں کہ طہینان
قلبی کی دولت حاصل ہو جائے۔ نہ جانے میری فہم و عقل کو کیا ہو گیا کہ اس سے سخت پریشان
ہوں اور بار بار رَبَّنَا لَا تُذِغْ قُلُوبَنَا کی دعا کر رہا ہوں۔ دو چار شخصیتیں جن سے اُن کے
روحانی اثرات کی اُمید بندھی ہوئی ہے، سے اپنا دکھ عرض کر رہا ہوں جن میں آنجناب سے
خصوصی طور پر پُر امید ہوں، اس وقت صرف آپ ہی کو عریفہ بھیج رہا ہوں اُمید ہے جلد تردید شکی
فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ مجھے خود حاضر ہو کر تشفی حاصل کر لینی چاہیے تھی مگر دوں ہمتی مانع
ہے۔ اگر ان الفاظ کے یہی ظاہری معنی مراد ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں کہ قرآن پاک میں لفظی تحریف
موجود ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ نہ توفیقہ کا مرجع کتب سماویہ سابقہ بن سکتی ہیں اور اسے قیہا
کر کے کاتب کے سر ڈال جائے، تو اما انہ، عن محمد منهم اولمغلطۃ۔ اس سے مانع ہے کیونکہ
ان کفار کی تحریف تو یقیناً عن محمد تھی۔ لقولہ تعالیٰ: تَلِیْسُونَ الْحَقُّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْمُنُونَ
الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۷)

تو بہر حال کیا کسی مسلمان نے تحریف کا ارتکاب کیا ہے؟ (والعیاذ باللہ) اگر ایسا ہے تو بقول شفاء
ان هذا المنکر اذا جاوز علی جمیع الامۃ الوهم والغلط منا نقلوہ۔۔۔ دخل الامۃ انہ فی
جمیع الشریعۃ اذہم التاقلون لیا وللقرآن وانحلت عربی الدین۔ (نیم الریاض ص ۷)
اور اگر معاذ اللہ بات یہی ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھی جا رہی ہے تو حاسدین اور اعداؤ دیوبندیوں
نے آج تک ان اکابر کے خلاف ان الفاظ کو اچھا لایا کیوں نہیں؟

اللهم فلا تكلنا الى انفسنا طرفه عين ولا الى احد من خلقك ولا اقل من ذلك
واصلح لنا شأننا كله بجاه نبك المصطفى وجيبك المرتضى عليه وعلى
آله واصحابه من الصلوة اكملها ومن التسليمات افضلها۔

ناکارہ: عبد الکریم غفرلہ والوالدیہ از نجم المدارس کلاچی

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ / ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء

دریں کتاب پریشاں چوبینی از ترتیب

عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

حضرت شاہ صاحبؒ کا تفرّد اسے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قطعیات یا ضروریات میں تفرّد کے کیا معنی؟ اگر ان الفاظ کو کہا جائے تو اس کے خلاف حضرتؒ کی کوئی صریح عبارت موجود ہو تو اس کی نشاندہی فرما دیں تاکہ تسلی ہو جائے؟

جواب از حضرت العلامة مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

محترم المقام جناب قاضی صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اما بعد! پس جب آپ نے مجھ جیسے کم علم اور کم عمر پر اعتماد کیا ہے تو اس بناء پر اس اشکال کے ازالہ کے متعلق عرض ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ تحریر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمن صاحب کالپیوریؒ سے سنا ہے کہ ”فیض الباری“ ہمارے شیخؒ کی امالی ہے اور باوجود سنی تبلیغ کے اس میں بہت سی باتیں غلطیاں ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل ارفع سماء عمر کے متعلق اور قرض میں حوالہ کی عدم صحت کے متعلق وغیرہ۔ تو ان امالی کے تفرّدات میں غور سے کام لینا ضروری ہے۔

اس تحریف والی عبارت کے متعلق سال کے ابتداء میں ایک سوال آیا تھا، اس کا جواب یہ لکھا گیا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے کتب سماویہ (سابقہ) کے متعلق دو مذہب ذکر کیے ہیں۔ اول یہ کہ ان میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں قسم متحقق ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ان میں تحریف لفظی واقع نہیں ہوئی ہے ان میں صرف تحریف معنوی متحقق ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اس دوسرے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید بھی محرف ہے کیونکہ اس میں بھی تحریف معنوی واقع ہوئی ہے حالانکہ قرآن مجید محفوظ ہے۔ اور اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ مذہب اول کو ترجیح دیتے ہیں کہ کتب سماویہ میں تحریف لفظی بھی واقع ہوئی ہے، صرف مترجم نے مؤنث کی جگہ مذکر کی ضمیر لایا ہے وحق العبارة: ”والذی تحقق عندی ان التعریف فیہا لفظی ایضاً“ الخ هو الموفق (محمد فرید عفی عنہ)

جواب از حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب مدظلہ العالی

آپ نے فیض الباری کی جس عبارت کی نشاندہی فرمائی ہے اس کے علاوہ بھی بعض دیگر عبارتیں مورد اعتراض ہیں، مثلاً۔

(۱) واما رفعه فكان على ثمانين سنة - وصححه الحافظ في الاصابة وهو الذي رجع اليه السيوطي في مرقاة الصعود - ربيع الباري ج ۳ ص ۲۶۳ كتاب البيوع . بابتل الخنزير بكمه خور الاصابة في تميز الصعابة في عبارات ملاحظه كحيي : واختلف في عمره منذ ولد الى ان رفع فقيل ثلاث وثمانون سنة وهذا شهر وقيل اربع و ثلاثون وفي مرسل سعيد بن المسيب انه عاش ثمانين ذكره من رواية علي بن زيد عنه وهو ضعيف وفي مستدرک الحاكم عن فاطمة رضى الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم اخبرها ان عيسى عاش مائة وعشرين سنة في حديث ذكره - رالاصابة في تميز الصعابة ج ۳ ص ۵۲ حرف العين ۶۱۲۹

العلامة الشيخ سليمان الجمل فرماتے ہیں : ففي زاد المعاد ما يذكر ان عيسى رفع وهو ابن ثلاث و ثلاثين سنة لا يعرف به اثر متصل يجب المصير اليه قال الشافعي وهو كما قال فان ذلك انما يروى عن النصارى والمصرح في الاحاديث النبوية انه انما رفع وهو ابن مائة وعشرين سنة ثم قال اي الترقاني مهمة - وقع للمحافظ جلال الدين السيوطي في تكملة تفسير المحلى وشرح النقاية وغيرها من كتبه الجزم بان عيسى رفع وهو ابن ثلاث و ثلاثين سنة ويمكث بعد نزوله سبع سنين وما زالت التعجب منه مع مرید حفظه واتفاقه وجمعه المعقول والمتقول حتى رايته في مرقاة الصعود رجع عن ذلك -
(الفتوحات الالهية ج ۱ ص ۲۸ سورة البقرة)

(۲) ربيع الباري ج ۳ ص ۲۸۳ كتاب الكفالة میں ہے : وكذا الاتصم الكفالة في القرض لانه من باب الاعتماد الخ - حال انه فقها كرام كفالة في القرض كوصيحي تبارك ہے ہیں - شرح التتوير میں ہے : قلت ومن حيل تاجيل القرض كفالة مؤجلاً فيتاخر عن الاصيل لان الدين واحد - وفي رد المحتار قوله لان الدين واحد اي فاذا تاخر عن الكفيل لزم تاخيره عن الاصيل ايضاً اذ ثبت ضمانا ما يمتنع قصداً كبيع الشرب والطريق كما في البحر عن تلخيص الجامع لكن في النهر عن السراج قال ابو يوسف اذا اقرض رجل رجلاً ما لا فكل به رجل عنه الى وقت كان على الكفيل الى وقته وعلى المستقرض حالاً الى قوله وحاصله ان الجمهور على انه

یتاجل علی الکفیل دون الاصل و به افق العلامة قارئ الهدایة وغیره (رج ۲ ص ۱۹)
وفی رد المحتار ایضاً ونقل عبارتها ویستثنی ایضاً مالوکفل بالقرض مؤجلاً الی
سنة مثلاً فهو علی الکفیل الی الاجل و علی الاصل حال الخ (رج ۲ ص ۳۵) وفی
شرح التویر لوکفل الحال مؤجلاً - تاخر عن الاصل ولو قرضاً لان الذین
واحد - الخ (رج ۲ ص ۳۱)

تو بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قابل گرفت عبارتیں جامع کے توہم پر مبنی ہیں اسلئے
اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس عبارت کی نشاندہی آپ نے فرمائی ہے یہ بھی جامع کے توہم
پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اس عبارت کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت الشیخ الانور
کی یہ عبارت والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً اما انه عن عمد
منهم او لمغلطة فالله تعالى اعلم به۔ قرآن پاک کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کتب
سماویہ کے بارے میں ہے۔ الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت سے یہ مضمون ادا فرما
رہے ہیں کہ میرے نزدیک متحقق یہ ہے کہ کتب سماویہ سابقہ میں صرف تحریف معنوی نہیں
ہوئی ہے بلکہ تحریف معنوی کے ساتھ ان میں لفظی تحریف بھی موجود ہے۔ اور الذی تحقق
عندی ان التحریف فیہ میں فیہ کا ضمیر مجرور بتاویل مذکور کتب سماویہ کو راجع کیا
جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جامع نے مونث کی جگہ مذکر کی ضمیر لائی ہے۔ وحق العبادۃ
والذی تحقق عندی ان التحریف فیہا لفظی ایضاً الخ۔ مگر اس توجیہ سے جملہ
اما انه عن عمد منهم الخ مساعداً اور موافقت نہیں کر رہا ہے۔ اللهم ان یقال
قیل ما قیل باعتبار بعض المحرفین الذین ما علم قصدہم وعدمہ
مگر وفیہ ما فیہ۔ فلا سبیل ولا فخلص لا ان یتثبت بالتوہم
والله اعلم۔

استبراء رحم کے لیے عدت نہ ہونے پر اشکال کا ازالہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک اشکال ذہن میں آ رہا

ہے کہ اسلام نے مطلقہ اور بیوہ کے لیے تو عدت مقرر کی ہے مگر استبراء رحم کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی، شرعاً اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ برائے مہربانی میرے اس اشکال کو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں رفع فرمائیں؟

الجواب :- اسلام میں طلاق اور وفات کی عدت اس لیے مقرر ہے کہ مطلقہ یا بیوہ کسی دوسرے شخص کی کھیتی رہ چکی ہوتی ہے اور ایک شخص کی کھیتی کو دوسرا شخص پانی نہیں پلا سکتا بخلاف استبراء رحم کے کہ وہاں صرف حمل کا احتمال ہے اور وہ واطی بالثبہ یا مولیٰ کی کھیتی نہیں اس لیے وہاں صرف استبراء کو لازم قرار دیا۔

لما قال عليه السلام: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يستقين ماء
ذرع غيرة۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۲۱۴ باب الرجل يشترى الجارية وهي حامل كتاباً لنكاح)

لفظ قیل کی وضاحت | سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! ہم جب فقہ یا شروح حدیث و تفسیر یا دیگر دینی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں بعض اقوال لفظ قیل کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، ایسے اقوال کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- جس دینی کتاب میں کوئی قول قیل کے ساتھ مذکور ہو تو وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہیں یا کہ ایک قول قال یعنی صیغہ معروف کے ساتھ ذکر ہے، اگر ایک قول صیغہ معروف کے ساتھ مذکور ہو تو صاحب کتاب کے نزدیک وہ قول راجح ہے اور دیگر اقوال کے ضعف کی طرف ان کا قیل یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ اشارہ مقصود ہوتا ہے اور اگر سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہوں تو اس صورت میں کسی قول کو ترجیح مقصود نہیں ہوتی۔

متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کے پاس ہوگی | سوال :- اگر کسی عورت نے یکے بعد دیگرے

دو تین شادیاں کی ہوں تو وہ عورت جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- جس عورت نے دنیا میں دو تین شادیاں کی ہوں وہ قیامت کے دن جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ تو اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے کہ وہ جس شوہر کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عورت آخری شوہر کو ملے گی۔

حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ | سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! جب

ہم کسی صحابی رسولؐ کا مبارک نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جب حضرت علیؑ کا نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں، اکثر علماء کرام بھی اسی طرح سنتے ہیں آیا ہے، شرعاً اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے عموماً رضی کے بجائے صیغہ تکریم یا تو اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بتوں کے سامنے اپنے سر کو نہیں جھکایا تھا کیونکہ آپ نے بلوغت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یا پھر اس لیے کہ جنگ صفین میں بعض لوگوں نے آپ کے بارے میں سو د اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کیے تو ان کی تردید کے لیے علماء امت نے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کرنا شروع کئے۔

ذبح اللہ کون تھے؟ حضرت اسحق یا حضرت اسمعیل علیہم السلام؟ | سوال :- حضرت

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے کس بیٹے کو ذبح کیا تھا؟ بعض حضرات اسحاق علیہ السلام بتاتے ہیں جبکہ ہم ابھی تک یہی سنتے آرہے ہیں کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا، مہربانی فرما کر رہنمائی فرمائیں کہ ذبح اللہ کون تھے؟

الجواب :- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے جس بیٹے کو ذبح کیا تھا اس کے تعین میں اختلاف ہے، بعض علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور علماء نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دیا ہے اور یہی رائج اور مشہور ہے۔

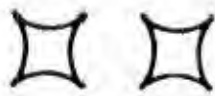
قد نرا دھار ہے کا مطلب | سوال :- جناب مفتی صاحب! مولانا شاہ عبدالقادر صاحب

نے اللہ الصمد کا معنی "قد نرا دھار ہے" لکھا ہے۔ مہربانی فرما کر شریعت مطہرہ کی روشنی میں لفظ "نرا دھار" کی تشریح فرمائی جائے؟

الجواب: ”زادھا“ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے ”وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو“ دوسرے سب اس کے محتاج ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ الصمد کا معنی اللہ بے نیاز ہے والا ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر آدھا ترجمہ ہے اس لیے کہ بے نیاز اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔

لما قال المفتی محمود حسن گنگوہیؒ: مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے جیل میں ترجمہ کلام اللہ کا مطالعہ کیا جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا تھا۔ اس میں انہوں نے اللہ الصمد کا ترجمہ یہ کیا کہ خدا نرا دھار ہے۔ میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک پرانا سا ہوتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ زادھا کا کیا معنی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے یہ لفظ کہاں سے سنا؟ یہ تو سنسکرت کا لفظ ہے، مذہب کے اونچے لوگ اس کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سنا ہوگا کہیں سے، تم اس کے معنی بتاؤ، کیا اس کے معنی بے نیاز کے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، اس کے معنی ہیں جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو دوسرے سب اس کے محتاج ہوں، بے نیاز میں اس کے معنی آدھے آئے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ قسط ۱ ص ۵۴)





وَمِنَّا ذِكْرٌ مِّبَارِكٌ أُنْزِلَ

أَفْخِمْ لَهُ مِنْكَ وَرَافِ

کتاب تفسیر القرآن

(قرآن مجید کی تفسیر کا بیان)

قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے | سوال :- قرآن کریم میں لفظ باؤ۔ فاؤ۔ جاؤ۔

نہیں لکھا گیا ؟

الجواب :- قرآن کریم کے رسم الخط میں مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے جو کہ اصل اور بنیاد ہے جس کو کبار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ایک خاص طریقے پر خلافت القیاس مرتب کیا گیا تھا اور یہ رسم الخط توقیفی ہے، اس لیے کسی قیاسی قانون کی وجہ سے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے، لہذا ان کلمات میں بھی مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے نہ کہ قوانین عربیہ کا۔

لما قال احمد مصطفیٰ المراغی: اما كتابة المصحف فهي تابعة للطريق التي كتب بها في عهد عثمان رضي الله عنه الخليفة الثالث على يد جماعة من كبار الصحابة وتسعى الرسم العثماني وقد اتبع فيها نهج خاص يخالف ما اتبع فيما بعد في كثير من المواضع ومن ثم قيل خطان لا يقاس عليهما خط العروض وخط المصحف العثماني۔

(تفسیر مراغی ج ۱ ص ۱۸۱ مقدمہ، طریق کتابۃ القرآن الکریم)۔

تعداد حروف قرآن کریم | سوال :- قرآن کریم کے حروف کی صحیح تعداد کیا ہے ؟

الجواب :- جس طرح قرآن کریم کی آیات میں اختلاف ہے اسی طرح حروف کی تعداد میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، چند مشہور اقوال تحریر کیے جاتے ہیں :-

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں سلام ابو محمد الحمّانی سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں اس کے حکم سے قرآن کریم کے حروف کو

لما قال عبد العظيم النردانی: في مسألة رسم خط القرآن ثلاثة اقوال، الاول: انه توقفي لا يجوز مخالفته

ذلك مذهب الجمهور الخ (مناهل العرفان ج ۳ اہل رسم المصحف توقیفی ؟)

شمار کیا گیا تو کل تعداد ۴۰،۴۳۰ ہوئی۔ (احکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۶۲ باب ما جاء في ترتيب سورة القرآن وآياته وشكله)

(۲) عطاء بن یسار سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے حروف کی تعداد ۳۲۳۰۱۵ ہے۔ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۲۲۹ فصل فی عدد سور القرآن وآياته وکلماته وحروفه)
(۳) علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے ابن الجوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حساب کے مطابق قرآن مجید کے تمام حروف ۳۲۲۶۱ ہیں۔

(علوم القرآن ص ۱۷۱ تعداد حروف)

تعداد آیات قرآن کریم | سوال :- قرآن کریم کی آیات کریمہ کی تعداد کتنی ہے ؟
الجواب :- قرآن کریم کی آیات کریمہ کی ابتداء اور انتہاء میں اختلاف کی وجہ سے ان کی تعداد کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی آیات چھ ہزار سے زائد ہیں۔ یہاں چند مشہور علماء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں :-

(۱) علامہ شمس الحق افغانیؒ نے ابن جوزیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بشمار ام التوین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آیات قرآن کریم کی کل تعداد ۶۶۶۶ ہے۔ (علوم القرآن ص ۱۷۱ تعداد آیات)

(۲) اہل مدینہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں، پہلے قول کے مطابق کل آیات مبارکہ ۶۲۱۷ ہیں جو حضرت نافعؓ کی طرف منسوب ہے، اور دوسرے قول کے مطابق ۶۲۱۴ ہیں۔

(۳) اہل مکہ کی رائے کے مطابق کل آیات ۶۲۲۰ ہیں جو کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

(۴) اہل کوفہ کے نزدیک کل آیات ۶۲۳۳ ہیں۔

(۵) اہل بصرہ سے دو قول منقول ہیں جن کے مطابق کل آیات ۶۲۰۵ یا ۶۲۱۹ ہیں۔

(۶) اہل شام سے ۶۲۲۵ اور ۶۲۲۶ کی روایات بھی مروی ہیں۔

البرہان فی علوم القرآن لبد الدین زرکشی ج ۱ ص ۲۲۹ فصل فی عدد سور القرآن وآياته وکلماته وحروفه
مناہل العرفان از محمد عبدالعظیم درقانی ج ۱ ص ۳۶ تحت قوله عدد آیات القرآن

سوال :- قرآن کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض مکی اور مدنی سورتوں میں فرق | کو مدنی کہا جاتا ہے، ان میں کیا فرق ہے؟

الجواب :- قرآن کریم کی سورتیں دو قسم کی ہیں مکی اور مدنی، لیکن ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے زمانہ اقدس میں صحابہ کرامؓ وحی کے زمان و مکان وغیرہ کا مشاہدہ کرتے تھے لہذا ان کو مکی اور مدنی کی پہچان کی ضرورت نہیں پڑی، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا اور صحابہ کرامؓ کو ناسخ و منسوخ کی معرفت کی ضرورت پڑی تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو مکی اور مدنی سورتوں کا جاننا ضروری ہوا تاکہ ناسخ و منسوخ کی معرفت میں آسانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کے بارے میں صرف صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال دستیاب ہو سکتے ہیں۔

شیخ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ فرماتے ہیں: لا سبیل الی معرفۃ المکی والمدنی الا بما ورد عن الصحابة والتابعین فی ذلك لانه لیس عن النبی بیان المکی والمدنی وذلك لان المسلمین فی زمانہ لم یرکونوا فی حاجۃ الی هذا البیان کیف وہم یشاہدون الوحی والتنزیل ویشہدون مکانہ وزمانہ واسباب النزول عیاناً۔ الخ

(مناہل العرفان ج ۱ ص ۱۸۹ طریق الموصلة الی معرفۃ المکی والمدنی)

تاہم بعد ازاں مفسرین نے مضامین اور حالات و واقعات کی روشنی میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے جس میں ہر ایک سورۃ کی مختلف خصوصیات شمار کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں انہیں مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے اس میں مکان کا اعتبار نہیں ہے چاہے جہاں بھی نازل ہوئی ہوں، یہ اصطلاح سب سے زیادہ مشہور ہے۔

اصطلاح ۱، جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مکی کہلاتی ہیں نزول چاہے ہجرت سے پہلے ہو یا بعد میں، اور جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں اس صورت میں مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان واسطہ ثابت ہوتا ہے اور وہ مکہ و مدینہ سے باہر والی سورتیں ہیں۔

اصطلاح ۲، جن سورتوں میں خطاب اہل مکہ کے ساتھ ہوا ہو وہ مکی ہیں اور جن میں خطاب مدینہ والوں سے ہو وہ مدنی ہیں۔ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۹۰ تا ۱۹۱ النوع التاسع معرفۃ المکی والمدنی)

سوال :- مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان اور ان کی علامات کیا ہیں ؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں تاہم بعد میں مفسرین حضرات نے اپنی اپنی علمی استطاعت کے مطابق علامات بتائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

_____ مکی سورتوں کے علامات _____

- (۱) جن سورتوں میں لفظ کَلَّا کا ذکر ہو وہ مکی ہوں گی۔
- (۲) جس سورۃ میں آیت سجدہ ہو وہ مکی ہوگی۔
- (۳) جس سورۃ میں انبیاء کرام، اُمم سابقہ کے قصے اور واقعات کا ذکر ہو وہ مکی ہوگی سوائے سورۃ البقرہ کے۔

(۴) جس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے واقعہ کا ذکر ہو وہ مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ کے۔

- (۵) جس سورۃ میں یَا أَيُّهَا النَّاسُ کے ساتھ خطاب ہو مکی ہوگی۔
- (۶) جس سورۃ کی ابتداء حروف تہجی سے ہو مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ و آل عمران کے۔

_____ مدنی سورتوں کے علامات _____

- (۱) جس سورۃ میں حدود اور فرائض کا بیان ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
- (۲) جس سورۃ میں جہاد اور احکام جہاد کا ذکر ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
- (۳) جس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہو وہ مدنی ہوگی سوائے سورۃ العنکبوت کے۔
- (۴) جس سورۃ میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ خطاب ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔

[البرہان فی علوم القرآن (دبیر الدین زکریا) ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۱ النوع التاسع معرفة المکی والمدنی]
[مناهل العرفان (محمد عبد العظیم الزرقانی) ج ۱ ص ۱۹ طریق المصطفیٰ علی معرفة المکی والمدنی]

سوال :- ابتدائی قرات و تلاوت قرآن میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا فرض ہے یا سنت یا واجب ؟

الجواب :- سورۃ نحل کی مندرجہ ذیل آیت قَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ میں تعوذ کے حکم کی وجہ سے جب بھی کوئی مسلمان تلاوت کرے تو اس کو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا چاہیے، تاہم اس آیت کریمہ میں امر اکثر مفسرین کے نزدیک

وجوب کے لیے نہیں صرف ندب کے لیے ہے ۔

لما قال القاضی ثناء الله رحمه الله : قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يصلي اى يتعوذ قبل القراءة وعليه انعقد الاجماع من السلف والخلف لكنه سنة عند الجمهور والعلماء ۔
(تفسير مظہری ج ۵ ص ۳ سورۃ النحل ، تحت تفسیر الآیۃ ۹۸) لہ

تعوذ کی جزئیت کا حکم | سوال :- اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ قرآن کریم کا جزو ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ان مخصوص الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کا جزو نہیں ہے تاہم ایک دوسرے مقام پر تعوذ کا حکم ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے : فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔

لما قال القرطبي : أجمع العلماء على ان التعوذ ليس من القرآن ولا آية منه وهو قول القارى اعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۔ (احكام القرآن ج ۱ ص ۱۶۷ القول فى الاستعاذه) لہ
تسمیہ کی جزئیت کا حکم | سوال :- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کریم کا جزو ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ النمل میں ہے اس پر تو سب علما کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم کا جزو ہے اس کے علاوہ باقی سورتوں کی ابتدا میں جو تسمیہ لکھی گئی ہے اس کی جزئیت میں اختلاف ہے ، فقہاء اخاف ، قراد مدینہ ، بصرہ اور شام کے نزدیک کسی بھی سورۃ کا جزو نہیں ہے ۔

لما قال القرطبي : قد اختلفت العلماء على هذا المعنى على ثلاثة اقوال الاول ليست بآية من الفاتحة ولا من غيرها وهو قول مالك الصحيح من هذه الاقوال قول مالك

لہ وقال محمد بن احمد القرطبي : هذا الامر على التدبیر قول الجمهور فى كل قراءة فى غير الصلوة ۔

(احكام القرآن ج ۱ ص ۱۶۷ القول فى الاستعاذه)

وَمِثْلُهُ فى مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۶ سورۃ النحل آیت ۹۸ ۔

لہ قال الشیخ عبد الرحمن بن محمد الثعالبی : اجمع العلماء على ان قول القارى اعوذ بالله من الشيطان الرجيم ليس بآية من كتاب الله ۔ (تفسیر الثعالبی ج ۱ ص ۱۹ سورۃ الفاتحة)

لان القرآن لا يثبت باخبار الاحاد وانما بطريقة التواتر القطعي - الخ

(احکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۹۳ الکلام علی البسملة) ۱۷

تعداد آیات سورہ فاتحہ | سوال :- سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد کتنی ہے ؟
الجواب :- سورہ فاتحہ کے بارے میں علماء کا اتفاق صرف اس

بات پر ہے کہ اس کی آیات کی تعداد سات ہے جس کی وجہ سے اس کو سبع من المثانی کہا گیا ہے، تاہم فقہاء کرام کے نزدیک آیات کے تعین میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت نہ ہونے کی وجہ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت شمار ہے، جبکہ احناف کے نزدیک صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت ہو کر بسم اللہ کو جزء الفاتحہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة ابوبکر الرازی الجصاص: قال سعيد بن جبیر سألت ابن عباس عن سبع المثاني

فقال السبع المثاني هو ام القرآن وانما اراد بالسبع انها سبع آيات -

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۸۱ قبل احکام سورة البقرة) ۱۸

فاتحہ الکتاب کا جزء قرآن ہونا | سوال :- سورہ فاتحہ جس طرح قرآن کریم کا جزء ہے اسی طرح
تیس پاروں میں کسی پارے میں داخل ہے یا قرآن کریم کا
مستقل حصہ ہے ؟

الجواب :- قرآن مجید کے پاروں کی تقسیم حجاج بن یوسف کے دور میں ہوئی ہے،

۱۹ وقال عبد الله الشافعي: قراء المدينة والبصرة والشام وفقهاءها على ان التسمية ليست بأية من الفاتحة ولا من غيرها من السور وانما كتبت للفصل والتبرك للابتداء بها وهو مذهب ابى حنيفة (رحمه الله) ومن تابعه الخ

(مدارك التنزيل ج ۱ ص ۱۸۱ فاتحہ الکتاب)

ومثله في تفسير روح المعاني ج ۳ ص ۳۹ مباحث في البسملة -

۲۰ قال الامام ابن جرير الطبري: واما تاويل اسمها انها سبع آيات فاتحها سبع آيات لاختلاف بين الجميع من القراء والعلماء وذلك - (تفسير طبري ج ۱ ص ۱۸۱ القول في تاويل اسماء فاتحة الکتاب)

صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن کریم یوں تیس پاروں میں تقسیم نہیں تھا تاہم صحابہ کرامؓ آپس میں اپنی سہولت کے لیے قرآن کریم کئی حصوں میں تقسیم کیے ہوئے تھے جن میں منزل وغیرہ کا ثبوت بڑی دلیل ہے، چونکہ پاروں کا تعین صحابہؓ کے دور میں نہیں تھا اس لیے سورۃ فاتحہ کو کسی پارے کا جزء قرار دینے کے لیے کسی روایت کا سہارا لینا بے سود ہے، تاہم قرآن کے تیس پاروں کے حساب سے پہلا پارہ آلہ کے مشہور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کسی ایک پارہ کا جزء قرار دینے کی بجائے پورے قرآن کا اجمالی خاکہ ہے۔

قال ابن جریر الطبری: صحیح الخیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال ہی أم القرآن، ہی فاتحة الكتاب وھی السبع المثانی۔ فہذہ اسماء فاتحة الكتاب وسمیت فاتحة الكتاب لانہا یفتتح بکتابتھا المصاحف۔ فی فواتح ما یتلو من سور القرآن فی الکتابۃ والقراءة۔ (تفسیر الطبری ج ۱۔ القول فی تاول اسماء فاتحہ کتاب)

سوال :- سورۃ فاتحہ کو کتنے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے؟
الجواب :- سورۃ فاتحہ کے متعدد اسماء ہیں جن کو مفسرین حضرات نے ذکر کیا ہے ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں :-

- (۱) فاتحۃ الكتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) أم الكتاب (۴) أم القرآن (۵) الكنز
- (۶) الوافیہ (۷) الکافیہ (۸) الاساس (۹) سورۃ الرقیۃ (۱۰) سورۃ الشفاء (۱۱) سورۃ الشافیہ (۱۲) سورۃ الحمد (۱۳) سورۃ الشکر (۱۴) سورۃ الدعاء (۱۵) سورۃ تعلیم المسلم
- (۱۶) سورۃ السؤل (۱۷) سورۃ المناجات (۱۸) سورۃ الصلوۃ (۱۹) سورۃ النور (۲۰) القرآن العظیم (۲۱) السبع المثانی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۸) ۲

سوال :- اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ کسی بھی کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم زبان میں اس طریقے سے شائع کیا جائے کہ عربی

لہ قال العلامة ابو عبد اللہ القرطبی رحمہ اللہ : اجمعت الامة ایضاً علی انہا من القرات ۔

(تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۱۴ سورۃ الفاتحہ)

۲ لہ و ذکر القرطبی اکثرھا ۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۳ المسئلۃ الرابعۃ فی اسماءھا وھی اثنا عشر اسماء و ذکر بعضہا ابن کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۱۳ سورۃ الفاتحہ)

کے الفاظ نہ لکھے گئے ہوں بلکہ آخر میں صرف آیت نمبر اور سورۃ کے نام پر اکتفا کیا گیا ہو، کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- پورے قرآن مجید یا کسی ایک سورۃ کا صرف ترجمہ شائع کرنا اگرچہ ناجائز ہے تاہم ایک یا دو آیات کا ترجمہ شائع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصفی: وتجاوز کتابت آية اوائيتين بالفارسية لا اكثر۔ قال ابن عابدین: والظاهر ان الفارسية غير قيد الخ۔ (الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۶) لہ

شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں | سوال:- شیطان مردود اور مسخ ہونے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ کن کن امور و مشاغل پر مامور تھا؟

الجواب:- شیطان کے بارے میں مفسرین نے مختلف معمولات کا ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تھا جن کو جن کہا جاتا ہے اور ان کو نارسوم سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے تھے، سریانی زبان میں شیطان کا نام عزراہیل تھا اور عربی میں حارث، اور یہ جنت کے خزانچیوں میں سے تھا، آسمان دنیا کا رئیس تھا، آسمان دنیا اور زمین پر اس کی حکمرانی تھی، فرشتوں میں سب سے زیادہ اجتہاد و علم والا تھا جس کی وجہ سے اس میں تکبر پیدا ہو گیا اور کفر کر کے مردود ہوا۔

لما قال القرطبی: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان ابلیس کان من حی من احياء الملائكة يقال لهم الجن خلقوا من نار السموم وخلق الله الملائكة من نور وكان اسمه بالسريانية عزراہیل وبالغزالية حارث ومن كان من خزان الجنة وكان رئيس ملكة سماء الدنيا وكاله سلطانها و سلطان الارض وكان من اشد الملائكة اجتهدا و اكثرهم علما وكان يسوس ما بين السماء والارض الخ (احكام القرآن ج ۱ ص ۲۹۵) تحت قوله تعالى: الا ابليس بلقره لہ قال ابن الھمام: اور اداں یکتب مصحفاً بها يمنع دان فعل فی آية اوائيتين لا الخ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۸)

لہ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے بھی مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں مندرجہ ذیل الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: مثلاً کان من اشد الملائكة اجتهدا و اكثرهم علما۔ کان من اشرف الملائكة و اكثرهم قبيلة و كان خازناً علی الجنان، کان له سلطان سماء الدنيا و كان له سلطان الارض و كان يسوس ما بين السماء والارض قصصی فمسخه الله تعالى شيطانا رجيمًا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۷) سورة البقرة تحت قوله: واعلم ما تكتمون

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثل آدم ہونا | سوال :- سورۃ آل عمران آیت ۵۹ میں ارشاد
 كَمْثِلِ اٰدَمَ، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا مثل اور مشبہ بتایا
 گیا ہے لیکن آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے، تو
 پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے ؟

الجواب :- چونکہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادتِ مستمرہ کے خلاف ہوئی تھی
 جو بغیر باپ کے تھی، اور یہ ایک عجیب واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ عجیب تر سیدنا حضرت آدم
 علیہ السلام کی پیدائش تھی جو ماں باپ دونوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ تو یہاں
 عجیب واقعہ کی عجیب تر واقعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ و تمثیل میں مشبہ کا مشبہ بہ
 کے ساتھ تمام وجوہات میں متحد اور یکساں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ مشبہ بہ کی بعض صفات کا مشبہ
 میں پایا جانا تشبیہ اور تمثیل کے لیے کافی ہوتا ہے جیسے کسی انسان کی بہادری کی تشبیہ شیر کے
 ساتھ دی جاتی ہے اگرچہ من کل الوجوہ یکساں نہیں ہوتے۔

لما قال الشيخ علاء الدين: على تحت قوله تعالى: إِنَّ مِثْلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمِثْلِ آدَمَ - قلت
 هو مثله في أحد الطرفين فلا يمنع اختصاصه دونه بالطرف الآخر من تشبيهه لان المماثلة
 مشاركة في بعض الاوصاف ولا نه شبه به في ان له وجوداً خارجاً عن العادة المستمرة
 وهما في ذلك نظيران لان الوجود من غير آيت وأتم اغرب في العادة من الوجود من
 غير آيت فشبته الغريب بالاغرب ليكون القطع للمختم واحتتم لمارة شبهته :-
 (تفسير خازن ج ۱ ص ۳ سورة البقرة) لـ

لـ وقال القرطبي رحمه الله: فيه دليل على صحة القياس والتشبيه واقع على ان عيسى خلق من
 غير آيت كآدم لا على انه خلق من تراب والشئ قد يشبه بالشئ وان كان بينهما فرق
 كبير بعد ان يجتمعا في وصف واحد فان آدم خلق من تراب ولم يخلق عيسى من تراب
 فكان بينهما فرق من هذه الجهة ولكن شبه ما بينهما انهما خلقا من غير
 آيت - (احكام القرآن ج ۱ ص ۱۲ تحت ان مثل عيسى عند الله الخ، سورة البقرة)
 ومثله في تفسيره الشهير يا لصاوي ج ۱ ص ۱۵۹ سورة البقرة -

قاتل کی توبہ کا قبول ہونا | سوال :- سورہ نساء کی آیت ۹۳ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا سِوَا مَا كَانُ يَفْعَلُ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جبکہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اس میں کس پر عمل کیا جائے؟ اور عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب :- عمداً قتل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں، اور یہ شخص ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں، تاہم جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ شخص اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا اور ایمان کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے جہنم میں نہیں رہے گا، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب قاتل نے قتل کو حلال سمجھ کر یہ اقدام نہ کیا ہو ورنہ استحلال حرام کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اسی وجہ سے جمہور علماء اس آیت میں خالداً کا ترجمہ مکث طویل سے کرتے ہیں۔

لما قال الشيخ ابن كثير: - والذي عليه الجمهور من سلف الامة وخلفها ان القاتل له توبة فيما بينه وبين الله عز وجل فان تاب وانا تاب ونشع وخضع وعمل عملاً صالحاً بدل الله سيئاته حسنات وعوض المقتول من طلاقته وارضاه عن طلبة..... ومعنى هذه الصيغة ان هذا جزاءه ان جوترى عليه - وبمقتدر دخول القاتل في النار..... فليس يخلد فيها ابداً بل الخلود المكث الطويل وتواترت الاحاديث عن رسول الله ﷺ انه يخرج من النار من كان في قلبه ادنى مثقال ذرة من ايمان الخ - (تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۵۳۴ تحت من يقتل مؤمناً متعمداً)

آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں نزاع کا سبب | سوال :- حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے کا سبب کیا تھا اور ان میں بہن بھائی کا امتیاز کیا تھا؟

له وقال النسفي: فجزأه اى ان جازاه قال عليه السلام هي جزأه ان جازاه والخلود قد يراد به طول القيام - (مدارك التنزيل ج ۱ ص ۲۴۲ تحت قوله تعالى: فجزأه جهنم خالداً فيها) ومثله في جامع البيان للطبري ج ۲ ص ۲۲۱ تحت قوله تعالى: من يقتل مؤمناً متعمداً -

الجواب :- اس نزاع اور جھگڑے کے سبب کے بارے میں کثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی بچہ پیدا ہوتا تو ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا جوڑا ہوتا، چونکہ آدم علیہ السلام دنیا میں پہلے انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل باقی رکھنا منظور تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ضابطہ یہ مقرر کیا تھا کہ ہر جوڑے کا آپس میں نکاح ناجائز ہوتا اور دوسرے جوڑے کے ساتھ جائز ہوتا تھا اور ان کیلئے ضرورت کی بناء پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب تھا۔ تو اسی طرح حضرت آدم کے ایک بیٹے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام اقلیم تھا اور وہ حسین بھی تھی اور ان کے بعد دوسرے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام ہابیل اور اس کی بہن کا نام یودا تھا۔ اب اصول کے مطابق جب نکاح کا وقت آیا اور اقلیم کا نکاح ہابیل سے ہونے لگا تو قابیل نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے ساتھ پیدا ہوا میرا سوتیلی ہے اور یہ یودا سے حسین بھی ہے اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو پھر آدم علیہ السلام نے قابیل اور ہابیل دونوں کو نذر کا حکم دیا کہ جس کی نذر قبول ہوگئی فیصلہ اس کے حق میں ہوگا، اب ہابیل کی نذر قبول ہوگئی جس پر قابیل کا غصہ مزید بڑھا اور آخر کار اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

لما نقل الطبري عن ابن عباس عن مروة عن ابن مسعود وناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يولد لآدم مولود الا ولد مع جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الاخر ويزوج جاريته هذا البطن غلام هذا البطن الاخر حتى ولد له ابنا يقال لهما قابيل وهابيل وكان قابيل حنا زرع وكان هابيل حنا زرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابي عليه قال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان تزوجها فامره ابوه ان يزوجه هابيل فابي وانهما قربا قربانا الى الله ايهما احق بالجارية الخ - (طبري مج ۲ سورۃ المائدۃ) ۱۸۸

۱۔ وقال ابن كثير قال السيد فيما ذكر عن ابن عباس وابن مسعود وناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انه كان لا يولد لآدم مولود الا ولد مع جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الاخر ويزوج جاريته هذا البطن غلام هذا البطن الاخر حتى ولد له ابنا يقال لهما هابيل وقابيل وكان قابيل حنا زرع وكان هابيل حنا زرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابي عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان تزوجه بها فامره ابوه ان يزوجه هابيل فابي وانهما قربا قربانا الى الله عز وجل ايهما احق بالجارية الخ - (تفسير ابن كثير مج ۲ سورۃ المائدۃ تحت الاية : وائل عليهم نبأ ابني آدم) - ومثله في التفسير المظهر للقاضي ثناء الله پانی پتی ج ۲ سورۃ المائدۃ۔

غیر ذوی العقول کے لیے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال | سوال :- سورۃ اعراف آیت ۱۹۱ **وَهُمْ يَخْلُقُونَ** اور آیت ۱۹۳ **وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ** میں **هُمْ** ضمیر کا مرجع کیا ہے اور **الرُّبُت** مراد ہیں تو ذوی العقول کی ضمیر غیر ذوی العقول میں کیسے استعمال ہوئی ہے؟

الجواب :- ان دونوں آیتوں میں **هُمْ** کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے جو پہلے آیت ۱۹۱ میں لفظ **مَا** کے ضمن میں مذکور ہے اور **هُمْ** ضمیر اگرچہ ذوی العقول کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن چونکہ مشرکین نے بتوں کو اپنا الہ بنایا تھا اور ان کو عقلمند سمجھتے تھے، اس لیے قرآن کریم کا اسلوب بھی بطور زجر و تنبیہ ان کے عقائد کے مطابق چلا۔

لما قال الشيخ محمود الآلوسی: وإيراد ضمير العقل مع ان الاصنام مما لا يعقل انما هو بحسب اعتقادهم فيها واجرائهم لها مجرى العقل وتسميتهم لها **الالهة** - (روح المعاني ج ۹ ص ۱۷۷) **سوال :- سورۃ اعراف آیت ۱۹۱ میں ارشاد ربانی** **مَا لَا يَخْلُقُ مَا لَا يَشْرِكُونَ** **مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يَخْلُقُونَ** ہے:

یہاں لفظ **مَا** سے مراد کون ہیں؟ اور لفظ **مَا** ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے یا غیر ذوی العقول کے لیے؟

الجواب :- اس آیت کریمہ میں لفظ **مَا** سے مراد ابلیس اور بت ہیں اور لفظ **مَا** اکثر غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے تاہم بعض اوقات ذوی العقول کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

لما قال البغوي: **أَيُّ شُرْكُوكَ مَا - أَيُّ ابْلِيسَ والاصنام - (معالم التنزيل ج ۲ سورۃ الاعراف)**

سوال :- سورۃ الاعراف آیت ۱۹۲ **إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ** میں **عِبَادٌ** سے کیا مراد ہے؟

لما وقال القاضي ثناء الله پانی پتی: **هُمْ** ضمير الاصنام جيئي بلو بناء على ان تسميتهم **الالهة** -

(تفسير مظہری ج ۳ ص ۴۴ تحت الآية: **إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ - الاعراف**)

لما وقال البيضاوي: **مَا** أي الاصنام - (تفسير بيضاوي ج ۳ ص ۳۸ سورۃ الاعراف)

ومثله في تفسير المظہری ج ۳ ص ۴۴ تحت الآية: **إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ - (الاعراف)**

الجواب :- لفظ عباد عبد کی جمع ہے جو معنی مملوک ہے، اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا رد کرتے ہوئے مشرکین کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے اپنے لیے جو معبود بنائے ہیں ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، جیسے تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور معبود ایسا ہونا چاہیے جو عابد سے درجے میں برتر ہو۔

ما قال القاضی پانی پتی: عباد امثالکم ای مخلوق مملوكة مذلة مسخرة لما ارید منهم۔

التفسیر المظہری ج ۳ ص ۲۲۴ سورة الاعراف پارہ ۹) لے

فرعون کی لاش کی تحقیق | سوال :- مصر کے عجائب گھر میں فراعنہ کے دور کی ایک لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اُس فرعون کی لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے مقابلہ ہوا تھا، بعض لوگ اس کے ثبوت کے لیے سورة یونس کی آیت کریمہ فَاَیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ کا سہارا لیتے ہیں، کیا اس آیت کا مقصد واقعی یہ ہے کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور وہ آج تک مصری عجائب گھر میں محفوظ ہے ؟

الجواب :- مصریوں کو ۱۹۲۶ء میں کچھ لاشیں ملیں جن کو دیکھ کر آثارِ قدیمہ کے بعض ماہرین نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ فرعون کی لاش ہے لیکن یہ بات ابھی تک پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کہ واقعی اُسی فرعون کی لاش ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا اس لیے کہ اُس زمانے میں مصر کا ہر بادشاہ فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا، جہاں تک سورة یونس کی آیت کریمہ سے اس کے لیے سہارا لینے کی کوشش ہے تو یہ ایک بے سود کوشش ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ فرعون کی لاش قیامت تک محفوظ رہے گی ورنہ آج اس کی لاش ناقابلِ دید ہے اس صورت میں پھر قرآن کی تکذیب لازم آئے گی۔ حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”سو بجلے نجات مطلوبہ کے آج ہم تیری لاش کو پانی میں تہ نشین ہونے سے نجات دیں گے تاکہ اُن کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں کہ تیری بد حالی اور تباہی دیکھ کر حکماءِ الہیہ کی مخالفت دیں“ (قرآن مجید ج ۲ ص ۱۹۲)

لہ وقال البیضاوی: امثالکم من حیث انها مملوكة مسخرة۔ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۲۹ سورة الاعراف آیت ۱۹۲)

وَمِثْلُهُ فِي مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ لِلْبَغَوِيِّ ج ۲ ص ۲۲۲ سورة الاعراف۔

۲ مفسرین کے ہاں تنجیك کا معنی ای تلقیک بنجوة من الامراض الخ ”یعنی تیری لاش کو کسی اونچی جگہ میں ڈال دیں گے“ (ملک التنزیل ج ۲ ص ۱۴۵) وقال البیضاوی: تلقیک علی نجوة من الارض لیبرک بنو اسرائیل الخ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۱۴۵)

وهكذا قال الزمخشري في تفسيره الشہیر بالکشاف ج ۲ ص ۳۶۸ سورة الاعراف۔

لفظ لاجرم کی تحقیق | سوال :- قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ لاجرم کا استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ النحل، سورۃ مومن وغیرہ، اس کا لفظی معنی کیا ہے اور صرفی و نحوی قوانین کے مطابق اس کی ترکیب کیا ہے؟ اگر لاجرم میں لام کے ساتھ الف کو کھڑا کر کے نہ پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- لاجرم کو الف کے بغیر پڑھنے سے چونکہ معنی متغیر ہو جاتا ہے اس لیے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ احناف کے مشہور اقوال میں سے ہے۔ اس لفظ کی ترکیب صرفی و نحوی میں علماء نے متعدد توضیحات کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) امام سیبویہ خلیل اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ لاجرم خمسۃ عشر کی طرح مرکب بنائی ہے اور مجموعہ فعل ماضی کے معنی میں ہے یعنی حق، اور اس کے بعد والا کلام کا مصدر بآن ہے جو کہ لاجرم کا فاعل ہوتا ہے۔

(۲) بعض دوسرے علماء کے نزدیک جرم فعل ماضی بمعنی ثبت و وجوب ہے اور بعد والا جملہ اس کا فاعل ہے اور لا اس میں نافیہ ہے جو ماقبل کے مضمون کی نفی کرتا ہے۔

(۳) زجاج کا کہنا ہے کہ جرم بمعنی کسب ہے اور اس میں ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہے جو کلام سابق کے مناسب مضمون کی طرف راجع ہے اور مابعد والا کلام جرم کا مفعول ہوگا اور لا نافیہ ہے۔

(۴) زجاج سے یہ بھی منقول ہے کہ لاجرم اصل میں لَا يَدْخُلُكُمْ فِي الْجَرَمِ کے معنی میں ہے پھر کثرت استعمال کی وجہ سے لَا يَدْخُلُ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۵) کسائی سے منقول ہے کہ جرم میں لا نافیہ ہے اور جرم اس کا اسم ہے یعنی بر فحہ جیسے لَا رَجُلَ اور معنی اس کا لَا صَدَّ وَلَا مَنَعَ ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۳۲ - تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲)

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق | حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے درمیان عقد نکاح ہوا تھا یا نہیں؟

الجواب :- حضرت یوسف علیہ السلام جب شاہ مصر کے ہاں گئے تو عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ کی صفائی کے بعد شاہ مصر نے آپ کو اپنے خواص میں نمایاں جگہ دی اور پھر عزیز مصر کے انتقال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے منصب پر فائز کیا

اور اس کی بیوی جس کا نام بعض مفسرین نے زلیخا بتایا ہے (کافکاح حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ عزیز مصر نامزد تھا اس لیے زلیخا اس وقت تک باکرہ ہی رہی۔ پھر زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کے تین بچے پیدا ہوئے جن کے نام افرائم، یثما اور رحمت ہیں۔

قال البغوی: عن ابن اسحق قالوا ثم ان قطفیرای عزیز مصر هلك في تلك الليالي فخرج الملك ليوسف داعيل امرأة قطفیر فلما دخل عليها قال اليس هذا اخيراً ما كنت تريدین متى قالت ان العزیز كان لا یأتی النساء۔۔۔۔۔ فقرب منها یوسف فوجدها عذراء۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۳۳) لہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے حیلے کی حقیقت | سوال :- سورة یوسف آیت ۲۳ میں ہے کہ تَمَّ اِذْ نَ مُوَدَّنَا اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اَتَكُم

لَسَارِقُونَ۔ اس میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو چور ٹھہرایا گیا ہے جو دراصل بے گناہ تھے، اور سورة نساء آیت ۱۱ میں ارشادِ ربانی ہے: وَمَنْ یُكْسِبْ خَطِیئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بُرْیَانًا فَقَدْ احْمَلَبُھُتَا نَا وَاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ اس آیت سے بے گناہ پر الزام لگانا گناہ معلوم ہو رہا ہے، لہذا یوسف علیہ السلام نے کیوں ایسا کام کیا؟

الجواب: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ وحی الہی کے تابع تھا جس کی بعد میں اللہ تعالیٰ نے کَذٰلِكَ کِدْنَا لَیُوسُفَ کے ساتھ تعبیر کر کے تحسین بھی فرمائی، لہذا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

لما قال احمد الصاوی: کَذٰلِكَ کِدْنَا لَیُوسُفَ علمناه الاحتیال۔ ای فما وقع من یوسف فی تلك الواقعة بوحی من الله تعالى وجینید فلا یقال کیف نادى علی اخوته بالسرقة واتهمهم بها مع انهم بریئون۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۵۲ سورة یوسف) لہ

لما قال القوطی: ثم مات قطفیرای عزیز مصر فزوج الولید بزوجة قطفیر داعیل فدخل بها یوسف فوجدها عذراء وولدت له والدين الخ۔ (احکام القرآن ج ۵ ص ۲۱۸ سورة یوسف) وَمِثْلُهُ فی تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۲ سورة یوسف۔

۲۔ وقال الحافظ ابن کثیر وهذا من الکید المحبوب المراد الذی یحبه الله ویرضاه لما فیہ من الحکمة والمصلحة المطلوبة الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۵ سورة یوسف) وَمِثْلُهُ فی تفسیر جامع البیان للطبری ج ۸ ص ۲۴ سورة یوسف۔

مسئلہ روح | سوال :- جناب مفتی صاحب! روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمایا جائے؟

الجواب :- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال ہوا تو وحی الہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صرف اس پر اکتفاء کیا: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي یعنی روح بھی میرے رب کے امر کُت ہے اور اس کی مخلوق ہے۔

اس کے بعد ہر زمانے کے فلاسفہ عقلاء اور سائنسدان، غرض ہر مذہب کے پیروکار آئے اور انہوں نے اپنی علمی بساط کے مطابق روح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا حتیٰ کہ روح ایک مستقل موضوع بن گیا جس پر کئی کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

اسی طرح مفسرین حضرات میں بھی دو جماعتیں بن گئیں، بعض نے اس میں تفصیل اور گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے اور انہوں نے اسی اجمال کو ترجیح دی ہے جسے کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں لوگوں نے جو اختلاف کیا ہے اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اور انہوں نے جو تحقیقات و تفصیلات کی ہیں ان کو طب اور فلسفہ سے اخذ کیا گیا ہے جس سے سلف نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے پیش نظر سکوت کیا ہے۔ اس لیے کہ سلف صالحین نے جب یہ دیکھا کہ مشرکین نے سوال کیا اور اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود محقق پھر بھی مشرکین کو تفصیلی جواب نہیں ملا تو اس مسئلے میں سکوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

لما قال وقد اختلف الناس في ماهية الروح ثم اختلفوا هل الروح النفس ام هاتشيئان فلا يحتاج الى ذكر اختلافهم لانه لا برهان على شيء من ذلك وانما هو شيء اخذوه عن الطب والفلاسفة فاما السلف فاتهم سكتوا عن ذلك لقوله تعالى: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي فلما راوا أن القوم سألوا عن الروح فلم يجابوا او الوحي ينزل والرسول حي علموا ان سكوت عتالهم يحفظ بحقيقة علمه اولیٰ - (زاد المسیر ج ۵ ص ۸۶ سورة الاسراء)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اسی ابہام کو ترجیح دی ہے جسے قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کی وجہ سے بہتر اس میں ابہام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان نہ کر کے مبہم اس لیے چھوڑا ہے تاکہ انسان اپنے وجود پر علم رکھنے کے باوجود اپنی حقیقت سے جاہل ہو کر اپنے عجز کا اعتراف کرے۔ اور جب انسان کی اپنے نفس

کے بارے میں یہ حالت ہو تو اللہ جل مجدہ کی حقیقت کے جاننے کے بارے میں ضرور عاجز ہوگا۔
 لما قال الصحيح الابهام لقوله تعالى: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي - ای ہوا امر عظیم و شات
 کبیر من امر اللہ تعالیٰ مبہماً و تارکاً تفصیلہ لیعرف الانسان علی القطع عجزہ عن علم حقیقۃ
 نفسه مع العلم بوجودها و اذا کان الانسان فی معرفۃ نفسه هکذا کان بعجزہ عن ادراک
 حقیقۃ الحق اولی۔ الخ (احکام القرآن للقرطبی ج ۱۰ ص ۳۲۲)

ان کے مقابلے میں بعض مفسرین حضرات ایسے ہیں جو روح کے بارے میں تفصیل کرتے
 ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں اجمال کو اس لیے اختیار نہیں
 کیا گیا کہ اُمت مرحومہ اس کی حقیقت کو نہیں بھانپ سکتی بلکہ یہ اجمال اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ
 اکثریت اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اگرچہ بعض افراد پر یہ حقیقت کھل سکتی ہے، اور یہ
 ضروری نہیں کہ جس چیز سے شریعت نے سکوت کیا ہو اس کی معرفت ناممکن ہو بلکہ اکثر ایسے ہوتا
 ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر سکوت کیا جاتا ہے جسے اکثر نہیں سمجھ سکتے۔

لما قال الامام ولی اللہ الدہلوی: ویست الایۃ نہما فی انه لا یعلم احد من الامۃ المرحوۃ
 حقیقۃ الروح کما یظن و لیس کل ما سکت عنہ الشرع لا یمن معرفتہ البتۃ بل کثیراً
 ما یسکت عنہ لاجل انه معرفۃ دقیقۃ لا یصلح لتعاطیہا جمہور الامۃ و ان
 امکن لبعضہم۔ الخ (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۸ باب حقیقۃ الروح)

اس کے بعد روح کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:-
 جاننا چاہیئے کہ روح کے متعلق اولاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب
 حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے
 اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ
 سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔ پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح حقیقی
 کا مرکب ہے اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔۔۔ اور روح حقیقی
 ایک جداگانہ چیز ہے، وہ ایک نورانی نقطہ ہے، ان تمام متغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں
 اور بعض عرض، اس کا رنگ ڈھنگ ترالا ہے۔

لما فی الحجۃ اللہ البالغہ: واعلم ان الروح اقل ما یدرک من حقیقتہا انہا مبداء الحیاۃ
 فی الحيوان و انه یكون حیاً ینفخ الروح فیہ و یكون میتاً بمفارقۃھا منه ثم اذا امعن

فی التامل ینجلی ان فی البدن بخاراً لطیفاً متولداً فی القلب من خلاصة الاخلاط
 ثم اذا اتمعن فی النظر ایضاً انجلی ان هذا الروح مطیة للروح الحقیقة ومادة لتعلقها
 بل الروح فی الحقیقة حقیقة فردانية ونقطة نورانية یجل طورها عن طور هذا الاطوار
 المتغيرة المتفائرة التي بعضها جواهر وبعضها اعراض - (حجة الله البالغة ج ۱۸ باب حقیقة الروح)

اصحاب کہف کے کتے کا جنت میں جانا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے
 میں کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- قرآن کریم اس مسئلے میں ساکت ہے اور ذخیرہ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں
 ملتا، تاہم مفسرین حضرات نے چند حیوانات ایسے بتلائے ہیں جو جنت میں جائیں گے اور اصحاب کہف
 کے کتے کو بھی ان کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة اسمعیل بن البرسوی: وروی انه یدخل الجنة مع المؤمنین علی ما قال
 مقاتل عشرة من الحيوانات تدخل الجنة ناقة صالح وعجل ابراهيم وكبش اسمعیل وبقرة
 موسی وحوت یونس وحمار عزیر ونملة سلیمان وهدد بلقیس وکلب اصحاب الکہف
 وناقة محمد صلی الله علیه وسلم فكلهم یصیرون علی صورت كبش ویدخلون
 الجنة - (روح البیان ج ۵ ص ۲۲۶ سورة الکہف) ۲

صاحب موسیٰ کا بشر ہونا | سوال :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شخص کے پاس جا کر
 استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا وہ انسان تھا یا کوئی

لہ وقال احمد مصطفیٰ المراءى: ان الروح جسم نورانی حی متحرك من العالم العلوی مخالف
 بطبعه لهذا الجسم المحسوس ساریفه سریان الماء فی الورد والدهن فی الزيتون والنار
 فی الفحم لا یقبل التبدل والتفرق والتمزق یفید الجسم المحسوس الحیاة وتوابعها
 مادام صالحاً لقبول فیض وعدم حدوث ما یمنع السریان والاحداث الموت - واختار
 الرازی وابن القیم - (تفسیر مراغی ج ۱۵ ص ۸۹ آراء العلماء فی الروح)

۲ لہ وقال العلامة محمود الالوسی رحمہ الله: وجاء فی شأن کلبهم انه یدخل الجنة
 یوم القيامة فعن خالد بن معدان لیس فی الجنة من الدواب الاکلب اصحاب کہف
 وحمار بلعم - (روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۶ تحت وَکَلَّیْهُمْ حَرَابَ سَطْرَ عَیْدٍ - الکہف)
 وَمِثْلُهُ فی تفسیر جمیل ج ۳ ص ۳۱ سورة الکہف -

فرشتہ تھا؟

الجواب :- اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ شخص فرشتہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن یہ قول بہت ہی کمزور اور غیر معتد بہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حضرت خضرؑ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور فرشتہ نہ تھے بلکہ انسان تھے۔

لما قال الشيخ آلوسی رحمہ اللہ : قوله تعالى : عِبَادًا مِّنْ عِبَادِنَا . الجمہور علی انہ الخضر لفتح الحاء . وقيل ايباس وقيل ملك من الملائكة وهو قول غريب باطل كما في شرح مسلم والحق الذي تشهد له الاخبار الصحيحة هو الاول الخ (روح المعاني ج ۵ ص ۳۱۹) لہ
نبوت خضر علیہ السلام | سوال :- خضر علیہ السلام نبی تھے یا ویسے اللہ تعالیٰ کے کوئی نیک بندے تھے؟

الجواب :- حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور ولایت میں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور نیک بندے تھے، اور بعض دیگر حضرات کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے جس پر وہ مختلف شواہد اور دلائل پیش کرتے ہیں۔

لما قال الحافظ ابن کثیر : تحت قوله تعالى : وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي . وفيه دلالة من قال بنبوۃ الخضر علیہ السلام وقال آخرون كان رسولاً وقيل بل كان ملكاً وذهب كثيرون الى انه لم يكن نبياً بل كان ولياً . فالله اعلم . (تفسير ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹ سورة الکہف آیت ۸۲)
وقال الرازي رحمه الله : قال الاكثرون ان ذلك العبد كان نبياً واحتجوا عليه بوجوه الخ - (تفسير کبیر ج ۲ ص ۱۲۸ سورة الکہف آیت ۶۵) لہ

لہ وقال القرطبي رحمه الله : هو الخضر علیہ السلام في قول الجمهور
وقيل كان ملكاً امر الله موسى ان يأخذ عنه مما حمله من علم الباطن والاول الصحيح - (تفسير قرطبي ج ۶ ص ۱۶ سورة الکہف آیت ۸۳)

لہ وقال القوطي رحمه الله : والخضر نبی عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبی والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحی . (تفسير احكام القرآن للقطبي ج ۱ ص ۱۱۱ سورة الکہف آیت ۶۵)
وقال ابوجيان الأندلسي رحمه الله : والجمهور علی ان الخضر نبی وكان علمه معرفته بواطن قد اوجبت اليه الخ - (تفسير البحر المحيط ج ۶ ص ۱۲۴ سورة الکہف آیت ۶۵)

حیاتِ خضر علیہ السلام کی تحقیق | سوال :- حضرت خضر علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں ؟

الجواب :- حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں علماءِ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض محدثین کا قول یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، اور وہ اس پر مختلف دلائل پیش کرتے ہیں لیکن آج کے مقابلے میں جمہورِ علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں، اور یہی صوفیائے کرام کا قول ہے۔

لما قال العلامة آلوسی: وذهب جمہور العلماء الى انه حيٌّ موجود بين اظهرينا وذلك متفقٌ عليه عند الصوفية -

قال النووي: وقال ابن صلاح: هو حيٌّ اليوم عند جماهير العلماء والعامة معهم في ذلك وانما ذهب الى انكاره بعض المحدثين. الخ (روح المعاني ج ۵ ص ۲۹۵ سورة كهف آیت ۶۵)
وقال الثعالبي: والحضر شرب من ماء الحياة فهو حيٌّ الى ان يخرج الدجال وانه الرجل الذي يقتله الدجال - (تفسير الثعالبي ج ۲ ص ۲۸۸ سورة الكهف آیت ۶۵)

وقال القرطبي: الصحيح انه حيٌّ على ما نذكره من الدلائل. (تفسير قرطبي ج ۱۱ سورة الكهف آیت ۸۲)
تاہم چونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں طرف محققین علماء موجود ہیں، اور اس سے کسی عقیدے کا تعلق بھی نہیں، اس لیے اس کے بارے میں وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جس کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے نقل کر کے فریقین کے شکالات کو رفع کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے عالم کشف میں خود خضر علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور ایسا س علیہم السلام ہم دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس سے جانبین کے استدالات اور شواہد کی رعایت ہو جاتی ہے۔

ولا يمكن حل هذا الاشكال الا بكلام المجدد لالاف الثاني فانه حين سئل عن حياة الخضر ووفاته توجه الى الله سبحانه متعلماً من جنابه عن هذا الامر فرى الخضر حاضراً عند نفسه عن حاله فقال انا والياس لست من الاحياء لكن الله سبحانه اعطى روحاً قوية تتجسد بها وتفعل بها افعال الاحياء من ارشاد النصال واعانة الملهوف اذا شاء الله وتعليم الدني واعطاء النسبة لمن

شاء اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۶۱ سورۃ الکہف آیت ۸۲)

سوال: ذوالقرنین کون تھا؟
الجواب: ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو وضاحت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ وہ ایک نیک اور عادل بادشاہ تھا جس نے مشرق و مغرب میں پہنچ کر ان ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکومت قائم کی، اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کا سامان اور ضروریات اس کو عطا کئے گئے تھے، اس نے فتوحات کرتے ہوئے مختلف اطراف کے اسفار کیے، جن میں مشرق اقصیٰ، مغرب اقصیٰ اور شمالی کوہستان کے ممالک شامل ہیں، اس سفر کے دوران اُس نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو آہنی دیوار سے بند کر دیا جہاں سے یا جو ج نا جو ج نکل کر وہاں کے باشندوں کو تکالیف پہنچاتے اور ہر سال کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا نزول ضروریات کے مطابق ہوتا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس وقت جو سوال ہوا تھا اُس کے سائلیس کی تشفی مذکورہ جواب سے ہو گئی تھی، اس لیے قرآن مجید میں ذوالقرنین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذخیرہ احادیث میں اس کے بارے میں کوئی خاص ذکر ملتا ہے، البتہ اس بارے میں تاریخی اور اسرائیلی روایات ملتی ہیں، لیکن چونکہ ذوالقرنین کی تعیین کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں اس لیے چند اقوال ملاحظہ ہوں :-

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسکندر مقدونی یونانی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

لما قال: والاقرب عندی لالزام اهل الملل والفحل..... اختیار ائۃ الاسکندر بن فیلفوس

غالب دار الخ۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۳ سورۃ کہف آیت ۸۲)

(۲) اسی طرح امام رازی نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی قول کو ذکر کر کے اس پر دلائل پیش کیے ہیں، اور اخیر میں کہتے ہیں، والقول الاول اظهر لما ذکرنا۔ الخ

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۶۵ سورۃ کہف آیت ۸۲)

لیکن حافظ ابن کثیر نے اس قول کی بڑی سختی سے تردید کی ہے کہ اسکندر مقدونی کافر و مشرک تھا اور حکیم ارسطو اس کا استاد تھا اور جس شخص کا ذکر قرآن کریم میں آیا وہ اتفاقاً مومن تھا، بلکہ بعض کے نزدیک تو نبی تھا، لہذا اس کو اسکندر مقدونی کہنا غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ

ہو: البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۹۷ خیر ذوالقرنین)

(۳) بعض مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک ذوالقرنین سے مراد ابوکرب شمر بن جمیر حمیری تھا، اور وہ اس پر بنو جمیر کے شعراء کے قصائد سے استدلال کرتے ہیں جن میں ذوالقرنین کی تعریف کی گئی ہے، اسی قول کو ابوریحان بیرونی نے ترجیح دی ہے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۴) اور اکثر متقدمین کے نزدیک ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، حج کے موسم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر یا مشیر تھے۔

(۵) جدید دور کے محققین اور تاریخ القرآن کے ماہرین مثلاً مولانا حفظ الرحمن، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین سے مراد فارس کا وہ بادشاہ ہے جسے یہود خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش، اور عرب کینسر کہتے ہیں۔ اس پر وہ قرآن کریم سے اور تاریخی شواہد اور اسرائیلی روایات سے دلائل قائم کرتے ہیں۔

(قصص القرآن ج ۳ ص ۱۸۹ تا ۱۹۰ ذوالقرنین)

لَا تَبْدِيلَ لَخَلْقِ اللَّهِ کی تفسیر | سوال :- شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ
اسکے اصحاب کہف نے چند پٹے نیکاں گرفت مردم شد
جس میں اصحاب کہف کے گتے کا انسان بننا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے ذہن میں کچھ
خدشات پیدا ہوتے ہیں کہ اصحاب کہف کا گتا کیسے انسان بنا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں: لَا تَبْدِيلَ لَخَلْقِ اللَّهِ تو پھر اس گتے میں کیسے تبدیلی آئی کہ وہ انسان بن گیا؟
الجواب :- قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ اصحاب کہف کا
گتا انسان بن گیا ہو، اور نہ ہی شیخ سعدی کی یہ مراد ہے بلکہ شیخ سعدی نیک بندوں کے
صحبت کے اچھے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب گتے نے (جو کہ
نحس حیوان ہے) نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے
قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔ جب گتے کو نیکیوں کی صحبت سے اتنا بلند رتبہ ملا ہے تو
مومن مؤحد جب ایسا کرے گا تو وہ ضرور اس رتبے کا مستحق بنے گا۔

لما قال محمد بن احمد: قلت اذا كان بعض الكلاب قد نال هذه الدرجة
العلیاء بمحبته وفعالته الصالحة والاولیاء حتی اخبر الله تعالى بذلك في كتابه
بل وعلا فما ظنك بالمؤمنين الخ۔ (قرطبی ج ۱۰ ص ۳۷۱ سورة الکہف آیت ۱۸)

اور مردم شد کا معنی یہ ہے کہ یہ کتا انسانوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا یہ نہیں کہ انسان بن گیا۔ اسی مردمان داخل جنت شد۔ (روح البیان ج ۵ سورۃ الکہف آیت ۱۵) اور کَا تَبْدِيلَ لِحَلْقِ اللَّهِ فِي خَلْقٍ سَعْدٍ سے مراد دین اور فطرتِ سلیمہ ہے۔

لما قال اسماعیل ابن کثیر: قال بعضہم لا تبدلوا خلق الله فتغیر والناس عن فطرتہم اتی فطرہم الله علیہا وهو معنی حسن۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورۃ الروم آیت ۳۰) لہ

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی تحقیق | سوال: بعض لوگ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایک خاص بیماری کی نسبت کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ اس بیماری کی وجہ سے اُن کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور قرآن و حدیث کی رو سے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب:- اس بارے میں قرآن کریم میں صرف اتنی تصریح موجود ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید بیماری لاحق ہو گئی تھی جس سے نجات کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطا فرمائی۔ لیکن اس بیماری کے تعین کے بارے میں قرآن کریم ساکت ہے اسی طرح ذخیرۂ احادیث بھی اس کے تعین سے خاموش ہے، البتہ بعض آثار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے جن کی وجہ سے لوگ نفرت کا اظہار کرتے تھے، لیکن محققین مفسرین نے ان آثار کی صحت سے انکار کیا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماری تو آسکتی ہے لیکن انہیں کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا جو عوام کی نفرت کا سبب بنے۔ لہذا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کوئی خاص بیماری نہ تھی بلکہ عام بیماری تھی، اور جن آثار میں ان کی طرف کیڑوں کی نسبت کی گئی ہے اُن پر روایت و درایت اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

لما قال محمود الألوسی: وكل هذه الاقوال عندی متضمنة ما لا يليق بمنصب الانبياء

عليہم السلام۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۰۶) لہ

لہ قال حافظ الدین النسفی: لا تبدل ای ما یبغی ان تبدل تلك الفطرة او تغیر وقال الزجاج معناه لا تبدل

لدين الله ويدل علیہ ما بعدہ۔ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۲۴۲ سورۃ الروم آیت ۳۰)

لہ ولا شك ان هذا الحد من اخبار الاحاد التي تصادم اساس الدت الصیحة من ان الانبياء يجب ان لا

يكون فيهم من الامراض ما يتقر الناس منهم۔ (تفسیر موائی احمد مصطفی ج ۲۳ ص ۱۲۵)

حضرت داؤد علیہ السلام اور اسرائیلی روایات | سوال :- قرآن کریم کی سورۃ ص میں

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے متعلق تفسیر جلالین میں بمعجۃ تلك المرأة کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے توقف کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے والے کے لیے حد مقرر کی تھی۔ اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے؟

الجواب :- جلالین اگرچہ ایک بہترین تفسیر ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی تفسیر قابل مواخذہ ہے جن میں سے ایک مذکورہ جگہ بھی ہے، انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی نسبت موجب تنقیص ہے جس سے انبیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محققین مفسرین نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ اپنی تفسیر لکھتے ہیں :-
قد ذکر المفسرون ہہنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولو ثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ..... فالاولی ان یقتصر علی مجرد تلاوة هذه الآية وان یرد علمھا الی اللہ عز وجل۔ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷ سورہ ص)
اور علامہ احمد مصطفیٰ رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں :-

اتما جاء من القصص عن ذکر السبب فی محیی الملکین فایخل بمنصب النبوة وفیہ نسبة الکبائر الی الانبیاء فیجب علینا ان نطرحہ اذ یبطل الوثوق بالشرائع۔ الخ
(تفسیر مراغی ج ۲۳ ص ۱۱۱ سورہ ص)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حد مقرر کرنے کی جو بات ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں اور بصورت ثبوت ان کے اجتہاد پر محمول ہے جس کی اتباع کرنا ضروری نہیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس موقع پر تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قال علیؑ علی ما فی بعض الكتب من حدیث داؤد علیہ السلام علی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائتہ و ستین وذلك حد القرية علی الانبیاء۔ وهذا اجتہاد منه کرم اللہ وجہہ الا ان الزین العراقی ذکر ان الخیر نفسه لم یصح عن الامیر رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۸ سورہ ص)

لہذا اس آیت کی وہ تفسیر قابل قبول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے

معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال ما اصاب داود ما اصابه بعد القدر
الا من عجب به من نفسه وذلك انه قال يارب ما من ساعة من الليل ولا نهار الا وعابد
من ال داود يعبدك يصلي لك ويسبح او يكثر ذكر اشياء فكره الله وقال يا داود انت
ذلك لو يكن الا بي فلو لا عوني ما قويت عليه وجلالي لا يُلَاقِيكَ اِلَى نَفْسِكَ يَوْمًا
قال يارب فاخبرني به فاصابت الفتنة ذلك اليوم۔ (رواه الحاكم في المستدرک ج ۲ ص ۲۳۳)
جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض امور مثلاً حسن انتظام اور ہر وقت عبادت میں شغل سے ایک
نوع اعجاب کی وجہ سے بطور عتاب یہ واقعہ پیش آیا۔

تعداد ازواج حضرت داؤد علیہ السلام | سوال :- حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں
کی تعداد کتنی تھی؟

الجواب :- حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مؤرخین اور مفسرین نے ایک سو
بتائی ہے، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں، اس لیے کہ اُن کی شریعت میں تعداد ازواج کے بارے
میں کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی کہ جس کی پابندی کی جاتی۔

لما قال الحافظ ابن كثير رحمه الله: وكانت لداود مائة امرأة منهم امرأة ورثها
سليمان التي تزوجها بعد الفتنة وقد ذكر البجلي نحو هذا۔ (البدایة والنہایة ج ۲ ص ۱۵۷)
سوال :- سورہ صٰحٰی کی آیت ۵۷ اُسْتُكْبِرْتَ اَمْ كُنْتَ
اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ کی تفسیر | **اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ** میں لفظ عالین سے بعض لوگ جماعت
پنج تن پاک مراد لیتے ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک پنج تن پاک سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

لہ وقال القرطبي: وفي التفسير له تسع وتسعون امرأة۔ قال ابن العربي: ان كان جميعهن احرارا
فذلك شرعه وان كن اماء فذلك شرعنا والظاهر ان شرع من تقدم قبلنا لم يكن
محصورا بعدد وانما الحصر في شريعة محمد صلي الله عليه وسلم لضعت الابدان وقلة
الاعمار۔ (احكام القرآن للقرطبي ج ۱ ص ۱۶۱ سورۃ ص)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ جَلَالِينَ ج ۲ ص ۳۸ سورۃ ص۔

کرنے سے مُتَشَنِّیٰ کیا گیا تھا، کیا واقعہ کوئی ایسی جماعت تھی جسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مُتَشَنِّیٰ کیا گیا ہو؟

الجواب:- حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا جس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں تھا، جبکہ تیج تن پاک کی جماعت اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کسی تفسیر قرآن یا حدیث میں یہ بات نہیں ملتی کہ یہاں عَلَیْنِ سے مراد تیج تن پاک ہوں جبکہ اس آیت کی یہ تفسیر ہے وہ یوں ہے کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! تو نے میری اس خاص مخلوق کو سجدہ کیوں نہ کیا جبکہ یہ میرا حکم تھا، تو نے اب تکبر کیا یا تو پہلے سے متکبر تھا۔

لما قال العلامة محمود الاكوسى: استكبرت من غير استحقاق اُم كُنتَ مِنَ الْعَالِيْنَ
او كُنتَ مُسْتَحَقًّا لِلْعُلُوِّ فَانْق فِيهِ - وقيل المعنى احدث لك الاستكبار اُم لم تنزل منذ
كُنتَ مِنَ الْمُسْتَكْبِرِينَ الخ - (روح المعاني ج ۲۳ ص ۲۲۶ سورہ ص)

سوال:- کیا سورۃ فحم السجدہ کی مندرجہ ذیل آیات
لَقَدْ اَعْدَا لِلّٰهِ كُفْرًا کی تفسیر
وَيَوْمَ يُعْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ
حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
(آیت ۲۰-۱۹) سے یہود و نصاریٰ، مشرکین، دہریہ وغیرہ ہی مراد ہیں یا جو لوگ کلمہ پڑھ کر اللہ سے تجاوز کرتے ہیں اور خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

الجواب:- کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اس سے یہی مراد ہے کوئی اور نہیں، یہ تب ہو سکتا ہے جب الفاظ کی دلالت کا اس پر قطعی یقین ہو ورنہ احتمال نہ ہو یا اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح موجود، ان دونوں صورتوں کے علاوہ قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم آیت کا سیاق و سباق، موقع و محل کی مناسبت اور قرآن کی دوسری شہادتیں ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے عقل سلیم والا شخص کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں بطور ظن غالب

لہ وقال ابن الجوزی: استكبرت بنفسك حين ابيت السجود اُم كُنتَ مِنَ الْعَالِيْنَ - اى من قوم يتكبرون
فتكبرون على السجود لكونك من قوم يتكبرون - (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۵ سورہ ص)
وَمِثْلُهُ قَالَ الصَّابِقِيُّ فِي صِفَةِ التَّفَاسِيرِ ج ۳ ص ۶۵ سورہ ص -

یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔

اب زیر غور آیت کریمہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کو مد نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفار و مشرکین ہیں، مؤمنین عاصیین مراد نہیں ہیں۔
(۱) سیاق و سباق: سورۃ کی ابتداء سے ہی کفار و مشرکین عرب کے ساتھ تین باتوں پر گفتگو چل رہی ہے۔ قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا، اثبات توحید، اثبات رسالت اور مختلف دلائل و براہین سے ان مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور اس کے بعد وَیَوْمَ یُعْشِرُ اَعْدَاءَ اللہ کے ساتھ ان ہی کفار کے عقوبات کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۲) مقامی قرائن یہاں پر یہ ہیں کہ یہاں پر اعداء اللہ کی تین نشانیاں بتلائی گئی ہیں جو کہ کفار کے ساتھ خاص ہیں، ایک یہ کہ وَایْکُنْ ظَنَنْتُمْ اِنَّ اللہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ دوسری اعضاء کی شہادت اور تیسری فَالْنَّارُ مَشْوَی تَہْتُمْ۔

(۳) یہ کہ لفظ اعداء اللہ کا اطلاق قرآن کریم میں کفار ہی پر ہوتا ہے، چند مقامات ملاحظہ ہوں: ۱۔ ذلک جزاء اعداء اللہ النار (خمس السجدہ آیت ۲۸) ۲۔ فَانَ اللہَ عَدُوٌّ لِّلْکَافِرِیْنَ (البقرہ ۹۸) ۳۔ لَا تَتَّخِذْ وَاْعِدُوْیْ وَعَدُوْکُمْ اَوْلِیَاءَ (المتحنہ ۷) ۴۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا بِکُلِّ مِیْثَاقٍ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان ۳) ۵۔ عَدُوٌّ وَّ اَشِیْطٰنِیْنِ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ۔ (الانعام ۱۱۲)

اس کے برعکس قرآن کریم میں جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے مخاطب ہوتے ہیں تو اوایہ یا ولی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، مثلاً ۱۔ اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (البقرہ ۲۵۴) ۲۔ اللہ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران ۶۸) ۳۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمْ اللہُ وَرَسُوْلُهُ (المائدہ ۵۵) ۴۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (یونس ۶۲)

ان تمام شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفار ہیں نہ کہ مؤمنین فاسقین۔

اب مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں:-

علامہ حافظ الدین نسفی فرماتے ہیں: (و یوم یعشر اعداء اللہ) ای الکفار من الاولین

والاخرین۔ (تفسیر مدارک ج ۴ ص ۹۲ سورۃ حم السجدہ آیت ۱۹) ۱۔

۱۔ علامہ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں: واعداء اللہ هم الکفار من الاولین والاخرین۔

(البحر المحیط ج ۷ ص ۲۹۱ حم السجدہ ۱۹)

وَمِثْلُهُ فِی اَحْکَامِ الْقُرْآنِ ج ۱ ص ۳۵ سورۃ حم السجدہ آیت ۱۹۔

منافقین کی لکڑی سے تشبیہ | سوال: سورہ منافقون کی آیت ۴ کا ترجمہ خُشْبٌ مِّنْ لَّكڑی سے تشبیہ کا معنی اور مطلب کیلئے ہے؟

الجواب: اس سے پہلے منافقین کی بحث چل رہی ہے، اس آیت میں اللہ کریم نے منافقین کے بے عقل اور بے ایمان ہونے کی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہو لیکن بے جان ہوتی ہے یہی حالت منافقین کی ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر پرہیزگار و عظیم نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خالی ہوتے ہیں۔
لما قال الامام فخرالدين الرازى: والخشب لا تعقل ولا تفهم فكذلك اهل النفاق كانوا في ترك التعمق والاستبصار بمنزلة الخشب۔ (تفسیر کبیر ج ۳۵ ص ۱۵۱ سورہ المنافقون آیت ۴) لہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا عموم پر حمل کرنا | سوال: اگر کوئی شخص سورۃ الم نشرح کی آیت ۱۰ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے بارے میں یہ کہے کہ اس سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو زندگی کے تشکیلی دور میں محنت سے کام لے کر بلند مرتبہ حاصل کرے وہ بھی اس بلندی اور رفعت میں داخل ہے، کیا اس آیت سے یہ مفہوم مراد لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں کاف واحد مخاطب کی ضمیر ہے اسلئے اس آیت میں خطاب خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے لہذا اس کو عام کرنا اور ہر شخص کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ یہاں رفعت ذکر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اذان، کلمہ شہد وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کرنا ہے جو کسی اور کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لما قال محمد بن احمد: تحت هذه الآية روى عن الضحاك عن ابن عباس رضي الله عنهما قال يقول له لا ذكرت الا ذكر معي الاذان والاقامة والشهد وروى الجمعة على المنابر الخ۔ (حکما القرآن لقرطبي ج ۲ ص ۱۶۱ سورۃ الانشراح ۴)

۱۔ وقال القاضي البيضاوي رحمه الله: اي مشيئتهن باختيار منصوبة مسندة الى الحائظ في كونهم اشباحا خالية عن العلم والنظر۔ (تفسير البيضاوي ج ۵ ص ۳۳ سورۃ منافقون آیت ۴) وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ لِلْبَغَوِيِّ ج ۴ ص ۳۲۸ سورۃ منافقون آیت ۴۔

۲۔ وقال المحلى رحمه الله: بان تذكر مع ذكرى في الاذان والاقامة والشهد الخطبة وغيرها۔ (تفسير جلالين ج ۲ ص ۵۰۲ سورۃ الانشراح آیت ۴) وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ رُوحِ الْمَعَانِي ج ۳ ص ۱۶۹ سورۃ الانشراح آیت ۴۔

سوال :- اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم اٹھاتے اور رکھتے رہتے۔
قرآن کریم کو چومنا اسے چومتے ہیں، کیا قرآن کریم کو چومنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ قرآن کریم کو چومتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی تعظیم و تکریم مضمر ہے، لہذا ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: روى عن عمر أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربى ومنشور ربى عز وجل وكان عثمان رضى الله عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه - (الدر المختار على مراد المختار ج ۵ ص ۲۳۶ کتاب الخطر والاباحة - باب الاستبدار وغيره)

سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض ختم قرآن کے وقت سورہ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا اساتذہ ناظرہ قرآن مجید یا حفظ القرآن کی تکمیل کرنے والے طالب علم کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید ختم کرتے وقت سورہ اخلاص کو تین بار پڑھے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن نہیں جبکہ اکثر مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن ہے، البتہ اگر ختم قرآن فرض نمازیں ہو تو ایک بار سے زیادہ نہ پڑھے۔

قال العلامة ابراہیم الحلبي: قراءة قل هو الله احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لو يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه ابوالليث هذا شيء استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلا بأس به الا ان يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة -

رکبیری ۲۹۶ اما القراءة خارج الصلوة له

له وفي الهندية: قراءة قل هو الله أحد ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ واستحسنها اکثر المشايخ لجبر نقصان دخل في قراءة البعض الا ان يكون ختم القرآن في الصلوة المكتوبة فلا يزيد على مرة واحدة كذا في الغرائب - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۱۱ الباب الرابع في الصلوة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر) عام ورفع الصوت عند قراءة القرآن -

قرأت سبعہ میں قرآن کریم پڑھنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! میں نے ایک مسجد میں

ایک مولانا صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھی جنہوں نے عام قرأت کے علاوہ قرأت سبعہ میں تلاوت قرآن پاک کر کے نماز پڑھائی، کیا اس صورت میں متقدموں کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ نیز قرأت سبعہ تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو قرأت ہم تک پہنچی ہیں ان میں بعض متواتر ہیں، بعض مشہور اور بعض احاد اور شاذ کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جہاں تک قرأت سبعہ کا تعلق ہے تو یہ قرأت سبعہ سے ثابت ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت جمہور کے نزدیک حد تواتر تک نہیں پہنچا ہے جبکہ بعض تواتر کے قائل ہیں، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو قرأت سبعہ میں ہو جاتی ہے۔

قال العلامة السيوطي: قال في أول كتابه النشر كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالاً وصح سندها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردّها ولا يحل انكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين۔
(الاتقان في علوم القرآن ج ۱ ص ۱۵۷ النوع الثاني۔۔۔ معرفة التواتر والمشهور)

قرأت عشرہ کا ثبوت | سوال :- جناب مفتی صاحب! قرأت سبعہ کا تو تواتر سے ثبوت ہے، اس کے علاوہ جو شخص عشرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو

تو خالی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- قرأت عشرہ اگرچہ تواتر سے ثابت نہیں مگر اس کا ثبوت حد شہرت کو پہنچا ہوا ہے، اس میں قرآن پڑھنے والے کو خالی کہنا درست نہیں اس لیے کہ اس کی زدیں کبار تابعین و صحابہ کرام آتے ہیں۔

الہ قال صاحب مناهل العرفان: وجاء مقتضاه على هؤلاء السبعة مصادقة واتفاقاً من غير قصد ولا عمد ذلك انه اخذ على نفسه الا يروى الا عن اشتهر بالضبط والامانة وطول العمر في ملازمة القراءة واتفاق الاراء على الاخذ عنه والتلقي منه..... بل كل قراءة توافرت فيها الامكان الثلاثة للضابط المشهور وجب قبولها۔ (مناهل العرفان ج ۱ ص ۱۵۷ اعداد القرات)

قال صاحب مناهل العرفان : الاول المتواتر.... والثاني المشهور..... وهذان النوعان هما الله ان يقرأ بهما مع وجوب اعتقادها ولا يجوز انكار شيء منهما. (مناهل العرفان ج ۱ ص ۲۲۳) البحث الحادي عشر في القرات والقرا والشبهات التي اثيرت في هذا المقام (له

مقام محمود سے کیا مراد ہے | **سوال :-** اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی عَلٰی اَنْ يَّبْتَغِكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (سورة الامر آیت ۷۹) سے کیا مراد ہے؟ کیا مقام محمود جنت میں کوئی جگہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائے گی یا کوئی اور خاص مقام ہے؟

الجواب :- جمہور علماء اہل امت صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجماع سے اس مقام کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ ہے، یہ بلند مرتبہ کسی بھی دوسرے نبی یا رسول کو حاصل نہ ہوگا، چنانچہ بعض روایات بھی اس قول کی تائید کرتی ہیں۔

قال العلامة ابن الجوزي: قوله مقام محمود وهو الذي يحمد به لاجله جميع اهل الموقف وفيه قولان احدهما انه الشفاعة للناس يوم القيامة. قاله ابن مسعود وحذيفة بن اليمان وابن عمر وسلمان الفارسي وجابر بن عبد الله والحسن وهي رواية ابن ابي نجيح عن مجاهد والثاني يجعله على العرش يوم القيامة روى ابو ائيل عن عبد الله انه قرأ هذه الآية وتال

له قال العلامة جلال الدين السيوطي: اعلم ان القاضي جلال الدين البلقيني قال القراءة تنقسم الى المتواتر واحد وشاذ فالمتواتر القرات السبعة المشهورة والاحاد قرأت الثلاثة التي هي تمام العشر وليحق بها قراءة الصحابة والساد قراءة التابعين..... قال الرافعي واسمة القول لا تعمل في شيء من حروف القرآن على الافشاء واللغة والاقيس في العربية بل على الاثبات في الاثر والاصح في النقل واذا ثبت الرواية لعريضة قياس عربية ولا فتولغة لات القراءة ستة متبعة يلزم قبولها والمصير اليها۔

والا لتقان في علوم القرآن ج ۱ ص ۷۷ النوع الثاني.... مع المتواتر والمشهور والاحاد.... الخ

يقعده على العرش وكذلك روى الضحاك عن ابن عباس وليث عن مجاهد -

(تفسير زاد المسیر ج ۵ ص ۵۷ قول تعالى: عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ) ۱۷

دوران تلاوت حضور انور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم | سوال :- اگر قرآن کریم کی تلاوت کے دوران آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آجائے تو کیا اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا ضروری ہے یا کہ تلاوت سے فارغ ہو کر پڑھا جائے ؟

الجواب :- اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی شرعاً درود و سلام پڑھنا واجب ہے مگر دوران تلاوت قرآن بہتر یہ ہے کہ تلاوت کو جاری رکھا جائے اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھا جائے تاہم اگر دوران تلاوت ہی درود پڑھ لیا جائے تب بھی جائز ہے ۔

قال العلامة ابن عابدین: ولو قرأ القرآن فبرع على اسم النبي صلى الله عليه وسلم فقراءة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك الوقت فان قرع ففعل فهو افضل والا فلا شيء عليه - (رد المختار ج ۱ ص ۵۱۹ مطلب في المواضع التي تكرر فيها الصلوة على النبي) ۱۸

۱۷ قال العلامة آلوسی: مقاماً محموداً والمراد بذلك المقام مقام لشفاعته العظمى في فصل القضاء حيث لا أحد الا وهو تحت لوائه صلى الله عليه وسلم فقد اخرج البخاري وغيره عن ابن عمر قال سمعت رسول الله يقول ان الشمس لتدنو حتى يبلغ العرق تصف الاذن فيبينما هم كذلك استغاثوا يا آدم فيقول لست بصاحب ذلك ثم موسى فيقول كذلك ثم محمد فيشفع فيقضى الله تعالى بين الخلق فيمشی حتى يأخذ بحلقة باب الجنة فيومئذ يبعثه الله تعالى مقاماً محموداً يحمده اهل الجمع كلهم - (تفسير روح المعاني ج ۵ ص ۱۲۱ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ)

۱۸ قال العلامة قاضی خان: رجل یقرء القرآن فسمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم ذكر لنا طعن انه لا يجب عليه الصلوة والتسليم لان قراءة القرآن على النظم والتاليف افضل من الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم فاذا فرغ من القراءة ان صل على النبي صلى الله عليه وسلم كان حسناً وان لم يصل فلا شيء عليه الخ (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۳۷ کتاب الخطر والاباحة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۱ کتاب الکراهية الباب الرابع في الصلوة والتسبيح الخ

اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا | سوال :- زید ایک دن مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ اذان شروع ہو گئی تو ایک

صاحب نے اس کو سختی سے منع کیا، تو کیا اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع ہے؟
الجواب :- اذان کے وقت اگرچہ تلاوت قرآن ممنوع نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اذان شروع ہوتے ہی تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کو سنکر اس کا جواب دیا جائے۔

قال القاضي خان: ولو سمع القاري الاذان فالأفضل له ان يمسك عن القراءة
 وليسمع الاذان - الخ - (فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۳ کتاب الحظر والاباحۃ) لہ

قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود شریف پڑھنا؟ | سوال :- دو آدمیوں کی ایک جگہ اس مسئلہ پر بحث

ہو رہی تھی کہ تلاوت قرآن افضل ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا افضل ہے؟
 ان میں سے ایک نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے۔ اندازہ کرم آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا
 قمرًا مکروہ ہے ان اوقات میں تلاوت قرآن کے علاوہ دیگر تسبیحات و اذکار اور درود شریف پڑھنا افضل
 ہے، اس کے علاوہ دیگر اوقات میں تلاوت قرآن پاک کرنا افضل ہے۔

لما قال الشيخ عبدالحی الکهنوی رحمہ اللہ، القرات افضل الاذکار
 لانه كلام الله تعالى كما في الحصن الحصين، لكن في الاوقات التي يكره الصلوة
 فيها كما بعد صلوة الصبح الى طلوع الشمس فالتسبيح والدعاء والصلوة على النبي

لہ وفي الهندية: ولا ينبغي ان يتكلم السامع في خلال الاذان والاقامة ولا يشتغل
 بقراءة القرآن ولا بشيء من الاعمال سوى الاجابة ولو كان في القراءة ينبغي ان
 يقطع ويستغل بالاستماع والاجابة - (فتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۵ الباب الثانی
 فی الاذان، وما يتصل بذلك اجابة المؤذن)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۱ ص ۱۵۵ فَصْلٌ وَأَمَّا بَيَانُ مَا يَجِبُ عَلَى السَّامِعِينَ... الخ -

على الله عليه وسلم فيها افضل من قراءة القرآن وكان السلف يستحبون في ذلك الوقت ولا يقرآن۔ (رفع المفتي والسائل ۱۱۲ ما يتعلق بقراءة القرآن) ۱۰

سوال :- جناب مفتی صاحب ازبداور **قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں** | بکر کے درمیان قرآن کریم کے بوسیدہ

اوراق کے بارے میں بحث ہوئی، زید نے کہا کہ قرآن کریم کا وہ نسخہ جو بوسیدہ ہو چکا ہو تو اس کو جلانا جائز ہے اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کا عمل پیش کیا، جبکہ بکر نے کہا کہ مطلقاً قرآن کریم کو جلانا جائز نہیں اگرچہ بوسیدہ ہو چکا ہو، ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح صورتحال سے ہمیں مطلع فرمائیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب قرآن کریم کا کوئی نسخہ بوسیدہ ہو جائے اور تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو جلایا نہ جائے بلکہ کسی محفوظ مقام میں دفن کر دیا جائے، اس لیے صورت مسئلہ میں بکر کا قول درست ہے۔ جہاں تک اس بارے میں حضرت عثمانؓ کے عمل کا تعلق ہے تو محدثین نے اس کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اولاً ان اوراق کو پانی سے دھویا پھر آگ سے جلایا، گویا کہ آپؓ نے مصحف کو نہیں بلکہ ان صاف اوراق کو جلایا تھا۔

قال العلامة ابن عابدین: وفي الذخيرة المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا يحرق بالنار اليه أشار محمد وبه نأخذ۔ (رد المحتار ج ۶ کتاب الخطر والاباحة فصل في البيع) ۲۰

۱۰ قال العلامة ابراهيم الحلبي: وسئل الباقر عن قراءة القرآن في الاوقات التي نهى عن الصلوة فيها اهي افضل ام الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم والذكر والتسبيح فقال الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم والذكر والتسبيح افضل۔ الخ (حلبی کبری ص ۴۹۶ تنہات فيما يكره من القرآن في الصلوة وما لا يكره وفي القراءة خارج الصلوة)

وَمِثْلُهُ فِي السَّهْنَدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۱۶ کتاب الکراهية۔ الباب الرابع في الصلوة والتسبيح۔ الخ ۱۰ وفي السَّهْنَدِيَّةِ: المصحف اذا صار خلقاً وتعذرت القراءة منه لا يحرق بالنار أشار الشيباني (راي محمد) الى هذا في السير الكبير وبه نأخذ۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۳ کتاب الکراهية۔ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف۔ الخ)

نیکر پہننے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! میں ایک

فوجی خطیب ہوں، فوجی قانون یہ ہے کہ صبح سویرے فوجی جوان نیکر و بنیان پہن کر پریڈ کے لیے اسمبلی میں آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رائیں نکلی ہوتی ہیں، اس حالت میں مجھے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- باتفاق علماء امت مرد کی ران عورت رستر ہے، اس کو بلا عذر شرعی نہ لگا رکھنا ناجائز و حرام ہے، جس جگہ لوگ ناجائز اور حرام امور میں مشغول ہوں تو وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرنا یا اس کا درس دینا بے ادبی ہے، اس لیے صورت مشولہ میں فوجیوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت سے اجتناب کیا جائے اور فوجیوں کو رستر عورت کی تلقین کی جائے۔

لما قال العلامة المحقق: سلامك مكروه على من ستسمع.... ومن بعد ما أبدى يسن و
يشرع ودع كافرا أيضا مكشوف عورة.... ومن هو في حال التغوط اشنع - (الدر المختار على
صمد رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۶) باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها. مطلب المواضع التي يكره فيها السلام

سوال :- جو مصاحف قرآنیہ بوسیدہ ہو جائیں اور تلاوت کرنے کے قابل نہ رہیں تو ان قرآنی نسخوں کا کیا کیا جائے؟ از روئے شرع اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو قرآنی نسخہ اتنا بوسیدہ ہو کہ اس پر تلاوت کرنا ناممکن ہو جائے تو اس کو مسلمان میت کی طرح قابل احترام اور محفوظ مقام پر دفن کیا جائے تاکہ پاؤں تلے آنے سے بچ سکے، تاہم اگر کسی بوری وغیرہ میں ڈال کر اور ساتھ بھاری پتھر رکھ کر دریا برد کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة المحقق: المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم، قال
له وفي الهندية: ولا يسلم على الذي يتغنى والذي يبول والذي يطير الحمام ولا
يسلم في الحمام ولا على العاري اذا كان متزماً ولا يجب عليهم الرد.... الخ
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۶) كتاب الكراهية. الباب السابع في السلام وتشميت العاطس
ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۷) كتاب الكراهية -

ابن عابدینؒ (تحت قوله یدفن) ای يجعل فی خرقۃ طاهرة و یدفن فی محل غیر ممتلئ
لا یوطأ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الطہارۃ۔ قبل باب المیاء فی ابحات الغسل) ۱۷

جس کمرے میں قرآن مجید ہو اُس کی چھت پر چڑھنا | سوال :- تقریباً ہر مسلم گھرانے
میں قرآن کریم کے نسخے ضرور ہوتے

اور لوگ بوقت ضرورت مکان کی چھت پر چڑھتے بھی ہیں، تو کیا جس مکان میں قرآن مجید موجود
ہو اُس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام کی واضح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مکان میں
قرآن کریم کا نسخہ موجود ہو اُس کی چھت پر اگر پیشاب کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں،
جب قرآن مجید کی موجودگی میں مکان کی چھت پر پیشاب کرنا قبیح امر نہیں تو مکان کی چھت
پر صرف چڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :- فہذا کما لو بال علی سطح بیت فیہ مصحف
وذلك لا یکرہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۵)

قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق | سوال :- جناب مفتی صاحب اکملی
دونوں سے ایک سوال ذہن میں آ رہا
ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی مدت ایک آیت میں ایک ہزار سال فرمائی
ہے اور ایک دوسری آیت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے
کہ قیامت کا دن ایک ہی ہے تو پھر اس مختلف مدت کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ازراہ کرم
میرے اس اشکال کو دور فرمائیں؟

الجواب :- اگرچہ ان دونوں آیات میں ظاہری تعارض ہے مگر حقیقی نہیں، اللہ تعالیٰ
نے یہ مختلف مدت لوگوں کے جرائم کے تفاوت کی وجہ سے بیان کی ہے کہ لوگوں کو قیامت
کے دن کی سختی سے سخت مدت میں بھی امتداد نظر آئے گی۔

۱۸ وفي الهندية : المصحف اذا صار خلقاً لا یقرأ منه ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاهرة و
یدفن ودفنه اولیٰ من وضعه موضعاً یخاف ان یقع علیہ النجاسة او نحو ذلك الخ
(الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۳۲۳ کتاب الکواہیة۔ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ)

قال الشيخ اشرف على التهانوى رحمه الله: - یہ دونوں آیتیں یوم قیامت کے بارے میں ہیں اور تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ مختلف لوگوں کو اشتداد کے تفاوت سے امتداد میں تفاوت محسوس ہوا کرتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۵۵ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن) ۱۔

ابلیس بھی حکم سجدہ کا مکلف تھا | سوال: قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ **وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِلْآدَمِ..... الخ** میں حکم صرف فرشتوں کو تھا جبکہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون کیوں کر دیا؟

الجواب: - ظاہر آیت میں تو اگرچہ صرف فرشتوں کا ذکر ہے مگر یہ حرفاً تغلیباً ہے ورنہ حکم ابلیس کو بھی ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب اور سوال و جواب قرنیہ ہے، بسا اوقات قیام قرنیہ سے کسی شخص پر امر کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

قال الشيخ اشرف على التهانوى رحمه الله: - یاں حکم اس کو بھی ہوا تھا اور جس امر پر قرنیہ قائم ہوتا ہے اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہوا کرتی، اور یہاں قرنیہ فقہ میں موجود ہے وہ یہ کہ جب اس پر عتاب کی حکایت بیان فرمائی گئی، خود اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مامور تھا، ذکر سورہ اعراف میں یہ آیت **مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ** اس میں امر کا ہونا مفسر ہے، پہلی دلیل عقلی دوسری دلیل نقلی۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۲۱ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن) ۲۔

سوال: - جناب مفتی صاحب! قرآن کریم میں ارشاد **مَعِيشَةً ضَنْكًا** کی تفسیر **رَبَّانِي هِيَ** کہ **وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا** (سورہ طہ آیت ۱۲۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ذکر خداوندی سے اعراض کرے

۱۔ قال ابن عباس رضي الله عنهما: هو يوم القيامة جعله الله على الكافرين مقدر خمسين ألف سنة ثم يدخلون النار للاستقرار - (تفسير قرطبي ج ۱ ص ۲۸۲ - سورة المعارج) **وَمِثْلُهُ** في بؤادر النوادر ج ۲ ص ۳۷۹ حصہ سوم نوادر، تیسرا نادرہ۔

۲۔ قال مولانا محمد ادریس الکاندھلوی: ابلیس اگرچہ ملائکہ میں سے نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا کہ **كَانَ مِنَ الْجِنِّ** مگر خطاب سجود بتبعیۃ ملائکہ بالاولیٰ داخل تھا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۹۲ - سورہ البقرہ) **وَمِثْلُهُ** في تفسیر ما بعدی سورہ البقرہ ج ۱ ص ۱۷۱

تو اس کی زندگی (معیشت) تنگ ہوگی، حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کفار و فجار جو دین الہی کے دشمن ہیں اُن کی زندگی بہت آسودہ ہوتی ہے، اُن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے، تو پھر اس آیت میں زندگی (معیشت) کی تنگی کا کیا مطلب ہے؟

الجواب :- اسلام دشمن اور خدا کے باغی اگرچہ ظاہری طور پر دنیا میں کافی آسودہ حالی اور خوش و خرم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور ان کی یہ خوشی و مسرت ظاہری اور دکھاوے کی ہوتی ہے، اسی طرح آیت مذکورہ میں بھی باطنی تنگی مراد ہے نہ کہ ظاہری تنگی مراد ہے۔

قال الشيخ محمد ادریس کاندھلوی: دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی، راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات تنہا نوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں، بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے، جب راحت اور سکون، حصے نصیب نہ ہو تو دولت سے کیا فائدہ ہوگا، ظاہر میں بیشمار دولت ہوتی ہے مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہوتا ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہوتا ہے۔۔۔۔۔ الخ (معارف القرآن جلد ۲ ص ۵۹۸)۔

السؤال :- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد الزَّانِي لَا يَنْكِحِ الْاَزَانِيَةَ الخ کی تفسیر ہے: الزَّانِي لَا يَنْكِحُ الْاَزَانِيَةَ اَوْ مُشْرِكَةً (سورة النور آیت ۳) اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ کے ساتھ نیک مسلمان کا نکاح صحیح نہیں جبکہ فقہ کی کتابوں میں سے صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ یصح نکاح الحبلى من الزنا۔ اور اسی طرح بعض واقعات رونما بھی ہو چکے ہیں کہ کسی زانیہ سے ایک نیک متقی و پرہیزگار شخص نے نکاح کیا ہے، کیا ایسا نکاح

۱۔ قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ :- این تنگی متعلق بقلب است ہرگز کسی را از اعصافِ اہل ہدایت دید کہ در ولش شگفتگی و فراخی باشد سراسر از پریشانی و تکرر پر فی باشد۔ ۲۔ اھ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۶۱ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن)

صحیح نہیں، اگر صحیح ہے تو پھر آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب :- اگرچہ اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسرین عظام نے مختلف تاویلات اور اقوال بیان کیے ہیں لیکن جمع بین الروایات کے تحت یہ قول زیادہ رائج معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مقصود اخبار ہے نہ کہ حکم شرعی، یعنی زانیہ عورت عادتاً کسی صالح مرد سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتی اور نہ کوئی صالح مرد کسی زانیہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے، اس لیے کہ پاکدامنی اور عفت سے محبت ایک طبعی امر ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زانیہ کا نکاح حکم شرعی کے تحت جائز اور صحیح ہے۔

قال القاضي ثناء الله الباني يتي :- وعند الأئمة الثلاثة نكاح الزاني والزانية صحيح فني تفسير هذه الآية قال بعضهم معناه الاختيار كما هو ظاهر الصيغة والمعنى ان الزاني لاجل فسقه لا يرغب غالباً في نكاح الصالحات والزانية لا يرغب فيها الصالحاء فان المشاكلة علة الالفه والتضاد والمخالفة سبب للنفرة والافتراق وكان حق المقابلة ان يقال والزانية لا تنكح الا من زان او مشترك لكن المراد بيان احوال الرجال في الرغبة فيهن لما ذكرنا انها نزلت في استئذان الرجال من المؤمنين -

(تفسير المظهر ج ۲ ص ۲۴۲ سورة النور)

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے مراد نماز ہے | **سوال :-** آجکل ذکر کی فرقہ کے لوگ یَقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ، اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وغیرہ آیات قرآنی سے نفسِ ذکر کے اثبات کے لیے استدلال کرتے ہیں، کیا واقعی ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ یا اس سے نماز ہی مراد ہے؟

الجواب :- احادیث صحیحہ اور اجماع امت اس بات کی توضیح کرتی ہیں کہ ان آیات سے مراد نماز معہود ہے، اس سے صرف ذکر الہی مراد لے کر نماز کی نفی کرنا تحریف فی القرآن کے مترادف ہے جس سے کفر لازم ہو جاتا ہے۔

قال العلامة أبو البرکات عبد الله بن محمد النسفی رحمہ الله : (وَلِیَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ) ای یُؤدُّوْنَ نہا فعبّر عن الاداء بالاقامة لان القيام بعض اركانها كما عبر عنه بالقنوت وهو القيام وبالركوع والسجود والتسبیح لوجودها

فیہا۔..... الخ (تفسیر نسفی ج ۱ ص ۱۳) ویقیمون الصلوٰۃ (۱۷)

خارج نماز تلاوت قرآن سننا واجب نہیں | سوال :- خارج نماز جو تلاوت قرآن حکیم ہوتی ہے تو کیا اس کا سننا واجب ہے

یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو رمضان المبارک میں جو قاری صاحبان اور حفاظ کرام لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرتے ہیں اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے تلاوت قرآن نہیں سن سکتے تو اس پر کون گتہگار ہوگا؟

الجواب :- اس بارے میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں ایک وجوب کا ہے اور دوسرا عدم وجوب کا، متاخرین فقہاء کرام نے آسانی اور سہولت کے لیے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، لہذا خارج از نماز قرآن کریم کی تلاوت سننا واجب نہیں تاہم مستحب ضرور ہے۔

وحکی ابن المنذر: الإجماع على عدم وجوب الاستماع والانصات في غير الصلوة والخطبة وذلك ان يجابهما على كل من يسمع احدا يقرأ فيه حرج عظيم لانه يقتضي ان يترك له المشتغل بالعلم علمه والمشتغل بالحكم حكمه والمتاعان مساومتهم ما تعاقدها وكل ذي شغل شغله۔ (تفسیر المنار ج ۹ ص ۵۵۲، ۵۵۳) ۲۷

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے محلے میں ایک پڑھالکھا

آدمی ہے، نماز پنجگانہ کا پابند ہے لیکن رمضان کے مہینے میں روزے نہیں رکھتا بلکہ فدیہ دیکر

۱۷ قال ابن عباسؓ ویقیمون الصلوٰۃ ای یقیمون الصلوٰۃ بفروضها۔ وقال الضحاكؓ: عن ابن عباسؓ إقامة الصلوة اتمام الركوع والسجود والتلاوة والختوع والاقبال عليها فيها۔ وقال قتادةؓ: إقامة الصلوة المحافظة على مواقيتها وضوؤها وركوعها وسجودها۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲) سورة البقرة (۱۷)

۱۸ (ایموا الصلوٰۃ) امرهم ان یصلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْمُنْتَوِيَةِ ج ۱ ص ۱۲ سورة البقرة۔

۱۹ قال الجصاص في تفسير الآية: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا... المؤمن في سعة من

الاستماع اليه الا في صلوة مفروضة۔ (احكام القرآن ج ۳ ص ۳۹)

جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ وہ توانا اور تندرست ہے اور اپنے اس عمل پر قرآن حکیم کی آیت مبارکہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ (سورة البقرہ آیت ۱۷۷) سے استدلال کرتا ہے، تو کیا صحت اور تندرستی کے باوجود فدیہ دے کر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب :- حالتِ صحت میں فرضِ روزہ رکھنے کے علاوہ کوئی اور عمل چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بارگاہِ الہی میں مقبول نہیں، جہاں تک آیت مذکورہ کا تعلق ہے تو یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا لیکن بعد میں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سَ مَسْرُوعًا ہو گیا، لہذا موصوف کا مذکورہ آیت مبارکہ سے فدیہ کے جواز کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

لما قال الحافظ ابن كثير: (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ) فكان من شاء صام ومن شاء اطعم مسكيناً فاجزا ذلك عنه ثم ان الله عز وجل انزل الآية الاخرى (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) الى قوله (رَقِيبٌ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) فاثبت صيامه على المقيم الصحيح ورخص فيه للمريض والمسافر وثبت الاطعام للكبير الذي لا يستطيع الصيام. (تفسير ابن كثير ج ١ ص ٢١٢ سورة البقرة) له

آیات قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل اخبارات اور رسائل و جرائد میں بغیر

له حدثنا ابن حبيب قال ثنا جوير عن منصور عن ابراهيم عن علقمة في قوله (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ) قال كان من شاء صام ومن شلا فطر واطعم نصف صاع مسكينا فسخها (شهر رمضان...) الى قوله (فمن شهد منكم الشهر فليصمه)
عن مغيرة عن ابراهيم بنحوه وزاد فيه قال فنسخها هذه الآية وصارت الآية الاولى للشيخ الذي لا يستطيع الصوم يتصدق مكان كل يوم على مسكين نصف صاع
ثنا ابن ادريس قال سألت ابا عمش عن قوله (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ)

فحدثنا عن ابراهيم عن علقمة قال نسخها. رُفِعَ مِنْ شَهْدِ مَنْكُمْ الشَّهْرُ
فليصمه) - (جامع البيان ج ٢ ص ١٣٣ سورة البقرة)
وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُنْشُورِ ج ١ ص ٣٢٢ سورة البقرة -

عربی متن کے قرآنی آیات کا اردو ترجمہ شائع کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس طرح کرنے میں قرآن کریم کی توہین بھی ہے؟

الجواب :- علماء امت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بغیر عربی متن کے قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا حرام و ناجائز ہے، اس قسم کے عمل سے اجتناب کیا جائے اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ ”جواہر الفقہ“ شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لیے وہاں مراجعت کریں۔ البتہ ایک دو آیتوں کا صرف ترجمہ شائع کرنا اس میں داخل نہیں، ہاں اگر اس کے شائع کرنے سے قرآن مجید کی توہین مقصود ہو تو پھر توہیہ اور بھی ناجائز اور حرام ہے جس سے بچنا از حد ضروری ہے۔

قال الشيخ ابن الہمام رحمہ اللہ : وفي الکافی ان اعتاد القراءة بالفارسیة او اراد ان یکتب مصحفاً بها یمنع وان فعل فی اية او ایتین لا فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمته جاز۔ ۱ھ

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۸ باب صفة الصلوة) ۱ھ

سب سورتوں کے نام توقیفی ہیں | سوال :- جناب مفتی صاحب! قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں کے نام جو مشہور ہیں اس کا ثبوت آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا کہ علماء کرام نے اپنی طرف سے یہ نام رکھے ہیں؟

الجواب :- قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکم الہی خود ان کے نام رکھے ہیں، علماء کرام کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

قال اکمام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری :- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطن

لہ قال العلامة المصنفی رحمہ اللہ : وتجوز كتابة اية او ایتین بالفارسیة لا اکثر (قال الشامی) والمظاہر ان الفارسیة غیر قید الخ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۳، مطلب فی حکم القراءة بالفارسیة والتوراة والانجیل)

یتقر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ۔ رواہ سلم (مشکوٰۃ مترجم اردو ج ۱ ص ۲۵۸ فقائل القرآن)۔
سوال :- سورۃ بقرہ میں ہاروت و ماروت کے ناموں سے جو قصہ ہاروت و ماروت کی تحقیق قصہ مشہور ہے، بعض علماء اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں جبکہ بعض

تفاسیر میں اس قصہ کا باسند تذکرہ ملتا ہے، اس قصہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب :- ہاروت و ماروت ایک اسرائیلی واقعہ ہے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس کو صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر منتہی کے اعتبار سے یہ اسرائیلی واقعہ ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ اسرائیلیات کی نہ تصدیق کریں اور نہ تکذیب، بلکہ اس بارے میں توقف سے کام لیں۔
 قال الشیخ مفتی محمد شفیعؒ: الجواب: قصہ ہاروت و ماروت کا تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں بہت مفصل لکھا ہے، مگر یہ سب اسرائیلی روایات سے لکھا گیا ہے، نیچے کی سندیں اگرچہ قوی بھی ہیں مگر منتہائے سند سب کا اسرائیلی روایات پر ہوتا ہے جن کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جاوے نہ تکذیب۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس قصہ کا ثبوت کسی روایت میں ہے نہیں اور اسرائیلی روایات میں ہے ان کا اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ (امداد المفتین ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب التفسیر)

۱۔ قال الشیخ المفتی محمد شفیعؒ: سوال: نزدیکتا ہے کہ سورۃ بقرہ نام خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں رکھا علماء نے خود یہ نام رکھ لیا ہے، یہ قول صحیح ہے یا نہ؟

الجواب: نزدیک قول غلط ہے، متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام سورتوں کے مروی ہیں، حدیث مسلم میں ہے: اقرؤ الزہراوین البقرۃ وسورۃ ال عمران۔ الحدیث (رواہ سلم) مشکوٰۃ۔

ان الشیطن یتقر من البیت الذی یقرؤ فیہ سورۃ البقرۃ۔ الحدیث (رواہ مسلم مشکوٰۃ ثریم) واللہ اعلم (عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۴ کتاب السنۃ والبدعۃ)

۲۔ قال العلامة قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ: وھذہ القصة من اخبار الاحادیث من الروایا الضعیفة الشاذة ولادلالۃ علیہا فی القرآن بشئ..... وبعد اسطر: قال العاصی ان ھذہ الاخبار لم یر و منها شیء صحیح ولا یستقیم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال وھذہ الاخبار من کعب الیہود وافتراءہم۔ الخ (التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۰۹ سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُهُ فِی مَعَارِفِ الْقُرْآنِ لِلشَّيْخِ مُحَمَّدِ ادريس كاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۹۱۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

مسئلے کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جس مینڈھے کو ذبح کیا تھا اس کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ لوگوں سے اس بارے میں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔

الجواب :- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کے گوشت کے بارے میں صاحب تفسیر صاوی نے لکھا ہے کہ یہ گوشت درندہ پرند نے کھایا تھا اس لیے کہ اس کا پکانا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ جتنی گوشت پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

قال العلامة الصاوی رحمہ اللہ : وبقی قرناہ معلقین علی الکعبۃ الی ان احترق البیت فی زمن ابی الزبیر وما بقی من الکبش اکلته السباع والطیور لان النار لا تؤثر فیہا هو من الجنة۔ (حاشیۃ العلامة الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۳۲۳ سورۃ الصافات) ۱۷

سوال :- پاکستان میں اس وقت قرآن و سنت پر مبنی نظام نافذ نہیں ہے، معاشی نظام سودی اور

رِزقِ حرام ہے، ملک پر کفریہ انگریزی قانون نافذ ہے۔ قرآن مجید کے پٹ رکوع ۱۱ کی پہلی آیت کی تشریح میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکمِ جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں، سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے

۱۷ قال العلامة سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی الشہید بالجمل رحمہ اللہ : وقد بقی قرناہ معلقین علی الکعبۃ الی ان احترق البیت فی زمن ومن المعلوم المقرر ان کل ما هو من الجنة لا تؤثر فیہ النار فلم یطبخ لحم الکبش بل اکلته السباع والطیور تأمل۔ (التفسیر الجمل ج ۳ ص ۵۲۹ سورۃ الصافات)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الزُّهْرِي وَقَائِعِ الدَّهْوَ مَتَّهِ قِصَّةُ ذِي اسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

ہجرت کریں الخ۔ اور بھی مضمون شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر موضع القرآن میں بھی ہے، آپ فرماتے ہیں: ”قائدہ ۵: اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا نہ رہ سکیں وہاں سے ہجرت فرض ہے۔“ تو آیا پاکستان کے مسلمانوں پر اس آیت کی رو سے اس کھری نظام کی وجہ سے ہجرت فرض ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہجرت دارالحرب اور دارالکفر سے کی جاتی ہے جبکہ پاکستان دارالمسلمین ہے جس میں مسلمانوں کو جملہ دینی امور اور تبلیغ و جہاد کو عملی طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن ایمانی کمزوری کی وجہ سے پاکستانی قوم اپنے فرائض کی ادائیگی میں روایتی غفلت کا شکار ہے اور آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح وہی ہے جو ان اکابرین نے کی ہے۔ اور اسی مقام پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں تو ہجرت ان لوگوں پر فرض ہے۔“ لہذا فرائض کی انجام دہی کی صورت میں مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے پاکستان سے ہجرت فرض نہیں ہے بلکہ یہی لازمی ہے کہ اس نظام کو دور کر کے اس کی بجائے شرعی نظام کا نفاذ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۲۳ پ ۱۲۳ سورة النساء ع ۱۱) لے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام قبل المسخ شیطان کافرشتوں سے افضل ہونا اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارگاہ الہی

سے نکالے جانے سے پہلے شیطان کا علم فرشتوں سے زیادہ تھا یا نہیں، نیز اس وقت شیطان افضل تھا یا فرشتے؟

الجواب : شیطان کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں مختلف عبارات مذکورہ ہیں جس سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ شیطان قبل المسخ من اشراف الملائكة، خازن الجنة، سلطان

لے قال العلامة قاضی ثناء اللہ القافی فتی: ”المرتکن ارض اللہ واسعة فتها جروا قیہا یعنی کنتم قادرین علی الخروج من مکة الی ارض لا تمنعون قیہا من اظہار الاسلام وفحافة الکفار واعلاء کلمة اللہ کما فعل المہاجرون الی المدینة والحبشة وتصیب فتها جروا علی جواب الاستفهام۔ (التفسیر المظہری ج ۲ ص ۲۸۲ پ ۱۲۳ سورة النساء) ومثله فی تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۴ پ ۱۲۴ سورة النساء۔“

سما الدنیا والارض اور علم واجتہاد میں فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔

قال العلامة عماد الدین ابن کثیر: کان من اشدھم ای اشد الملئکة اجتہاداً
واکثرھم علماً۔ کان من اشرف الملئکة من ذوالجنحة الاربعۃ کان من اشرف
الملئکة واکرمھم قبیلۃً وکان خازناً علی الجنان، کان لہ سلطان السماء الدنیا
وکان لہ سلطات الارض وکان یسوس ما بین السماء والارض فعصی قسطن
اللہ شیطاناً رجیماً، کان ابلیس رئیس ملائکة سما الدنیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷ سجود الملئکة لآدم) لہ

وَاللّٰهُ اَنْبَتْکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (الآیۃ) اور ڈارون کا نظریۃ ارتقا اسول جناب
انفتی صاحب

ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر
ان کی شکل و صورت حیوان کی تھی اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات و نباتات کے مراحل
سے گذر کر پہنچے تھے۔ اور اپنے اس عقیدہ پر استدلال کے لیے وہ قرآن کریم کی یہ آیت
پیش کرتا ہے کہ وَاللّٰهُ اَنْبَتْکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ (سورۃ نوح پ ۲۹) اس آیت کے
مطابق تو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق ان مراحل سے گذر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے
سے ڈارون کے نظریۃ ارتقا کی تائید ثابت ہوتی ہے، شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس آیت
سے اس عقیدہ کے لیے استدلال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ڈارون کے نظریۃ ارتقا کو ثابت کرنا سراسر
تحریف اور غلط ہے جبکہ تحریف فی القرآن شرعاً کفر ہے۔ علاو ازیں دیگر آیات حضرت آدمؑ

لہ قال العلامة بدر الدین محمد بن عبد اللہ الشبلی الحنفی: قلت وقد ذکر
الطبری فی تاریخہ قول ابن عباسؓ قال قال ابن عباسؓ کان ابلیس من اشرف الملئکة
واکرمھم قبیلۃً وکان خازناً علی الجنان وکان لہ سلطان السماء الدنیا
وکان لہ سلطان الارض۔ (آکام المرجان فی احکام الجنان ص ۱۵۵ الباب
فی بیان هل کان ابلیس من الملئکة)

وَمِثْلُهُ فی حیاة الحیوان الکبریٰ للدمیری ج ۱ ص ۲۹۸ سورۃ الجن)

کی تخلیق میں واضح ثبوت ہیں جس میں نظریہ ارتقاء کا شبہ بھی نہیں ہے بلکہ اس آیت کریمہ میں غور و فکر کرنے سے اس نظریہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

قال العلامة جلال الدین سیوطی: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ اِیْ خَلْقِكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اَدْخَلَ اَبَاكُمْ اَدَمَ مِنْهَا۔ (تفسیر جلالین، سورۃ نوح ۱۹ آیت ۷۱)

قال العلامة شبیر احمد عثمانی: ”یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا۔ اول ہمارے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں، غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۷) ۱۹ سورۃ نوح آیت ۷۱) لہ

مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ کی تفسیر اور مصداق | سوال: قرآن مجید کی بعض پشتو

تفاسیر میں سورۃ والناس کی آیت **مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ** کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”چہ پیریاں اوسری دی، پہ انسان کنبے بدعتیان، مشرکان، پیران او ملیان دی“ کیا اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر و ترجمہ اور مصداق صحیح ہے؟ کیا الناس کا ترجمہ سہری صحیح ہے؟

الجواب:۔ آیت کریمہ **مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ** کا ترجمہ بزبان پشتو یہ ہے: ”چہ دجناتو او د انسانانو نہ“ تاکہ مرد و زن دونوں اس میں داخل ہوں، اور مرد و زن دونوں انسان اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لیے ان دونوں کو آدمی منسوب بسوئے آدم کا ترجمہ بھی کیا جاتا ہے، اس لیے آدمی میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہیں، اور ”سہری“ کے ساتھ ترجمہ میں عورتیں تغلیباً داخل ہوں گی، اس لیے ”سہری“ کے ساتھ ترجمہ کرنا بھی درست ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”جنّتوں میں اور آدمیوں میں“

لہ قال العلامة قاضی ثناء اللہ القانی فتی رحمہ اللہ: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ اِیْ اَنْشَاكُمْ فَاَسْتَعْبِرُوا لَانْشَا لَانَّهُ اَدَلْ عَلَى الْحَدُوثِ، مِنَ الْاَرْضِ بَانَ خَلْقِ اَبَاكُمْ اَدَمَ مِنْهَا اَوْ بَانَ خَلْقِكُمْ مِنَ النُّطْفِ وَالنُّطْفِ مِنَ الْغُذَا اِذَا الْمُنْبِتِ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا..... تَقْدِيرُهُ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ فَنَبَتُمْ نَبَاتًا فَاَقْتَصِرْ اَكْتِفَا بِالدَّلَالَةِ التَّوْحِيدِيَّةِ۔

(التفسیر المظہری ج ۱۰ ص ۷۱ سورۃ نوح)

وَمَثَلُهُ فِي تَفْسِيرِ الْبَحْرِ الْمَحِيْطِ ج ۸ ص ۳۲ سورۃ نوح۔

اور انسانوں میں اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو سو سے ڈالتے ہیں لوگوں کے دلوں میں، خواہ وہ ہر طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

قوائد عثمانیہ میں لکھا ہے: ”شیطان جنوں میں بھی ہے اور آدمیوں میں بھی۔ وَلَئِنْ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (سُورَةُ اَعْلَاءِ ۱۲)۔“ (تفسیر عثمانی ص ۸۰ سورۃ الناس) ۱۷

آیت کریمہ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ لَبِسِحْرِ الْاِنْمِ كِي تَحْقِيقِ | سوال :- قرآن مجید کے پشتوں کے ایک ترجمہ میں

آیت کریمہ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ لَبِسِحْرِ الْاِنْمِ كِي تَحْقِيقِ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”چہ داکا غند سلیمان نہ دے“ مطلب داد دے؟ چہ امداد غواہی صرف یہ نوم دالہ چہ بے حدہ مہربان اور حم دھغلہ خوئی دے؟ تو کیا حضرت سلیمان علیہ السلام اس آیت سے ابتدا کر رہے ہیں یا ملکہ سباء کو حکم دے رہے ہیں کہ تم استعانت علی اسم اللہ یعنی بسم اللہ پڑھو؟

الجواب :- اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ملکہ سباء کو نہیں ہے بلکہ حضرت سلیمان کی طرف سے استعانت باسم اللہ تعالیٰ علی الغیر ہے جیسا کہ عام طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر نیک کام کے شروع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ باعث خیر و برکت ہے۔

قال العلامة القرطبي: لانه بدأ فيه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كُلَّ كَلَامٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَهُوَ اجْزَاءٌ۔ (تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۹۱ سورۃ النمل) ۱۸

۱۷ قال العلامة مراد علی: ”مَنْ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ“ لَهُ پیر یا نو اور سورہ نہ یعنی لہ شیطانا و درجن او انس ثانی۔ (تفسیر یسیر فوق الیسر ج ۲ ص ۱۰۵ سورۃ الناس)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ عَثْمَانِي كَابِلِي لِشَتَوْ ج ۲ ص ۸۲ سورۃ الناس۔

۱۸ قال العلامة الآلوسی: وكتاية البسملة في أوائل الكتب مما حوت به سنة نبينا صلى الله عليه وسلم بعد

نزل هذه الآية بلا خلاف..... عن الشعبي قال كان اهل الجاهلية يكتبون باسمك اللهم فكتب النبي صلى الله عليه وسلم اول ما كتب باسمك اللهم حتى نزلت بسم الله مجربها ومرساها فكتب بسم الله ثم نزلت (دعوا للرحمن)

فكتب بسم الله الرحمن ثم نزلت آية النمل الخ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۵ سورۃ النمل)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّر المنثور ج ۶ ص ۳۵۴ سورۃ النمل۔

لَعَمْرُكَ (سورۃ الحجر) جملہ قسمیہ ہے | سوال :- قرآن مجید کے بعض پشتو تراجم میں سورۃ الحجر کی آیت ۲۷ میں لَعَمْرُكَ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”اللہ

مے ژوندے ساقی تاراے تبا“ تو کیا یہ جملہ قسمیہ ہے یا دعائیہ؟

الجواب :- لَعَمْرُكَ جملہ قسمیہ ہے، یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف وجوباً ہے اور انہم اور اس کی خبر جواب القسم ہے، تقدیر عبارت اسی طرح ہے لَعَمْرُكَ قسمی۔

قال المحشى لجلالین: قوله لعمرک آه لعمرک مبتداء محذوف الخبر وجوباً واثم وما فی حیزه جواب القسم تقدیرہ لعمرک قسمی او بمعنى اثم والعمر والعمرک بالفتح والضم هو البقاء الا اثم التزموا الفتح فی القسم۔

(هامش الجلالین ص ۲۱۷ سورۃ الحجر ع ۵) لہ

تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا | سوال :- تفسیر جواہر القرآن (مؤلف شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ)

کا مطالعہ کرنا یا مطالعہ کر کے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا تفسیر کشاف کے پڑھنے اور پڑھانے جیسا ہے۔ یہ تفسیر العالم العارف حضرت علامہ مولانا حسین علی الفنیابی رحمہ اللہ کے تفسیری نکات و فوائد اور افادات کا مجموعہ ہے۔ حضرت ایشخ قدس سرہ العزیز کے فہم فی القرآن، تفسیری فوائد و نکات اور مسئلہ توحید میں استغراق کو علماء دین نے نظر استحسان دیکھا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی قدس سرہ العزیز اس تفسیر

لہ قال العلامة القاضی ثناء اللہ الفانی فقیہ: لعمرک یا محمد و جیاتک قسمی وهو لغة فی العمر یختص به القسم لا یشار الا خف قیہ لانه کثیر الدور علی اللسان۔ قال البغوی: روى عن ابی الجوزاء عن ابی عباس قال ما خلق اللہ نفساً اکوم علیہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما اقسم بحیوة احد الا بحیاته۔ (التفسیر المظہری ج ۵ ص ۳۱ سورۃ الحجر) وَمِثْلُهُ فِی تَفْسِیرِ الْقُرْطُبِی ج ۵ ص ۳۹ سورۃ الحجر۔

کی تقریظ میں رقمطراز ہیں: اِنِیْ نَظَرْتُ فِیْ هٰذَا التَّفْسِیْرِ وَكَرَرْتُ النَّظَرَ وَالْمُطَالَعَةَ فَوَجَدْتُهُ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَهَمَّتْهُ نَافِعًا مُّفِیْدًا لِلنَّاسِ مِبَارَكًا۔

(تقریظ مولانا نصیر الدین غورخشتوی علی تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۷)۔
سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ | سوال: کیا قرآن میں علامہ تفسیر اس

مسلے کے بارے میں کہ بعض لوگ درس قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی ایسنہ بیوی کے ساتھ غسل کے وقت اتار کر رکھ لی تھی پھر شیطان نے حضرت سلیمانؑ کی شکل میں آکر انگوٹھی لی اور بادشاہ بن گیا، پھر سلیمانؑ ایک ٹھہرے کے ہاں ملازم ہو گئے، پھر چالیس دن بعد شیطان نے تخت چھوڑ کر خاتم سلیمانی دریا میں پھینک دی اور سلیمانؑ اسے مچھلی کے پیٹ سے نکال کر پھر بادشاہ بن گئے اور شیطان کو دریا بُرو کر دیا۔ تو کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس واقعہ کی بنیاد ایک اسرائیلی روایت پر قائم ہے جو کہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے، شیطان کسی بھی نبی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ اپنی شکل کسی نبی علیہ السلام کی شکل جیسی بنا سکتا ہے۔

قال اکامام محمد بن سیرین التابعی: ان الشیطن یتمثل فی الرویا بکل شیء
 الا بالله تعالیٰ وملیکته ورسله۔ (منتخب الکلام فی تفسیر الامام علی ہاشم تعطیر الانام ج ۲ ص ۲۷)۔
 وقال العلامة محمد یوسف البنوری: وفی اثناء ذلک تتابع تراجم القرآن وفوائدہ
 التفسیریة بعضہا صحیحة من اهل الحق کتقریرات توجیة القرآن افادھا العالم العارف
 مولانا الشیخ حسین علی الفنجانی طال بقائه من تلا مذة قطب العصر مولانا المحدث مسعود
 رشید احمد گنگوہی الدیوبندی۔ (البيان لمشکلات القرآن ص ۳۹)۔

وَمِثْلُهُ فِیْ مَقْدَمَةِ لَامِعِ الدِّرَارِیْ لِمُحَمَّدِ زَکَرِیَّا السَّهَارَنْقُورِیْ ج ۱ ص ۱۵۱
 قال العلامة شبیر احمد عثمانی: اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت بے سرو پا قصے
 سلیمان علیہ السلام کی انگٹری اور جنوں کے نقل کئے ہیں۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: وقد رویت هذه القصة مطبولة
 عن جماعة من السلف رضی اللہ عنہم وکلہا متلقة من قصص اهل الکتاب۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۷۰)
 وَمِثْلُهُ فِیْ التَّفْسِیْرِ الْمَظْهَرِ ج ۸ ص ۱۸۱ پ ۲۳ سورۃ ص۔

پشتوزبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر | سوال: پشتوزبان میں قرآن کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں جن میں مختلف باتیں لکھی گئی ہیں مثلاً پیروں اور مقبروں پر جانا جائز نہیں، مرد نے نہیں سنتے، دعا بعد السنت جائز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، لہذا مطالعہ کے لیے پشتوزبان میں کون سی ایسی تفسیر ہے جس کا پڑھنا پڑھانا مفید ہو؟

الجواب: تفسیر معارف القرآن از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب اور تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا پشتوزبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے یہ دونوں معتبر تفاسیر ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا مفید ہے۔

حضرت یوسفؑ کی برأت میں شیر خوار بچے کا گواہی دینا | سوال: حضرت یوسف علیہ السلام الزام تراشی کی تھی تو آپ کی برأت میں جس نے گواہی دی تھی اور جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ شَهِدَ شَهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ (سورۃ یوسف آیت ۲۶) تو یہ شاہد کون تھا؟ کوئی بالغ آدمی تھا یا چھوٹا بچہ؟

الجواب: وہ گواہ نابالغ اور شیر خوار بچہ تھا۔ تفسیر بیان القرآن میں ہے: ”اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو کہ شیر خوار بچہ تھا اور یوسفؑ کے معجزہ بول پڑا تھا، آپ کی برأت اور نزاہت پر شہادت دی“ (تفسیر بیان القرآن ج ۵ ص ۵۷ سورۃ یوسف، ۲۶)

۱۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تفاسیر بھی معتبر اور مطالعہ کے لیے مفید ہیں:-

(۱) تفسیر جیبی مولانا الحاج حبیب الرحمن خلف الرشید شیخ المفسرین مولانا محمود حسنؒ۔

(۲) موضح القرآن، بیضاوی، فتح الرحمن، روح البیان، ابن کثیر، فتح البیان۔

(۳) تفسیر حسینی (پشتو) ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی، پشتو ترجمہ مولانا عبد اللہ۔

۲۔ شَهِدَ شَهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ج ای ابن عمہاموی انہ کان فی المہدی و علی ہامش الجلالین قولہ روی انہ ای الشاہد کان فی المہد صبیئاً۔ وفی الحدیث لم یتکلم فی المہد الا اربعۃ و ذکر منها شاہد یوسف۔ رواہ

احمد عن ابن عباس۔ (حاشیہ جلالین ج ۱ ص ۱۹۲ سورۃ یوسف پ ۱)

وَمَثَلُهُ فِی تَفْسِیرِ عُثْمَانِی ج ۱ ص ۳۱۶ فائدہ ۵۷ سورۃ یوسف پ ۱۔

سورة الحج کا سجدہ ثانیہ عند الحنفیہ | سوال :- سورة الحج میں دو سجدے ہیں، پہلا سجدہ عند الحنفیہ کیا جاتا ہے اور دوسرا سجدہ نہیں کیا جاتا،

تو یہ دوسرا سجدہ کیوں نہیں کیا جاتا، اور نماز کے باہر اور اندر اس سجدہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اردو الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱ میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج کو تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بہتر ہوگا، البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدہ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لیے نماز کے اندر نہ کیا جائے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ ہے کہ سجدہ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، بہر حال دوسرا سجدہ عند الحنفیہ ثابت نہیں بلکہ وہ سجدہ صلوٰۃ ہے۔ (رد الفتاویٰ)

قال العلامة الکاسانی: ولنا ما روی عن ابی ریحی اللہ عنہ انه عد السجدة التي سمعها من رسول الله وعد في الحج سجدة واحدة وقال عبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر سجدة التلاوة في الحج هي الاولى والثانية سجدة الصلاة وهو تأويل الحديث وهذا لان السجدة متى قرئت بالركوع كانت عبارة عن سجدة الصلاة كما في قوله تعالى: فَاسْجُدْ وَارْكَعْ - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۹۳) فصل وما يامر بوضع السجدة له

وقيل من راق (الآية) كاشتون ترجمہ | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورة القیامۃ کی آیت ۲ وقیل من راق کاشتون زبان میں کیا گیا مندرجہ ذیل ترجمہ صحیح ہے یا نہیں؟ ”اد اوبہ ویلے شی چہ شولک غواری“

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: منها اولی الحج اما ثانیۃ فصلاتیۃ لا قتر انہا بالركوع۔ وقال ابن عابدین: لان السجدة متى قرئت بالركوع كانت عبارة عن السجدة الصلاة كما في قوله تعالى: وَاسْجُدْ وَارْكَعْ - بدائع۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۵ باب سجود التلاوة)

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ الطَّحْطَاوِي ج ۱ ص ۳۹۲ باب سجود التلاوة۔

هغه به او وائی چہ دمونکے غوارم د مریض خیلوات بہ تیوس او کہی چہ خوک
غواری نو هغه به او وائی چہ دمونکے غوارم ۴

الجواب :- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے : ”اور لوگ کہیں
کون ہے جھاڑنے والا“ علامہ عثمانیؒ فائدہ میں لکھتے ہیں : ”ایسی مایوسی کے وقت طبیعوں اور
ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی، جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک
اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے، کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے
اس کو مرنے سے بچالے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ ”من راق“ فرشتوں کا کلام ہے۔ جو
ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں وہ آپس پوچھتے ہیں کہ کون
اس مردے کی روح کو لے جائے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے ؟ اس تقدیر پر ”راق“
”راقی“ سے مشتق ہوگا جس کے معنی ”اوپر چڑھنے کے ہیں“ رقیہ سے نہ ہوگا جو فوسوں کے
معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۸ سورة القيامة ۲۹) لہ

حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق | سوال :- بعض
مفسرین حضرات

سلیمانؑ کا یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپؑ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ
آپؑ سے عصر کی نماز قضاء ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو قتل کرنا شروع
کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا اور آپؑ نے نماز پڑھ لی۔ اب سوال یہ
ہے کہ ان گھوڑوں کا اس میں کیا قصور تھا، اور کیا واقعی سورج روک لیا گیا تھا ؟

الجواب :- گھوڑوں کے قتل کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک رائے
یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لیے پرورش کئے گئے تیز و سبک رفتار

لہ قال العلامة ثناء الله البانی پتی رحمہ الله : وقيل من راق - ای قال حاضر والمختصر
من يرقيه مسابه من الترقية كذا قال قتادة او قالت الملكة الموت ايكم يرقى بوجه
ملكه الرحمة او ملكه العذاب من الرق كذا قال سليمان التيمي ومقاتل بن
سليمان - (التفسير المظهر ج ۱ - ص ۱۳۵ سورة القيامة ۴)

وَمِثْلُهُ فِي مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ (تفسير البغوي ج ۲ ص ۲۲۲ سورة القيامة ۴)

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الآیۃ) کی تفسیر اسوال کیا

علماء تفسیر اس آیت کے بارے میں کہ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا، اس میں مساجد سے کیا مراد ہے؟ عام مساجد یا عبادت مراد ہے؟

الجواب :- اس آیت میں مساجد سے مراد حال اور محل دونوں ہیں، اس لیے بعض مفسرین نے محل یعنی مساجد اور بعض نے حال یعنی عبادت مراد لیا ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لیے دونوں ہی مراد ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے ”اور ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے مسجد ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے۔۔۔ سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو“ (تفسیر بیان القرآن جلد ۲ ص ۲۹ پ ۲۹ سورۃ الجن)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو“ اور فائد عثمانیہ میں یہ لکھا ہے ”یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الہی کے لیے بنائے جاتے ہیں اُن کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے، وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے“ (تفسیر عثمانی ص ۲۶ پ ۲۹ سورۃ الجن، آیت ۱۸) لہ

عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں | سوال :- جناب مفتی صاحب ایک شکل اور دینی نوعیت کے مسئلہ کی وضاحت کیلئے گزارش ہے کہ میرے اکثر احباب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”تفہیم القرآن“ کا

لے قال العلامة قاضی شتار اللہ الفانی رحمہ اللہ : وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ عطف علی ان لو استقاموا علی الوحی بہ قیل المراد بالمساجد المواضع الّتی بنیت للصلوة۔۔۔ قال اللہ المؤمنین ان یخلصوا للہ الدعوات اذا دخلوا المساجد الخ۔

(التفسیر المنطہری ج ۱۰ ص ۹۲ پ ۲۹ سورۃ الجن)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ لِلسَّيِّدِ اميرِ پ ۲۹ ج ۲۹ ص ۱۳۔

مطالعہ بڑے ذوق اور شوق سے کرتے ہیں اور قرآن فہمی کے لیے اسے حرف آخر سمجھتے ہیں۔
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ”تفہیم القرآن“ کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟ کیا واقعی اس میں وہ باتیں ہیں
جن کی ہمارے علماء کرام نے نشاندہی کی ہے؟ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں؟
الجواب: سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک آزاد خیال شخص تھا اور اس نے ”تفہیم القرآن“ بھی اپنی لمبی
آزاد خیالی پر مبنی خود ساختہ اصولوں کے تحت لکھی ہے۔ اس نے خود لکھا ہے کہ ”اس کام میں میرے
پیش نظر علماء محققین کی ضروریات نہیں ہیں۔۔۔۔۔ میں نے اس کتاب میں ترجمے کا عام طریقہ چھوڑ کر
آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔۔۔۔۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے
کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور
جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کروں۔“

(دیباچہ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۵ تا ۱۷)

لہذا اس خود ساختہ ترجمانی کی بناء پر مودودی صاحب نے ترجمہ اور تفسیر میں کافی ٹھوکریں
کھائی ہیں جس کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کے ترکب بھی
ہوئے ہیں، بطور نمونہ چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) الحمد للہ رب العالمین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو
تمام کائنات کا رب ہے۔“ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۳)۔ مودودی صاحب نے آیت کریمہ کے ترجمہ میں
الحمد کے الف لام استغراقی اور جنسی کو نظر انداز کیا ہے جبکہ دیگر تمام مترجمین نے الف لام کالفاظ لکھتے
ہوئے الحمد کا ترجمہ ”سب تعریفیں الخ“ کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں
بعض الفاظ بے فائدہ ہیں، حالانکہ قرآن مجید کا کوئی لفظ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔

(۲) اسی آزاد خیالی کی بناء پر انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانِ عالی میں توہین آمیز کلمات لکھے ہیں، مثلاً۔
(د) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے
ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۷)

(ب) حضرت یونس علیہ السلام سے فریقہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں الخ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۶)
(ج) حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کاشکار ہو گئے
تھے۔ (بحوالہ مودودی مذہب ص ۲۶)۔ تو مودودی صاحب کے ان اعلام کی وجہ معلوم ہوتا
ہے کہ یہ تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں بلکہ باعث گمراہی ہے۔



اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى
 اٰلِهِٖ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
 وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ
 مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ
 وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ
 مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ
 وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ
 مِنْهُمْ وَتَقَبَّلْ مِنْهُمْ

کتاب ما يتعلق بالاحادیث

(احادیث مبارکہ کے بیان میں)

کتابت اور تدوین حدیث | سوال :- کتابت اور تدوین حدیث کا کام کب سے شروع ہوا ہے ؟

الجواب :- جزوی طور پر تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی کتابت حدیث کا خیال رکھا جاتا تھا لیکن باضابطہ طور پر تدوین حدیث کے لیے دو چیزیں رکاوٹ بنتی تھیں۔ ایک تو قرآن حکیم کے ساتھ التباس کے خوف کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے انہیں تدوین حدیث کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی، لیکن جب تابعین کا دور آیا اور مختلف فرقے اسلام کا ببادہ اور ہر گمراہی ہونے لگے جو دین میں اپنی طرف سے کچھ داخل کرنا اور مرضی کے خلاف کو دین سے نکالنا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث نبویؐ کی باضابطہ طور پر تدوین کی جائے تاکہ صحیح اور سقیم کا امتیاز ہو۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان حالات اور ضروریات کے پیش نظر ایک فرمان جاری کیا جس میں اہل علم کو یہ پیغام تھا کہ وہ احادیث نبویؐ کو جمع کریں، پھر اس فرمان کی روشنی میں علماء کرام نے احادیث کو جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ چونکہ سترہویں وفات پانچویں صدی کے آغاز میں شروع ہوا کہ کتابت و تدوین حدیث کا کام باقاعدگی سے پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتدا میں شروع ہوا ہے۔

لما قال ابن حجر: اعلم علمي وایاک ان آثار النبی لم تکن فی عصر صحابہ وکبار تبعہم مدونة فی الجوامع ولا مروتة لامرین احدهما انہم كانوا فی ابتداء الامر قد نهوا عن ذلك كما ثبت فی صحیح مسلم خشية ان يتخلط بعض ذلك بالقران العظيم وثانيهما لسعة حفظهم وسيلان اذهانهم ولان اكثرهم كانوا لا يعرفون الكتابة ثم حدث فی اواخر عصر التابعین تدوين الآثار وتبويب الاخبار لما انتشر العلماء الامصا وكثرت ابتداء من الخوارج والروافض ومنكری الاقدار (ہدی اساری مقدمہ فتح الباری ج ۱ - الفصل الاول)

اسی طرح ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے: وكان اول من امر بتدوين الحديث وجمعه بالكتابة عمر بن عبد العزيز خوف اندلسه اخرج ابو نعيم في تاريخه اصبهان عن عمر بن عبد العزيز انه كتب الى اهل الآفاق انظروا الى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعوه - (ارشاد الساری للعسقلانی ج ۱ ص ۱۰۱ الفصل الثاني في ذكر اول من دقن الحديث والتسنين)

اقسام حدیث | سوال :- حدیث کی کل کتنی قسمیں ہیں؟
الجواب :- روات کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔
 متواتر :- وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں اتنے راویوں نے نقل کیا ہو کہ جن کا بھوٹ پر اتفاق کرنا اذروئے عقل محال ہو۔

مشہور :- وہ حدیث ہے جس کے راوی محدود ہوں جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔
 عزیز :- وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں۔
 غریب :- وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی بھی دور میں ایک راوی آیا ہو۔
 لما قال العلامة ابن حجر العسقلانی: الخبر اى الحديث اما ان يكون له طرق بلا حصر عدد معين او مع حصر بما فوق الاثنين او بهما او بواحد فالاول المتواتر وهو المفيد للعلم اليقيني بشروطه والثاني المشهور والثالث العزيز والرابع الغريب - الخ (نخبة الفکر ص ۱۰۱ في البحث اقسام باعتبار عدد رواة) لہ

لہ وقال العلامة شبیر احمد عثمانی: الخبر اما ان يرويه جماعة يبلغون في الكثرة مبلغاً تجعل العادة تواطئهم على الكذب فيه ولا فالاول المتواتر والثاني خبر الجاهل وخبر الاحاد ان كانت رواته في كل طبقة ثلاثة فاكثري سمي مشهوراً، وان كانت رواته في بعض الطبقات اثنين ولم تنقص في سائرهما عن ذلك يسمي عزيزاً، وان انفرد في بعض الطبقات او كلها راو واحد يسمي غريباً - الخ (مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۱ في بيان اقسام الحديث باعتبار عدد رواة)

حدیث کی اقسام باعتبار صفات | سوال :- حدیث مقبول کی باعتبار صفات کل کتنی قسمیں ہیں ؟

الجواب :- حدیث مقبول کی باعتبار صفات چار قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ^۱، صحیح لغیرہ^۲، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔

(۱) صحیح لذاتہ :- اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے تمام ناقلین تمام الضبط ہوں سند متصل ہو اور اس میں کسی قسم کی غلط یا شذوذ نہ پایا جاتا ہو۔

(۲) صحیح لغیرہ :- وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ شرائط اعلیٰ درجے کی نہ ہوں، تاہم اس نقصان کا جبیرہ کثرت سند یا کسی اور صفت سے کر دیا گیا ہو۔

(۳) حسن لذاتہ :- وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ بالا شرائط کا کوئی جبیرہ نہ کیا گیا ہو۔

(۴) حسن لغیرہ :- وہ حدیث ہے جس میں قبولیت اور مردودیت برابر ہوں لیکن کسی قرینہ کی وجہ سے جانب قبولیت کو ترجیح دی گئی ہو۔

لما قال المحافظ ابن حجر العسقلانی: ونحو الاحاد ينقل عدل تام الضبط متصل السند غير معتل ولا شاذ هو الصحيح لذاته لانه اما ان يشمل من صفات القبول على اعلاها او الاقل اي صحيح لذاته والثاني ان وجد ما يجبر ذلك القصور ككثرة الطرق فهو الصحيح ايضا لكن لا لذاته وجب لا جبيرة فهو الحسن لذاته - وان قامت قرينة ترجح جانب قبول ما يتوقف فيه فهو الحسن ايضا لكن لا لذاته - الخ (شرح نخبه الفكر ص ۲۶) ۱۔

۲۔ وقال العلامة شبير احمد العثماني: - والمقبول ينقسم الى اربعة اقسام: صحيح لذاته - صحيح لغیرہ - حسن لذاته - حسن لغیرہ - وذلك لان الحديث ان اشتمل من صفات القبول على اعلی مراتبها فهو الصحيح لذاته - وان لم يشمل على اعلی مراتبها فان وجد فيه ما يجبر ذلك القصور الواقع فيه فهو الصحيح لا لذاته بل لغیرہ - وان لم يوجد فيه ما يجبر ذلك القصور الواقع فيه فهو الحسن لذاته وان كان في الحديث ما يقتضي الي توقف فيه لكن وجد ما يرجح جانب قبوله فهو الحسن لا لذاته بل لغیرہ - الخ (مقدمة فتح الملہم ج ۱ ص ۹ فی بحث ان خبر الواحد ينقسم الى قسمين المقبول والمردود) ومثله في قواعد التحديث للمقاسمي ص ۸۲-۱۰۲ في الباب الرابع في معرفة انواع الحديث -

فی بیان اقسام الصحیح و بیان الحدیث الحسن -

شاذ کی تعریف | سوال :- شاذ کس قسم کی روایت کو کہا جاتا ہے ؟
الجواب :- شاذ کے بارے میں محدثین کی مختلف عبارات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاذ کی تعریف اہل فن کے مابین مختلف فیہ ہے ، چنانچہ علماء حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک شاذ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات کی مخالفت کرے ۔

اور حافظ ابویعلیٰ خلیل کے نزدیک شاذ اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور ایک ہی راوی سے نقل کیا ہو چاہے وہ ثقہ ہو یا نہ ہو ، لہذا اس فقیر پر شاذ وہ صرف تفرّد سے عبارت ہے ۔

اور حاکم کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جسے کوئی ثقہ راوی انفرادی طور پر نقل کرے ، اور اس کا کوئی متابع نہ ہو ۔

تاہم محققین کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی راجح روایت سے مخالف نقل کرے ۔

لما قال العلامة شبیر احمد عثمانی : بعد ما فصل الاقوال المذكورة - والمعتمد في حد الشاذ بحسب الاصطلاح انما ما يرويه الثقة مخالفاً لمن هو ارجح منه - الخ (مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۱۰) بيان الشاذ والمفوت والمنكر والمعروف له
سوال :- امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کسی صحابی سے ملاقات اور اس سے روایت ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سیر اور تاریخ کی کتابوں میں یہ بات واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فہ تشریف لائے تو اس زمانے میں امام اعظم رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور کئی

لہ وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ : وعرف من هذا التقرير ان الشاذ ما رواه المقبول مخالفاً لمن هو اولى منه وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ بحسب الاصطلاح - الخ (نزهة النظر شرح نخبه الفكر ص ۲۱۱) في بحث الشاذ والمنكر

وَمِثْلُهُ فِي قَوَاعِدِ التَّحْدِيثِ مِنْ فَنِّ مِصْطَلَحِ الْحَدِيثِ ج ۱ ص ۱۱۳ فِي ذِكْرِ أَنْوَاعِ تَخْتَصُّ بِالضَّعِيفِ

صحابہ سے روایت بھی کی ہے۔

لما قال الحافظ الذہبی رحمہ اللہ: فی ذکر الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ ولد سنۃ ثمانین فی
حیۃ صغار الصحابة و رأى النس رضى الله عنه لما قدم عليهم الكوفة۔

(سيرة اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۹۶ فی ذکر سوانح ابی حنیفہ)

قال العلامة ابن حجر: وفي فتاوى شيخ الاسلام ابن حجر أنه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة
بعد مولده بها سنة ثمانين فممن طلبة التابعين ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار
المعاصرين۔ (الخيرات الحسان ص ۲۸ الفصل السادس) لہ

شیعہ سے روایت کرنے کا حکم | سوال: صحاح ستہ میں شیعوں سے روایات کیوں
لی گئی ہیں جبکہ ان پر دینی امور میں کوئی اعتبار نہیں؟

الجواب: جو شخص متواترات اور ضروریات دینیہ سے انکار نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے
دین میں ایسی باتیں داخل کرے جن کو ضروریات دین کے برابر اہمیت حاصل ہو، اور اس کے
ساتھ ساتھ صاحب ضبط و تقویٰ بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ
شیعوں میں کئی فرقے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی فرق ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اہل تشیع
میں سے ہو لیکن اس کے اندر مذکورہ باتیں نہ پائی جائیں تو اس سے روایت لینا جائز ہے،
بشرطیکہ وہ روایت اس کے مخصوص عقائد و نظریات وغیرہ کی تائید میں نہ ہو۔

چونکہ سلف صالحین کے زمانے میں شیعہ برادری کے مختلف فرقے تھے جن میں بعض
اگرچہ غالی قسم کے بھی تھے لیکن بعض معتدل بھی تھے جو صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع سے گریز کرتے
تھے بلکہ وہ صرف حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے جس کی وجہ سے وہ ثقاہت سے خارج

لہ و ایضاً ذکر الذہبی فی تذکرۃ الحفاظ: رأى النسا غیر مرة لما قدم عليهم الكوفة۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ فی ذکر ابو حنیفۃ الامام اعظم)

قال الشيخ محمد عاشق الہمی الیرنی: ذکر الاحادیث الثلاثة ابوالمؤید الخوارزمی فی جامع المسند
ج ۱ ص ۸۵ تا ۸۷ والمؤفق المکی فی المناقب ص ۲۸ تا ۳۱ والسیوطی فی تبیيض الصحیفة ص ۲۷ والصالحی عقود الجمان

وهی هذه ۱۔ طلب العلم فريضة علی کل مسلم ۲۔ الدال علی الخیر کفاعله ۳۔ ان الله يحب اغاثة

اللهم فان۔ (التعليق علی الخیرات الحسان ص ۲۸، ۲۷ الفصل السادس)

نہیں تھے، اسی بناء پر محدثین نے ان کی روایات کو نقل کیا ہے۔

لما قال العلامة ابن حجر العسقلانی: قال لمعتمد ان الذي تورد رواية من انكرا مراً متواتراً من الشرع معلوماً من الدين بالضرورة وكذا من اعتقد عكسه فاما من لم يكن بهذه الصفة وانضم الى ذلك ضبطه لما يرويه مع ورعه وتقواه فلا مانع من قبوله۔ (نخبة الفكر ص ۵۷) لہ

حضور صلی علیہ وسلم کا شعر سننے کا ثبوت | سوال :- عن عمرو بن شريد عن ابيه قال استنشدني رسول الله صلى الله عليه وسلم هل تروى من شعر أمية بن أبي الصلت شيئاً. فانشدته مائة قافية فجعلت كلما مررت على بيت قال هيه۔ الخ
اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے ؟

الجواب :- مذکورہ بالا روایت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننا ثابت ہے کو ذیل کی کتابوں سے روایت کیا ہے : رواہ الامام مسلم بن حجاج في صحيحه ، ولفظه هكذا۔
عن عمرو بن الشريد عن ابيه قال ردت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقال هل معك من شعرامية بن أبي الصلت شيئاً، قلت نعم قال هيه فانشدته بيتاً فقال هيه ثم انشدته بيتاً فقال هيه حتى انشدته مائة بيت۔ وفي رواية استنشدني رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

لما قال العلامة شبير احمد العثماني رحمه الله : التشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي رضي الله عنه على عثمان رضي الله عنه وان علياً كان مصيباً في حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما وربما اعتقد بعضهم ان علياً افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا كان معتقداً ذلك ورعاً ديناً صادقاً مجتهداً فلا تردد رواية لهذا الايسما ان كان غير داعية۔ الخ (مقدمة فتح الملهم ص ۱۵۱) روایا اہل البدع والاهواء
وقال العلامة النووي رحمه الله : في المبتدعين ومنهم من قال تقبل اذا لم يكن الى بدعته ولا تقبل اذا كان داعيةً وهذا مذهب الاكثرين من العلماء وهو الاعدل الصحيح۔ الخ۔ (نووی شرح صحيح مسلم ج ۱ ص ۶) في باب وجوب الرواية عن الثقات وترك كذب ابن والتحذير من الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم

وزادان کا دیسلم۔ الخ (الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۳۹ کتاب الشعر)
عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي كَاثَبُوت | سوال :- حدیث : تم اپنے اوپر میرے طریقے کو لازم رکھنا اور خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی اور اس پر خوب مضبوطی سے ڈٹے رہنا اور دین میں نئی باتیں گھڑنے سے بچے رہنا اس لیے کہ دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس روایت کا ماخذ بتا کر منون فرمائیں ؟

الجواب :- یہ روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ العلماؤں الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب نقل کرتے ہیں :-

عن العریاض بن ساریة فی رواية طویلة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعذیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالتواجد وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ الخ (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۱ فی باب الاعتصام بالکتاب والسنة۔ الفصل الثانی)۔

تلاوت قرآن مجید کی فضیلت | سوال :- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بعض اپنے ننکے جسموں کو دوسروں کے ذریعے چھپائے ہوئے تھے اور ایک قاری ان میں قرآن پڑھ رہا تھا اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کیا کر رہے تھے ؟ اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے ؟

الجواب :- اس روایت کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا

لہ و ذکر محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ : ایضاً عن العریاض بن ساریة انه قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایاکم ومحدثات الامور فانہا ضلالة فمن ادرك ذلك منکم فعلیہ بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین والمہدیین۔ الخ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۶ فی باب الاخذ بالسنة واجتناب عن البدعة) ومثله فی سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۸۱ فی باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المہدیین۔

ہے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

عن ابی سعید بن الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصایہ من ضُفَّاء المہاجرین
وان بعضہم لیست ببعض من العری وقاری یقرأ علینا اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فقام علینا فلما قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکت القاری۔ فسلم ثم
قال ما کنتم تصنعون قلنا یا رسول اللہ انہ کان قاری لنا یقرء علینا فکنّا نستمع الی
کتاب اللہ تعالیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی جعل من اُمتی
من اُمرت ان اصیر نفسی معهم قال فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووسطنا
لیعدل بنفسہ فینا ثم قال بیدہ ہکذا فتعلقوا وبرزت وجوہہم لہ قال فما
راءیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرف منہم احداً۔ غیری فقال رسول اللہ
ابشروا یا معشر صغایک المہاجرین بالنور التام یوم القیمة تدخلون الجنة
قبل اغنیاء الناس بنصف یوم وذلك خمس مائة سنة۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۶ کتاب العلم، فی باب القصص)

تبیح فاطمی کا حدیث سے ثبوت | سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ
فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جس تبیح کی تلقین فرمائی

تھی کیا وہ کتب ایجادیت سے ثابت ہے ؟

الجواب :- تبیح فاطمہ کو اکثر کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے، چنانچہ امام بخاری
نے درج ذیل الفاظ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے :-

لما قال محمد بن اسماعیل البخاری: حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة
عن الحكم عن ابن ابی لیلی عن علی بن فاطمة اشکت ما تلقی فی یدہا من الریحی فأتت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسألہ خادماً فلم تجده فذكرت ذلك لعائشة فلما جاء
اخبرته قال فجاءنا وقد اخذنا مضاجعنا فذهبت اقوم فقال مكانك
فجلس بيننا حتى وجدت برد قدميه على صدری فقال الا ادلكما
على ما هو خير لكما من خادم اذا اویتما الی فراشكما واخذتما
مضاجعكما فکبرا ثلثاً وثلثین وسبعاً ثلثاً وثلثین واحداً ثلثاً و
ثلثین فهذا خير لكما من خادم وعن شعبة بن خالد عن ابن سيرين

قال التسبیح اربع وثلاثون. (الجامع الصمیم البخاری ج ۲ باب التسبیح والتکبیر عند المنام) ۹۳۵
سورہ حشر کی فضیلت کے بارے میں روایت | سوال :- ایک حدیث میں آیا ہے کہ
 اگر کوئی شخص فجر اور مغرب کے بعد سورہ حشر
 کی آخری تین آیات کو تین بار پڑھے تو اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث کونسی
 کتاب میں مذکور ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب :- یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کے راوی حضرت
 معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث درج ذیل ہے :-

لما روی محمد بن عیسیٰ الترمذی: عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ عن النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ من التبیح العظیم
 من الشیطن الرجیم فقرأ ثلاث آیات من آخر سورة حشر وكل الله به سبعین الف
 ملک یصلون علیہ حتی یمسی وان مات فی ذلک الیوم مات شهیداً. ومن قالها
 حین یمسی کان یتلک المنزلة. الخ (جامع سنن الترمذی ج ۲ من ۱۲ ابواب فضائل القرآن) ۲
فضائل سورہ الملک | سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہؓ نے
 لا علمی کی وجہ سے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا تو اس قبر سے سورہ ملک
 کی تلاوت کی آواز آرہی تھی، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے یہ واقعہ بیان کیا۔ کیا یہ واقعہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ واقعہ حدیث سے ثابت ہے اور محدثین نے اسے نقل کیا ہے،

۱۔ قال الترمذی: حدثنا ابو الخطاب زیاد بن یحیی البصری قال حدثنا اذهر السمان عن ابن
 عوف عن ابن سیرین عن عبیدة عن علی قال شکت ای فاطمة فجعل یدھا من الطحین
 فقلت لو اتیت اباک فسألتہ خادماً فقال الا ادلکما علی ما هو خیر لکما من خادم اذا
 اخذتما مضاجعکما تقولان ثلاثاً وثلاثین وثلاثاً وثلاثین واربعاً وثلاثین من تعجید وتسبیح
 وتکبیر۔ الخ (الجامع الترمذی ج ۲ باب ما جاء فی التسبیح والتکبیر والتعجید عند المنام) ۱۷۸

وہكذا روی ابو داؤد عن حفص بن عمرو مسدد ج ۲ من ۳۲۲ باب فی التسبیح عند النوم۔
 ۲۔ وہكذا رواہ الشیخ ولی الدین العراقی فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں :-
 حدثنا محمد عبد الملك بن ابی الشوارب قال حدثنا يحيى بن عمرو بن مالك التكري
 عن ابيه عن ابی الجوزاء عن ابن عباس رضي الله عنهما قال ضرب بعض اصحاب النبي
 خبائه على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا فيه قبر انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها
 فاقى النبي فقال يا رسول الله اني ضربت خبائي على قبر وانا لا احسب انه قبر فاذا فيه
 انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فقال النبي هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب
 القبر۔ (سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۷ ابواب فضائل القرآن) ۱۷

لاجمعة ولا تشریق کی تحقیق | سوال :- لاجمعة ولا تشریق الافی مصر جامع
 یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ ائمہ حدیث اور محققین کے

کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب :- اس حدیث کو محدثین نے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے جن میں سے
 بعض طریقے اگرچہ ضعیف ہیں لیکن تمام طریقے ضعیف نہیں بعض صحیح بھی ہیں لہذا تمام طرق کو
 ضعیف قرار دینا درست نہیں، جیسے مصنف ابن ابی شیبہ کی سند: حدثنا جریر عن منصور
 عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن ابی عبد الرحمن انه قال علي رضي الله عنه لا جمعة
 ولا تشریق الافی مصر جامع کے بارے میں حافظ ابن حجر نے درایۃ میں تصریح کی
 ہے کہ: وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ۔ (درایۃ ج ۲ ص ۲۱۲ باب الجمعة) ۱۸

اختلاف اُمتی رحمة کا ثبوت | سوال :- اختلاف اُمتی رحمة حدیث ہے یا
 نہیں؟ اگر حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے؟

الجواب :- اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے بعض
 اس کو منقطع اور بلا اصل و بلا سند ٹھہراتے ہیں، تاہم بعض محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے
 چنانچہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: زعم كثير من الائمة انه لا اصل له

۱۷ و هكذا روى الشيخ ولي الدين العراقي۔ (مشکوٰۃ المصابيح ج ۲ ص ۱۸۷ کتاب فضائل القرآن الفصل الثاني)
 ۱۸ قال حافظ بدر الدين عيني: وسنده ضعيف۔ (عمدة القاري ج ۲ ص ۱۸۸ باب الجمعة في القرى والمدن)
 وَمِثْلُهُ فِي قِصَصِ الْبَارِي ج ۲ ص ۳۳۱ باب الجمعة في القرى۔

لكن ذكره الخطابي في غريب الحديث مستطرداً واشعربان له أصلاً وعندنا وقال السيوطي
اخرجه المقدسي في المحجة والبيهقي في الرسالة الاشعرية بغير سند -

وقال الزركشي: اخرجه نصر المقدسي في كتاب الحجة مرفوعاً والبيهقي في المدخل
عن القاسم بن محمد - (الموضوعات الكبرى ص ۵۵ حديث ۱۶) له

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق | سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ

ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دوں۔
اگر یہ روایت آگ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ
کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا؟ جبکہ خود کشتی شریعت میں حرام ہے۔

الجواب:- یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے، اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے

زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانی نے امام زہریؒ سے یوں نقل کیا ہے:-

وَفَتَرَالْوَحْيَ فِتْرَةً حَتَّى حَزَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَ فِي التَّعْبِيرِ مِنْ طَرِيقِ مَعْمَرٍ

عَنِ الزَّهْرِيِّ فِيمَا بَلَّغَنَا حَدَّثَنَا عَدَامَةُ مَرَّارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُؤْسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكَلَّمَا وَفِي

بَذْرُوعَةِ جَبَلٍ لَمْ يَلْقَ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جَبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لَذَلِكَ

جَاشَهُ وَتَقَرَّرَتْ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ وَأَمَّا ارَادَتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَالَ نَفْسُهُ مِنْ رُؤْسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ

فَخَرْنَا عَلَى مَا فَاتَهُ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي بِشَرْبِهِ وَرَقَّةٌ - (ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۲۴) سورة اقراء

بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۱۲ - البداية والنهاية ج ۳ باب کیف بدؤ الوحی

اور اس سے خود کشتی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق و محبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک

ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاں کو چلے اور کفار کے

لہ وقال علاؤ الدین علی الہندی: رواه نصر المقدسي في المحجة والبيهقي في رسالة الاشعرية

بغير سند واورده الحلبي والقاضي حسين وامام الحرمين وغيرهم ولعله خرج به في

بعض كتب الحفاظ التي لم تصل اليها - قال المناوي في القيصرج ص ۲۶۹) لما قف له على

سند صحيح وقال الحافظ العراقي سنده ضعيف - (كنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۶) كتاب العلم

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ عَلَى الرَّائِضِ الْمُخْتَارِ ج ۱ مطلب في حديث اختلاف أمتي رحمة -

ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خود کشی نہیں کہا جاتا جو باعث عتاب ہو بلکہ یہ باعث اجر ہوتی ہے، یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خود کشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور قاضی عیاضؒ نے اس وقت پر حمل کیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ لِّنَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (سورہ الکہف آیت ۷۸) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

لما قال القسطلانی: وحمله القاضی عیاضٌ علیٰ انه لما اخرجہ من تندیب من بلغه لقولہ تعالیٰ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ... الخ ولم یرد بعد شرع عن ذلک فیعترض بہ۔
(ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۷۷ سورہ اقرأ یا سم ربک الذی خلق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز اور طلوع آفتاب کا ثبوت سوال :- ایک روایت میں ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عصر کی نماز فوت ہو گئی یعنی سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز کے بارے میں پوچھا کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے سورج دوبارہ طلوع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس روایت کو امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں اسماء بنت عمیسؓ سے یوں روایت کیا ہے :-

عن اسماء بنت عمیس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر بالصہباء ثم ارسل علیاً فی حاجتہ فرجع وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر فوضع النبیؐ رأسہ فی حجر علیؑ رضی اللہ عنہ فنام فلم یحرکہ حتی غابت الشمس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللهم ان عیدک علیاً احتبس بنفسہ علی نبیہ فرد علیہ الشمس قالت فطلعت علیہ الشمس حتی رفعت علی الجبال وعلی الارض وقام علی فتوضا وصلى العصر ثم غابت وذلك بالصہباء۔
(المعجم الکبیر للطبرانیؒ ج ۲ ص ۱۲۵)

لیکن اس روایت کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ علامہ

ابن الجوزی، امام ابن تیمیہ اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو موضوعات اور بلا اصل روایات میں شمار کیا ہے۔ اور امام طحاوی، قاضی عیاض وغیرہ نے صحت پر قول کیا ہے اور طبرانی کی مذکور بالا روایت کو بھی صحیح روایات میں شمار کیا گیا ہے۔

لما قال محمود الآكوسي: وهذا الخبر في صحته خلاف فقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وقال انه موضوع بلا شك وقال الامام احمد لا اصل له واخره ابن تيمية تضييقاً في الرد على الروافض وذكر الحديث بطريقه وسرجاله وانه موضوع وصححه الطحاوي والقاضي عياض والطبراني۔ (روح المعاني ج ۲۳ ص ۱۹۲ مطلب في تفسير قوله تعالى: فقطق مسعاً)

ابوالشیخ کے حالات زندگی | سوال :- حدیث من صلی علی عند قبری فسمعتہ ومن صلی علی نائیباً أبلغته کی سند میں ابوالشیخ آیا ہے اس کا نام، اس کے والد کا نام، اساتذہ اور حالات زندگی کو تحریر کیا جائے؟

الجواب :- ابوالشیخ کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام محمد بن جعفر ہے اور مشہور ابوالشیخ کے نام سے ہیں، ان کے اساتذہ بہت ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں: الزاہد محمود بن الفرغ، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبداللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر ابن ابی عاصم، اسحق بن اسماعیل الرملی، ابوخلیفہ الجحجی، احمد بن الحسن الصوفی، ابو یعلیٰ الموصلی، ابو عروہ الحرانی۔

حافظ ابن مردویہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابوالشیخ ثقہ مامون تھے اور انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ابوبکر خطیب ان کے بارے میں لکھتے ہیں: حان حافظاً ثبتاً متقناً۔ بعض علماء سے یوں منقول ہے کہ ہم جب بھی ابوالشیخ کے ہاں جاتے تو وہ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔

ابونعیم کا کہنا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے تھے، انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ اپنے شیوخ سے علم پھیلاتے تھے اور ساٹھ سال تک تصنیف کرتے رہے، وہ با اعتماد تھے۔

لما قال الذهبي: ابوالشيخ حافظ اصبهان وسند زمانه الامام ابو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر الانصاري صاحب المصنفات السائرة ويعرف بابي الشيخ سمع من جدّه

لامہ الزاهد محمود بن الفرج، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبد اللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر بن ابی عاصم، اسحاق بن اسماعیل الرملی، ابوخلیفة الجحی، احمد بن الحسن الصوفی، ابو یعلیٰ الموصلی، ابو عروبة الخزازی۔ قال ابن مردویة ثقة مامون صنف التفسیر والکتب الکثیر فی الاحکام وغیر ذلک۔ وقال ابوبکر الخطیب کان حافظاً ثبثاً متقناً۔ وروی بعض العلماء قال ما دخلنا علی ابی الشیمخ الا وهو یصلی۔ قال ابو نعیم هو احد الاعلام صنف الاحکام والتفسیر وکان یفید عن الشیوخ و یصنف لهم ستین سنة وکان ثقة ووقع لنا الکثیر من کتب ابی الشیمخ۔ الخ
(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۲۵)

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ كَيْ تَحْتَقِ | سوال :- مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ اگر کسی شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہو تو یہ شخص جنتی ہے۔ اگر صرف اس عقیدے کی بناء پر جنت میں جانا ہو سکتا ہے تو پھر دیگر اعمال کا کیا فائدہ؟

الجواب :- حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل سے معبود برحق مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا رسول مانے اور زبان سے بھی اس عقیدے کا اظہار کرے تو ایسا شخص جنت میں جانے کا اہل بن جاتا ہے صرف زبانی کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے اور دوسرے اعمال کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دوسرے اعمال فرض نہیں ہوئے تھے جبکہ ایمان کا دار و مدار صرف توحید و رسالت اور قیامت پر تھا، اسی وجہ سے دوسرے اعمال کا بے فائدہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور دخول جنت سے مراد دخول اولیٰ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو یا بصورت کوتاہی کے توبہ کر لی ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاف کیا ہو۔ یا دخول جنت سے مراد دخول آخری ہے جو اعمال میں کوتاہی کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا، یا دخل الجنة کا معنی استحق دخول الجنة ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ : دخل الجنة دخولاً اولیاً ان لم یصدر عنه ذنب بعد الايمان او اذنب وتاب او عفا الله عنه او دخولاً اخریاً فان الله لا یضیع اجر من احسن عملاً او معناه استحق

دخول الجنة - (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۰ کتاب الایمان)

وقال النووي: قلنا عملنا على انه غفرله او اخرج من النار يا شفاعته ثم ادخل الجنة فيكون معنى قوله دخل الجنة الى دخلها بعد مجازاته بالعذاب وهذا الايد من تاويله لما جاء في ظواهر كثيرة من عذاب بعض العصاة - (شرح النووي على صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۸)

حدیث لولاك لما... کی تحقیق | حدیث لولاك لما خلقت الافلاك کے بارے میں علی قاری رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا قول کیا ہے، اور ان کے علاوہ

بعض علماء نے اس کو بلا سند روایات میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے دلیلی کے حوالے سے مرفوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لہذا اس کے بارے میں تسلی بخش جواب سرفراز فرمائیں؟
الجواب:- اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنی و مضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامر یہ ہے جو کہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار متقول ہے وہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنی کے بارے میں نہیں ہے۔ چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اگرچہ علامہ صنعانی نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ثابت ہے۔

حدیث لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغاني انه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعاً اتاني جبريل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا - (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام) لہ

لہ قال العلامة شهاب الدين قسطلانی: قال الله تبارك وتعالى لا آدم يا آدم يا ابا محمد ارفع رأسك فرفع رأسه فرأى نور محمد في سرادق العرش فقال يا رب ما هذا النور قال هذا نور نبي قمر ذريتك اسمه في السماء احمد وفي الارض محمد لولاه ما خلقتك ولا خلقت السماء ولا ارضاً - (مواهب اللدنية ج ۱ ص ۸۳)

وروى في حديث طويل عن سلمان رضي الله عنه ولقد خلقت الدنيا واهلها لأعرفهم كرامتك ومنزلتك عندي ولولاك ما خلقت الدنيا - (مواهب اللدنية ج ۱ ص ۸۳)

ومثله في سبل الهدى والرشاد ج ۱ ص ۸۴ -

سوال: صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار میں عقد مواخات اور انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان عقد مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارہ قائم کیا تو جن انصار صحابہؓ کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو ایک بیوی کی طلاق کے بعد پیشکش کی۔ کیا یہ روایت حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ جا کر مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا اور اس پر انصار نے اپنے خلوص و جذبہ ایمانی سے بھرپور طریقے پر عمل کیا جو حدیث کی کتابوں میں تفصیلی طور پر مذکور ہے۔ اسی جذبہ ایثار اور اخلاص ہی کی وجہ سے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنی نصف جائیداد اور ایک بیوی کی پیشکش کی جو کہ اُن کے انتہائی ایثار کا اظہار تھا، لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ظاہری طور پر خلاف مروت سمجھتے ہوئے حضرت سعد بن ربیعؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔

لما روى محمد بن اسمعيل البخاري: لما قدموا المدينة اخى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين عبد الرحمن بن عوف وسعد بن الربيع فقال لعبد الرحمن افي اكثر الانصار مالا فاقسم مالي نصفين ولي امرأتان فانظرا عجبهما اليك فستها الى اطلقها فاذا انقضت عدتها فتزوجها قال بارك الله لك في اهلك ومالك - (صحيح البخاري ج ۱ ص ۵۳۳ باب اخاء النبي صلى الله عليه وسلم بين المهاجرين والانصار) ل

سوال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعة اللمعات کی ایک عبارت کی تشریح نے "اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۵۴ میں کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوت" کے تحت ایک حدیث کی تشریح کی ہے جس کا

لہ روى الامام محمد بن عيسى الترمذی: عن النبي صلى الله عليه وسلم بين عبد الرحمن بن عوف وسعد بن الربيع فقال هلم اقسامك مالي نصفين ولي امرأتان فاطلق احدكما فاذا انقضت عدتها فتزوجها - الخ (جامع الترمذی ج ۲ باب المواسات - ابواب البر والصلة)

مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا، ازراہ کرم فارسی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت فرمائیں :-
 ”و مقصود وی صلی اللہ علیہ وسلم رفع جرح و مشقت و تکلیف در استقصائے رعایت تجوید
 بمرتبہ غایت است و تنبیہ بر تحری حبتہ و اخلاص در عمل لوجہ اللہ و تفکر در معانی و شدت
 اہتمام بآل گرجہ در تحسین الفاظ و تجوید کلمات نہ باقصا الغایتہ کوشد زیرا کہ استقصاء و اہتمام
 بثنائی با مسالہ و تفصیر در اول چنداں نفع نکند و اعتناء بثنائی با مسالہ در اول ضرر نیارد۔“

الجواب :- یہاں پر تلاوت قرآن کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر
 کوئی کلام پاک کے معانی و مطالب میں غور و فکر نہ کرے بلکہ صرف الفاظ کی تحسین اور کلمات کی تجوید میں
 کوشش کرے تو اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلام الہی
 کی تلاوت اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے اور اس کے معانی و مطالب پر
 غور و فکر کرے اگرچہ انتہائی طور پر تو ان میں تجوید اور تحسین الفاظ حاصل نہ ہوں تو اس میں کوئی
 مضائقہ نہیں۔

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں بنیادی چیز اخلاص و تہیت اور تفکر و تدبیر
 ہے جب یہ حاصل ہوں تو تلاوت کا ثواب مکمل طور پر حاصل ہوگا، اور جب اخلاص اور تفکر نہ
 ہو تو اگرچہ تحسین و تجوید سے پڑھا جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔

بشروا ولا تنفروا کی تحقیق | سوال :- اصول تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس
 طرح کی کوئی روایت منقول ہے کہ نفرت نہ دلانا محبت پیدا کرنا،
 پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا جب اس کو مان لیں تو پھر نماز پنجگانہ بتانا؟

الجواب :- مذکورہ پورے الفاظ کسی ایک روایت میں نہیں ملتے تاہم متعدد روایات سے
 یہ باتیں ثابت ہیں، ایک روایت میں یوں ہے :-

بعث البتہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسیٰ و معاذ ارضی اللہ عنہما الی الیمن فقال یسر
 ولا تعسر و بشر ولا تنفر۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ کتاب الجہاد)
 اور دوسری روایت میں یوں ہے :-

اِنَّكَ سَتَا۟قِیْ قَوْمًا مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ فَاِذَا جِئْتَهُمْ فَاَدْعُوْهُمْ اِلٰی اَنْ یَّشْهَدُوْا اِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ
 مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَانْهَمِ اَطَاعُوْا بِذٰلِكَ فَاخْبِرْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْكُمْ خَمْسَ صَلٰوٰتٍ فِیْ كُلِّ
 یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶ کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی سزا | سوال :- تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری میں پارہ اول حدیث ۸۰۸ کے تحت لکھا ہے

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نادانستہ ایسا ہو جائے تو بالاجماع وہ گنہگار نہ ہوگا۔ جوئیؐ نے کہا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھے وہ کافر ہو گیا، علیؑ نے کہا کہ کافر تو نہیں ہوا مگر سخت گنہگار ہوا، اس حدیث کے صحیح مطلب و مفہوم سے روشناس فرما کر ممنون فرمائیں ۹

الجواب :- اس حدیث کا مفہوم تو ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا جہنم ہے، باقی اگر کوئی غلطی سے یا بھول کر اس فعل کا ارتکاب کرے تو بالاجماع علماء شیعہ گنہگار نہیں ہوگا، اسی وجہ سے حکم کے ساتھ بالعمد کی قید لگائی گئی ہے اور جو روایات مطلق ہیں وہ اس مقید پر محمول ہیں البتہ کذب عمداً کے مرکب کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جہور کے ہاں جب تک حلال نہ سمجھے کافر نہ ہوگا، اگرچہ گناہ عظیم ہونے میں شک نہیں مگر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

لما قال النووي: ان الاجماع والنصوص المشهورة في الكتاب والسنة متوافقة ظاهرة على انه لا انتم على الناس والغالط فلواطق النبي صلى الله عليه وسلم لتوهم انه ياتم الناس ايضا فقيده واما الروايات المطلقة فمحمولة على المقيدة بالعمد ثم قال ولكن لا يكفر بهذا الكذب الا ان يستعمله هذا هو المشهور من مذاهب العلماء. الخ (نووی شوح صحیح مسلم ج ۱ باب النہی عن الحدیث)

مرتد عن الاستاد کی حدیث کی تحقیق | سوال :- مندرجہ ذیل حدیث: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال المرتد علی

نوعین مرتد عن الدین ومرتد عن الاستاد اما المرتد عن الدین فهو یصلح بالتوبة واما المرتد عن الاستاد فهو لا یصلح اصلاً فهو کالبیضة المنتنة: ایک قلمی نسخے میں نظر سے گزری، مگر اشتباہ اس میں یہ ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد بندوں کے راضی کرنے سے معاف

ہو جاتے ہیں اور توبہ کے ذریعے تو کافر و فاسق کی اصلاح ہوتی ہے۔ مگر علی قاری رحمہ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "وتوبۃ الکافر ومقبولة" لہذا اس حدیث کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے، صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب: اساتذہ کرام اور والدین کا احترام قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ نافرمان شاگرد کی توبہ قبول نہ ہو، لقولہ تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (سورۃ زمر آیت ۵۴) اور اسی طرح غَايِرَ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (سورۃ المؤمن آیت ۴۷) لہذا توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

باقی چونکہ اس روایت کی سند مذکور نہیں اور نہ ہی کسی مخرج پر حوالہ دیا گیا ہے، لہذا صحت و ضعف کے اعتبار سے تفصیل نہیں لکھی جاسکتی تاہم بظاہر وضع کے آثار اس میں نمایاں ہیں جن میں کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت سے تعارض شامل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا | سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، حدیثنا ہذا اب بن خالد و

شیبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة البتاني وسليمان التيمي عن انس بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هذاب مررت على موسى ليلة أسري عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في القبر۔

(الجامع الصحيح للمسلم ج ۲ ص ۶۸۸ باب فضائل موسى عليه السلام)

نسبت الی الغیر پر وعید اور اس کی توجہ | سوال :- اس حدیث کی وضاحت فرما کر

منون فرمائیں: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے

ام عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت ليلة أسري بي على موسى عليه السلام عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۲۲ کتاب قیام اللیل و تطوع النهار۔ ذکر صلوة بی اللہ

موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام۔ الخ)

والد کے سوا کسی دوسرے شخص کو والد کہا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے ۹

الجواب :- یہ حدیث امام مسلم بن حجاج نے صحیح مسلم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کی ہے :-

عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادعی الی غیر ابیہ وهو یعلم انه غیر ابیہ فالجنتہ علیہ حرامٌ -

ائمہ حدیث نے اس روایت کی مختلف توجیہات کی ہیں :-

- (۱) یہ کہ جو شخص اس کام کو حلال سمجھ کر کرے گا تو اس پر جنت حرام ہے ۔
- (۲) یہ کہ حرام بمعنی ممنوع ہے تو ایسے شخص پر جنت میں دخول اول ممنوع ہوگا جو فائزین اور سلامتی والوں کے لیے ہے اور سزا پانے کے بعد داخل ہوگا ۔

لما قال النووی : الاول انه حرام علی من فعله مستحلّ له . والثانی ان جزائہ انہا محرمة علیہ اولاً عند دخول الفائزین الخ - (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وهو یعلم) لہ

سوال :- ابوداؤد شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے **نماز میں اشارہ ممنوعہ کی حقیقت** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "من اشار فی صلوٰتہ تقہم عنہ فلیعد لہا یعنی الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۱۲۱)۔ کیا یہ حدیث اشارہ بالتباہ کی روایت سے معارض ہے یا نہیں ؟

الجواب :- چونکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ بالتباہ کے لیے مستقل عنوان باب الاشارة فی التشہد کے تحت روایات کو جمع کیا ہے ، اور مذکورہ روایت کو باب الاشارة فی الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے ، لہذا اس اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہوگا جو سلام کے جواب

لہ فالمراد من استعمل ذلك مع علمه بالتحریرو علی الروایۃ المشہورۃ فالمراد کفر "لنعمۃ وظاہر اللفظ غیر مراد واما ورد علی سبیل التغلیظ والزجر لفاعل ذلك او المراد باطلاق الکفران فاعلہ فعل فعلاً شبیہاً بفعل اهل الکفر۔ الخ (فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶) باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وهو یعلم

یا کسی دوسری ضرورت کے لیے کیا جائے۔

لما قال الشيخ خليل احمد السهاري نفوري رحمه الله: الاشارة المذكورة في هذا الحديث
معمولة على الاشارة في الصلوة للحاجة كرد السلام وغيره۔

(بذل المجهود شرح ابوداؤد ج ۲ م ۲ باب الاشارة في الصلوة)

فقہ اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت | سوال :- فقہؑ واحد اشدّ علی
الشیطن من الف عابد۔ یہ حدیث ہے

یا کوئی عربی مقولہ ہے؟ اگر حدیث ہے تو حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟
الجواب :- یہ عبارت ایک حدیث کے الفاظ ہیں اور اکثر کتب احادیث میں بروایت
عبد اللہ ابن عباسؓ ذکر کئے گئے ہیں :-

روى محمد بن عيسى الترمذی بسندہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم فقہؑ وَاَحَدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْف عَابِدٍ۔

(جامع الترمذی ج ۲ م ۹ باب ما جاء في عالم المدينة) لہ

حضرت علیؑ اور قوت حافظہ والی روایت | سوال :- ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند
کلمات اور اسماء حسنی بتائے جن کے ورد سے حضرت علیؑ کی حافظہ کی کمزوری ختم ہو گئی، پھر
بعد میں کسی صحابی کے پوچھنے پر حضرت علیؑ نے وہ کلمات بتائے۔ اس روایت کا حوالہ بتائیں؟

الجواب :- امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت ان کلمات کے ساتھ راجع رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو ضعف حافظہ کی بیماری کے لیے فرمائے تھے (نقل کی ہے :-

عن ابن عباس رضي الله عنه مختصراً: شكى علي رضي الله عنه تفلّت القوان عن صدره

لہ وکذا ذکر ولی الدین محمد بن عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقہؑ وَاَحَدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْف عَابِدٍ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ کتاب العلم۔ الفصل الثانی)

وَمِثْلُهُ فِي سَنَنِ ابْنِ مَاجَةَ ج ۲ باب فضل العلماء والحديث على طلب العلم۔

الرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابا الحسن افلا اعلمك كلمات ينفعك الله بهن وينفع بهن من علمته ويثبت ما تعلمت في صدرك قال اجل يا رسول الله فعلمني قال اذا كان ليلة الجمعة فان استطعت ان تقوم في ثلث الليل الاخر فاتها ساعة مشهورة والدعاء فيها مستجاب فان لم تستطع فقم في وسطها فان لم تستطع فقم في اولها . فصل ركعات تقرأ في الركعة الاولى فاتحة الكتاب وسورة يس وفي الركعة الثانية فاتحة الكتاب وخم الدخات وفي الركعة الثالثة فاتحة الكتاب والحمد التنزيل السجدة . وفي الركعة الرابعة بفاتحة الكتاب وتبارك المفصل ، سورة الملك - فاذا فرغت من التشهد فاحمد الله واحسن الثناء على الله و صل على و احسن وعلى سائر النبيين واستغفر للمؤمنين والمؤمنات ولاخوانك الذين سبقوك بالايمان ثم قل في آخر ذلك اللهم ارحمني بترك المعاصي ابدأ ما بقيتني وارحمي ان اتكلف ما لا يعينني وارزقني حسن النظر في ما يرضيك عني اللهم بديع السموات والارض ذوالجلال والاکرام والعزت التي لا ترام اسئلك يا الله يا رحمن بجلالك ونور وجهك ان تلزم قلبي حفظ كتابك كما علمتني وارزقني ان اتلوه على النحو الذي يرضيك عني اللهم بديع السموات والارض ذوالجلال والاکرام والعزة التي لا ترام اسئلك يا الله يا رحمن بجلالك ونور وجهك ان تنور بكتابك بصري وان تطلق به لساني وان تفرج به عن قلبي وان تشرح به صدري وان تغسل به يدي . فانه لا يعينني على الحق غيرك ولا يوثقه الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم - يا يا الحسن تفعل ذلك ثلاث او خمسة وسبعاً تجب باذن الله والذي يعثني بالحق ما اخطأ مؤمناً - (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۶ باب دعاء الحفظ)

انچاس کروڑ گنا ثواب کی حدیث | سوال :- بعض حضرات تبلیغ میں جانے والوں کے لیے جو فضائل بیان کرتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے والوں کو ایک روپے کے خرچ کرنے پر انچاس کروڑ روپے کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ بات کسی مستقل روایت سے ثابت نہیں، تاہم چند روایات کے مجموعی مضامین کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے کے اعمال میں بہت زیادہ تصاعف ہوتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ایک روپے کے عوض ۴۹ کروڑ کا

ثواب ملتا ہے۔ اس بارے میں ابن ماجہ کی ایک روایت ہے جو آٹھ صحابہؓ سے مروی ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ارسل بنفقة في سبيل الله واقام في بيته قله بكل
 درهم سبع مائة درهم ومن عدى بنفسه في سبيل الله وفي وجه ذلك فله بكل درهم
 سبع مائة الف درهم۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب فضائل النفقة في سبيل الله)
 اور دوسری روایت کو امام ابو داؤد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر يضاعف على النفقة
 في سبيل الله عز وجل يسبع مائة ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۵ باب تضعيف الذكر
 في سبيل الله)

یہاں پہلی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر خرچ کرے اس کو
 ایک روپے کے عوض سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نماز، روزہ، ذکر اللہ کا ثواب انفاق فی
 سبیل اللہ کی نسبت سات (۷۰۰) سو گنا زیادہ ہے۔ اب پہلی حدیث کے سات لاکھ کو
 دوسری حدیث کے سات سو روپے سے ضرب دی جائے تو انچاس لکھ کروڑ ہی بنتا ہے۔

$$۲۹۰۰۰۰۰۰ = ۷۰۰ \times ۷۰۰۰۰۰$$

تاہم یہ ثواب صرف تبلیغ میں نکلنے سے خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے ہر
 مسافر کا یہ حکم ہے، البتہ تبلیغ بھی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے۔

ولد الزنا لا یدخل الجنة کی تحقیق | سوال :- درج ذیل حدیث ولد الزنا لا یدخل
 الجنة کی محدثین کے ہاں صحت اور ضعف کے

اعتبار سے کیا حیثیت ہے؟ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟
 الجواب :- اس حدیث کے متعلق اکثر حفاظ حدیث کی رائے یہ ہے کہ اس کا شمار موضوع روایات
 میں ہوتا ہے اور حدیث کے ذخائر میں اس کی صحت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

لما قال عبد الرحمن الاثری الشافعی: ولد الزنا لا یدخل الجنة یدور علی الاستنہ ولم یثبت عن رسول الله
 صلی اللہ علیہ وسلم۔ بل قال نقاضی مجد الدین شیرازی فی سفر السعادت ہو باطل۔ (تمیز الطیب من الخبیث ص ۲۰۷)

لہ وقال ایضاً: ذکر فی المصنوع فی احادیث الموضوع ولد الزنا لا یدخل الجنة لا اصل لہ۔ (تمیز الطیب من الخبیث ص ۲۹۱)
 ومثله فی موضوعات کبریٰ للملا علی القاری ص ۳۵۱ احادیث فی ولد الزنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ سے غنا کی روایت | سوال :- عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت کانت عندی امرأة تسمی

فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي على تلك الحال ثم دخل عمر فقتر فضحك رسول الله فقال عمر رضي الله عنه ما يضحك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم محدثه فقال والله لا اخرج حتى اسمع ما سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاسمعه - کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس روایت کو بعض محدثین نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور اس کی سند میں ابوالفتح البغدادی ہے جو محدثین کے ہاں مشکلم فیہ ہے، اور بعض نے اسے واہی الحدیث ساقط الروایۃ تک کہا ہے۔

لما قال ابن الجوزی رحمه الله : قال الخطيب ابوالفتح البغدادی واہی الحدیث ساقط الروایۃ واصل الحدیث باطل۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۱۶ باب فی اباحۃ الغناء)

گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق | سوال :- کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ گوشت سے اس لیے کہ اس میں بیماری ہے ؟

الجواب :- گائے کے دودھ میں شفاء ہونے کے بارے میں تو روایات موجود ہیں جن کو حافظ عبد اللہ نیشاپوری نے مستدرک میں نقل کیا ہے :-

ان الله تعالى لم ينزل داء الا انزل له شفاء الا الحرام فعليكم باليان البقر فانها ترعم من كل شجر (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۷ کتاب الطب) لیکن گائے کے گوشت سے ممانعت کی روایت نہیں مل سکی بلکہ اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے اس کی حلت ثابت ہے، اور اگر منع کی روایت ثابت ہو جائے تو نہی طبع پر محمول ہوگی۔

لما روى الامام مسلم بن حجاج في صحيحه : عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم بلحم بقر فقیل هذا ما تصدق به على بريرة

فقال هولها صدقةً ولنا هدية - (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵ باب اباحة الهديّة
للنبيّ صلى الله عليه وسلم ولبنی هاشم وبنی المطلب...) ۱۰

منجیات ومہلکات کی تشریح | سوال :- ثلاث منجیات وثلاث مهلكات
فاما المنجيات فتقوى الله في السر والعلانية

والقول با لحق في الرضا والسخط والقصد في الغناء والفقر، واما المهلكات فهي
متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهو اشد هتن - اس حدیث کا
حوالہ اور تشریح ارسال کریں ؟

الجواب :- یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے جلد ۲ ص ۲۳۲ پر شعب الایمان
للبیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے ۔

تشریح :- اس روایت میں مقصود یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت
سے بچنے اور نجات پاتے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں۔ (۱)
خوف خدا: یعنی ہر حالت میں خوف خدا اس کے دل میں ہو۔ (۲) قول بالحق: یعنی
ہر حالت میں حق بات پر ڈٹا رہے خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، دوست ہو یا دشمن، کسی کو
بھی ملحوظ خاطر رکھے بغیر سچ بات کرے۔ (۳) قصد: اعتدال اور میانہ روی خرچ کرنے
میں چلے فراخی رزق ہو یا فقر و فاقہ، ہر حالت میں افراط و تفریط یعنی اسراف اور بخل
دونوں سے بچے اور ان کے درمیان حالت کو اختیار کرے۔

مہلکات :- اسی طرح دنیوی و آخروی ہلاکتوں سے بچنے کے لیے بھی تین چیزیں
ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیئے۔ (۱) ہوی متبع یعنی نفس کی خواہشات کی پیروی اسلئے کہ
خواہشات نفسانیہ کی مخالفت اکبر المنجیات میں سے ہے جیسے کہ اتباع خواہشات نفسانیہ
اکبر المہلکات میں سے ہے۔ (۲) شح: یعنی بخل کہ انسان کی طبیعت میں بخل مل جائے

۱۰ وعن جابر رضي الله عنه قال ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عائشة
بقرة يوم النحر - (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲ باب جواز الاشتراك في الهدي واجزا
البدنة والبقرة كل واحدة منهما عن سبعة الخ)

ومثله في سنن أبي داود ج ۱ ص ۲۵۱ باب في هدي البقر -

پھر اسی کے مطابق چلتا رہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بُخل ہے جو حرص کے ساتھ مقرون ہو۔
 (۳) اعجاب المرء بنفسه: یعنی خود بینی پیدا ہو جائے تو اپنے اعمال، احوال، جمال یعنی ہر کمال پر کھنڈ کرے اور یہ سب سے زیادہ مہلک خصلت ہے، اس کا وبال بھی سب سے زیادہ اور نقصان بھی سب سے زیادہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ باب الغضب والكبر الفصل الثالث)
اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ | سوال: حدیث اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب: مندرجہ بالا حدیث کو امام احمد بن حنبل نے "شعب الایمان" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور امام بیہقی کی تحقیق کے مطابق اس روایت کا متن تو مشہور ہے لیکن تمام اسناد ضعیف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:-

هَذَا الْحَدِيثُ شِبْهٌ مَشْهُورٌ وَاسْتَدَاهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ رَوَى مِنْ أَوْجَهٍ كُلِّهَا ضَعِيفَةً - (شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۲)

اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بھی جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ میں امام زہریؒ سے نقل کیا ہے:-

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے۔ (جلد ۱ ص ۹)
 تاہم ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَقَالَ ابْنُ حَبَّانٍ هَذَا الْحَدِيثُ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ - (الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۱ کتاب العلم باب طَلَبُ الْعِلْمِ وَلَوْ بِالصِّينِ)

امت محمدیہ کے نہتر فرقوں کا ثبوت | سوال: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

کیا یہ کسی صحیح حدیث کا مفہوم ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ ایک صحیح حدیث کا مفہوم ہے جسے محدثین نے مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت

تہتہ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

لما روى الترمذی : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال تفرقت الیہود علی احدى و سبعین و اثنتین و سبعین فرقة و النصارى مثل ذلک و تفرق اُمتی علی ثلاث و سبعین فرقة ہذا حدیث حسن صحیح۔ (جامع السنن للترمذی ج ۲ ص ۹۲)

وقال عبد القاهر بن محمد البغدادی : قد رواہ عن النبیؐ جماعة من الصحابة کانس بن مالکؓ و ابی ہریرۃؓ و ابی درداءؓ و جابرؓ و ابی سعید الخدریؓ و ابی بن کعبؓ و عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ و ابی امامۃؓ و واثلہ بن اسقعؓ و غیرہم۔ (الفرق بین الفرق ص ۱ الباب الاول فی بیان الحدیث الماثور) لہ

تفرق کی تحقیق | سوال :- مندرجہ ذیل حدیث تفرق اُمتی ثلاث و سبعین فرقة ... الخ میں افتراق سے کیا مراد ہے ؟

الجواب :- اس حدیث میں تفرق اور تقسیم سے مراد وہ تفرق ہے جو اصول دین میں واقع ہوا ہو اور فروعی اختلاف اس سے مراد نہیں، اس لیے کہ جن فرقوں کا فروع میں اختلاف ہو وہ سب اصول اور بنیادی عقائد میں متحد ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو کفر و گمراہی کی نسبت نہیں کرتے، اور جو لوگ اصول دین میں متفرق ہوں وہ ایک دوسرے کو کفر و گمراہ کہتے ہیں۔

لما قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوری : والمراد من ہذا التفرق، التفرق المذموم الواقع فی اصول الدین واما اختلاف الامۃ فی فروعہ فلیس بـمذموم بل من رحمۃ اللہ سبحانه فانک تری ان الفرق المختلفۃ فی فروع الدین متحدون فی الاصول ولا یضلون بعضهم بعضاً۔ واما المتفرقون فی الاصول فیکفر بعضهم بعضاً و یضلون۔۔۔ الخ (بذل المعجود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۱۸ اول کتاب السنۃ - باب شرح السنۃ)

لہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقت الیہود علی احدى و سبعین فرقة تفرق اُمتی علی ثلاث و سبعین فرقة۔

(ابن ماجۃ ص ۲۸ ابواب الفتن - باب افتراق الامم)

لا تعلموهن الكتابة کی تحقیق | سوال :- لا تنزلوهن الغرف ولا تعلموهن

الكتابة۔ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟
الجواب :- اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”شعب الایمان“ میں اور حافظ ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی ”مستدرک“ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔
 عن عائشہؓ قالت قال رسول الله لا تنزلوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة
 یعنی النساء و علموهن المغزل وسورة النور۔ ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔
 (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۹۶ تفسیر سورة النور۔ النہی عن تعلیم الكتابة للنساء)

تاہم بعض علماء نے اس کی عدم صحت پر قول کیا ہے۔

لما قال ابن الجوزیؒ: ہذا الحدیث لا یصح عن رسول الله۔ وقد ذکرہ ابو عبد الله
 النیشابوریؒ فی صحیحہ والعجب کیف خفی علیہ امرہ۔

قال ابو حاکم ابن حبانؒ: کان محمد بن ابراہیم الشامی (راوی الحدیث) یضع الحدیث
 علی الشامیین لایحل الروایۃ عنہ الا عند الاعتیار روى احادیث لا اصول
 لہا من کلام رسول الله صلی الله علیہ وسلم لایحل الاحتجاج بہ۔

کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۲ ص ۲۶۹ بتعلیم للنساء والنوا ومنعن من سکنی

الغرف وتعلیم الكتابة) لہ

لہ قال الشیخ السعید بن سبویؒ غلو تحت حدیث ابی ہریرۃ لا تعلموا النساء الكتابة لا تسکنوا الغرف
 ومن حدیث عائشہؓ من طریق محمد بن ابراہیم الشامی عن شعیب بن اسحاق الدمشقی عن
 ہشام بن عروۃ عن ابيه عن عائشہؓ لا تسکنوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة و
 علموهن المغزل وسورة النور۔

قال ابن الجوزی رحمہ الله: ہذا حدیث لا یصح وقد ذکرہ الحاکم فی
 صحیحہ۔ واعلہ ابن الجوزیؒ یصح محمد بن ابراہیم الشامی۔ قال ابو حاتم بن حبان کان
 محمد بن ابراہیم الشامی یضع الحدیث علی الشامیین لایحل الروایۃ عنہ
 الا عند الاعتیار روى احادیث لا اصول لہا من کلام رسول الله صلی الله علیہ
 وسلم لایحل الاحتجاج بہ۔

(حاشیہ مستدرک الفردوس الدیلمی ج ۵ ص ۱۹ رقم حدیث ۷۳۱)

امام مہدیؑ کے بارے میں روایات کی تحقیق | سوال :- کیا مہدی علیہ السلام کے آنے کے بارے میں جو باتیں

زور عام ہیں یہ صحیح روایات سے ثابت ہیں یا کوئی عام واقعہ ہے جس نے شہرت پائی ہے ؟
الجواب :- امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں واقعات درست اور صحیح روایات سے ثابت ہیں اور احادیث کی اکثر کتابوں میں مستقل باب کے تحت روایات کو جمع کیا گیا ہے جن میں امام مہدی علیہ السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد ابن علم، مسند ابویعلیٰ، مسند ابن ابی شیبہ، طبقات، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

اور مجموعی لحاظ سے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں روایات تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تواتر کو یوں نقل کیا ہے :-

قال ابو الحسن الامدي في مناقب الشافعي تواترت الاخبار بان المهدي من هذه الامة وان عيسى عليه السلام يوصلي خلفه۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۲ باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام)۔

اللہ طاق ہے، کی روایت کی تحقیق | سوال :- حدیث ”اللہ تعالیٰ کی ذات طاق ہے اور طاق چیز کو پسند کرتی ہے لہذا اے اہل قرآن! تم طاق نماز یعنی وتر پڑھا کرو“

دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کتب حدیث کی کون سی کتاب میں مسطور ہے ؟
ذرا وضاحت سے روشناس فرمائیں ؟

الجواب :- یہ روایت حدیث کی اکثر کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یوں منقول ہے :-

قال الامام محمد بن عيسى الترمذی: بسند عن علي قال لو تلبس كصلواتكم المكتوبة

له ونقل عن الشوكان: انها متواترة بلا شك ولا شبهة بل يصدق وصف التواتر على ما هو دونها على جميع الاصطلاحات المحرقة في الاصول۔ (الاداعة ص ۱۱۳)

ومثله في عقد الدرر في اخبار المنتظر لعلامه يوسف بن يحيى المقدسي الشافعي ص ۱۵۱۔

وَلَكِنْ سُنَنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَتَرْبُيَتِ الْوُتْرَ فَأَوْتَرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ۔ (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۷۱ باب ماجاء ان الوتر ليس بختم) ۱۷

شہرا عید لا ینقصان کی تحقیق | سوال: درج ذیل حدیث: شہرا عید لا ینقصان رمضان و ذوالحجۃ کا مطلب اور

مفہوم کیا ہے؟ ذرا وضاحت کے ساتھ اس کی تحقیق سے نوازیں؟

الجواب:- شہرا عید لا ینقصان کے بارے میں ائمہ حدیث سے مختلف توجیہات منقول ہیں لیکن مشہور اور قریب الی الفہم جو توجیہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان اور ذوالحجۃ ایک سال میں دونوں ۲۹ دن کے نہیں آتے، اگر ایک ۲۹ دن کا آئے تو دوسرا ضرور ۳۰ دن کا آئے گا۔

(۲) امام اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر عددِ آیام کے اعتبار سے رمضان اور ذوالحجۃ کے ہینے اگرچہ ۲۹ دن کے آئیں لیکن باعتبار اجر و ثواب ۳۰ دن کے برابر ہوں گے۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۷۱ باب ماجاء شہرا عید لا ینقصان) ۱۷

انابتی و ادم بین الماء و الطین کی تحقیق | سوال:- ایک واعظ سے میلادِ شریف کے وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

اولین و آخرین ہونے کے بارے میں یہ الفاظ سُننے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انابتی و ادم بیت الماء و الطین، کیا یہ روایت بایں الفاظ ثابت ہے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۷ نقل ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی فی سننہ بسندہ عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اہل القرآن اوتروا فان اللہ و تَرْبُیَتِ الْوُتْرَ۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۰۱ باب تفریع ابواب الوتر باب استعیاب الوتر)

وَمِثْلُهُ فی سُنَنِ ابْنِ مَاجَہ ج ۱ ص ۸۳ باب ماجاء فی الوتر۔

۱۸ نقل ہذا بن التوجیہین ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فی متن سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۲۸

باب ماجاء شہراً عید لا ینقصان)

اولین و آخرین نبی ہیں ؟

الجواب :- نصوص صریحہ اور اجماع اُمت سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولین اور آخرین پیغمبر ہیں، لیکن جہاں تک مذکورہ الفاظ کا تعلق ہے تو بایں الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ثابت نہیں، البتہ معنی کے اعتبار سے روایت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

عن ابی ہریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوة قال و آدم بین الروح والجسد، رواہ الترمذی۔ (شرح طبیبی ج ۱۱ باب فضائل سید المرسلین) ۳۵۳

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے سکول **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ** الخ کی تحقیق کی دیوار پر ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة۔ کیا یہ حدیث کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور اس حدیث کو صحیح اور مستند کتابوں نے ذکر کیا ہے مگر مذکورہ بالا حدیث میں مسلمة کا لفظ زائد ہے۔

لما ورد في الحديث: عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم ووضع العلم عند غير اهله كمثل الخنازير الجوهرة واللؤلؤ والذهب۔ (ابن ماجه من ۲ باب فضل العلماء والحث على طلب العلم) ۲

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں نے **أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا كِتَابُ الْحَقِيقِ** ایک عالم دین سے وعظ میں سنا ہے کہ

۱۔ قال العلامة ملا علی القاری: ای وجبت لی النبوة والحال ان آدم بین الروح والجسد یعنی انه مطروح علی الارض وصورة بلا روح والمعنى انه قبل تعلق روحه بجسده۔ (مرقات ج ۱۱ ص ۵۸ باب فضل سید المرسلین! الفصل الثانی)

۲۔ عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم ووضع العلم عند غير اهله كمثل الخنازير الجوهرة واللؤلؤ والذهب۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲ کتاب العلم۔ الفصل الثانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَيْهَا يَبْتَهِمُ عِلْمُ كَاشِفُهَا
ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟
الجواب:- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری روایا مروی
ہیں مگر مندرجہ بالا روایت کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، علماء حدیث
نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

قال العلامة مُلّا علی القاری: حدیث "اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَيْهَا يَبْتَهِمُ عِلْمُ كَاشِفُهَا" (الحديث)
رواه الترمذی فی جامعہ وقال انه منكر، وكذا قال البغاری وقال انه كذب لا اصل له
وكذا قال ابو حاتم ويحيى وسعيد - (موضوعات الكبرى ص ۳۸۱ حدیث ۲۵۱) لہ

ابو حنیفہ سراج اُمتی کی تحقیق | سوال:- محترم مفتی صاحب! میں ایک دن
الدر المختار کا مقدمہ مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی نظر سے گذری
جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابو حنیفہ سراج اُمتی" (رواہ ابواللیث)
کیا یہ روایت صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟
الجواب:- امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں اگرچہ ان میں سے بعض
میں آپؐ کی منقبت اور فضیلت کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر اکثر روایات موضوع اور غیر ثابت شدہ
ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ روایت بھی ہے، مذہب حنفی کے مشہور و معروف محدث اور فقیہ
مُلا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔

قال العلامة مُلّا علی القاری: حدیث "ابو حنیفہ سراج اُمتی" موضوع باتفاق
المحدثین - (موضوعات الكبرى ص ۳۸۱ حرف الهمزة - رقم الحديث ۲۵۱) لہ

لہ قال العلامة ابن الجوزی: قال یحیی بن معین هذا الحدیث کذب لیس له اصل، وقال ابن عدی:
هذا الحدیث موضوع یعرف بابی الصلت ام (الموضوعات ص ۳۸۱ باب فضائل علی علیہ السلام)
لہ قال العلامة ابن الجوزی: حدیث "یکون فی اُمتی رجل اسمه النعمان وکُنیتہ ابو حنیفہ هو سراج اُمتی"
قال الخطیب: هذا حدیث موضوع تفرد بروایة البوقائی - قال وحدثت عن ابی عبد اللہ الحاكم
انه قال: وضع ابو عبد اللہ البورقی من المتاکیر عن الثقة مالا یحصى والفحشها هذا الحدیث -
(الموضوعات لابن الجوزی ج ۲ ص ۳۸۱ باب فضل ابی حنیفہؒ)

ما نقول فی هذا الرجل کا مطلب | سوال :- قرین سوال و جواب کے بارے میں

بحر روایت مروی ہے اس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں "ما نقول فی هذا الرجل"۔ هذا اسم اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوں گے جبکہ آپ تو مدینہ منورہ میں اپنے روضہ اطہر میں آرام فرما ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ؟

الجواب :- محدثین عظام نے ان الفاظ کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک پیش کی جاتی ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ درمیان سے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں، جبکہ علامہ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ بدون کشف حجاب اور بدون شبیہ کے سوال کیا جائے گا، اور یہ بصورت امتحان زیادہ قوی ہے۔

قال ابن حجرؒ، ولا يلزم من الإشارة ما قيل من رفع الحجب بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه... اقوى في الامتحان... الخ (مرقاۃ شرح المشکوٰۃ)

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق | سوال :- مندرجہ ذیل حدیث "علماء امتی

کا نبیاء بنی اسرائیل" کو واعظین حضرات بہت تشدد سے بیان کرتے ہیں اور اس سے علماء کی فضیلت ثابت کرتے ہیں، کیا یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا درجہ کیا ہے ؟

الجواب :- محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جبکہ بعض علماء نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، تاہم صرف فضیلت العلم کے طور پر بیان کرنا ممنوع نہیں ؟

قال العلامة طاہر بن علی الہندی رحمہ اللہ : وعلماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ قال شیخنا والزمکشی رحمہ اللہ لا اصل له ولا يعرف في معتبر وروای مستند ضعیف۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۱۷۷)

۱۔ قال العلامة ملا علی القادی رحمہ اللہ : علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔

قال الدمیری والعسقلانی لا اصل له۔ وكذا قال الزرکشی وسكت عنه السيوطی۔ (موضوعات کبریٰ ص ۱۵۹ رقم حدیث ۶۱۲)۔

رب کا سیتہ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ کی تحقیق | سوال :- بخاری شریف کی

ہے کہ رب کا سیتہ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ۔ (الحديث) اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بہت کوشش کی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟

الجواب :- علماء علم حدیث نے ان الفاظ کی مختلف تاویلات اور مقاصد بیان کئے ہیں، علم بہت سی عورتیں دنیا میں اعمال کے اعتبار سے خوب اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اپنی دیگر بد اعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں اعمال سے ننگی (خالی) ہوں گی (۱) مگر مناسب مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ساری عورتیں اگرچہ بظاہر بدن پر کپڑے پہنے ہوتی ہیں جو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کا سارا بدن نظر آتا رہتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگا ہونے کی آخرت میں سزا ہوگی۔

قال الشیخ محمد زکریا السہارنپوری: اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا مثلاً اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی۔ (تقریر بخاری ج ۱ باب العلم والفظہ باللیل)

انا من نور اللہ والمؤمنون منی کی تحقیق | سوال :- جناب مفتی صاحب کچھ لوگ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور مانتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: انا من نور اللہ والمؤمنون منی۔ کیا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات اقدس کے اعتبار سے بشر ہیں اور آپ میں بشریت کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں لہذا آپ کو باعتبار ذات نور کہنا صحیح نہیں۔ جہاں تک مذکورہ روایت کا تعلق ہے تو محدثین عظام نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

قال العلامة طاہر علی الہندی: وفي الذیل: "كنت نبياً وادم بن المراء والطین وکنت نبياً وادم وکلاماء وکلاطین" قال ابن تیمیہ: موضوع وهو کمال قال وكذلك خذ "انا من نور اللہ والمؤمنون منی الخیر فی وفی امتی الی یوم القیامۃ" قال ابن حجر کلا عرفة۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶ فضل الرسول ونصاہم) لہ

لہ قال العلامة ملا علی قاری: حدیث "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" قال لعسقلانی: انه کذب مغلوط۔ وقال الزماکشی: لا یعرف۔ وقال ابن تیمیہ: موضوع۔

(الموضوعات الکبریٰ للملا علی قاری ص ۷۳)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت | سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک صاحب نے

دوسرے سے کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو کیا تم مان لو گے؟ تو دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا، دونوں کا اس بات پر اختلاف ہے، آنجناب سے استدعا ہے کہ ان کے اس اختلاف کو دور فرمائیں؟

الجواب :- ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں بالفاظ صریح ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے، لہذا اس سے انکار نہ کیا جائے، اور بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

اخرج الامام ابوداؤد: عن حذیفة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سبابة قوم فبال قائماً ثم دعا بعماء فصيح على خفيه۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۱ باب البول قائماً) لہ

سبحان من زين الرجال باللحي الخ کی تحقیق | سوال :- سبحان من زين الرجال باللحي و زين النساء بالذوائب (الحديث)

سُننے چلے آرہے ہیں، برائے مہربانی اس حدیث کا حوالہ درکار ہے؟

الجواب :- یہ حدیث کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے مثلاً :- قال الامام السرخسي: روى عن النبي انه قال ان الله تعالى مكينة تسبيحهم سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالقرون والذوائب۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ کتاب البیات) لہ

لہ اخرج الامام الزيلعي: عن حذیفة رضى الله عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فانتبهت الى سبابة قوم، فبال قائماً فتحيث فقال أدنه فدثت حتى قمت عند عقبه فتوضاء ومسح على خفيه۔

(نصب الراية بحوالہ مسلم ج ۱ ص ۱۶۳ کتاب الطہارت)

لہ قال العلامة عبد الرؤوف المناوي: سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالذوائب۔

(كنوز الحقائق على هامش الجامع الصغير ج ۱ ص ۱۲۱)

وَمِثْلُهُ فِي مَسْنَدِ الْفَرْدَوْسِ لِلدِّلْمِيِّ ج ۲ ص ۹۔

انبیاء کرامؑ کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا | سوال :- محترم مفتی صاحب! ایک کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا۔ تو کیا یہ روایت صحیح ہے؟ نیز کیا انبیاء کرام کے لیے بعد الوفات بھی نماز پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب :- مرنے کے بعد انسان کسی کے اعمال کرنے کا مکلف نہیں رہتا یعنی نماز وغیرہ پڑھنا اس پر لازم نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کا اس طرح کرنا ذوقی امور پر محمول ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ بسند صحیح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ امام مسلم بن قشیرؒ فرماتے ہیں :-

عن انس بن مالک رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية مرت علي موسى ليلة اسرى بي عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره - (الجامع الصحيح للمسلم ج ۲ ص ۲۶۱ باب فضائل موسى عليه السلام)

لا صلوة لجار المسجد الا كما مطلب | سوال :- ہم نے علماء دین سے سنا ہے کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے مگر حدیث شریف لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل بھی مسجد میں پڑھنے ضروری ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں تو پھر حدیث کا مطلب کیا ہے؟

الجواب :- علماء حدیث نے اس روایت کو فرائض پر محمول کیا ہے کہ فرائض مسجد ہی میں پڑھنا ضروری ہیں اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں -

عن النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد
نقل الشيخ الفتي عزير الرحمن عن السراج المنير: هذا محمول على الفريضة وما الحق بها ففعلها في المسجد افضل وما عدا ذلك ففعله في البيت افضل من فعله في المسجد - (السراج المنير بحوالہ عزير الفتاوى ج ۱ ص ۳۲۳۸۶)
مت ليلة اسرى بي علي موسى عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره (كنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱۱)
لہ قال العلامة المفتي عزير الرحمن رحمه الله: حدیث اول معمول بہا ہے اس طریقہ سے کہ حدیث کو محمول کریں گے فرائض پر اور جو اس کے حکم میں ہو اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے - (عزير الفتاوى ج ۱ ص ۱۲۱ کتاب ما يتعلق بالحديث)

من صلّ علیّ عند قبری الخ کی تحقیق | سوال :- بعض لوگ سماع النبی صلی اللہ

اس حدیث من صلّ علیّ عند قبری سمعہ ومن صلّ علیّ نائباً ابلغتہ کو ضعیف کہتے ہیں کیا واقعی یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے ؟

الجواب :- اس حدیث کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات نے تضعیف کا قول کیا ہے مگر اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہذا یہ روایت سماع النبی فی القبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قابل حجت ہے۔

کما ذکر العلامة ابوالطیب محمد شمس الدین العظیم آبادی : تحت ذلك الحديث - قال ابن القيم وقد صحح اسناد هذا الحديث وسألت شيخنا ابن تيمية عن سماع يزيد بن عبد الله من ابي هريرة فقال كانه ادركه وفي سماعه منه نظر انتهي كلامه - وقال النووي في الاذكار ورياض الصالحين : اسناده صحيح - وقال ابن حجر : رواه الثقات - اهـ (عون المعبود ج ۶ ص ۲۲ کتاب المناسک) لہ

حدیث قال لا یبیع بعضکم الخ کی وضاحت | سوال :- جناب مفتی صاحب !

یہ حدیث پڑھی ہے جو کہ کچھ اس طرح ہے : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبیع بعضکم علی بیع بعض - اس کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :- یہ روایت امام ترمذی نے جامع الترمذی کتاب البیوع میں نقل کی اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :-

(۱) عاقدین کے درمیان بیع تام ہو چکی ہو اور ایک دوسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ میں تمہیں اس چیز کی زیادہ قیمت دیتا ہوں تم اس آدمی سے بیع فسخ کر کے یہ چیز مجھے دے دو۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان بات چیت چل رہی ہے اور بائع مشتری پر چیز فروخت کرنے پر آمادہ بھی ہے کہ تیسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ مجھ سے زیادہ رقم لے کر عقد بیع میرے ساتھ کر دو۔ اس حدیث کی رو سے یہ دونوں صورتیں ناجائز و حرام ہیں۔

حدیث "قال جاء رسول الله بيتنا وانا صبي" اور فقہی روایا میں تطبیق | رسول:

عبد اللہ بن عمر بن ربیعہ قال جاء رسول الله بيتنا وانا صبي صغير فذهبت لعب فقال اى الى يا عبد الله تعالى اعطيك فقال رسول الله ما زدت ان تعطيه قالت اردت ان اعطيه تمراً قال اما انك لم تعطى لكتبت عليك كذبة (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹) اور علامہ ابن عابدین نے اس سے اپنے بچے کے ساتھ کذب کو متشبی کیا ہے: قال ابن عابدین: قال رسول الله كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب۔ (رد المحتار ج ۴ قبیل احياء الموات) تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:۔ اس تعارض بین الروایات کے حل میں تطبیق یہ ہے کہ حدیث اول میں کذب سے مراد کذب صحیح ہے اور حدیث ثانی میں کذب صوری مراد ہے جسے تعریض کہا جاتا ہے، کذب عینی اور حقیقی مراد نہیں ہے۔

قال العلامة الشامي: قوله قال اى صاحب المجتبى وعبارته قال كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب فان الحرب خدعة قال الطحاوى وغيره هو محمول على المعارض لان عين الكذب حرام..... فالاستثناء في الحديث لما في الثلاثة من صورة الكذب وحيث ابيح التعريض لحاجة لا يباح لغيرها لانه يوهم الكذب وان لم يكن اللفظ كذباً قال في الاحياء نعم المعارض تباح بغرض حقيقى كتطيب قلب الغيوب بالمزاح..... جاز الكذب..... قال الشارح ابن الشعنة نقل في النزاهة انه اراد به المعارض لا الكذب الخالص۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۵ قبیل احياء الموات) لہ

لہ قال العلامة سيد احمد الطحطاوى: والمواد التعريض عبارة المجتبى اطحاوى وغيره هو الحد محمول على المعارض لان الكذب حرام اھ وظاہرہ ان التعريض لا يباح الا في هذه الصور۔
(حاشیۃ الطحطاوى على الدر المختار ج ۲ ص ۲۱۱ قبیل احياء الموات)
ومثله في حاشية كشف الاستار على الدر المختار ج ۲ فصل في البيع قبیل باب احياء الموات۔

احادیث وحی غیر متلو ہیں | سوال :- احادیث کو وحی الہی قرار دیا جاتا ہے اور جسے علماء دین وحی غیر متلو کہتے ہیں حالانکہ احادیث تو

رسول اللہ کا کلام ہے تو اسے وحی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی دلیل کیا ہے؟
الجواب :- احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہیں جسے علماء کرام وحی غیر متلو کہتے ہیں،
 تو جب الفاظ اور معنی دونوں بجانب اللہ منزل ہوں تو اسے وحی متلو کہتے ہیں جو کہ قرآن مجید
 ہے اور جب معنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو
 اسے وحی غیر متلو اور احادیث کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ :-

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورة النجم آیت ۴)
 (۲) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ
 رَسُولًا (سورة الزمر آیت ۵) لہ

کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث فالحیۃ علیہ | سوال :- حضرت اسامہ بن زیدؓ
 سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

جس کسی نے غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت
 حرام ہے، تو کیا حدیث میں لفظ حرام سے حرمت ابدی مراد ہے یا نہیں؟
الجواب :- اس حدیث میں جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس
 گناہ کو حلال بھی سمجھے تو اس پر جنت ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی اور جو حلال نہ سمجھے تو اس پر
 جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جنت کا دخول اولیٰ فائزین اور
 اہل السلامہ کے ساتھ حرام ہے، جہنم میں سزا کاٹنے کے بعد اسے جنت میں داخل
 کیا جائے گا۔

قال العلامة محی الدین النوروی: قوله فالحیۃ علیہ حرام..... احدثها انه

قال العلامة ملا جیون المستدل لا یخلوا ما ان یتصل بالوحی او غیرہ والوحی اما متلو و
 هو الکتب او غیرہ وهو السنۃ - (تور الانوار ص ۶ تقسیم اصول الشرع)
 ومثله فی کشف الاسرار علی المنازج اصل تقسیم اصول الشرع -

محمول علی من فعله مستحلاً له؛ والثانی ان جزاءه انها محرمة علیه اولا عند دخول
الفائزين واهل السلامة ثمرانه قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها
بعد ذلك وقد لا یجازی بل یعفو الله سبحانه وتعالى عنه۔

(نوی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۵ باب حال ایمان من رغب عن ابيه وقد یعلم له)

حدیث: "بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة میں قبول کی تحقیق" سوال: مندرجہ
ذیل حدیث مبارک

"والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجل وله قرابات محتاجون الی صلتہ و
یصرفها الی غیرہ" میں عدم قبول سے کیا مراد ہے؟

الجواب: علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے،
عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الی النبیؐ انه قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل
الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلتہ یصرفها الی غیرہم والذی
نفسی یدہ لا ینظر الله الیہ یوم القيامة۔ اور پھر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے
عدم قبول سے مراد عدم ثواب لیا ہے، اگرچہ فرض کے ذمہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ الله: والمراد بعدم القبول عدم الانتابة علیہا
وان سقط بہا الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج۔ الخ

(رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج ۲ قیل باب صدقة الفطر) ۲

۱۔ قال العلامة شبیر احمد العثماني رحمه الله: قوله "فالجنة عليه حرام" الخ۔ اما محمول
علی من فعله مستحلاً او علی ان جزاءه انها محرمة علیه اولا عند دخول
الفائزين واهل السلامة ويمكن العفو عنه بفضل الله سبحانه وتعالى۔

(فتح الملم شرح صحيح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶ باب حال ایمان من رغب الخ)

وَمِثْلُهُ فِي ارشاد الساري شرح صحيح البخاري للقسطاني ج ۹ باب ادعى الى غير ابيه كتاب الفرائض۔

۲۔ قال الطحاوي: قوله لا تقبل صدقة الرجل۔ اي لا يثاب عليها وان سقط الفرض ومثل

الرجل المرأة كذا في كتابة الدر۔ وطحطاوي علی المراقي ۵۹۴ باب المصروف

وَمِثْلُهُ فِي البناية في شرح الهداية ج ۴ ص ۲۱۴ قیل باب صدقة الفطر۔

حدیث بیڑ بضاعت کی تحقیق اور احناف کا جواب | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء حدیث اس حدیث کے

بارے میں جو مشکوٰۃ ج ۵۲ الفصل الثانی، باب احکام المیاہ میں ذکر ہے کہ عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول اللہ انتوضا من بیڑ بضاعة وہی بیڑ یلقی فیہ الحیض و لحوم الکلاب الخ۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی۔ کیا یہ حدیث احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں اسی عبارت کے ساتھ مذکور ہے اور پھر احناف کے ہاں اس حدیث کا کیا جواب ہے ؟

الجواب :- حدیث بیڑ بضاعة سند احمد میں ج ۳ ص ۱۲۵ پر بسند ابی سعید الخدریؓ اور سنن ترمذی کی ج ۱ ص ۱۶۱ باب ما جاء ان الماء لا ینجس شیء، اور ابوداؤد کی ج ۱ ص ۱۶۱ باب ما جاء فی بیڑ بضاعة اور سنن النسائی کی ج ۱ ص ۱۶۱ کتاب المیاہ باب ذکر بیڑ بضاعة میں ادنیٰ لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے، اور احناف نے اس حدیث کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں کہ اس کنوئیں کا پانی باغات کو دیا جاتا تھا اس لیے اس کا حکم جاری پانی کا تھا یا پھر کنواں بڑا تھا اور یہ ناپاکی کنوئیں میں اثر پذیر نہیں تھی جس کی وجہ سے اس کے رنگ، طعم اور بو میں فرق آتا ہو۔

قال العلامة ابو جعفر الطحاویؒ : فقالوا اما ما ذکرتموه من بیڑ بضاعة فلا حجة لكم فیہ لان بیڑ بضاعة قد اختلف فیہا ما كانت فقال قوم كانت طریقاً للماء الی البساتین فكان الماء لا یتقر فیہا فكان حکم ما ٹھا حکم ما ولا نہار..... فلا ینجس ماؤک الا ان یغلب علی طعمہ اولونہ اور یجہ او یعلم انہا فی الماء الذی یؤخذ منها فان علم۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۶۱ کتاب الطہارة، باب ما یقع فیہ النجاسة)۔

۱۔ قال الشیخ محمود حسن الدیوبیؒ : قال اهل المعانی فی الأصول الفصل فی الام ان ینو للعهد ما لم تکن قویۃ صادرة فاللام فی قوله الماء للعهد خارجی والمعہوہ هو الماء فی بیڑ بضاعة یعنی الماء الذی فی بیڑ بضاعة لا یتنجس لان مطلق الماء لا یتنجس وعدم نجس ماء لانه جارياً فی البساتین وحکم جاری..... واجاب الطحاوی بان السؤال عن حکم الماء کان بعد اخراج النجاسات من بیڑ بضاعة الخ۔ (التقریر للترمذی فی کتاب الترمذی ص ۱۶۱ باب ما جاء الماء لا ینجس شیء کتاب الطہارة) ومثله فی اعلام السنن ج ۱ ص ۱۶۱ حدیث بیڑ بضاعة، کتاب احکام المیاہ۔

حدیث لا تشدوا الرجال الخ کی تشریح | سوال :- لا تشدوا الرجال الا الى

مسجد الا قصى ومسجد الحرام۔ یہ ایک حدیث ہے اس کے مطابق ان تینوں مساجد کے علاوہ ثواب کی نیت سے دوسری جگہوں کے لیے سفر کرنا اور سامان یا ندھنا جائز نہیں ہے کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے یا اس حدیث کا کچھ اور مطلب ہے؟

الجواب :- حدیث کے الفاظ سے تو بظاہر یہی مطلب نکلتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ جگہوں کے علاوہ اعمال میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور اس حدیث میں علت نیت تقرب اور ثواب سفر الیٰ ہذا المساجد میں، دوسرے اماکن اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، لہذا اس حدیث میں زیارت قبور، تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین وغیرہ کے لیے سفر کرنے میں کوئی حمانعت نہیں کیونکہ زیارت قبور اور تعلیم و تعلم وغیرہ کی نیت سے کئے جاتے ہیں نہ کہ خاص ثواب کی نیت سے، اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ ان الگ وجوہات سے ملتا ہے۔

قال العافظ ابن حجر العسقلانی: ومنها ان المراد حكم المساجد فقط وانه لا تشدوا الرجال الى مسجد من المساجد للصلاة فيه غير هذه الثلاثة واما قصد غير المساجد لزيارة صالح او قريب او صاحب او طلب علم او تجارة او تنزهة فلا يدخل في النهي ويؤيد ما روى احمد الخ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۳ کتاب التہجد باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ)۔

لہ قال العلامة عینی: وقال شيخنا زين الدين من احسن محامل هذا الحديث ان المراد منه حكم المساجد فقط وانه لا يشد الرجل الى مسجد من المساجد غير هذه الثلاثة فاما قصد غير المساجد من الرحلة في طلب العلم وفي التجارة والتنزه وزيارة الصالحين والمشاهد ونزارة الاخوان ونحو ذلك فليس داخلا في النهي وقد ورد ذلك مصرا حابيا في بعض طرق الحديث الخ۔ رعدة القاری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۵۲، باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ، کتاب التہجد۔

وَمِثْلُهُ فِي قِصَصِ الْبَارِي عَلَى صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب التہجد باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ۔

حدیث المولود حتی يبلغ الحنث ما يعمل من حسنة الخ اور فقہی روایت میں تطبیق | **سوال ۱۔** واخرج ابن مردويه
عن انس بن مالك قال قال رسول الله المولود حتى يبلغ

الحنث ما يعمل من حسنة اثبت لوالده او لوالديه وان عمل سيئة لم يكتب عليه ولا على والديه فاذا بلغ الحنث وجري عليه القلم الخ درمنثور (تفسير معارف القرآن ج ۶ ص ۲۷۱)
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد قالوا حسنة الصبي له لا لابويه بل لها ثواب التعليم۔ (رد المحتار حاشية الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۶)

وفي خلاصة الفتاوى: الصبي اذا عمل من الحسنات قبل ان يجري عليه القلم كان ثواباً له لا لأبويه ولو علم الوالد تلك الطاعة كانت للوالد ثواب التعليم۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۴۱)
(ثواب مذکورہ بالا حدیث اور ان فقہی

روایات میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:- یہاں دفع تعارض میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حدیث میں ثواب سے مراد ثواب السبب ہے اور فقہاء کی عبارات میں ثواب سے مراد ثواب العمل ہے، جیسا کہ مرقاة کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ: (الآمن صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح)۔۔۔ واما الثلاثة المذكورة فانها اعمال تحدث بعد وفاته فلا تنقطع عنه لانه سبب تلك الاعمال وفي مقام اخر قال وفي معناه كتب العلوم الشرعية فيكون له ثواب السبب۔ (مرقاة المفاتيح على مشكوة المصابيح ج ۱ ص ۲۶۹)
كتاب العلم۔ (الفصل الاول) له

له وقال العلامة رافعي رحمه الله: هذا قول عامة المشائخ وقال بعضهم ينتفع المور بعلم ولده بعد موته ويكون لوالده اجر ذلك من غير ان ينقص من اجر الولد شيء اهـ سندی۔ (التقريرات للرافعي ج ۱ ص ۱۱۱)
كتاب الجنازة

ومثله في شرح الطيبي على مشكوة المصابيح ج ۱ ص ۳۶۱ كتاب العلم۔ (الفصل الاول)۔

یتبع المیت ثلاثة اہلہ الخ (الحديث) کی تشریح | سوال در ریاض الصالحین جلد ۱، رقم حدیث ۲۷۱

میں جو حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یتبع المیت ثلاثة اہلہ و مالہ و عملہ فیرجع اثنان و یبقی واحد یرجع اہلہ و مالہ و یبقی عملہ۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں عمل اور اہل تو واضح ہے لیکن مال سے کیا مراد ہے جو اس سے واپس آتا ہے؟

الجواب :- اس حدیث میں مالہ سے مراد غلام، کنیز، خیمے، زائد از کفن چادریں، چارپائی وغیرہ اور وہ سامان جو تدفین کے وقت قبرستان میں کام آتے ہیں اور پھر واپس کئے جاتے ہیں۔

قال العلامة ملا علی القاری: یتبعہ اہلہ ای اولادہ واقاریہ و اہل صحبتہ و معرفتہ و مالہ کالعبد والاموال والذیابۃ والخیمۃ و نعوہا قال المطہر اراد بعض مالہ و هو مما لیکہ وقال الطیبی: اتباع الاہل علی الحقیقۃ و اتباع المال علی الاتساع فان الماء جینئذ لہ نوع تعلق بالمیت من التجهیز والتکفین ومؤنۃ الغسل والحمل والدفن فاذا دفن انقطع تعلقہ بالکلیۃ وعملہ فیرجع اہلہ و مالہ و یبقی عملہ۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۵۶ کتاب العتاق الفصل الاول) لے

مقدمہ صحیح مسلم میں ضمائم خطاب کا مرجع | سوال :- جناب مفتی صاحب! صحیح مسلم کے مقدمہ میں ”جو عبارات خطاب کے ضمائم سے ذکر کئے ہیں، مثلاً یرحمک اللہ، لما سہل الانتصاب لما سہلت وغیرہا۔

لے قال العلامة ابن حجر العسقلانی: قوله یتبعہ اہلہ و مالہ و عملہ ہذا یقع فی الاغلب ورب میت لا یتبعہ الا عملہ فقط والمراد من یتبع جنازتہ من اہلہ و رفقتہ ودوابہ علی ما جرت بہ عادۃ العرب واذا انقضی امر الحزن علیہ رجعوا بسواء اقاموا بعد الدفن ام لا۔۔۔۔۔ قال الکرمانی: التبعية فی حدیث انسؓ بعضہا حقیقۃ وبعضہا مجاز فیستفاد منہ استعمال اللفظ الواحد فی حقیقۃ و مجازۃ۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۱۵ کتاب الوفاق الفصل الاول) و مشکئہ فی حاشیۃ مشکوٰۃ المصابیح للعلامة تبریزی ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوفاق الفصل الاول)

تو ان ضما ئر خطاب کا مرجع کون ہے، حل فرما کر ممنون فرمائیں؟
الجواب :- مقدمہ مسلم شریف میں جتنے ضما ئر خطاب کے آئے ہیں اُن کا مرجع یا تو
 امام مسلمؒ کا کوئی شاگرد ہے یا کوئی دوست معاصر! جیسا کہ مسلم شریف کے سبب تالیف
 اور ضرورت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

قال الشيخ المفتي محمد فريد مد ظله العالی : ذكر في بعض حواشي مسلم
 ان الخطاب لهذا اما بعض تلامذته واما معاصرة المصاحب له -

(فتح المنعم شرح مسلم ص ۱۷)

سوال :- جناب مفتی صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 مہر نبوت میں لکھائی کی تحقیق کے مبارک کندھوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی تو اس
 میں کوئی چیز لکھی ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب :- مہر نبوت میں کیا لکھا ہوا تھا، اور تھا بھی یا نہیں! علماء کا اس بارے میں
 اختلاف ہے۔ علامہ ابن حبانؒ وغیرہ نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ
 لکھا ہوا تھا، جبکہ بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سرفانت المنصور لکھا
 ہوا تھا، مگر بعض دوسرے اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی
 ہیں اور مہر نبوت پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔

قال العلامة ملا علی قاری : وقال العسقلانی : ورواية كاتر مجسم او كركية
 عن اوكشامة خضراء او سوداء مكتوب فيها محمد رسول الله او سرفانت المنصور
 لم يثبت منها شيء وتصحيح ابن حبان (جمع الوسائل في شرح الشائل ج ۱ ص ۱۷۱ باب ما جاء في خاتم النبوة) ۲
 لہ قال محمد طہری : اس کا مخاطب ابواسحق ابراہیم راوی صحیح مسلم ہے اور یہ سبب تالیف کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں کا
 یہ مطالبہ ہوا کہ میں احادیث متداولہ میں اسناد سمیت ایک ایسا مختصر مجموعہ مدون کروں۔ الخ

(عمدة المفہم فی حل مقدمہ مسلم ص ۲۳)

لہ اخبارنا نصیر بن الفتح بن سالم الرقی العابد بسمرقند : حدثنا رجاء بن مرچی الحافظ حدثنا
 اسحاق بن ابراہیم القاضي بسمرقند حدثنا ابن جریر عن عطاء عن ابن عمر قال کان خاتم
 النبوة فی ظهر رسول الله مثل البتقة من لحم عليه مكتوب محمد رسول الله -
 (الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان ج ۸ ص ۸۷ رقم حدیث : ۶۲۶۹ باب ذکر حقيقة الخاتم)
 ومثله فی خصائل ترمذی شرح شمائل ترمذی ص ۲۸ باب ما جاء فی خاتم النبوة -

حدیث فانہا تذاہب حتی تسجد تحت العرش الخ کی تشریح | سوال ۱۔ بخاری شریف

کی ایک حدیث ہے : عن ابی ذر قال کنت مع النبی فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا ابا ذر اتمی ایئت تغرب الشمس قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہا تذاہب حتی تسجد تحت العرش فذلک قولہ تعالیٰ : وَالشَّمْسُ تَجْرٰی لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (سورۃ یس) اب سوال یہ ہے کہ تمام ممالک کے اوقات جدا جدا ہیں۔ مثلاً یہاں پاکستان میں رات ہے تو کئی دوسرے ممالک میں دن ہوتا ہے، اب اگر ہم یہاں سے رات کے بارہ بجے یہ خبر نشر کریں کہ سورج عرش کے نیچے سجدے میں ہے تو اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں صبح کے اٹھ بجے ہوں گے وہاں کے لوگ کہیں گے کہ یہاں تو سورج چمکتا ہٹا دکھائی دے رہا ہے لہذا یہ بات درست نہیں کہ اس وقت سورج عرش الہی کے نیچے سجدے میں ہے۔ تو ہر اٹے مہربانی حدیث کی تشریح فرمائیں ؟

الجواب :- رفع اشکال کے لیے علماء امت نے اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مثلاً علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی روح اوپر جا کر سجدہ کرتی ہے جو کہ سورج کی حرکت کے ساتھ معارض نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ غروب بہ نسبت معظم معمرہ کے مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ عرش تمام کائنات کے اوپر ہے اور سورج اپنی رفتار کے وقت ضرور عرش کے نیچے سے گزرے گا اس لیے اس میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے البتہ ماوراء العقل ضرور ہے، چونکہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے جس کا تعلق وحی سے ہے اس لیے ہم اس کے ادراک اور مشاہدہ کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ہمیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قال العلامة بدم الدین العینی رحمہ اللہ : الامراضات السبع فی ضرب المثال کقطب الریحی والعرش العظیم ذاتہ کالوچی فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش وذلک مستقرہا۔۔۔۔۔ السموات والارضون وغیرہا من جمیع العالم تحت العرش فاذا سجدت الشمس فی ای موضع یصح ان یقال سجدت تحت العرش۔۔۔۔۔ لا یتکران یمکون لہا استقرار تحت العرش من حیث لا تدرکہ ولا نشاہدہ وانما اخبر

عن غيب فلا تكذبه ولا تكفوه ان علمنا لا يحيط به - (عبد القادر شريح
صحيح البخاري ج ۱۵ ص ۱۱۹ باب صفة الشمس والقمر بحسبان - كتاب بدء الخلق م ۱۷

حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ الْخِ كَامَطْلَب | سوال :- جناب مفتی صاحب !
کئی دنوں سے ایک سوال ذہن

میں کھٹک رہا ہے کہ حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے تو معلوم ہوتا ہے
کہ کفار کے ساتھ مطلقاً بہت اختیار کرنا ممنوع ہے، حالانکہ آج کل بہت سارے
امور میں مسلمان کفار کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے ؟
الجواب : حدیث کے یہ الفاظ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مگر اس میں کفار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا مراد نہیں بلکہ
اُن امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے جو ان کے مذہبی اور دینی شعار یا رسم و رواج
ہوں جیسے زنا وغیرہ پہنتا ۔

قال العلامة طیبی رحمہ اللہ : (قوله مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ) هذا عام
في الخلق والخلق والشعار واذا كان الشعار اظهر في التشبيه ذكر في
هذا الباب - (شرح طیبی ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب اللباس - الفصل الثاني) ۲۷

۱۷ قال العلامة قسطلانی رحمہ اللہ : والجواب ان الارضين السبع في
ضرب المثال كقطب رخی والعرش العظيم ذاته بمثابة الرخی فاینما
سجدت الشمس سجدت تحت العرش ۔ الخ (اشاد الساری شرح صحيح البخاري
ج ۵ ص ۲۵۸ باب صفة الشمس والقمر - كتاب بدء الخلق)

وَمِثْلُهُ فِي عَوْنِ الْبَارِي لِحُلِّ اِدْلَةِ الْبُخَارِيِّ ج ۲ ص ۲۷ غروب الشمس سجودھا تحت العرش ۔
۲۷ قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمہ اللہ : ان امور میں تشبیہ جو کفار کا مذہبی
شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنا وغیرہ پہنتا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب
کا شعار ہے اس میں تشبیہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے ۔ (امداد الاعکام ج ۲ ص ۲۸۶
کتاب ما يتعلق بالحديث والسنّة)

وَمِثْلُهُ فِي مِرْقَاةِ الْمَفَاتِيحِ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۸ ص ۲۵۵ کتاب اللباس - الفصل الثاني ۔

تطبیق بین الاحادیث | سوال :- وارثی کو خضاب کرنے کے بارے میں درج ذیل چند احادیث بندہ کے علم میں ہیں جن کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا، قبل ازیں حرمت کی وجہ یہ گردانتا تھا کہ چونکہ خضاب وسمہ حرام ہے کہ یہ جرم پکڑتا ہے جس کی وجہ سے وضو میں خلل پڑتا ہے، اب دورِ جدید کی کالی مہندی میں یہ علت نہیں پائی جاتی لہذا اس کا استعمال جائز ہوگا، لیکن احادیث میں ترجیح نہیں دے سکتا اور آپ سے رجوع کرنا ضروری سمجھتا ہوں لہذا آپ سے استدعا ہے کہ مدلل جواب سے مستفید فرما کر ممنون فرمائیں، احادیث درج ذیل ہیں :-

(۱) عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیر بہ الشیب الخناء والکثم۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی)

(۲) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی آخر الزمان ینضیون بهذا السواد کعواصل الحمام لایجدون رائحة الجنة۔ (رواہ النسائی و البوداؤد)

(۳) عن ابن عباسؓ قال مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن هذا قال قمر آخر قد خضب بالحناء والکثم فقال صلی اللہ علیہ وسلم هذا احسن من هذا ثم مر آخر قد خضب بالصفرة فقال هذا احسن من هذا کلہ۔ (رواہ البوداؤد)

(۴) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ولا تشبہوا بالیہود۔ (رواہ الترمذی)

الجواب :- احادیث میں کوئی تعارض نہیں، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت محمول ہے خالص سیاہ خضاب پر اور احادیث الاجازۃ محمول ہے غیر خالص سیاہ خضاب پر۔
(هذا ما يفهم من معتبرات الفقه)

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ کی تحقیق و تشریح | سوال :- جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل

اور تکمیل بھی فرمادیں، حدیث شریف یہ ہے: ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ۔ اَوَّلُ حَصَّةٍ يَأْتِيَنَّ دُورًا دُورًا
تیسرا حصہ غالباً یہ ہے: هُوَ اِمْتِنَاعٌ وَاعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ ۹

الجواب :- مکمل حدیث یہ ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ. فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ
بِالْحَقِّ فِي الرِّضَاءِ وَالسُّخْطِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغَنَى وَالْفَقْرِ. وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوَى مُتَّبِعٌ وَشَحْ
مُطَاعٌ وَاعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ اَشَدُّ هُنَّ - (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ باب الغضب والکبر)
مختصر تشریح درج ذیل ہے: (منجیات) ۱۔ (خوف)

ارشاد نبویؐ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ہلاکت سے بچانے اور نجات
دلانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں، یہ تین صفات جس شخص میں بھی پائی جائیں
گی وہ ہلاکت سے محفوظ اور کامیابی سے ہمکنار رہے گا۔

پہلی صفت یہ ہے کہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں وہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ
جس آدمی کے دل میں خوف خداوندی اس درجہ میں موجود ہو کہ وہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں
اللہ تعالیٰ سے یکساں طور پر ڈرتا ہو وہ یقیناً دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تباہیوں سے محفوظ اس بنا پر
رہے گا کہ اس سے نہ تو حقوق اللہ تلف ہوئے ہوں گے اور نہ حقوق العباد۔ وہ دونوں حالتوں میں
حدود اللہ کا پابند رہے گا۔ اور ہلاکت و تباہی میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو حدود اللہ کو بُری طرح پامال
کرتے رہتے ہیں، اور کامیابی سے بھی اس بنا پر وہ ہمکنار رہے گا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی
نے دنیا میں اچھی زندگی اور آخرت میں جنت کا وعدہ فرمایا ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى
النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى - (الآیہ) ”جو لوگ کل قیامت کے دن خدا کے
سامنے کھڑے ہونے سے ڈریں اور خواہشات نفس کی ناجائز پیروی کو چھوڑ دیں، اُن کے ٹھکانے
کی جگہ جنت ہی ہے۔“ دنیا میں اچھی زندگی کا وعدہ اس آیت کریمہ میں موجود ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِنْ دَكْرٍ اَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً - (الآیہ) ”جو شخص (خوف خداوندی کی
وجہ سے) عمل صالح کا پابند ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، اُسے ہم دنیا میں اچھی زندگی دیں گے۔“

۲۔ (قول بالحق)

دوسری صفت جس پر نجات کا مدار ہے ہر حالت میں قول بالحق حتی بات کہنی ہے، خواہ کسی سے خوش ہو یا ناراض، دوست کے ساتھ ہو یا دشمن کے ساتھ، ارشاد نبویؐ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کے اصولوں کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑا جائے، نہ حق بات کہنے سے سر مو اتحراف کیا جائے بلکہ حق گوئی کو ہر وقت اپنا شعار بنایا جائے، خواہ دشمن قوم سے سابقہ کیوں نہ پڑے، یہ بھی ایک ایسی بہترین صفت اور انسانی کمال ہے کہ نہ صرف یہ کہ مومن اور مسلم کے لیے دنیا و آخرت میں ذریعہ نجات اور کامیابی کی ایک گنجی ہے بلکہ بلا امتیاز مذہب اور قوم و نسل کے جس شخص یا قوم میں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہ بین الاقوامی عزت کے مستحق اور عام و خواص، دوست و دشمن سب کے دلوں میں ایسے لوگ محبوب ہی ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کا تاکید می حکم دیتا ہے، اور اس سے کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا أَمَانٌ وَالْوَاخِدَ الْكَافِرِ
خاطر حق کے گواہ بن کر عدل و انصاف پر ہمیشہ قائم رہو، اور کلام بجز مٹکھڑ شتان قوم علی
أَنْ لَا تَعْدِلُوا ۚ (الآیہ) ”کسی قوم کے ساتھ بغض و عناد تمہیں ظلم اور بے انصافی پر آمادہ نہ کرے“
اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (الآیہ) ”تمہیں حکم ہے کہ سچے اور حق گو لوگوں کے ساتھ رہو“

(۳) اعتدال : تیسری وہ صفت جس پر انسانی نجات کا دار و مدار ہے اعتدال ہے، ارشاد نبویؐ کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان ہر حالت میں خواہ فراخی رزق کی حالت ہو یا فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت ہو اعتدال کو ملحوظ رکھے، نہ بے جا اسراف اور فضول خرچی کرے نہ بخل اور کنجوسی کو اپنا شعار بنائے کہ خرچ ہی نہ کرے۔ راہ اعتدال کو اپنانے سے ایک طرف تو انسان کی اقتصادی حالت پر خراب اثر نہیں پڑے گا اور معاشی زندگی میں مشکلات سے دوچار نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

مَا أَفْتَقَرُ مِنْ أَقْتَدٍ ۖ ”صاحب اعتدال آدمی کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا“ اور دوسری طرف وہ اس مہلک بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے جو شیخ کے نام سے موسوم ہے جس کا ذکر مہلکات کی فہرست میں آئے گا۔ یہی وہ صفت ہے جسے قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نشانی قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتَدُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۚ (الآیہ) ”اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ مقدار مطلوب سے کمی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان راہ اعتدال پر رہتے ہیں“

یہ تو منجیات کی مختصر تشریح ہوئی، اب ذیل میں مہلکات کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:-

مہلکات | ہوائے نفس : انسان کو دنیوی و اخروی دونوں قسم کی ہلاکتوں میں ڈالنے والی صفات ہیں، ان سے اگر انسان اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھے تو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائے۔ پہلی صفت ہوائے نفس کی ناجائز پیروی اور خواہشات کی اتباع ہے جس کو حدیث میں ہوائی متبع کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ”ہوائے نفس“ ایسی مہلک اور خطرناک بیماری ہے کہ جب ایک دفعہ انسان اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے، ہدایت الہی کے تمام دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور گمراہی کے تمام دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، بالآخر انسان کو ہلاکت کے کسی نہ کسی گڑھے میں گرنا ہی پڑتا ہے، دنیا میں گمراہی کا شکار ہوگا اور آخرت میں جہنم کے سوا کوئی بھی جائے پناہ اسے نہیں ملے گی۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) اقْوِ اٰیٰتَ مَنْ اَتَّخَذَ الْهَوٰۃَ وَاَضْلٰہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰی قَلْبِہٖ وَسَمِعَہٗ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ عِشَاقَۃً فَمَنْ یَّہْدِیْہٖ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ اَفَلَا تَذٰکُرُوْنَ (سورۃ) کیا تم بتلا سکتے ہو کہ جن لوگوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا اور معبود بنایا ہے جس کے پیچھے وہ چل پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر علم کے باوجود انہیں گمراہ بنایا ہے، تو خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے جو انہیں راہ حق دکھا سکے؟ تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے ہو؟

(۲) فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَآثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاوٰی (سورۃ) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے باغی ہو کر سرکشی کی روش اختیار کریں اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیں تو وہ یہاں سے پلٹ کر جہنم ہی میں جانے والے ہیں۔

(۲) **شع مطاع** : دوسری مہلک اور تباہ کن صفت انسان کے لیے حرص اور بخل کی اطاعت ہے، یہ خصلت بھی ایسی بری خصلت ہے کہ جب یہ نفس انسانی میں راسخ ہو کر اسے اپنا محکوم اور تابع بنا دے تو پھر اس سے آزادی غیر معمولی جہاد کے بغیر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور ہو جاتی ہے۔ اس کے تابع اور محکوم انسان تمام زندگی میں لازمی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بری طرح پامال کرتا رہے گا، جس کا انجام اس کے حق میں ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اسی بنا پر قرآن کریم واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ : وَمَنْ یُّؤْتِ شَحَّ لَفِیْہٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ) وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو بخل اور حرص کی اطاعت سے محفوظ رہیں۔

اور جو لوگ حرص اور بخل کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں قرآن کریم نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر یہاں امتحان کی چند روزہ زندگی میں اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو آخرت میں تم سخت ہلاکت اور تباہی میں

میں مبتلا ہو کے رہو گے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ مِمَّا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (سورة بھلوگ خدا کی دی ہوئی نعمت مال پر بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ بخل ان کے لیے مفید ثابت ہوگا، یہ بخل ان کے لیے انتہائی مضر ہے، قیامت کے روز بخل کیا گیا مال ایک اژدہا بن کر ان کے گلے میں بصورتِ طوق پڑا رہے گا۔ بخل اور حرص کے مابین تلازمہ ہے، ایک ہوگا تو دوسرا بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اور جو انجام ایک کا ہوگا دوسرے کا بھی وہی انجام ہوگا۔

(۳) اعجاب نفس: تیسری وہ صفت جو نہ صرف انسان کے لیے مہلک ہے بلکہ مہلکات کی فہرست میں صدر کا مقام رکھتی ہے۔ اعجاب خود بینی اور تکبر کی صفت ہے۔ خود بینی اور تکبر کو تمام مہلکات سے بڑھ کر مہلک اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان میں بندگیِ رب کا بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور وہ اطاعتِ خداوندی کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ یہ صفت اُسے خود خدائی اور الوہیتِ ربوبیت کے خواب دکھانے لگتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر لیتا ہے۔ فرعون نے اسی کی وجہ سے اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی کا نعرہ بلند کیا تھا۔ نمرود بھی اسی کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں اَنَا اُنْحٰی وَاُمِّيْتُ کہہ گیا تھا، ابو جہل اسی کی برکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ غزوہ حنین میں اعجاب ہی کی بدولت مسلمانوں کو پہلی شکست مل گئی۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذَا اَعْجَبَتْكُمْ كُنُوزُكُمْ فَلَمْ تَغْنُ عَنْكُمْ كَثْرَتُكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ اَلْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ (سورة ع) اعجاب اور تکبر ہی وہ صفت ہے جو بہت جلد انسان سے اپنی حقیقت کو بھلا دیتی ہے اور آہستہ آہستہ خدائی کے دعویٰ کے لیے تیار کرتی رہتی ہے۔

میرے ناقص علم میں اس وقت حدیث کی جو مختصر تشریح تھی وہ عرض کر دی گئی ہے، پوری تشریح کے لیے مزید وقت درکار ہے۔ بہر حال حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات میں سے ہے جو جوامع الکلم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلِيمًا نَحِيْرًا
 الْأَمْرَ فَاتَّبَعْنَا هَا

کتاب السلوک

رتصوف کے احکام و مسائل

شریعت اور طریقت کی حقیقت | سوال :- شریعت اور طریقت ایک ہی چیز ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے ؟

الجواب :- شریعت احکام تکلیف کے مجموعہ کا نام ہے، چاہے اعمال ظاہری ہوں یا اعمال باطنی، اسی وجہ سے متقدمین علماء کی اصطلاح میں لفظ فقہ امر مجموع کے مترادف سمجھا گیا تھا چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے :

”هو معرفة النفس ما لها وما عليها“ (توضیح و تلویح ص ۲۸ بحث تعریف فقہ)
البتہ متاخرین علماء نے اس میں ذرا سی تبدیلی کی ہے یعنی اعمال ظاہری کو شریعت اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت میں تقسیم کیا ہے لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لیے جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی: ظاہر را بظاہر شریعت و باطن را بباطن شریعت کہ عبادت از حقیقت است، متجلی و متضمن دارند چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقت شریعت است، و طریقت آن حقیقت نہ آنکہ شریعت امری دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر کہ الحاد و زندقہ است۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۷۷ جلد ۱ ص ۷۷)

بیعت کی حقیقت | سوال :- بعض لوگ بیعت کو صرف جہاد سے مخصوص مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیری مریدی کے نام سے جو بیعت مروج ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک خود ساختہ رسم ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے ؟
الجواب :- مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس ہر مسلمان پر لازم ہے، اس زمانے میں

لے قال الشاہ غلام علی: در بیان آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان برنگ دیگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)
وَمِثْلُهُ فِي الْمِرْقَاةِ شَرْحَ مَشْكُوتِ ج ۱ ص ۵۲۶ کتاب العلم۔ الفصل الثالث۔

مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس تصوف سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اس بات پر اکثر مشائخ متفق ہیں، اور مرتبہ احسان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک۔ اور بیعت مسنونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ثابت ہے۔

لما قال خطیب ولی الدین التبریزی: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۱ کتاب الایمان، الفصل الاول
وقال شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃً علی الهجرة والجهاد وتارۃً علی اقامة اماكن الاسلام۔ الم (شفاء العلیل بقول الجلیل ص ۱۵ پہلی فصل) لے

پابند شریعت شخص کی بیعت کا حکم | سوال: کیا کسی کامل مرشد سے بیعت کرنا سنت ہے یا واجب؟ اس بارے میں راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- اگر کوئی پابند شریعت مرشد مل جائے تو باطنی صفائی کے لیے اس کی بیعت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے، اس لیے کہ اپنی اصلاح کا فکر کرنا ضروری ہے۔

كما قال الشاہ ولی اللہ دہلوی: فاعلم ان البيعة سنة وليس بواجبة۔
(شفاء العلیل بقول الجلیل ص ۲۱ دوسری فصل) لے

لے قال العلامة فقیر اللہ الحنفی: وهي سنة ليست بواجبة لان الناس بايعوا النبي صلی اللہ علیہ وسلم وتقرّبوا بها الى الله تعالى وما وجدنا الدليل على تأثم تاركها ولم ينكر احد من الائمة للمحدثين من الصحابة والتابعين على تاركها فكان الاجماع السكوتي على انها ليست بواجبة اهـ
(قطب الارشاد ص ۵۴۳ بحث تکرار البيعة ماثوره)

لے قال العلامة فقیر اللہ الجلال آبادی: وهي سنة ليست بواجبة لان الناس بايعوا النبي الخ۔ (قطب الارشاد ص ۵۴۳ بحث تکرار البيعة ماثوره)
وَمِثْلُهُ فِي اَنْوارِ الْقُدْسِيَةِ ص ۵

مرشد کے لیے شرائط کا تذکرہ | سوال :- کسی کو بیعت کرنے والے مرشد میں کیا شرائط ضروری ہیں یا ہر شخص کسی کو بیعت کر سکتا ہے ؟

الجواب :- مرشد چونکہ فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور وصول الی اللہ میں مدد دیتا ہے اس لیے علماء حق نے اس اہم منصب کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی ہیں :-
(۱) وہ شخص عالم ہو (۲) متقی ہو (۳) زاہد فی الدنیا اور آخرت میں رغبت والا ہو (۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہو (۵) مشائخ کا صحبت یافتہ ہو — جس شخص میں یہ شرائط پائی جائیں تو اس سے بیعت ہونا یا اس کا کسی کو بیعت کرنا جائز ہے، ان شرائط کی عدم موجودگی میں کسی کو بھی بیعت لینے سے حق حاصل نہیں۔

لما قال الشاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ :- فشرط من یاخذ البیعة امور اعدادھا علم الکتاب والسنة، والشرط الثانی العدالة والتقوی، والشرط الثالث ان یکون زاہداً فی الدنیا راغیا فی الآخرة، والشرط الرابع ان یکون امراً بالمعروف ناہیاً عن المنکر، والشرط الخامس ان یکون صحبت المشائخ وتادب بہم دھراً طویلاً واخذ منهم لنور الباطن والسکينة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۳ تا ۳۰ الفصل الاول حکمت بیعت) لے

عورت کے لیے بیعت کا حکم | سوال :- کیا پیری مریدی میں زنانہ کے لیے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی خصوصاً جبکہ عورت غیر محرم ہو؟

الجواب :- آج کل مشائخ سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ دراصل بیعت توبہ ہے لہذا جب کسی شیخ میں جملہ شرائط موجود ہوں اور پردہ کا بھی اہتمام ہو تو خواتین کا مرشد سے

لے قال الشاہ غلام علی رحمہ اللہ :- پیر کے است کہ تبع سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باشد ظاہراً و باطناً و تارک بدعت و بر عقیدہ بزرگان سلف مانند حضرت غوث الثقلین و شیخ الاسلام گنج شکر مستقیم بود و از علم ضروری فقہ بہرہ داشتہ باشد الخ۔
(مکتوبات شاہ غلام علیؒ ص ۱۹ مکتوب ہشتاد و پنجم (رسالہ اول)
و مثلاً فی مرصاد العباد للشیخ نجم الدین کبریؒ ص ۱۵۰

سے بیعت ہونا جائز اور مخصص ہے۔

كقوله تعالى: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ -
(سورة الممتحنة آیت ۱۲)

لیکن یہ بیعت تو یہ ہوگی اور اس میں ہاتھوں کو مس نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھوں کو مس نہیں کیا تھا۔

کہا ذکر الامام البخاری: ان عائشة زوجة النبي اخبرته ان رسول الله كان يمتحن من هاجر اليه من المؤمنات بهذه الآية بقول الله: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَى قَوْلِهِ غُفُورٌ رَحِيمٌ — قال عروة قالت عائشة فَمَنْ أَقْرَبُ هَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ. قال لها رسول الله ﷺ قَدْ بَايَعْتُكَ كَلَاوَلَا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدَهُ يَدُ

امراة قط في المبايعة۔ (الجامع الصحيح البخاری ج ۲ سورة الممتحنة۔ باب اذا جاءكم المؤمنات) باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو کس طرح بیعت فرمایا کرتے تھے، تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں عورتوں کے ہاتھوں کو ڈال کر مس کیا ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں ابن مردودی سے نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۸ ص ۸۱ پ ۲۸ آیت ۱۲ سورة الممتحنة)

مگر اس کی تصریح میں تامل کیا ہے۔

مشائخ صوفیاء کرام کے ہاں عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ مختلف چلا آ رہا ہے بعض مشائخ پانی میں ہاتھ ڈال کر عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے، جیسا کہ شاہ کلیم اللہ جان آبادی کے خلیفہ خاص شیخ نظام الدین اورنگ آبادی نے ”نظام القلوب ص ۵ میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس بات پر تمام مشائخ صوفیاء متفق ہیں کہ اگر نامحرم عورت بیعت ہو، چاہتی ہو تو پردہ میں بیٹھ کر بیعت لی جائے گی۔

کما قال محمد دالف ثانی: نوشته بودند بعضی عورت طلب مشغولی می نمایند اگر محارم اند چه مانع است والا و پردہ بنشیند و طریقه را اخذ نمایند۔ (مکتوبات جلد ۲۸ دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۶ ص ۱۷)

لہ قال محمد عبد اللہ الحنفی الخالدی النقشبندی: وقال رضى الله عنه هجيباً لمن سأل عن طريق التبليغ للنساء ان المرأة محرمة قاي مانع والا فتجلس وراء الحجاب وتأخذ الطريقة۔ (الهمجة السنية في

آداب الطريقة النقشبندية ص ۴۲ فصل في بيان ما يتعلق بالاخذ والشروع في سلوك الطريقة العلمية)

بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم | سوال :- کیا کسی بدعتی اور ناقص پیر سے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پیر و شیخ چونکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اس کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیئے، بدعتی اور ناقص پیر کی بیعت کرنا اپنے آپ کو تباہی کے دھلے تک لے جانے کے مترادف ہے اس لیے ایسے کسی بھی پیر سے بیعت نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ شرائط ارشاد میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شیخ کا عقیدہ و عمل بھی ٹھیک ہو اگر عمل و عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ و سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ شخص شیخ یا پیر نہیں ہو سکتا۔

کما قال مجدد الف ثانی؛ وقوی ترین اسباب فتور و طلب انابت شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب راصحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱ ص ۱۲۱ مکتوب ۶۱) ۱

بیعت توڑنے کا حکم | سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی اب اس میں کچھ خلاف سنت و شریعت امور پیدا ہو چکے ہیں تو کیا میں اس کی بیعت توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- شیخ اور مرشد کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور غیر تبع سنت شخص سے بیعت نہیں کرنا چاہیئے، جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا وہ شیخ ناقص ہے اور اس کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔

کما قال مجدد الف ثانی؛ وقوی ترین اسباب فتور و طلب انابت شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب راصحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱ ص ۱۲۲ مکتوب ۶۱) ۲

الحمد لله قال شاه ولي الله محدث الدهلوي رحمه الله: والشرط الثاني العدالة والتقوى فيجب ان يكون مجتنباً عن الكبا تر غير مصر على الصفا تر۔
(شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مرشد)
وَمِثْلُهُ فِي الْمُرْصَادِ الْعِبَادِ ص ۱۵۸

فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا | سوال :- کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو بیعت

توڑنا کیسا ہے اور اگر فائدہ ہوتا تو پھر توڑنا کیسا ہے ؟
الجواب :- کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اگر کوئی فیض حاصل نہ ہوتا ہو تو دوسرے کسی تابع سنت مرشد سے تجدید بیعت جائز ہے اور اگر فائدہ حاصل ہوتا ہو تو پھر بیعت توڑنا صحیح نہیں اس سے آدمی میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا شخص مشائخ کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔

كما قال شاه ولي الله محدث دهلوی : فاعلم ان تكرار البيعة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ثور وكذا لك عن الصوفية اما من شخصين فان كان بظهور نحل في من بايعه فلا بأس وكذلك بعد موته او عيته المنقطعة واما بلا عذر فانه يشبه المتلاعب ويذهب البركة ويصرف الشيوخ عن تعهده۔
(شفاد العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت) لہ

بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم | سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مشرکانہ و بتدعائے عقائد رکھتا

ہے اب اس کی بیعت توڑنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- ایک مسلمان کے لیے عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جو شیخ مشرکانہ و بتدعائے عقائد رکھتا ہو وہ شیخ ناقص ہے اور شیخ ناقص سے بیعت حرام ہے۔ لہذا اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بیعت توڑنا ضروری ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی رحمہ اللہ : وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صاحب اوسم قاتل

لہ قال الشاہ غلام علیؒ : قال العلامة فقیہ اللہ اما من الشخصين فان كان بظهور الحلل فيمن تبعه فلا بأس۔ (قطب الامشاد ص ۵۴۲ بحث تکرار البيعة ما ثور)

است وانا بت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱۲۴ مکتوب ۶۱) ۱۔
مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا | سوال ۱۔ اگر کسی کا مرشد

دوسرے قبیع شریعت مرشد سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب:۔ مرشد کی وفات کے بعد کسی قبیع شریعت مرشد سے بیعت ہوتا
 صحیح ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو سکے۔
 لما قال شاه ولی الله؟ وکذا لك بعد موته وعيبتة المنقطعة۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت) ۲۔
ذکر حدادی کا طریقہ اور اس کی حقیقت | سوال ۱۔ جناب مفتی صاحب! صوفیاء
 کے ہاں ذکر حدادی کی ایک اصطلاح مشہور

ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟
الجواب:۔ ذکر حدادی اسلاف سے منقول ہے کہ دوزانو بیٹھ کر کلمہ لا الہ کو دل
 سے ادا کرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور لفظ لا الہ کو تصور میں آسمان
 سے پکڑے اور دونوں ہاتھوں سے دل پر ضرب لگائے، ذکر کا یہ طریقہ ذکر حدادی
 کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

كما قال الولی الکامل شیخ نظام الدین: طریق ذکر حدادی دوزانو بنشیند چنانچہ
 ہر دوسری بر زمین باشد و کلمہ لا الہ را از دل کشیدہ ہر دو دست دراز کردہ بطرف
 آسمان برو لفظ لا الہ از آسمان گرفتہ ہر دو دست بستہ بر دل سخت ضرب کنند

۱۔ قال شاه ولی الله رحمه الله: والشرط الثاني العدالة والتقوى۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مرشد)

وَمِثْلُهُ فِي الْمِرْصَادِ الْعِبَادِ ص ۱۵۸

۲۔ قال العلامة الشاه الشكارپوری: وكذا لك بعد موته والغيبة المنقطعة۔

(قطب الارشاد ص ۵۲۳ تکرار البیعة ماثور)

وَمِثْلُهُ فِي مَكْتُوباتِ مُجَدِّدِ الْفِثَانِ ج ۲ ص ۱۵۸ مکتوب ۶۳۔

فائدہ بسیار و تاثیر بے شمار است۔ (نظام القلوب ص ۲۳)

صلوٰۃ معکوس کا حکم | سوال :- صلوٰۃ معکوس پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟
الجواب :- صلوٰۃ معکوس اصل میں ایک مجاہدہ ہوتا ہے اور مجاہدہ میں نقل ضروری نہیں۔ اگرچہ مشائخ چشت میں اس کا ذکر تو پایا جاتا ہے مگر دوسرے ائمہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا، ہم اس کو نماز مجاز کہا جاتا ہے۔

لما قال شاه ولي الله ح، وللمحشقة صلوٰۃ تسبی صلوٰۃ المعکوس لم نجد من السنة ولا اقوال الفقهاء ما نشدها به فلذلك حذناها والعلم عند الله۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۸۶ صلوٰۃ المعکوس)

ذکر میں دل پر ضربیں لگانا | سوال :- بعض صوفیاء کرام ذکر میں دل پر ضربیں لگاتے ہیں کیا ذکر کرتے وقت ایسا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- شرعی اعتبار سے ذکر میں ضرب برائے تصفیۂ باطن اور بطور علاج کیا جاتا ہے کوئی ضروری عمل نہیں مگر جائز ہے، علماء راسخین نے ضرب مع الذکر کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

كما قال شاه ولي الله ح، فمنه اسم الذات اما بضربة واحدة وصفته ان يقول الله بالشّد والمد والجهر بقوة القلب والخلق جميعاً ثم يلبث حتى يعود اليه نفسه ثم يفعل هكذا وهكذا۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۵۸ چوتھی فصل مشائخ جیلانیہ ص ۱۷)

ذاکرین پر وجد طاری ہونے کا حکم | سوال :- بعض ذاکرین پر دوران ذکر وجد طاری ہو جاتا ہے، کیا ذکر کرتے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذاکر پر وجد و جذب کا آنا حق ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں، اس لیے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و غل نہ ہو تو جائز ہے لیکن کسی کمال

لما قال العلامة شکارپوری ح، اوبضربة بان يقول الله بالشّد والمد والجهر بقوة القلب
 (قطب الارشاد ص ۵۳۹ الطرق الى الله تعالى بعد دافاس المخلوقات
 ومثله في نظام القلوب ص ۱۵)

کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے۔ تاہم عصر حاضر میں ذاکرین پر وجہ کا آنا ایک رسم بن چکا ہے جو کمال کی دلیل سمجھی جاتی ہے اس لیے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

مما قال العلامة ابن عابدین: التحقيق القاطع للنزاع في امر الرقص والسماع ليستدعي تفصيلاً ذكره في العوارف المعارف واحياء العلوم وخلاصة ما اجاب به العلامة التحرير ابن كمال پاشا بقوله ۛ

ما في التواجد ان تحقت من حرج ولا التمايل ان اخلصت من بأس
فمقت تسمى على رجل وحق لمن مولاة ان يسعى على الرأس
الرخصة فيما ذكر من الاوضاع

ۛۛۛ المختار ج ۴ ۛۛۛ كتاب البيوع - ياب المرتد

ذکر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کرنے کا حکم | سوال: ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں نے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کیا ہے کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس دعویٰ سے ایمان پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

الجواب: اگر اس سے مراد مراقبہ یا خواب میں اللہ تعالیٰ سے معانقہ کرنا مراد ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے مراد حالت بیداری میں ہو تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے لہذا اس قسم کے دعویٰ سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: بعد بحث طویل - والحاصل ان الامة قد اتفقت على انه تعالى لا يراه احد في الدنيا بعينه - (شرح فقہ الاکبر ۱۲۳ روية الباقی جل شأنه في الدنيا ۲) ۛۛۛ قال العلامة داماد اندي رحمه الله: وفي التسهيل في الوجد مراتب وبعضه يسلب الاختيار فلا وجه للانكار بلا تفصيل - (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابرار ج ۲ ۛۛۛ فصل في المتضرقات)

وَمِثْلُهُ فِي طَعَاوِي شَرْحِ مِرَاقِي الْفَلَاحِ ۛۛۛۛۛ كتاب الكراهية -

ۛۛۛ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ان الامام رضي الله عنه قال رأيت رب العزة في المنام تسعاً وتسعين مرة -

ۛۛۛ المختار ج ۱ ۛۛۛ مطلب يجوز تقليد المعنول مع وجود الفضل

دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم | سوال :- بعض صوفیاء دلائل الخیرات کا ورد کرتے اور سائیکین کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب :- دلائل الخیرات کا اکثر حصہ چونکہ درود شریف پر مشتمل ہے اس لیے اسے بطور وظیفہ پڑھنا جائز ہے بلکہ ثواب کا کام اور رحمتوں کے نزول کا ذریعہ ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا باعث اجر و ثواب ہے۔

کما ذکر مسلم بن حجاج: عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی واحدة صلی اللہ علیہ عشراً۔ (صحیح مسلم ج ۱ باب صلوٰۃ علی النبی بعد التشہد) | سوال :- کیا اوراد و وظائف اور عملیات کیلئے عملیات میں اجازت شیخ کا حکم | شیخ کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ تعویذات اور دیگر عملیات میں اجازت شیخ کو ضروری تصور کرتے ہیں؟

الجواب :- اوراد و وظائف کے صرف پڑھنے میں تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں البتہ اگر شیخ کی اجازت ہو تو ان میں برکات اور فیض بیکاری ہوتا ہے۔

لما قال العلامة السیوطی: الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للاقتراء والافادۃ فمن علم من نفسه الاهلیۃ جازلہ ذلک وان لم یجزہ احد۔ الخ
والاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۳۵ الفصل الثالث فی کیفیۃ الاخذ بافراد القراءۃ

لما قال الخطیب ولی الدین تبریزی: وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی واحدة صلی اللہ علیہ عشراً۔
(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا)

وَمِثْلُهُ فِي الْقَوْلِ الْبَدِيعِ ص ۱۹

لما قال العلامة جلال آبادی رحمہ اللہ: الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للاقتراء والافادۃ فمن علم من نفسه الاهلیۃ جازلہ ذلک وان لم یجزہ احد، الخ۔ (قطب الامرشاد ص ۶۲۳ الخاتمة فی ذکر الاجازۃ)
وَمِثْلُهُ فِي اَمَدَادِ الْفَتَاوَى ج ۵ ص ۵۵۳ کتاب السلوک۔

مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا | سوال: سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے، شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟
الجواب:۔ مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانیہ میں سے منقول ہے، اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہیئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لما قال شاه ولي الله: اما هذه التصرفات عند كبارهم اصحاب الفناء في الله والبقاء به فلها شان عظيم واما عند سائرهم فالثاني في الطالب يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادها بالهمة التامة القوية ثم يستغرق في نسبة بالجمعية وهذا الخ. (شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۲۱ فصل تصرفات نقشبندیہ)۔
سوال:۔ اگر کسی شخص کا اورادو مہمان کے لیے اورادو وظائف چھوڑنے کا حکم وظائف کا معمول ہو تو مہمان

آنے کی صورت میں وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب:۔ اگر کسی شخص کا کوئی مہمان آجائے تو وہ دو قسم کا ہوگا یا تو اکثر آتا رہتا ہوگا یا کبھی کبھار آتا ہوگا، اگر مہمان اکثر آتا رہتا ہو تو پھر یہ شخص اپنے نفلی معمولات کو فقہاً نہ کرے اور اگر کبھی کبھار آتا ہو تو اپنے معمولات چھوڑ کر مہمان کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے۔

لما قال محافظ الدين محمد بن بزاز الكردي: نزل به ضيف وله ورد من النفل فان كان ينزل كثيراً فالورد افضل والا فلا اشتغال بالضيف افضل۔

(فتاویٰ بزازیہ علی هامش الہندیہ ج ۲ ص ۲۸ کتاب الصلوٰۃ نوع فیما یکرہ)
 ۱۔ قال فقیر اللہ جلال آبادی: والتصرفات الموجبة للکمال عند کبر المشائخ وسائرهم تصرفات اصحاب الفناء فی اللہ والبقایہ ولها شان عظیم فالثانی ترفی باطن الطالب ان یتوجه الشیخ الی نفسه الناطقة ویصادها بالهمة التامة القوية الخ
 (قطب الارشاد ج ۲ ص ۶۲ وللنقشبندیہ تصرفات)

۲۔ قال عالم بن العلماء الانصاری: رجل نزل به ضيف وله ورد من صلوة التطوع فان كان هذا الرجل كثير الضيافة لا يترك ورده۔ (فتاویٰ تاتاریخانیہ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثامن)

مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا | سوال :- بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مجلس ذکر
تجسد الارواح صحیح معلوم ہوتا ہے، کیا شریعت مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے ؟
الجواب : انبیاء و اولیاء اللہ کی ارواح دنیا میں آ سکتی ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ،
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے ،
لیکن اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات بھفی الی الشک
ہو سکتی ہیں۔

كما قال العلامة آلوسی : فقد وقعت رؤيته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته لغير
واحد من الكاملين من هذه الامة۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵ سورة الاحزاب آیت ۵۷)

چالیس دن کے چلہ کا حکم | سوال :- بعض صوفیاء کرام چالیس دن کے چلہ کا اہتمام
کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو
اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں ؟

الجواب :- اگر تو اس چلہ سے مقصود عبادت الہی ہو اور یہ چلہ طبابت کی تحریم
سے بھی خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، اور چالیس دن کا تعین اس لیے کرتے
ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوص نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔
قال الله تبارك وتعالى : وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
مِّنْ بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ (سورة البقرة آیت ۵۷)

علامہ ابو عبد اللہ القرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : وبهذا استدلال الصوفية على
الوصال ان افضله اربعون يوماً۔ (تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۹۶ سورة البقرة)
اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : عن النبی بن مالک قال

لے قال العلامة جلال الدين السيوطي : ولا يمتنع رؤية ذاته الشريفة بمجد روحه
وذلك لانه صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء ودت اليهم ارواحهم بعد ما
قبضوا واذن هم بالخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي۔
والعاوي للفتاوى ج ۲ ص ۲۶۳ القول بامكان رؤية النبي في القطة

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى الله اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبیر الاولیٰ کتب له برأتان برأة من النار وبرأة من النفاق۔ (الجامع الترمذی ج ۳ ص ۳۳ ابواب الصلوة) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے۔

مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں، جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ۔

لما قال شاه ولی الله: قال المشائخ من اراد الدخول فی الامر بعینیه یلزمه مراعات امور دوام الصیام ودوام القیام وتقلیل الكلام والطعام والنمائم والصحبة مع الانام والمواظبة فی الوضوء فی حالات الیقظة وعند المنام وربط القلب مع الشیخ علی الدوام وترك الغفلة رأساً۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۸۳ شرائط چلہ نشینی)

سوال :- جناب مفتی صاحب! شریعت مطہرہ کی روشنی میں اولیاء اللہ کی پہچان

اولیاء اللہ کی پہچان کیا ہے؟

الجواب :- ہر وہ مسلمان جو شریعت کا پابند ہو، متقی پرہیزگار ہو، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوستوں میں سے ہے۔

لما قال العلامة تفتازانی: الولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات۔ (شرح العقائد ص ۵۰ تحت قول النسفی وکرامات الاولیاء حق) یہ

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافروں میں بھی اولیاء ہوتے

ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب :- اگر ان لوگوں کی اولیاء سے مراد صاحب توجہ و تصرف ہو تو یہ کافروں میں بھی ہوتے ہیں جنہیں اولیاء الشیطان کا نام دیا جاسکتا ہے اور اگر اولیاء سے ان کی مراد

لما قال العلامة اشرف علی التہانوی: هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲ ص ۵۲۸ فی التحقیق لفظ مولیٰ الموالاة۔ الولی) ومثله فی النیراس ص ۲۷ کرامات الاولیاء حق۔

عرفی و اصطلاحی اولیاء الرحمن ہوں تو یہ صرف مومنوں میں ہوتے ہیں کافروں میں نہیں۔
 كما قال الله تبارك وتعالى: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
 الَّذِي آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (سورۃ یونس آیت ۶۲، ۶۳) ۱۔

اولیاء اللہ کا جمع ہونا | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب :- صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں، لیکن یہ سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور قلم سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا، البتہ صوفیاء کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوئے ہیں اور بعض وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے بچانا چاہیے۔

اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالعزیز سلجھاسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
 حضرت نے فرمایا کہ دیوان اسی غار میں لگتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کے باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے نیچے ہوتا ہے الخ (ابرین ص ۵۱۹ چوتھا باب، دیوان صالحین)

حضرت نے فرمایا کہ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کا ملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔ (ابرین ص ۵۲۱ چوتھا باب - دیوان صالحین)

فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔

(ابرین ص ۵۲۲ چوتھا باب - دیوان صالحین)

فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا | سوال :- کیا کوئی شخص کسی فوت شدہ ولی اللہ کی نسبت معلوم

۱۔ قال العلامة التفتازانی: الولي هو العارف بالله تعالى وصفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات۔
 (شرح العقائد ص ۱۰۵ تحت قول النسفي وكرامات الاولياء حق)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَقَاصِدِ ج ۵ ص ۲۷ شمول قدرة الله تعالى۔

کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- کوئی سالک اور متقی و پرہیزگار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ: **أَمَّا الاطلاع على نسبة اهل الله فطريقه ان يجلس بين يديه ان كان حيًّا او قبوره ان كان ميتًا و يفرغ نفسه عن كل نسبة و يقضى بروحه الى روح هذا الشخص زمانا الخ۔** (شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل ص ۱۱۶) طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ

ولایت کے لیے بیعت ہونے کا مسئلہ | سوال :- کیا ولایت، طریقت و بیعت کے بغیر مل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی تابع شریعت شیخ سے بیعت ہونا ایک مستحب امر ہے، حصول ولایت کے لیے جتنے ذرائع ہیں کسی سے بیعت ہونا ان میں ایک کامیاب ذریعہ ہے جو لوگ اس کو شرط قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے سے بیعت ہونا | سوال :- اگر کوئی شخص پہلے مرشد کی موجودگی میں دوسرے

مرشد سے بیعت کر لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مرشد کی وفات کے بعد بیعتِ ثانیہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- طریقت و بیعت چونکہ اخذ فیض کے لیے کی جاتی ہے، تو اگر پہلی جگہ سے بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے، لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

كما قال الشيخ التهانوی و شاہ ولی اللہ: **اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعتِ ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔**

لما قال شیخ الطائفة مجدد الف ثانی: **بدانکہ مقصود حق است و پیروسیلہ است بوصول**

لہ قال العلامة الشکار پوری: **و اما الاطلاع على النسبة اهل الله فطريقه ان يجلس بين يديه**

ان كان حيًّا وعند قبوره ان كان ميتًا۔ (قطب الارشاد ص ۶۵۶)

جناب قدسی حق تعالیٰ اگر طالبے رشد خود را پیش شیخ دیگر بیند و دل در صحبت او حق سبحانہ جمعہ یا برور است کہ در حیات پیرے اذن پیر طالب پیش اذن شیخ برور و طلب رشد از و نماید اتا باید کہ از پیر اول انکار کند و جز بہ نیکی یار نماید۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی ج ۲ ص ۵۱ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۱۳) لے

سوال :- ایک شخص کہتا ہے کہ پیر و شیخ کامل وہ ہے کہ مرید کو پیر کامل بننے کی شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرائے ورنہ ناقص ہے کیا اس کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب :- جو شخص بیعت کے لیے یہ شرط لگاتا ہے وہ غلطی پر ہے، نہ تو یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نہ صوفیاء کرام نے شرائط مرشد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ: شرط من یاخذ البیعة اموراً احدھا علم الکتاب والسنة الخ

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ۲۳ دوسری فصل حکمت بیعت) لے

سوال :- ایک پیر نے کسی شخص سے کہا کہ مقبولک مقبولی و مردودک مردودی کیا اس طرح کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہو سکتا ہے؟

الجواب :- اگر ان الفاظ سے اس کی مراد یہ ہے کہ جو تم کو پسند ہے وہ مجھ کو بھی پسند ہے اور جو کام تجھے ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے تو پھر تو یہ صحیح ہے اور اگر اس کی

لے قال شاہ ولی اللہ: فاعلم ان تکرار البیعة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور و كذلك عن الصوفیة اما من الشخصیین وان كان یظہور خلل فی من یا یعه فلا یأس وكذلك بعد موته وغیبتہ المنقطعة واما بلا عذر فانه یشبه التلاعب۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ۳۵ حکمت تکرار بیعت)

و مثله فی مکاتیب شریعة شاہ غلام علی من ۲ مکتوب شانزدہم۔

لے قال العلامة جلال آیادی: اعلم ان للمشیئة واخذ البیعة شروط مہنا علم الکتاب والسنة الخ۔ (قطب الارشاد ص ۵۲ بحث شروط المشیئة)

و مثله فی مرصا دالعیاد ص ۱۸۵

مراد یہ ہو کہ میرے کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہوتا ہے تو یہ غلط ہے کسی کام کے مقبول یا مردود ہونے کا حکم شریعت کے ادلہ اربعہ کر سکتے ہیں کوئی اور شخص نہیں۔

کما قال الشیخ مَلَّا جیون: ان اصول الشرع ثلاثة..... الکتاب والسنة واجماع الامة..... واصل الرابع القیاس. (نور الانوار ص ۶ تفسیر اصول الشرع ص ۷)

نماز روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعویٰ | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک شخص اپنے آپ کو پیر ظاہر کرتے ہوئے آیا ہے جبکہ وہ

داڑھی بھی منڈاتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ معاف کر دیے ہیں کیا واقعی کسی آدمی سے نماز روزہ معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب :- اگر تو اس شخص کے دماغ میں فرق ہو یا پاگل پن میں صریحاً مبتلا ہو تو پھر اس کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر مذکورہ شخص صحیح العقل ہو کر ایسی بات کہتا ہے تو وہ زندقہ ہے اور اس سے اعتقاد و تعلق رکھنا حرام ہے بلکہ واجب القتل ہے۔

کما قال العلامة التفازانی: ولا یصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً الى حیث لیقط عنه الاسر والنهی لعموم الخطایات الواردة فی التکالیف واجماع المجتہدین علی ذلك الخ۔ (شرح العقائد ص ۱۱۹ ولا یصل العبد..... الخ) ص ۲

مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا | سوال :- ایک شخص اپنے مرشد کے متعلق کہتا ہے کہ میرا مرشد میرے لیے کعبہ و پیغمبر ہے، اس شخص کے ان الفاظ کا

الحق قال العلامة فخر الاسلام رحمہ اللہ: واصل الفقه الکتاب والسنة والاجماع والقیاس۔

رتوضیح والتلویح ص ۳۳

وَمِثْلُهُ فِي الْمَوْلَى عَلَى الْحَسَامِي ص ۷

ص ۲ قال العلامة ابن عابدین: وتازعه فی نور العین بان ما ذکره من المعنی الوصفی هو معنا الوصفی اما العرفی الذی جرى علیه اصطلاح الملاحدة والقلندریة فهو ان جمیع الاشياء مباحة لك فالحق ان یکفر القائل ان کان من تلك الفئة۔

رد المختار ج ۲ ص ۲۵۹ مطلب فی معنی درویش درویشان

وَمِثْلُهُ فِي النُّبَرِ اس ۵۶۲ اختلفوا فی ان نبوة النبی افضل ام ولایة

حکم کیا ہے؟

الجواب :- مندرجہ بالا الفاظ شریعت مقدسہ سے متصادم ہیں، لہذا جو طریقت اور اس کے الفاظ شریعت سے متصادم ہوں وہ مردود اور ناقابل قبول ہیں۔
لما قال مجدد الف ثانی: کل حقيقة صادقة الشريعة فهو متداقة۔

(مکتوبات جلد ۱ ص ۱۱ دفتر اول، مکتوب ۲۳)

سوال :- ایک شخص اپنے پیر کے متعلق پیر کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لینا کہتا ہے کہ جب پیر کو تو نے قبول کیا تو اس میں خدا بھی ہے اور رسول بھی اور پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے اور پیر خدا کا نائب ہے، ان الفاظ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر یہ الفاظ کسی عالم یا دیندار شخص سے صادر ہوئے ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی اور اگر کسی فاسق و فاجر سے صادر ہوں تو یہ مخالف الشریعت الفاظ ہیں اگرچہ طریقت میں استعمال ہوئے ہیں مگر مردود ہیں کیونکہ جو طریقت شریعت سے مخالفت ہو وہ زندقیت ہے۔

كما قال مجدد الف ثانی: کل حقيقة صادقة الشريعة فهو زندقية۔

(مکتوبات جلد ۱ ص ۱۱ دفتر اول، مکتوب ۲۴)

سوال :- بعض خواتین پیر سے پردہ نہیں کرتیں، کیا خواتین کا پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- پردہ کے متعلق جو نصوص آئی ہیں وہ عام ہیں، پیر اور دوسرے محارم سب کو

۱۔ قال شاه غلام علی دہلوی: آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان بزرگ و گبر ظہور نمودہ اندیکین معیار اینہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)
وَمِثْلُهُ فِي قَطِبِ الْإِشَادَةِ مَقْدَمَةٌ۔

۲۔ قال شاه غلام علی دہلوی: آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان بزرگ و گبر ظہور نمودہ اندیکین معیار اینہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)
وَمِثْلُهُ فِي قَطِبِ الْإِشَادَةِ مَقْدَمَةٌ۔

شامل ہیں، تو اس وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح پیر سے بھی خواتین کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: ولا ينظر من اشتغل الى وجهها الا الحاكم - والشاهد وينظر الطبيب الى موضع مرضها - البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۲ کتاب الکراهية - فصل في النظر الى
تصوف کے چار سلسلوں کا ثبوت | سوال :- بعض لوگ سلاسل اربعہ کا انکار کرتے ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں، کیا واقعی ان سلاسل کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟

الجواب :- سلاسل اربعہ (قادریہ، مہروردی، چشتیہ، نقشبندیہ) سے انکار بے معنی چیز ہے یہ تو حد تو اتر تک پہنچا ہوا اور مشائخ کا معمول ہے اور ان کا اپنی کتابوں میں باقاعدہ ذکر کیا ہے۔
 لما قال شاه ولي الله: وبعد از زمان این خانوادہا خانوادہ ہائے دیگر پیدا شدند چوں بامیہ قادریہ، اکبریہ، مہروردیہ، کبرویہ، اولیہ و خانوادہ خواجگان خانوادہ معینیہ کہ احیائے طریقہ چشتیہ است و نقشبندیہ کہ آئیلے خانوادہ خواجگان است۔ (ہمعات ص ۱۷)

تصوف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں تو کیا وہ سب فاسق ہیں؟

الجواب :- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے، تو اگر تصوف سے ان کی مراد نفس بیعت مروجہ ہو تو یہ قول غلط ہے کیونکہ بیعت کرنا واجب نہیں بلکہ سنت

لما قال العلامة فخر الدين الزيلعي: ولا ينظر من اشتغل الى وجهها الا الحاكم والشاهد وينظر الطبيب الى موضع مرضها - والاصل فيه انه لا يجوز ان ينظر الى وجه امرأة اجنبية مع الشهوة - (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۶ کتاب الکراهية - فصل في النظر) ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۳۶ کتاب المنظر والاباحة - فصل في النظر -
 لہ قال العلامة الشکار پوری: ان الطرق الى الله كثيرة كالشاذلية والسمهرورية والقادرية الى غير ذلك - (قطب الامر شاد ص ۵۴۲ الفصل ان العلماء من المتكلمين والفقهاء والمحدثين الخ ومثله في شفاء العليل ترجمہ قول الجمیل ص ۱۷ حکمت تکرار بیعت -

تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم | سوال :- سلسلہ نقشبندیہ میں جو لطائف سبعہ اور اذکار ہوتے ہیں ان کا وجود تو قرونِ ثلاثہ

میں موجود نہ تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہیں، کیا نقشبندیہ سلسلہ کے لطائف سبعہ کا وجود ہے یا نہیں؟

الجواب :- مرتبہ احسان حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہوتا ہے جس کا اشارہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث : ان تعبد اللہ کانک تواء الخ میں ملتا ہے، اب یہ مرتبہ ذکر الہی سے حاصل ہوتا ہے، تو بعض مشائخ نے جو اذکار مرتبہ احسان کے حصول کے لیے مقرر کیے ہیں وہ محض آلات ہیں جن سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آلات و معالجات میں یہ ضروری نہیں کہ وہ منقول عن الشارع ہوں صرف یہ ضروری ہے کہ شریعت سے متصادم نہ ہوں اور لطائف سبعہ صرف آلات ہیں شریعت سے متصادم نہیں مشائخ کی کتابوں میں ان کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے۔

كما قال العلامة الشکارپوری : اعلم ان الله تعالى خلق في الانسان ستة لطائف بل عشرة خمسة منها من عالم الامر وهي القلب والروح والسر والحق والاصغى والخسة من عالم المخلق الخ (قطب الانشاد ص ۵۶۲ بیان اللطائف الستہ) لہ

ذکر سلطان الاذکار کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب ! سلطان الاذکار کون سا ذکر ہے۔

الجواب :- لطیفہ قلبی کے ذکر کو جب سالک اپنے سارے جسم سے ذکر کرنے لگے نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ نے اسے سلطان الاذکار کہا ہے۔

كما قال العلامة الجلال آبادی : ثم يلاحظ اسم الذات في اللطيفة القلبية وهي جميع البدن واذا غلب الذكر واحاط البدن كله حتى صار كل خير

لہ قال شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ : طریق مشغولی بذکر حق سبحانہ تعالیٰ با توجہ بلطائف سبعہ تا دلائل حرکت ذکر پیدا شود اینست الخ۔

(مکاتیب شریفہ شاہ غلام علی ص ۱۲۱ مکتوب دوم)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْهِيمَاتِ الْإِلَهِيَّةِ ج ۱ ص ۲۲۹ مَا مَعْنَى لَطَائِفِ السَّبْعَةِ -

من البدن ذاكراً مثل القلب تسمى هذه الحالة سلطان الاذكار۔

(قطب الاسناد ص ۵۶۷ فی بیان اللطائف الستة)۔

غوث و قطب کے وجود کا حکم | سوال :- صوفیاء کرام کے کلام میں قطب، غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کر کے مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اولیاء اللہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے، مندرجہ بالا مراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صراحۃً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال الشام کا ذکر ہے، جو کرام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

عن نبی قال یكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج رجل من اهل المدينة هارماً الى مكة فيأتيه ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث الشام فيخسف بهم بالبيداء بين مكة ومدينة فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام الخ
ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۳ کتاب السنن اول کتاب المہدی میں صراحۃً ابدال کا ذکر موجود ہے۔

امام ولی الدین صاحب مشکوٰۃ کے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسند کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے،

عن شريح بن عبيد قال ذكر اهل الشام عند علي وقيل العنهم يا امير المؤمنين قال اني سمعت رسول الله يقول لا يبدال يکونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلمات

له قال العلامة محمد بن عبد الله الباقي رحمه الله: فينتقل الى لطيفه الجسد دهي ان يذكر بتجمع الجسد مستحضراً لها في نظر القلب بطريق المشاهدة في الجميع ان تعبد الله كانت تراه ولا يزال على ذلك حتى تصير جميع اجزائه تذکر بدنك ويعصل سلطان الذكر البهجة السنية في آداب الطريقة النقشبندية ص ۲۹

۱۔ جل ابدال اللہ مکارجلًا یُسْقٰی بہم الغیث وینصر بہم الاعداء ویصرف من اهل الشام بہم العذاب۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۰ باب ذکر الیمن والشام الفصل الثالث)

باقی سراتب کا ذکر حدیث میں صراحتاً موجود نہیں ہے البتہ اشارۃً معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ عزوجل فی الخلق ثلاثمائة قلوبہم علی قلب ادم واللہ فی الخلق ۱۷۰ یعون قلوبہم علی قلب موسیٰ واللہ فی الخلق سبعة قلوبہم علی ابراہیم واللہ فی الخلق خمسة قلوبہم علی قلب جبرائیل واللہ فی الخلق ثلاثة قلوبہم علی قلب میکائیل واللہ فی الخلق واحد قلبہ علی قلب اسرافیلؑ۔
اخرجه ابن عساکر الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۱۔ وایضاً ذکرہ ملا علی قاریؒ فی مرقاة ج ۹ ص ۳۵۶ جو کہ قطب، غوث، نقیب کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور علمائے راسخین نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبودیت اور قرب کے مدارج ہیں نہ کہ عوامی ربوبیت کے مدارج۔ لہ

متصرف کا حکم | سوال: تصرف کیا ہے، کیا کوئی ولی یا پیر متصرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: تصرف کے دو معنی ہیں، ایک تو عوامی معنی ہے کہ اولیاء اللہ کی قوت اور ان کا کام ہے، یہ معنی غلط ہے۔ دوسرا معنی شرعی اور اصطلاحی اور فن تصوف کا معنی ہے، ان میں تصرف سے مراد قوتِ توجہ سے مختلف آثار پیدا کرنا ہے، تو اس سے تصرف اور متصرف دونوں صحیح ہیں۔

كما قال الشيخ اشرف علی التہانویؒ: وحقیقة هذا التائید افاضة کیفیات خاصة

لہ قال العلامة ملا علی القاریؒ: قلتُ فہم الاقطاب فی الاقطار یاخذون القیض من قطب الاقطاب المسمى بالغوث الاعظم فہم بمنزلة الوزراء تحت حکم الوزير الاعظم۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۵۵ کتاب الفتن۔ الفصل الثانی)

وَمِثْلُهُ فِي السَّائِلِ لِبْنِ عَابِدِينَ ج ۲ ص ۲۶۲

محمودة والقائما في النفس آثار خاصة تتعدد حسب اختلاف المقاصد ويسمى هذا التأييد في عرف اهل التصوف تصرفاً وتوجهاً وهمة وجمع الخواطر۔

(بوادر النوار ص ۸) رسالة التعرف في تحقيق التصرف (لہ)

اصحاب القبور کا تصرف | سوال :- جناب مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اصحاب القبور کے تصرفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر تو ان کا یہ تصرف موجود اور صحیح ہے ورنہ تصرف اصطلاحی تسلط فیہی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

کما قال شاہ ولی اللہؒ: در آنجا بوجه استم قدم زده است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ گفته اند کہ در ایشان در قبر خود مثل احیا تصرف میکنند۔

(ہمعات ص ۶۱)

لما قال محمد بن سليمان الرضاوى: معنى البيت ان كرامات الاولياء حال كونهم في الدنيا لها وجود وثبوت وقوع اى حال حياتهم وكذا بعد الموت بمعنى اكرامه في قبوره احوال حضرات فيه وتوسيعه لا بمعنى تفرقة في العالم كما يتقصد جهلة العوام۔
(نحبة الالاء شرح بدأ لامالى ص ۳۷)

بعد الوفات اولياء اللہ کے تصرفات کا حکم | سوال :- کیا بعد الوفات اولياء اللہ کا تصرف ثابت ہے یا نہیں؟

لہ قال شاہ ولی اللہؒ (احمالاً) وللنقشبندية تصرفات عجیبة من جمیع الہمة علی مراد ذیكون علی وفق الہمة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱ چھٹی فصل، تصرفات نقشبندیہ)

وَمِثْلُهُ فِي قُطْبِ الْإِشَادِ ص ۶۰ و: للنقشبندية۔

لہ قال شاہ ولی اللہؒ: وذلك لان شيخ عبد القادر له شعبة من السريان في العالم وذلك انه لما مات صار بهيئة الملاء الاعلى ونطبع فيه الوجود سارى في العالم كله۔

(تفهيمات الالهية ج ۱ ص ۱۱ تفہیم ص ۳۲)

وَمِثْلُهُ فِي اَمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۵ ص ۱ کتاب السلوک۔

الجواب :- اولیاء اللہ کے تصرف بعد الوفات سے مراد اگر تسلط غیبی و غائبانہ نہ ہو تو یہ صریح شرک ہے اور اگر اس سے مراد کوئی کرامت ہو تو بعد الوفات بھی اولیاء اللہ کی کرامات کے اثرات سے انکار بے معنی ہے۔

کما قال محمد بن سلیمان الحلبي الرضاوى: تحت قول الماتن کرامات الولی بدار دنیا لها کون فهم اهل النوال - وحاصل معنی البیت ان کرامات الاولیاء حال کونہم فی الدنیا لها وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتہم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ وحال حضرة فیہ وتوسیعة لا بمعنی تفرقة فی العالم کما یعتقد جمہ المعوام۔
(نحبة اللآ فی شرح بدار الامالی ص ۳۷)

کرامات اولیاء بعد الموت کا حکم | سوالی بر بعض لوگ کرامات اولیاء بعد الموت کو شرک کہتے ہیں، کیا واقعی اولیاء اللہ کے لیے کرامات بعد الموت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- کرامات اولیاء بعد الموت اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں محقق اور ثابت شدہ ہیں اور ان کا فعلاً ثبوت بھی پایا گیا ہے۔

لما قال محمد بن سلیمان الرضاوى: وحاصل معنی البت ان کرامات الاولیاء حال کونہم فی الدنیا لها وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتہم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ۔ (نحبة اصلا فی شرح بدار الامالی ص ۳۷)

۱۔ قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ: (کرامات) (الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولائۃ بالموت الخ

(الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج ۱ ص ۲۹۲)

وَمِثْلُهُ فِي رُوحِ الْمُعَانِي ج ۲۸ ص ۱۰۸

۲۔ قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ: (وکرامات الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولائۃ بالموت کالنبی لا ینعزل عن تبوتہ بالموت -

(الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج ۱ ص ۲۹۲)

وَمِثْلُهُ فِي رُوحِ الْمُعَانِي ج ۲۸ ص ۱۰۸

اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم | سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر رد نما ہونا ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فضائل درود ص ۱۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے علم غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے جو مفسی الی الشرک ہے۔

كما قال العلامة ابن نجيم: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر للاعتقاد ان النبي يعلم الغيب - (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح) لہ

کشف القبور کے علم کا حکم | سوال: کشف القبور کیسا علم ہے، کیا قبروں کے اندر دفن ہے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ کشف قبور علم غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہو جاتا ہے، یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیر اختیاری کیفیت ہو، ہے اسی وجہ سے اس میں تعلیم و تعلم جاری نہیں ہو سکتا، اس کو علم غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور کشف ظن کا قاعدہ دیتا ہے علم جازم کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبور کا کشف ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ میں باب عذاب القبر، فصل اول میں نقل کیا گیا ہے اسی کے تحت ملا علی قاری مروتہ میں لکھتے ہیں:-

وهذا الحديث مثل قوله عليه الصلوة والسلام لو علمتم ما اعلم لضعكتم قليلا ولبكيتم كثيرا - وفيه ان الكشف بحسب الطاقة

الحق قال العلامة قاضي خان: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر للاعتقاد ان النبي يعلم الغيب - (فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۷۷ کتاب النکاح باب الشهادة ومثله في مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۲۲ کتاب النکاح)۔

کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معیت کی حقیقت | سوال :- اللہ تعالیٰ کی معیت کائنات کے ساتھ کس طرح ماننا صحیح ہے؟

معیّت ذاتی صحیح ہے یا معیت علمی؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔

لما قال ارشاد الله قاضي مبارك رحمه الله: فالوجودات باثرها من حيث الوجود الرابطة معلومة وصور العلمية له تعالى فعله تعالى الاجمالي تلك الاشياء نفسه ذاته تعالى - (قاضي شرح السلم ۱۵)

وحدة الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ | سوال :- وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسائل شریعت سے متصادم ہیں یا نہیں

اور ان دونوں میں کون سا صحیح ہے؟ بعض لوگ شرک کہتے ہیں۔

الجواب :- وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کشفی مسائل ہیں، قلم اور فتویٰ سے ان کا اظہار مشکل ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور ان مسائل میں کوئی تضاد نہیں اور اقرب الصواب شہود معلوم ہوتا ہے۔ عند الشہودیۃ الصوفیۃ۔
لما قال مجدد الف ثانی: توحید قوم ہست شہودی و وجودی و آنچه لابدست توحید شہودی ہست کہ فادیان مربوط ہست و توحید شہودی با عقل و شرع مخالفت ندارد بخلاف وجودی۔
و مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۱۳۱ (دفتر اول) ۲۷

۱۷۰ قال شاه اسماعیل شہید: ومنہم من تظن بعلاقہ القیومتہ بینہ (ای لاہوت) و

(ای الکثرات) علی نحو الابداع اکمل تظن - (العبارات ص ۲)

و مثله فی المکتوبات شاه غلام علی دہلوی ص ۱۵۰ مکتوب ۶۸

۱۷۱ قال العلامة قاضی شہداء اللہ بانی بستی: و علی هذا التاویل هذه الایۃ تدل علی التوحید

الشہودی كما قال به المجدد رضی اللہ عنہ دون التوحید الوجودی۔

(التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۱۹ سورة البقرة)

و مثله فی مکتب شریفہ شاه غلام علی دہلوی ص ۲۲ مکتوب ۷۷۔

اصطلاح حقیقت المحمدی | سوال :- بعض صوفیاء حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس اصطلاح کا استعمال

شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- حقیقت محمدی علیہ السلام جس کو یقین ثانی اور مرتبہ واحدیت بھی کہتے ہیں یہ سب کشفی امور ہیں اور شریعت سے متصادم نہیں بلکہ امت کے اکابر اولیاء اللہ نے اس مقام کا ادراک کیا ہے اور اس پر گفتگو کی ہے۔

کما قال مجد دالف ثانی؟ در جواب گوئیم کہ حقیقت محمدی نہایت مقامات نزول محمد علیہ السلام است از اوج تنزیہ و تقدیس و حقیقت کعبہ نہایت مقامات عروج کعبہ است۔ (مکتوبات مجد دالف ثانی جلد ۱ ص ۳۳۲ مکتوب ۲۰۹ ص ۱۷)

استاد اور پیر کے حقوق کا حکم | سوال :- ایک شخص کا استاذ بھی ہے اور مرشد بھی موجود ہے تو اس پر پیر کا حق زیادہ ہے یا

استاد کا؟

الجواب :- مرشد اور استاذ دونوں علم و عمل اور رشد و ہدایت کے ذرائع ہیں اس لیے دونوں کا حق برابر ہے، لہذا اگر پیر اور استاذ میں اختلاف ہو جائے کہ آدمی ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے اور اگر مجبور ہو جائے تو پھر حق کی اتباع کرے تاہم بعض اکابرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا درجہ استاذ پر مقدم ہے۔

کما قال مجد دالف ثانی؟ منہا شرافت علم باندا زہ شرف و رتبہ معلوم است۔ معلوم ہر چند شریف تر علم آل عالی تر پس علم باطن کہ صوفیاء بان تماز ندا شرف باشد از علم ظاہر کہ نصیب علمائے ظواہر است بر قیاس شرافت علم ظاہر بر علم حجامت و حیاکت پس رعایت آداب پیر کہ علم باطن لاء از واحد کنند باضعاف زیارۃ باشد از رعایت

۱۔ قال العلامة فقیہ اللہ جلال آبادی: وثانیاً ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ستمی باسمین محمد ولایۃ ہذا الاسم ناشیۃ عن الاسم الہمی الذی یناسب تربیۃ ہذا العالم السفلی وسمی بالحقیقۃ المحمدیۃ۔ (قطب الارشاد ص ۵۹۳ حقیقۃ الکعبۃ فوق حقیقۃ المحمدیۃ) ومثله فی روح المعانی ج ۱ ص ۱۵۰ سورۃ البقرۃ۔

آداب اہتزاز کہ علم ظاہر اور اشفاہ نہایت رعایت آداب است از علم ظاہر باطن
نیارہ است از رعایت آداب استاذ جہام رحمانک (بیتاد و معاد ص ۱۱۶)

خواب میں خلافت شریعت حکم دیکھنا | سوال :- اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خلافت شریعت

کام کا حکم فرما رہے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں اگر ارشاد مبارک شریعت کے صریح مخالف ہو تو
اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر شریعت کے مخالف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے ۔

لما قال مجدد الف ثانی : انہیں قبیل است کہ بعضی درمنامات حضرت پیغمبر علیہ السلام
رانی بیند و بعضی احکام را اخذ می کنند کہ فی الحقیقتہ خلاف ان احکام متحقق است و دریں صورت
القاء شیطانی متصور نیست کہ مختار علماء عدم تمثیل شیطانی است بصورت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام
بہر صورتیکہ باشد پس دریں صورت نیست الا تصرف متخیلہ کہ غیر واقع و ناپندہ است ۔

مکتوبات امام ربانی جلد ۱ ص ۲۱۵ مکتوب ۱۰۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کرنے کا حکم دینا | سوال :- ایک عورت غریب
ہے لیکن ذاکرہ اور شاغلہ ہے ،

اس کا کہنا ہے کہ مجھے مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے ، آپ نے مجھے
مراقبہ میں قربانی کا حکم فرمایا ہے ، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت پر اب قربانی واجب
ہے یا نہیں ؟

الجواب :- خواب اور مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ممکن ہے اور جو
حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اگر وہ خلافت شریعت حکم ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے
گا اور موافق شریعت ہو تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ کشف کے مترادف ہے ۔
لہذا اگر یہ عورت اختیاری طور پر قربانی کرے تو اچھی بات ہے ورنہ اس پر قربانی واجب

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ : ولذا لم يعتبر احد من الفقہاء جواز
العزل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ ارحالات
المنامیۃ ۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

نہیں ہے۔

کما قال ملا علی قاری: ولذا لم يعتبر احد من الفقهاء جواز العمل في الفروع الفقيه بما يظهر للصوفية من الامور الكشفية او من حالات المنامية۔
(مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸) کتاب الفتن

کشف پر عمل کرنے کا حکم | سوال: کشف کی کتنی قسمیں ہیں، نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مخالف الشریعہ (۲) اور موافق الشریعہ۔ پس موافق الشریعہ کشف پر تو صاحب کشف عمل کر سکتا ہے اور مخالف الشریعہ کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحب کشف کے لیے کشف دلیل نہیں بن سکتا۔

کما قال ملا علی قاری: ولذا لم يعتبر احد من الفقهاء جواز العمل في الفروع الفقيه بما يظهر للصوفية من الامور الكشفية او من حالات المنامية۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۵۸) کتاب الفتن

تصویر شیخ کا حکم | سوال: سلسلہ تصوف میں پہلا سبق تصویری شیخ کا ہوتا ہے جبکہ بظاہر یہ خلاف شریعت معلوم ہوتا ہے، تو کیا تصویری شیخ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سلسلہ تصوف میں تصویری شیخ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے بطور علاج و دوا کے اختیار کیا جائے نہ کہ بطور ثواب کے، اس لیے کہ اس سے ذکر کھ فکر مجتمع ہو جاتی ہے اور تصویری شیخ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت لے قال مجد الف ثانی: الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)

لے قال مجد الف ثانی: الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید ارباب ولایت خاصہ یا عامہ در تقلید مجتہدان برابر اند کشف و الہامات ایشان رامت نمی بخشند۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)

دل میں بیٹھ جاتی ہے جو تعلق مع اللہ کے بنیادی عوامل میں سے ہے۔

لما قال شاه ولي الله: قالوا والركن الاعظم ربطه القلب بالشيخ على وصف المحبة والتعظيم وملاحقه صورته - (شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۸۰) پانچویں فصل

اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی امداد کرنا | سوال: بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام اپنے مریدوں کی مشکل وقت میں امداد کرتے ہیں

اور عالم میں تصرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟
الجواب:- اگر ان لوگوں کا تصرف شیخ سے مراد صوفیاء کرام کا اصطلاحی تصرف ہے تو یہ درست ہے کیونکہ اس قسم کا تصرف اصل میں غائبانہ دعا ہوتی ہے اور اگر تصرف سے مراد تسلط غیبی ہے تو اس کے لیے علم غیب کمال کی ضرورت ہوگی اور یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصرى: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويقرر للاعتقاده ان النبي يعلم الغيب - (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸) کتاب النکاح

شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا | سوال: جناب مفتی صاحب! بعض شیوخ

(پیر) اپنے مریدین کو بعض ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں جو کہ شرعاً حلال ہوتی ہیں، تو کیا ان حضرات کا یہ عمل درست ہے؟ اور مریدین کے لیے ایسے حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟
الجواب:- شیخ اپنے مرید کی اصلاح نفس کے لیے اس کے مزاج کے موافق جو چاہے تربیت کا حکم دیتا ہے مگر یہ حکم علاجاً ہوتا ہے شرعاً نہیں اس لیے بلا اعتقاد حرام کے حلال

لما قال العلامة الشكارپوری: واذا غاب الشيخ عنه يخيل صورته في خياله بوصف المحبة والتعظيم فانه يفيد فائدة صحيحة - (قطب الارشاد ص ۵۵) الشغل العاشر

ومثله في الكتاب البهجة السنية في آداب الطريقة العاية التقشيدية ص ۴۲
لما قال العلامة قاضي خان: رجل تزوج امرأة بغير شهوة فقال الرجل والمرأة خذا شراً وپیغامبر مرا گواہ کریم قالوا يكون كفر لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب - (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ۳ باب ما یكون کفر من المسلم)

حلال چیزیں مریدین کیلئے استعمال نہ کرنا درست ہے اس حکم کی تعمیل میں کوئی گناہ نہیں بلکہ مرید کے لیے اپنے شیخ کے اس حکم کی بطور علاج تعمیل کرنا ضروری ہے، جیسے طبیب حاذق بعض اوقات مریض کی حالت دیکھ کر کسی حلال چیز کا کھانا اس پر بند کر دیتا ہے جس کے کھانے کو اس کی طبیعت زیادہ متمنی ہوتی ہے، یہی حالت کسی شیخ کے ایسے حکم کی ہوتی ہے۔

حلاوتِ ذکر کا مسئلہ | سوال :- ایک مسئلہ قابلِ پرس ہے وہ یہ کہ ذکر میں حلاوت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے، مجھے ذکر کی حلاوت کیسے حاصل

ہو سکتی ہے؟

الجواب :- ذکر اللہ میں حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فضیلتِ ذکر میں وارد آیات و احادیث کو سامنے مستحضر رکھ کر ذکر کیا جائے تو انشاء اللہ حلاوت حاصل ہوگی۔

ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ | سوال :- حضرت مفتی صاحب! بندہ ایک پیر صاحب سے بیعت

ہے، کئی سال ہو چکے ہیں لیکن کوئی ترقی نہیں ہوئی، فیض نہیں پہنچتا، باوجود اس کے کہ میں اپنے شیخ سے از حد محبت کرتا ہوں اور ان کے ساتھ عقیدت بھی بہت ہے، ان کی ہدایات پر عمل بھی کرتا ہوں۔ تو کیا میں روحانی ترقی اور فیضِ شیخ کے لیے اپنے شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- اگر واقعی آپ کو اپنے شیخ سے عقیدت اور کمال محبت ہے اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود آپ کو روحانی ترقی اور فیض نصیب نہیں ہوا تو مناسب یہ ہے کہ شیخ خود آپ کو کسی دوسرے اللہ والے سے بیعت کا مشورہ دے ورنہ بصورتِ دیگر آپ خود بھی ان کو چھوڑ کر کسی بقعِ شریعت شیخ سے بیعت ہو سکتے ہیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: دوسرے شیخ سے رجوع اُس وقت کرے جب ایک معتد بہ مدت کے بعد بھی اپنے اندر اصلاح محسوس نہ کرے، اور اصلاح کے یہ معنی ہیں کہ دوائی معاصی کے مضحمل ہو جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ شیخِ اول کی مجوزہ تدابیر پر پوری طرح عمل کر چکا ہو اور پھر بھی کامیابی نہ ہوئی ہو ورنہ وہ تو اس طرح کا مصداق ہو جائے گا کہ نسخہ تو پیا نہیں اور حکیم صاحب کی شکایت کہ ان کے علاج سے نفع نہیں ہوا۔

(انفاسِ عیسیٰ ص ۲۹ حصہ اول)

مجاز ہونے کے لیے بیعت شیخ ضروری نہیں | سوال :- اگر ایک تتبع شریعت شیخ کسی دیندار شخص کو بیعت لینے کی اجازت دے مگر یہ شخص اس شیخ سے بیعت نہیں، تو کیا اس شیخ کا اس شخص کو اجازت بیعت دینا صحیح ہے اور وہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ کسی شیخ کا مجاز ہونے کے لیے اس سے بیعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ عموماً کوئی مُرشد اس شخص کو بیعت لینے کی اجازت دیتا ہے جو خود اس سے بیعت ہو، لیکن اگر کبھی کسی دیندار اور صالح شخص کو اجازت بیعت دیدے تو یہ اجازت صحیح ہے اور یہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے۔

ہمارے اکابرین میں سے حضرت تھانویؒ نے حضرت عبدالرحمنؒ کا ملپوریؒ کو بغیر بیعت کے مجاز فرمایا تھا، جب آپ کو حضرت تھانویؒ کا اجازت نامہ ملا تو تھانویؒ نے بھون جا کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا ہوں پھر یہ اجازت نامہ کیسے؟ تو اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا اگر اجازت کے لیے بیعت شرط ہو تو اُسیے اب بیعت کر لیتا ہوں۔ (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ ص ۵۳ حصہ ۱۰)

مسجد کی فضیلت خانقاہ پر | سوال :- ایک مسجد کے قریب ہی خانقاہ بھی آباد ہے، پیر صاحب اور ان کے مُریدین مسجد کی بجائے خانقاہ ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بہ نسبت مسجد کے خانقاہ میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیا شرعاً ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اور کیا واقعی مسجد کی بجائے خانقاہ میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے؟

الجواب :- مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت احادیث مبارکہ میں کثرت سے وارد ہے خانقاہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی خانقاہ مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ وہاں اصلاح و تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر نماز مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے خانقاہ میں نہیں۔ اس لیے ان حضرات کا یہ اعتقاد فاسد ہے شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوة الرجل فی الجماعة تصغفہ علی صلواتہ فی بیتہ و فی سوقہ خمساً و عشرين ضعفًا

وذلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرج به
الا الصلوة لم يحفظ خطوة الا رفعت له بها درجة وخط عنه بها
خطيئة الخ - مشكوة المصابيح ص ۶۸ باب المساجد، الفصل الاول

کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارا ایک دوست
کسی پیر صاحب سے بیعت ہو چکا ہے اور
وہ ہمیں بھی ہرقت اس بات کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ آپ لوگ بھی کسی پیر سے بیعت ہو جائیں۔
اور اسے اپنا پیر بنالیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی پیر کی بیعت کرنا شریعت میں
ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- انسان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، ظاہر کی درستگی اور اس کے
متعلق احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح جاننے کے لیے جس طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا
اور ان کی راہنمائی میں اپنی عبادات کو درست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح باطن کی اصلاح اور اس
سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لیے کسی تابع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس
میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاجاً ہے۔

لما فی امداد السلوک: پس اگر سالک عالم ہوگا تو وہ خود ہی ضروریات دین سے آگاہ
ہوگا ورنہ ایسا شیخ ڈھونڈنا چاہیے جو اس کو اول توحید درست کرنے والے عقائد اور فقہی
مسائل کی تعلیم کرے اور اس کے بعد مجاہدہ اور زہد و تقویٰ کا راستہ دکھائے۔ مثل مشہور ہے
کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ سو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا کوئی رہنما
نہ ہو یعنی نہ ذاتی علم رکھتا ہو کہ خود راستہ دیکھ سکے اور نہ مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ
راہ حق دکھا دے تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنا دیتا ہے۔ (امداد السلوک ص ۵۶ شیخ کی ضرورت)

کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنا | سوال :- اکثر یہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے
کہ بزرگان دین جب ایک دوسرے سے
ملاقات کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا یا یہ کہ ہمارے حق

لہ لما قال العلامة ابن عابدین: وان صلی فی مسجد حیہ منفرداً فحسن۔۔۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم
لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد۔۔۔ در المختار ج ۱ ص ۵۵۵ باب الامامة

میں دعا فرمائیں، تو کیا شرعاً دوسروں سے دعاء کی التجاء (درخواست) کرنا درست ہے یا نہیں؟
الجواب:- اپنے لیے خود دعا کرنا یا دوسروں سے دعا کی درخواست کرنا شرعاً درست ہے، خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے دعا کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ اس میں شرعاً کوئی اشکال و قیاحت نہیں اور نہ یہ اصول اسلام کے منافی ہے۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد المدنیؒ، بہر حال جس قدر ہوا انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلا طمع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کریں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲، مکتوب ۶۶)
سوال:- بعض لوگ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا معین الدین اجمیریؒ کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، تو کیا کسی پیر یا بزرگ کے نام کا وظیفہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- ورد اور وظیفہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کافی ہیں، کسی پیر فقیر کے نام کو بطور وظیفہ لینا اور اس کو وظیفہ بنانا شرعاً جائز نہیں، اس لیے صورتِ مسئلہ کے مطابق ایسے وظائف سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة مفتی محمود حسن گنگوہیؒ: وظیفہ کے طور پر پیر صاحب کا نام لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۵ ص ۹۱ باب السلوک)

سوال:- جناب مفتی صاحب! آج کل میرے ساتھ ایک عجیب معاملہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ پہلے میں صوم و صلوة کا بہت پابند تھا، ہر نماز مسجد میں باجماعت پڑھتا تھا، مگر اب ہفتہ دو ہفتہ سے اچانک نماز میں رغبت کم ہونا شروع ہو گئی ہے، جماعت کے ساتھ تو بہت کم نمازیں نصیب ہوتی ہیں، تو اس کیفیت کا کیا سبب اور علاج ہو سکتا ہے؟

الجواب:- اس قسم کا ایک سوال حضرت گنگوہیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: ”اعمال میں رغبت کی کمی کے تین اسباب ہیں (۱) ناجنس کی صحبت (۲) ناموافق غذا، (۳) معصیت کا صدور۔ اس لیے آپ بھی اپنے اوپر نگاہ ڈالیں کہ ان تینوں میں سے کونسا سبب آپ میں پایا جاتا ہے اس کو ترک کر دیں انشاء اللہ اعمال میں رغبت پیدا ہو جائے گی۔“

تصویر فنا فی الشیخ کی شرعی حیثیت | سوال :- اہل تصوف کے ہاں ایک مسئلہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا

جب تک کہ اس کو فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو گویا تصوف میں فنا فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب :- متصوفین کا یہ مسئلہ قاعدہ کہ فنا فی الشیخ کو ترقی درجات کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، صلحاء اُمت نے اس کو جائز نہ کہا ہے اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی: الغرض فنا فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقوامی ذریعہ کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر حیلے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۲۲ مکتوب ۸۸) لہ

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں ایک پیر صاحب ہیں جو اپنے مریدین اور متعلقین

کو حکم دیتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ذکر کیا کرو، تو کیا ذکر کرنے کا طریقہ شرعاً یہی ہے یا آنکھیں کھول کر ذکر کرنا درست ہے؟

الجواب :- ذکر الہی ہر حال میں کرنا جائز ہے چاہے آنکھیں بند کر کے کیا جائے یا کھول کر، البتہ تصوف میں شیخ کے سامنے عامی (جاہل) شخص کو آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا چاہیئے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے شیخ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھے جو بدظنی کا سبب بنے، اس لیے مذکورہ پیر صاحب کی بات عللاً جا درست ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ: سوال: فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسولؐ

کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیاء کرام کیا فرماتے ہیں؟
جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں اتباع کرنا اور محبت کا غلبہ لوجہ اللہ تعالیٰ

ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے، فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ - (الآیۃ)

(فتاویٰ رشیدیہ (تالیفات رشیدیہ) ص ۱۹۸ کتاب السلوک)

سوال :- ایک اشکال کئی دنوں سے ذہن میں آ رہا ہے کہ انسان پر مصائب و آلام کا آنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہی اللہ کا حکم ہے تو چاہیے کہ وہ ان مصائب پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضا مندی کا اظہار کرے مگر دوسری طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کے دفع کرنے کے لیے دعائیں شروع کر دیتا ہے۔ تو کیا یہ دعائیں رضا بالقضاء کے منافی تو نہیں؟

الجواب :- انسان پر مصائب و آلام کا آنا اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے امر و ارادہ سے ہے انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو برداشت کرنا چاہیے، چونکہ انسان بہت کمزور اور ضعیف ہے جس کی وجہ سے مصائب و آلام کے وقت اس کا فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے شریعت مقدسہ نے اس کو دفع مصیبت کے لیے دعا کی تعلیم دی ہے کہ دعا اس طرح کرے کہ اے اللہ! مصائب کا آنا بھی تیری رحمت ہے اور ان کا دور کرنا بھی تیری رحمت ہے، ہم چونکہ بہت ناتواں اور کمزور ہیں ان مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں اس لیے اپنے فضل و کرم سے ان مصائب کو ہم سے دور فرما۔ اس قسم کی دعائیں کرنا بالقضاء یا القضاء کے خلاف نہیں البتہ جن دعاؤں میں جزع و فرزع اور شکوہ و شکایت ہو تو وہ رضا بالقضاء کے منافی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

لما قال الشيخ مولانا اشرف علی تھانوی: دعا کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت و خیر ہو اگر آپ کے علم میں بھی وہ خیر ہے تو عطا کر دیجئے ورنہ نہ دیجئے، ہم دونوں حال سے راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاک اور تنگدل نہ ہو، دعا کرتا رہے دعا کرتا خلافت رضا نہیں۔

(انفاس عیسیٰ حصہ اول ص ۲۳۴ رضا بالقضاء)

سوال :- اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں دوسرے شخص کے اشارہ و کنایت غیبت کرتا سامنے طنز یہ انداز میں یہ کہے کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں! جبکہ مخاطب اس غائب شخص کی تعریف کر رہا ہو، تو کیا ایسا جملہ کہنا غیبت کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے غیبت کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی تعریف سن کر طنز جواب میں یہ الفاظ کہے جائیں کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح

جانتا ہوں کہ وہ کیسا ہے، اس لیے اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کیا جائے، ہاں اگر ایسے کلمات طنزاً نہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی: یغمر العین والاشارة بالید وکل ما یفہم منہ المقصود فهو داخل فی الغیبة وهو حرام۔ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ کتاب الکراہیۃ)
پس پشت حقائق بیان کرنا بھی غیبت ہے | سوال :- ایک آدمی چند لوگوں کے سامنے کسی ساتھی کی غیبت کر رہا تھا کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے اس کو اس امر سے منع کیا تو اس نے جواباً کہا کہ میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کے پس پشت اس کے متعلق واقعی اور تحقیقی امور کو بیان کرنا غیبت میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہر وہ بات جو کسی کے پس پشت بیان کی جائے اور وہ اس کو بُری لگے تو وہ غیبت میں داخل ہے اگرچہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو، اور کسی کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں بھوٹی بات بیان کرنا بہتان ہے جو ایک الگ کبیرہ گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: الغیبة ان تصف اخاك حال کونه غائباً بوصف یکرهه اذا سمعه..... وعن ابی ہریرۃؓ قال قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اتدرون ما الغیبة؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم، قال ذکرک اخاک بما یکره قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول؟ قال ان کان فیہ ما تقول اغتبتہ وان لم یکن فیہ فقد بہتہ۔ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ کتاب الکراہیۃ)۔

ربط قلب بالشیخ کی وضاحت | سوال :- جناب مفتی صاحب! اہل تصوف کے ہاں ”ربط قلب بالشیخ“ کی اصطلاح مستعمل ہے، اس کا معنی اور مطلب کیا ہے؟ مہربانی فرما کر اس اصطلاح کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل

لہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ما الغیبة قال ذکرک اخاک بما یکره قال رأیت ان کافیه ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۵۱ باب ما جاء فی الغیبة) ومثله فی العرف الشذی علی الترمذی ج ۲ ص ۱۵۱ باب ما جاء فی الغیبة۔

کو تسلی ہو سکے؟

الجواب :- متصوفین کے ہاں ربط قلب بالشیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو فیضانِ رحمت شیخ (مرشدِ حقانی) کے قلب پر ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو یعنی شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہم اکثر یہ سنتے رہتے ہیں **قلندر اور مجذوب کا مطلب** کہ اولیاء اللہ میں سے فلاں قلندر ہے، فلاں مجذوب ہے اور فلاں فلاں قلندروں کی جماعت ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کا کیا مطلب ہے؟

الجواب :- صوفیاء کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمالِ قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتے ہیں مگر اعمالِ قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمالِ قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر و شغل میں محفوظ رکھا جائے، نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل و حقد (کینہ و حسد) نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو، نیز حقوقِ وقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے نیز غمی و خوشی کے حقوق ادا کیے جائیں، نعمت ملنے پر شکر ادا ہوتا رہے، حزن و غم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اعمالِ قلبیہ ہیں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۴۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمالِ قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔

اور مجذوب وہ ہوتا ہے جس کی عقل کسی واردِ غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لیے علت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے (البتہ) مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے، علامت (اس کی) یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت اس شخص پر نکتیر نہ کرتے ہوں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۴۳)

الصوفی لامذہب لہ کی وضاحت | سوال :- جناب مفتی صاحب! الصوفی لامذہب لہ کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر

تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر متقلد اور لامذہب ہوتا ہے، حالانکہ بہت سارے صوفیاء کرام شافعی مسلک ہوتے ہیں اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

الجواب :- حکیم الامت حضرت تھانویؒ "انفاس عیسیٰ" میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الصوفی لامذہب لہ" اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے رعاۃ الخلاف والخروج منه اولیٰ مالم یر تکب مکروہ مذہبہ کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو" (انفاس عیسیٰ ص ۲۸۳ ارشادات)

سیر الی اللہ وسیر فی اللہ کا مطلب | سوال :- جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اہلندہ کو تصوف سے

متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سیر الی اللہ وسیر فی اللہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرما کر تصوف کی ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:- "تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے، ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفاء ہو گئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا، یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے، موانع مرتفع کر دیئے، معالجہ امراض سے واقف ہو گئے، نفس کی اصلاح ہو گئی، اخلاقِ رذیلہ زائل ہو گئے، اخلاقِ جمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا، اعمالِ صالحہ کی رغبت طبعیت بن گئی، اعمال و عبادت میں سہولت ہو گئی، نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ہو گئی۔ اس کے بعد سیوفی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات و ذات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہوئی، اسرار و مالات کا ورود ہونے لگے، یہ غیر محدود ہے" (اور یہ سیر فی اللہ ہے)

(شریعت و طریقت ص ۳۶)

استغفارنا محتاج الی استغفار کثیر کا مطلب | سوال :- جناب مفتی صاحب اعیان میلاد النبیؐ

کے موقع پر ایک واعظ صاحب سے کسی بزرگ کا ایک مقولہ سننے میں آیا کہ ہمارا استغفار بہت سارے استغفار کا محتاج ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ مہربانی فرما کر مجھے اس مقولہ کا مطلب سمجھا دیں؟

الجواب :- یہ مقولہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو استغفار کرتے ہیں صرف رسم پوری کرنے کے لیے استغفار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں دل سے اس گناہ کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ یا قصد نہیں ہوتا بلکہ اندر ہی اندر اس گناہ کو بار بار کرنے کا قصد ہوتا ہے اور یہ استغفار کی صورت ہے جو خود ایک عظیم گناہ ہے۔ تو اس قسم کے استغفار کے بارے میں ہی آپ نے فرمایا کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر کہ ہمارا استغفار کثیر استغفار کا محتاج ہے۔

دل کو روشن کرنے کا طریقہ | سوال :- دل میں روشنی اور نور کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- عبادات کرنے اور محرمات و معاصی سے دور رہنے سے دل میں نور ایمانی پیدا ہوتا ہے اور منہیات کے کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، لہذا دل کو نور ایمانی سے روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ عبادت الہی کی طرف زیادہ توجہ دیں اور منکرات سے اپنے آپ کو بچائیں انشاء اللہ دل روشن ہو جائے گا۔

ریا کاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا | سوال :- جناب مفتی صاحب مجھے

نوافل پڑھنے اور ذکر اذکار کا بہت شوق ہے مگر اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ بہت بڑا عبادت گزار ہے اور میرے اندر کہیں ریا کاری نہ پیدا ہو جائے۔ تو کیا میرا اس طرح کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- عبادات میں ریا کاری اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے ایک مسلمان کو حتی المقدور اس سے بچنا چاہیئے، مگر ریا کاری کے خوف سے نیک عمل کو ترک کرنا بھی کوئی عقلمندی کا کام

نہیں اس لیے جو نیک عمل (نفل و ذکر اذکار) آپ صرف اس وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ کہیں اس میں ریاکاری نہ پیدا ہو جائے بالکل نامناسب اور خلاف شرع عمل ہے، آپ کو جب بھی عبادت کا شوق پیدا ہو فوراً نوافل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔

سوال :- ایک صاحب سے میرے تعلقات سے بات چیت نہ کرنے پر وارد و عید ختم ہو جاتی ہے

میں وارد و عید سے بھی ڈرتا ہوں، مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ میری اس کے ساتھ زیادہ گفت و شنید بھی نہ ہو اور اس وعید سے بھی بچ جاؤں؟

الجواب :- کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بلا عذر شرعی باتیں نہ کرنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے طویل وقت تک گپ شپ لگائیں اور اس کے ساتھ آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا ہو بلکہ صرف سلام کرنے پر کلام کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر آپ اُس شخص کے ساتھ کسی شرعی عذر کی بناء پر بات چیت کرنا نہیں چاہتے تو نہ کریں صرف سلام کرنا ہی کافی ہے اس سے بھی آپ کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، طویل وقت تک گپ شپ لگانا اور گفت و شنید کرنا ضروری نہیں۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل خانقاہی نظام میں ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی پیر عمر رسیدہ ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے اپنے مریدین اور احباب و اقارب کی موجودگی میں اس کی دستار بندی کرتا ہے اور اس سلسلے میں بڑی دھوم دھام سے ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ تو کیا اسلام میں کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی اہل شخص کو اپنا جانشین مقرر کرنا اور اس کو خلافت سے نوازا کوئی خلاف شرع عمل نہیں، اسلامی تعلیمات میں اسکی گنجائش موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی خلافت اور جانشینی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو جانشین یا خلیفہ مقرر کرنا مقصود ہو اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہوں جن کا ایک قبیح سنت مصلح یا پیر و مرشد میں پایا جانا ضروری ہے جس میں اہلیت نہ ہو اسلام نے اس کو خلافت دینے اور جانشین بنانے

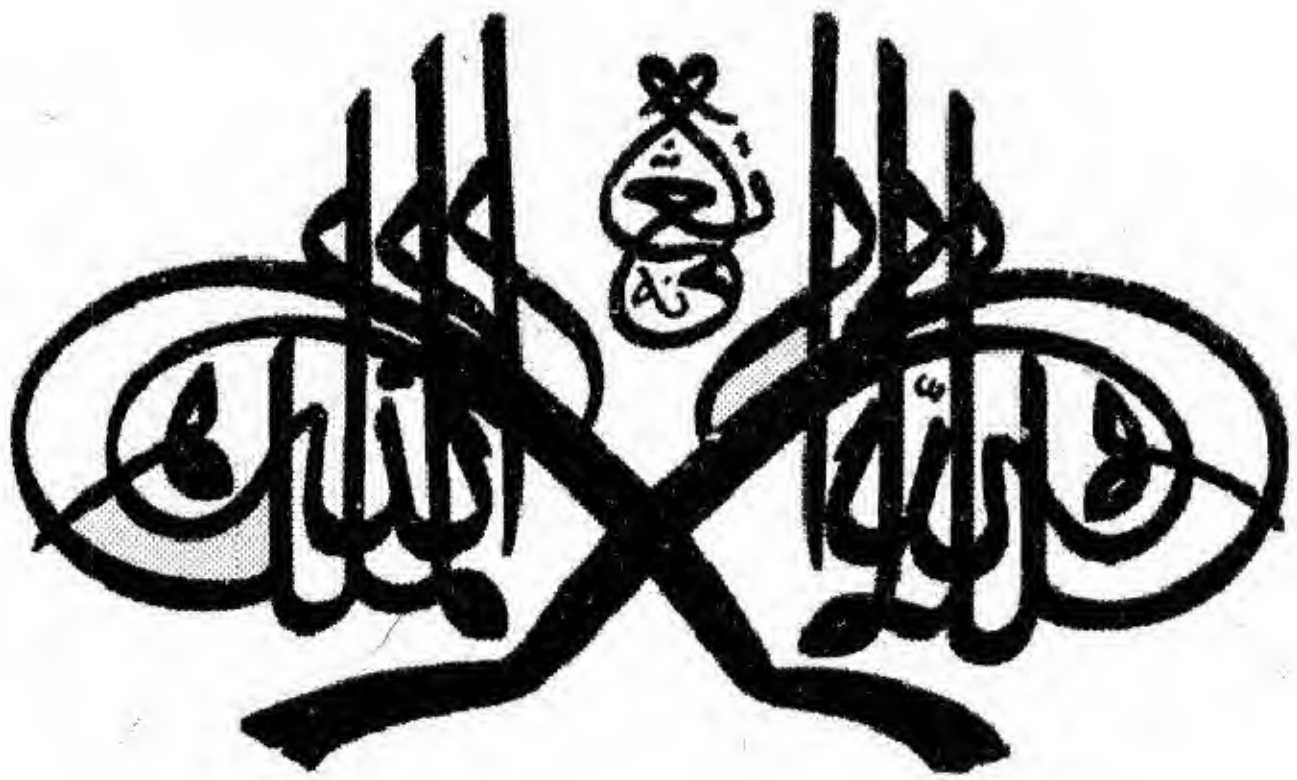
کی اجازت نہیں دی ہے، آجکل اکثر نااہل لوگوں کو خلافت سے نوازا جاتا ہے جو کہ بے دینی اور فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی المتقانونی: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ وہ ابقاء فیض اور اجرا سلسلہ کیلئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیتے ہیں، ایک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی بقیہ اپنی وفات کے، مگر مقصود ان سب سے ضرورتوں کا مشترک متحد ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو، حدیث شریف سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اب جو خلافت و سجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا، گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل طریقہ کا فساد اور طالبین کی راہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔ امام مالکؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس عہدہ (خلافت) کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس حدیث سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

در شریعت و طریقت ص ۲۳۳ باب پنجم متفرقات







کتاب التیاسة

(سیاست کے احکام و مسائل)

سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم | سوال :- سیاست کسے کہتے ہیں؟ شرعاً سیاست میں حقہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی سیاست میں حقہ لیا تھا یا نہیں؟

الجواب :- سیاست کا معنی اور مفہوم لغت کی کتابوں سے یوں معلوم ہوتا ہے :-
”پاس داشتن ملک و حکم راندن بر رعیت“ (شمس اللغات ص ۳۶۶)

”السیاسة“ القیام علی الشئ بما یصلحہ۔ والسیاسة فعل السائس یقال هو یسوس الدواب اذا قام علیہا وراضیہا۔ والوای یسوس رعیتہ۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۲۲۹-۲۳۰)

ان تعریفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ملک اور قوم کی بہتری کے بارے میں سوچا جاتا ہے، اگرچہ موجودہ دور کے نام نہاد جمہوریت پسندوں کی دوغلی پالیسی اور دجل و تبلیس نے سیاست کا میدان ایسا بدنام کر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی شریف اور باعزت شخص کے لیے اس میں قدم رکھنا موجب ملاحت سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود شرعی نقطہ نظر سے اسلامی سیاست کا منشاء یہ ہے کہ ملک اور قوم کو ایسا منظم نظام دیا ہو کہ جس پر چلنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اسی مقصد کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام بھیجے کہ وہ انسانوں کو ایسی تعلیمات دیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

دین و مذہب انسان کے عقائد سے لے کر سیاسیات کے میدان تک اصلاح کا تقاضا کرتا ہے سیاست چوتھہ نبوی نظامِ ہائے حیات سے متعلق ہے اس لیے یہ شریعت کا مستقل موضوع ہے۔ شارح قانون اسلام علامہ ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں: ”الامامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا“ (الاحکام السلطانية ص ۲۲) الباب الاول في عقد الامامة ص ۱۴

”السیاسة“ استصلاح الخلق بأرشادهم الى ما فيه مصلحتهم۔ النهج المتبع في تدبیر مرفق من مرافق الحياة العامة۔ تدبیر المعاش مع العموم علی طریق العدل۔ (لاروس ص ۶۸۴)

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی تعلیمات میں سیاست ایک متنقل شعبہ رہا ہے، حدیث میں ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لابی بعدی وستکون خلفاء فتکثرون قالوا فما تا مرننا یا رسول اللہ قال فرا ببیعة الاول فالاول واعطوہم حقہم فان اللہ سائلہم عما استرعاہم۔

وقال الامام النووی فی شرح المسلم تحت ہذا الحدیث: "قوله صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی" ای یتولون امورہم کما یفعل الامراء والولاة بالرعیة۔ والسیاسة القیام علی الشئ بما یصلحہ۔

والنوی شرح المسلم ج ۳ کتاب الامارۃ، باب فوجیاء لوفاء ببیعة خلیفہ (۱۲۶)

سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ انسان منصب خلافت پر فائز ہوتا ہے اور یہ عمل خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

منہ ذیل آیت کریمہ "وَجَعَلْ لِّی مِنْ لَدُنْکَ سُلْطٰنًا نَصِیْرًا" (سورۃ الاسراء آیت ۸) کی تفسیر میں مفسرین حضرات یوں فرماتے ہیں:-

قال الامام طبری: واجد لی ملکاً ناصرًا ینصر فی علی من نا وافی وعدًا اقیم بہ دینک وادفع بہ عنہ من ارادہ بسو یر۔ (جامع البیان ج ۹ سورۃ بنی اسرائیل)

وقال الامام شہاب الدین الالوسی البغدادی: "وَجَعَلْ لِّی مِنْ لَدُنْکَ سُلْطٰنًا نَصِیْرًا" بنی اسرائیل وعلّم نبی اللہ انہ لا طاقۃ لہ بہذا الامر الا بسطان قسّال سُلْطٰنًا نَصِیْرًا لکتاب اللہ تعالیٰ وحدودہ وفرائضہ فان السلطان عذۃ من اللہ عزّ وجل جعلہا بین اظہر عبادہ لولا ذلک لا غار بعضهم علی بعض واکل شدیدہم ضعیفہم۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۲ سورۃ بنی اسرائیل) لہ

سوال :- موجودہ دور کی سیاست میں حصہ لینا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا شرعاً کیسا ہے؟

لہ وقال الامام بیضاوی: وكذلك کل نبی استخلفہم فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسہم وتنقیذ امرہ قیہم۔ (تفسیر بیضاوی شرح ص ۶۲، ۶۳ سورۃ بنی اسرائیل) ومثله فی تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲ بنی اسرائیل وفی تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۸۲ سورۃ بنی اسرائیل۔

الجواب: موجودہ دور میں لوگ سیاست میں مختلف مقاصد کے حصول کے لیے حصہ لیتے ہیں، بعض لوگ تو اپنی سیاسی دوکان چمکانے کے لیے متحرک نظر آتے ہیں جبکہ بعض لوگ غیر شرعی نظام ہائے زندگی مثلاً سوشلزم، نیشنل ازم، کیپیٹلزم وغیرہ کے لیے محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ علاقائی یا قومی تعصبات کی سیاست میں ہی اپنی بقاء سمجھتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاست میں حصہ لینا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا یقیناً سعی لا حاصل کے مترادف ہے جبکہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے کوشش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس لیے اگر ایک شخص ایسے بے دینی نظام کی ترویج و اشاعت کے مقابلہ میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو یقیناً یہ مستحق اقسام ہے بلکہ بے دینی کی یلغار کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق اس میدان میں حصہ لینا علماء کرام کے فرائض منصبی کا حصہ ہو کر عظیم جہاد ہے۔

لما قال عليه الصلوة والسلام: عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۸۱ ابواب الفتن) لہ

البتہ جہاں کہیں علماء کرام بجائے کسی اصلاحی پہلو کے خود کسی غیر شرعی سیاست کا شکار ہو کر اپنے دینی تشخص کو کھو بیٹھیں تو ایسی حالت میں اپنے دینی تشخص کا تحفظ کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْرِحْكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا هَدَىٰ يَتِمَّ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (المائدة آیت ۵۱)

لہ وقال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ، تحت هذا الحديث: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر؛ وقال المظهر وانما كان افضل لان ظلم السلطان يسرى في جميع من تحت سياسته وهو جرم غفير فاذا انهاء عن الظلم فقد اوصل النفع الى خلق كثير بخلاف قتل كافر۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲، کتاب الامارۃ والقضاء الفصل الثاني) ومثله في ابي داود ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الملاحم۔ ب۔ الامر والنهي۔

امارت شرعی کے قیام کا حکم | سوال :- پاکستان میں مختلف پارٹیاں انتخابات میں حصہ

لیتی ہیں جن میں ہر پارٹی کا نقطہ نظر الگ ہوتا ہے، اور بعض پارٹیاں تو کامیاب ہونے کے بعد نظام ہائے غیر شرعی کے نفاذ کی کوششیں کرتی ہیں جبکہ دینی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ تو اب اہل پاکستان خصوصاً مسلمانوں پر شرعی نقطہ نظر سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک میں اسلامی خلافت یا جمہوری نظام کے قیام کی حامی پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو کامیاب کریں؟

الجواب :- تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی ایسی پارٹی کو برسرِ اقتدار لائے جو عملاً نظام اسلام کو ملک میں نافذ کر سکے۔ شرعی نظام میں خلیفہ کی بڑی ذمہ داریاں یہ ہیں، احکام الہی کا عملاً نفاذ کرنا، حدود اور قصاص کو جاری کرنا، جمعوں اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا، ملکی سرحدات کی حفاظت کرنا، اسلامی لشکروں کو منظم کرنا، ڈاکوؤں اور قطاع الطریق کا قلع قمع کرنا، عوام کے جھگڑوں اور منازعات کو حل کرنا۔ شرعی نقطہ نظر سے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی خلافت کے قیام میں تعاون کریں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

لما قال الامام سعد الدين تفتازاني: ثم الاجماع على ان نصب الامام واجب انما الخلاف في انه يجب على الله او على الخلق بدليل سمعي او عقلي والمذهب انه يجب على الخلق سمعاً لقوله عم من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية۔
(شرح العقائد النسفية ص ۱۱۱ الخلاف والامارة)

وقال الامام شاه ولي الله محدث الدہلوی رحمہ اللہ: اعلم انه يجب ان يكون في جماعة المسلمين خليفة لمصالح لا تتم الا بوجوده وهي كثيرة جداً يجمعها صنقات، احدها ما يرجع الى سياسة المدينة من ذب الجنود التي تغزوهم وتقهرهم وكف الظالم عن المظلوم وقصل القضايا وغير ذلك..... وثانيهما ما يرجع الى الملة وذلك ان تنويه دين الاسلام على سائر الاديان لا يتصور الا بان يكون في المسلمين خليفة يتكبر على من خرج من الملة وامر تكل ما نصت على تحريمه او ترك ما نصت على افتراضه اشد الانكار وبذل اهل سائر الاديان يأخذ منهم الجزية عن يد وهم

صاغرون - رحمة الله البالغة ج ۲ ص ۱۲۸ - ابواب سیاست الممدت (۱) لہ
اسلام میں انتخاب امیر کا طریقہ کار | سوال :- اسلام میں انتخاب امیر یعنی کسی شخص
 کو امیر اور خلیفہ مقرر کرنے کے لیے کون سا طریقہ

اپنا یا جاتا ہے ؟

الجواب :- اسلامی سیاست میں انتخاب امیر کے لیے چار طریقے پائے جاتے ہیں،
 (۱) بیعت اہل حل و عقد (۲) استخلاف (۳) شوری (۴) استیلاء
 پہلے حصے قسم کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے کہ چند اہل حل و
 عقد نے جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد عام لوگوں نے بیعت
 کرنا شروع کی تھی۔

لما قال الامام الماوردی رحمہ اللہ : ان بیعة ابی بکر رضی اللہ عنہ انعقدت بحسبة
 اجتمعوا علیہا ثم تابعهم الناس فیہا وهم عمر بن الخطاب و ابو عبیدہ بن الجراح
 و اسید بن حضیر و بشر بن سعد و سالم مولى ابی حذیفة رضی اللہ عنہم ۔

(الاحکام السلطانیة ص ۱۰۱ الباب الاول فی عقد الامامة)
 ۲۔ استخلاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت چند اہل حل و عقد سے مشورہ کر کے کسی
 ایسے شخص کے بارے میں وصیت کرے کہ جس میں خلافت کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں، جیسا کہ
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت
 فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

لما قال الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی : طریق دوم ! استخلاف خلیفہ است مجتمع

لہ وقال الامام عمر النقیؒ ، والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احکامهم
 واقامة حدودهم وسد تغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم
 وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع
 المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق ۔

(شرح العقائد النسفی ص ۱۱۱ الخلافة والامارة)

وَمِثْلُهُ فِي احْكَامِ السُّلْطَانِيَةِ لِابْنِ يَعْلى ص ۱۹ فصول في الامامة ۔

شروط را یعنی خلیفہ عادل بمقتضائی نصیح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند و جمع نماید مردمان را و نص کند باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی۔ پس اس شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند و قوم را لازم ست کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند انعقاد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود۔

(ازالۃ الخفاء ص ۵ مقصد اول)

۳: مشورے: شوری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت چند آدمیوں کی شوری مقرر کرے کہ میری خلافت کے بعد یہ حضرات آپس میں مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کریں گے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کی شوری مقرر کی تھی اور اس شوری والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

ما قال الامام ابو الحسن الماوردی: والثانی ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوری فی ستہ لیعقد لا حدہم برضاء الحسنۃ۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۱۱۱ اول فی عقد الامۃ) ۴: استیلاء: استیلاء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مذکورہ تین طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خلیفہ بن جائے، پھر یہ (استیلاء) بھی دو قسم پر ہے: (۱) ایک قسم وہ ہے کہ جو شخص طاقت اور غلبہ کے ساتھ اپنے آپ کو خلیفہ مقرر کرے اور اس میں خلیفہ کی تمام شرائط موجود ہوں تو یہ قسم شرعاً جائز ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جو شخص طاقت کے زور سے خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور اس میں خلیفہ کی شرائط بھی موجود نہ ہوں تو ایسی خلافت کو نظریہ ضرورت کے تحت تسلیم کیا جائے گا، شرعاً کسی مسلمان کو اس کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہیں۔ تاہم جب تک ایسے خلیفہ سے ضروریات دین میں کمی نہیں آئی ہو تو مسلمان عیاں پر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ جہاد وغیرہ کے لیے جانا لازم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ایسی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں:-

طریق چہارم: استیلاء ست، بیوں خلیفہ بمیرد و شخصی متعدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف و ہمہ را بر خود جمع سازند بایتلاف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردماں اتباع فرمان او در آں چہ موافق شرع باشد۔ و ایں دو نوع است: یکے آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمی و ایں قسم جائز است و رخصت و انعقاد خلافت معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام

حسین رضی اللہ عنہم بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کتد بقتال و ارتکاب محرم وان جائز نیست و فاعل آل عامی ست لیکن واجب است قبول احکام او چو موافق شرع باشد و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چون قاضی او حکم نماید نافذ گردد و حکم او ہمراہ او جہاد می توان کرد۔ و این انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل و افتائی نفوس مسلمین و ظهور حرج و مرج شدید لازم می آید و بقیین معلوم نیست کہ این شاید مفقودی شود بصلاح یا نہ۔ بحتملی کہ دیگری بدتر از اول غالب شود پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برای مصلحتی کہ موہوم ست و محتمل و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اول خلفائے بنی عباس بہمیں نوع بود۔ (ازالۃ الخلافۃ عن خلافتہ الخلفاء ص ۱ مقصد اول)

لہ وقال الامام شاہ ولی اللہ فی طرق انعقاد الخلافة : وتنعقد الخلافة بوجود ابيہ اهل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وامراء الاجناد ممن يكون له رأى ونصيحة للمسلمين كما انعقدت خلافة ابي بكر رضي الله عنه (۲) وبأن يوصى الخليفة الناس به كما انعقدت خلافة عمر رضي الله عنه (۳) ويجعل شؤی بین قوم كما كان عند انعقاد خلافة عثمان بن عفان ايضاً رضي الله عنهما (۴) أو استيلاء رجل جامع للشروط على الناس وتسلطه عليهم كسائر الخلفاء بعد خلافة النبوة ثم ان استولى من لم يجمع الشروط لا ينبغي ان يبادر الى المخالفة لان خلعه لا يتصور غالباً الا بحروب ومضايقات وفيها من المفسد اشد مما يرجى من المصلحة۔ وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عنهم فقيل افلا ننبذهم ؟ قال لا ما اقاموا فيكم الصلوة وقال الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان وبالجمله فاذا كفر الخليفة بانكار ضروري من ضروريات الدين حل قتاله بل وجب والا لا۔

حجة الله البالغة ج ۲ ص ۱۵۰ ابواب السياسة
المدن انعقاد الخلافة بوجود

ومثله في الاحكام السلطانية لا يبي على ص ۲۳ فصول في الامامة۔

عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے | سوال :- اسلامی نقطہ نظر سے کوئی عورت کسی جمہوری نظام میں کسی عورت کو اقتدار سونپ دیا جائے تو ایسی حالت میں شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب :- قرآن و حدیث کی رو سے سربراہ مملکت بننے کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ سربراہ کا مذکر ہونا اہم شرط ہے، اسلامی نظام خلافت میں یہ قطعاً گوارا نہیں کہ کسی عورت کو زمام اقتدار سونپا جائے۔

لما قال الامام سعد الدين التفتازاني: (تحت قول النسفي) "وليشروط ان يكون من اهل الولاية المطلقة الكاملة" اي مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً والنساء ناقصات عقل ودين - (شرح العقائد النسفي ص ۳۱۱ الخلافه والاھامۃ) وقال العلامة ابن عابدین: (تحت قول در مختار) "وليشترط كونه مسلماً حراً ذكراً" ولان النساء امرن بالقرار في البيوت فكان مبنی حالهن على السترواليه اشارة النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال كيف يفلح قوم تملكهم امرأة۔

(مراد المختار ج ۱ ص ۱۵۲ باب الامانة)

سربراہ بننے کے بعد اس کے فرائض منصبی کی احسن طریقہ سے ادائیگی کے لیے جن امور کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے وہ مردوں میں پیدا کئے ہیں، البتہ گھریلو اور خاندانی امور کے تکفل کی ذمہ داری عورت کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے، اس لیے عورت کو اس میدان میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے جن امور کی ضرورت تھی وہ اسے مکمل طریقہ سے دیئے گئے جبکہ مرد میں وہ صلاحیتیں مفقود ہیں۔

عورت کے لیے پردہ کی رعایت، اجانب سے بے جا اختلاط سے ممانعت اور دامن عصمت کا تحفظ ایسے امور ہیں جو میدان قیادت میں جانے سے متع کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ جس نے اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دی۔

لما ورد في الحديث: عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال تفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل

فأقاتل معهم قال لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة۔ (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفار)
 وقال الامام بغوی: (تحت هذا الحديث) اتفقوا على أن المرأة لا تصلح أن تكون اماماً ولا قاضياً لأن الامام يحتاج إلى الخروج لأقامة أمر الجهاد والقيام بأمور المسلمين.....
 ولأن المرأة ناقصة والامامة والقضاء من كمال الولايات فلا يصلح لها الا الكامل من الرجال۔ (شرح التتة ج ۱ ص ۱۰۰ کتاب المائتة والقضاء۔ باب كراهية تولية النساء)
 چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ایک کافر قوم کے بارے میں ہے اس لیے کسی بھی قوم کو اس سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں، خواہ مروجہ جمہوریت میں یا اسلامی طریقہ خلافت میں کسی عورت کو یہ موقع دیا جائے ہر حالت میں عورت کی حکمرانی عذاب خداوندی کے مترادف ہے۔
سوال ۱۔ جمہوریت یا شہنشاہیت میں جو لوگ حاکمیت کے **اولوالامر کی حقیقت** **دعویدار ہیں کیا یہ لوگ "اولی الامر" کی حقیقت میں داخل ہیں یا** **نہیں؟ تاکہ ان کی تابعداری رعیت کے لیے لازم ہو کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا بغاوت کے مترادف ہو؟**

الجواب ۱۔ شریعت کی رو سے "اولی الامر" کی حقیقت خلافت علی منہج النبوة سے خاص نہیں بلکہ امراء اور سلاطین بھی اگر عوام کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نبھاتے ہوں اور کسی خاص طریقہ انتخاب سے ان کی تقرری ہوتی ہو اور جس کو عوام کی تائید بھی حاصل ہو خواہ جمہوریت میں ہو یا دوسرے نظام حکومت میں ہو تو یہ لوگ بھی "اولی الامر" میں شمار ہوں گے۔
 لما قال الامام جصاص: والصحيح عندى انهم الامراء والعلماء جميعاً اما الامراء فلان اصل الامر منهم والحكم اليهم واما العلماء فلان سؤلهم واجب متعين على الخلق وجوابهم لازم۔ (احكام القرآن ص ۱۸۹ سورة البقرة)
 تاہم جہاں کہیں امراء اور سلاطین کسی خلاف شرع نظام کو مسلمانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کریں تو ان کے خلاف آواز اٹھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی اور

لہ قال العلامة الامام القرطبي: واجمعوا على ان المرأة لا يجوز ان تكون اماماً۔
 (الجامع لاحكام القرآن ج ۲ ص ۲۰۰ سورة البقرة)

اخلاقی ذمہ داری ہے۔

لما قال الامام قرطبي: في تفسيره "اول الامر" روى عن علي ابن ابي طالب رضي الله عنه انه قال حق على الامام ان يحكم بالعدل ويؤدي الامانة واذ افعل ذلك وجب على المسلمين ان يطيعوه لان الله تعالى امر باده الامانة والعدل ثم امر بطاعته۔

(تفسير الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۵۹ سورة النساء)

خلافت یا ملوکیت | سوال: خلافت علی منہج النبوة کا دور کتنا عرصہ رہا اور اس کے بعد نظام حکومت خلافت کی بجائے ملوکیت کو منتقل ہوا، نیز خلافت

اور ملوکیت میں کیا فرق ہے، اور ملوکیت کا دور کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟
الجواب: خلافت علی منہج النبوة کا دور تین سال تک مسلسل رہا، پھر اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوتا ہے البتہ درمیان میں بعض ایسے خلفاء آئے جن کے عدل و انصاف کی وجہ سے ان کا دور حکومت بھی خلافت علی منہج النبوة میں شمار کیا گیا تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت علی منہج النبوة تیس سال تک رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے خلافت ملوکیت کی طرف منتقل ہوئی۔

لما ورد في الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك۔ ثم قال سفيانة امسك خلافة ابي بكر ثم قال وخلافة عمر وخلافة عثمان ثم قال امسك خلافة علي فوجدنا هاتلا ثين سنة قال سعيد فقلت له ان بنی أمیة يزعمون ان الخلافة فيهم قال كذبوا بنوا الزرقاء بل هم ملوك من شر الملوك۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۱ کتاب الفتن)

بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تقویٰ، خدا ترسی اور تلہیت کی وجہ سے ان کا

لما قال الامام الشوكاني: "واولى الامر هم الائمة والسلاطين والقضاة وكل من كانت له ولاية الشرعية لا ولاية طاغوتية والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله كما ثبت ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (فتح القدير للشوكاني ج ۱ ص ۲۸۱ سورة النساء)

ومثله في جامع البيان للطبري ج ۲ ص ۱۲۱ سورة النساء۔

دور سنہری دور کہلایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض اسلاف نے آپ کے دور حکومت کو خلفاء راشدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

عن سفیان یقول الخلفاء خمسة ابو بکر وعمر وعثمان وعلي وعمر ابن عبد العزيز رضي الله عنهم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸ کتاب الامارۃ) لے
خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی کے اسباب؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی قوت اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے پوری کوشش کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفاء راشدین خاص کر حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں انہیں موقع نہ مل سکا تاہم ان لوگوں نے زیر زمین اپنی سرگرمیاں زور و شور سے جاری رکھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام کھل کر میدان میں آگئے جس کی سب سے بڑی دلیل خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت ہے۔

قال العلامة ابن کثیر رحمہ اللہ: مکان اول من دخل علیہ رجل یقال له الموت لاسود خنقه خنقا شديداً حتى غشي عليه وجعلت نفسه تتردد في حلقه فتركه وهو یظن انه قد قتله..... ثم دخل علیہ آخر دمعاً سیف فضر به به فالتقاہ بید فقطعها..... فكان اول قطرة فیها سقطت علی هذه الآية: "فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" ثم جاء آخر شاهد أسيفه فاستقبلته نائلة بنت الفراقصة ل تمنعه منه واخذت السيف فانتزعه منها فقطع اصابعها۔ (البدایة والنهاية ج ۷ ص ۱۹۷)

جس کے بعد جبل و صفین اور دوسری جنگیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔ یہی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے خلافت علیؓ منہج النبوة کی جڑیں کھوکھلی کی گئیں جس سے رفته رفته خیر القرون کا دور ختم ہو کر خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔

خلافت اور ملوکیت میں نمایاں فرق یہ رہا کہ خلافت کے انتخاب کا جو طریقہ خلفاء راشدین کے دور میں مروج تھا وہ ملوکیت میں نہ رہا، خلفاء راشدین کے دور میں رعایا کی رضامندی سے

لے عن سفیان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة تحريثي الله الملك من يشاء۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الامارۃ)

بیعت لی جاتی تھی جبکہ ملکیت میں اس کے برعکس باؤ اور جبر سے بیعت لی جاتی تھی، اس کا اندازہ
 خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کی گئی تقریر سے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا :-
 اقابعدا فانی واللہ ما ولیت امرکم حین ولیتہ وانا اعلم انکم لالتسرون بولایتی
 ولا تمہونہا۔ وانی لعالم بما فی نفوسکم من ذلک ولکنی خالستکم بسیفی ہذا الخالصة۔
 (البدایۃ والنتہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکیت کے دور میں خلفاء راشدین کی سہ سادہ زندگی کے بجائے قیصر و
 کسریٰ کی سی شان و شوکت پیدا ہو گئی اور بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب اور دربان
 حائل ہو گئے، رعیت کی خیر خواہی کی جگہ امراء خود انانیت کا شکار ہو گئے اور ان سے ایسے کام
 سرزد ہوئے جو اس منصب کو زیب نہیں دیتے۔

سوال :- اگر ایک شخص اعمال کے اعتبار سے
منصب خلافت کے انتخاب کا معیار
 دین کا پابند ہو، تقویٰ اور دینداری میں بڑی

شہرت رکھتا ہو لیکن ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے امور مملکت چلانے
 سے نااہل ہو تو کیا منصب خلافت کے عہدہ کیلئے اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی مسلمان کی دینداری اور تقویٰ بے شک ایک تحسن چیز ہے جو کہ صرف
 اس کی اپنی ذات تک محدود ہے، منصب خلافت میں چونکہ ذاتی کردار سے ہٹ کر مخلوق خدا
 سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں معاشرہ کے خم و تربیج اور حالات کے نشیب و فراز سے گزرنا
 پڑتا ہے اس لیے اس میدان میں امور خلافت سے واقفیت رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔
 تاہم ایسے منصب کے انتخاب میں دجل و تبلیس اور ظلم و زیادتی سے بچنے کے لیے امیدوار کے
 ذاتی کردار و اخلاق کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ : تحت قول النسفی
 ولا یشرط فی الامام ان یکون معصوماً ولا ان یکون افضل من اهل
 زمانہ لان المساوی فی الفضیلة بل المفضول الاقل علماً وعملاً رہما کان
 اعرف بمصالح الامامة ومفاسدھا واقد ر علی القیام بمواجبھا
 خصوصاً اذا کان نصب المفضول اذ مع للشروا بعد عن اثارۃ الفتنة
 مع انه لا یجوز نصب امامین فی زمان واحد قلنا غیر الجائر

هو نصب امامين مستقلين - (شرح العقائد النسفی ص ۱۱۳ الخلافة والامارة)

قوی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت | سوال :- اگر ایک قوم متفقہ طور پر شریعت کے نام پر ایک عالم دین کو اپنا امیر منتخب کرے

تو شرعی نقطہ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے اور اس کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہے ؟

الجواب :- امیر کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کسی قوم نے اجتماعی طور پر یا اکثریت کی رائے سے کسی معتد شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیا تو ایسا اقدام شرعاً قابل تحسین ہے بلکہ شرعی نقطہ نظر سے محض کے علاوہ سفر میں بھی اس کی رعایت ضروری ہے ۔

ماوردی الحدیث : عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیثمروا احدهم - (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۵۱ کتاب الجہاد)

تاہم قوم پر لازم ہے کہ شرعی امور میں ایسے امیر کی اطاعت کرے البتہ غیر شرعی امور میں امیر کی اطاعت اور قول کو اعتبار نہیں دیا جائے گا ۔

ماوردی الحدیث : عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکرة الا ان یؤمر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة - (مجموع مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الامارة)

ایسے امیر کو چونکہ کئی اختیارات حاصل نہیں ہوتے اس لیے حدود اور قصاص کی تنفیذ اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابویکریم مسعود الکاسانی رحمہ اللہ : واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما یعم الحدود کلها ومنها ما یغض البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یکون المقیم للمحد هو الامام او من ولاة الامام وهذا عندنا لان للامام ولاية علی جمیع دار الاسلام ثابتة - (بدائع المتالع ج ۲ ص ۵۸، ۵۹ کتاب القضاء)

لہ وقال العلامة محمد عبدالعزیز الفرہاروی رحمہ اللہ : لان اعظم مدار السلطنة هو علی المہارة بامور الدنیا لا علی المہارة بالعلم الشرع وکثرة العبادۃ -

(النبراس ص ۱۱۳ الخلافة والامارة)

ومثله فی رد المحتار ج ۱ ص ۴۵ باب الامامة -

وقال الامام الهمام نجم الملة والدين عمر النسفی: ويشترط ان يكون من اهل الولاية المطلقة الكاملة سائساً قادراً على تنفيذ الاحكام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ (شرح العقائد النسفی ص ۱۱۳، ۱۱۴ الخلاقه والامارة) لے

ووٹ کی شرعی حیثیت | سوال :- مروجہ طریقہ انتخاب میں ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں :-

- (۱) اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک و قوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔
 - (۲) اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم و نسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایما ندار اور دیا ندار ہے۔
 - (۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ سمجھنے کے لیے سفارش کرتا ہے۔
 - (۴) اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لیے حکومت کے گھر میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص راہبیدوار حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔
 - (۵) ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی امیدوار کے واسطے سے سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔ اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہ راست سربراہ مملکت یا خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط و کتابت کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح سربراہ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے۔
- چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ

لے قال العلامة الحسینی: ہی صفوی وکبری فاکبری استحقاق تصرف عام علی الأتار۔ (الدراختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۴ باب الامامة) ومثله رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۴ باب الامارة۔

سے فرمایا کہ لوگوں سے میرے لیے بیعت لے لو۔

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ يقول قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن في مجلس تباعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً. (صحيح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷ کتاب الاحکام)
وعن عبد الله بن دينار قال شهدت ابن عمر رضی اللہ عنہما حيث اجتمع الناس على عبد الملك كتب افي اقر بالسمع والطاعة لعبد الله عبد الملك امير المؤمنين على سنة الله وسنة رسول الله ما استطعت وان نبي قد اقر وامتثل ذلك۔
(صحيح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷ کتاب الاحکام)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے اپنے حق رائے دہی ووٹ کے استعمال کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ اگر کسی نے نا اہل شخص کو ووٹ دے دیا تو یہ ووٹ شہادتِ زور، غلط سفارش اور غلط مشورے میں داخل ہوگا اور اس قسم کے غلط افعال کا ارتکاب قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے۔

لما قوله تعالى: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ وَخَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرٌ مُّشْرِكِينَ بِهِ۔ (الحج آیت ۳۰، ۳۱)
مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كُفْلٌ مِّنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)

وقال عليه الصلوة والسلام: المُسْتَشَارُ مَوْثِقٌ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷)
وعن تميم الداري رضی اللہ عنہ ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الدِّينُ النصيحة قلنا لمن قال لله وكتبابه ولسوله ولانبياء المسلمين وعامتهم۔ (صحيح بخاری ج ۱ ص ۱۰۷ کتاب الایمان)

ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا | سوال: عصر حاضر میں انتخابات کے موقع پر ووٹنگ کے دوران بعض لوگ بالکل ووٹ کا استعمال نہیں

لے ووٹ کی شرعی حیثیت کے لیے دیکھئے (۱) جواہر الفتنہ ج ۲ ص ۲۹۶ تا ۳۰۱۔
(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۶۵ تا ۲۶۶ متفرقات۔

وَمَثَلُهُ فِي النَّسَائِي ج ۲ ص ۱۶۲ کتاب الامارۃ۔

کرتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ کی رو سے ووٹ کا حق استعمال کرنا لازمی ہے یا نہیں؟
الجواب :- ووٹ کی حیثیت ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت میں یہ تفصیل ہے
 کہ شہادت کبھی واجب اور کبھی فرض کی حد تک پہنچتی ہے اور کبھی استحباب اور اباحت کے
 درجہ میں ہوتی ہے۔ جہاں کہیں شہادت کے ترک کرنے سے مدعی کا حق سلب ہوتا ہو تو وہاں
 شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے، اور جہاں کہیں گواہوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں گواہی
 دینا مستحب اور مباح ہے۔

لما قال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "وَلَا يَأْبِ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا"
 فاذا كانت الفسحة لكثرة الشهود والامن من تعطل الحق فالمدعو مندوب
 وله ان يتخلف لادفاعه وان تغلف لغيره فلا اثر عليه ولا ثواب له
 واذا كانت الضرورة ونجف تعطل الحق ادنى خوف قوى الندب وقرب من
 الوجوب - واذا علم ان الحق يذهب ويتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب
 عليه القيام بها لاسيما ان كانت محصلة وكان الدعاء الى ادائها -
 الجامع لاحكام القرآن ج ۳ ص ۳۹۸ سورة البقرة

انتخابات میں ووٹنگ کے دوران ہر شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ اگر میں نے فلاں
 شخص کو ووٹ نہ دیا تو اس کے مقابلے میں فاسق فاجر کامیاب ہو جائے گا، تو ایسی حالت
 میں اس کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا ضروری ہے، اور اگر یہ خطرہ موجود نہ ہو تو اس
 کے لیے ووٹ کے عدم استعمال پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اسی طرح اگر کسی انتخابی حلقہ میں حصہ لیتے والے امیدوار فساد و فجار ہو تو ووٹر
 کے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ ووٹ کا بالکل استعمال نہ کرے۔ حقیقت میں ووٹ کے
 استعمال کے دو پہلو ہوئے، اور یہ تو ووٹر کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ میرے لیے
 ووٹ استعمال کرنے میں کیا فائدہ ہے اور عدم استعمال میں کیا نقصان ہے، اپنے
 دینی اور دنیوی فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ووٹ کا استعمال کرے، اس لیے کہ ووٹ
 کی حیثیت ایک قسم سفارشی کی ہے، اور سفارش اگر اچھی ہو تو ثواب ورنہ گناہ کا
 مستوجب ہوگا۔

قال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "مَنْ يَشْفَعْ شَقَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ"

نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)
 وقال مجاهد والحسن وابن زياد وغيرهم هي في شفاعات الناس
 بينهم في حوائجهم فمن يشفع لينفع فله نصيب ومن يشفع ليعثر فله كفل۔
 (الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵ سوق النساء) له

سوال :- ایک شخص دیندار ہے اور شرع کا
 پابند ہے، جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو
 وہ ایک دینی جماعت کو ووٹ دیتا ہے

دین کے لیے ووٹ کے استعمال میں
 والدین کی نافرمانی میں گناہ نہیں

جبکہ اس کا والد سیکور ذہنیت رکھتا ہے اور اپنا ووٹ بھی غیر مذہبی پارٹی کو دیتا ہے اور
 اپنے دیندار بیٹے سے بھی کہتا ہے کہ میری پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دینا، اب دریافت طلب امر
 یہ ہے کہ از روئے شرع بیٹے کے لیے والد کی یہ بات ماننا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک سعادتمند بیٹے کے لیے والدین کی فرمانبرداری ضروری ہے لیکن ایسے
 امور میں نہیں کہ جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔
 صورت مسئلہ میں بیٹا عند اللہ اپنی مسئولیت کا احساس کر کے کوئی ایسا فیصلہ کرے کہ جس سے
 اللہ کے ہاں اس کی ذمہ داری فارغ ہو۔

لما قال عليه الصلوة والسلام : لا طاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف۔
 (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الامارۃ - نسائی ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب البيعة)
 وعن ابن سيرين ان عمران بن حصين قال للحكم الغفاري سمعت النبي صلى الله عليه وسلم

له وقال الامام ابن جرير الطبري في تفسير هذه الآية : "ولا ياب الشهادۃ اذا
 ما دعوا" يجب فرض ذلك على من دعى للشهادۃ على الحقوق اذا لم يوجد غيره
 فاما اذا وجد غيره فهو في الاجابة الى ذلك مخير ان شاء اجاب وان شاء
 لم يجب۔ (جامع البيان للطبري ج ۳ ص ۱۲۰ سورة البقرة)

وقال الامام احمد مصطفى المراغي رحمه الله : في حق الشهادة - وهو فرض كفاية
 لا يجب على من دعى اليه الا اذا لم يوجد غير يقوم مقامه۔

(تفسير المراغي ج ۳ ص ۵۷ سورة البقرة)

يقول لاطاعة للمخلوق في معصية الخالق قال نعم۔ (کنز العمال ج ۹۲ ص ۹۲) حدیث ۱۴۲۰۱ لہ

ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا | سوال :- عصر حاضر میں انتخابات

زید کو صالح اویندار اور مدبر سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے مقابلہ میں ووٹ بکر کو دیتے ہیں جو کہ مرتبہ میں زید سے تھوڑا سا کم ہے، اہل حلقہ کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :- انتخابات میں ووٹ دیتے وقت اہل اور صالح ترین آدمی کو ترجیح دینا ضروری ہے تاہم اگر صالح آدمی کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ اسمبلی میں پہنچ کر صدارتی انتخابات یا وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں کسی فاسق فاجر کو ووٹ دے گا تو اس صورت میں اسے ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ جو شخص آگے کسی دیندار صدارتی امیدوار کو ووٹ دے گا اس کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات میں ترجیح دینی ضروری ہے۔

قال العلامة الحاکم نیسا بوری : عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن استعمل رجلاً من عصابة وفي تلك العصابة من هو ارضی اللہ منہ فقد خان اللہ وخان رسوله وخان المؤمنین۔ (المستدک علی الصمیمین ج ۹۲ ص ۲) لہ

بیہوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا | سوال :- ووٹنگ کے دوران ایک شخص اپنی بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرتا ہے اور بیوی اپنے

لہ عن ابن جریر کرش عن علیؑ قال لاطاعة لبشر في معصية الله۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۶۶) حدیث ۱۴۹۱۱ لہ

وقال الامام شوکانی محمد بن علیؑ: وكل من كانت له ولاية شرعية لا ولاية طاغوتية والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله۔ (تفسیر فتح القدیر للشوکانی ج ۱ ص ۲۸۱) سورة البقرة

لہ وعن حذیفة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل استعمل رجلاً علی عشرة انفس علم ان فی العشرة افضل ممن استعمل فقد غش اللہ وغش رسوله وغش جماعة المؤمنین۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۹) حدیث ۱۴۶۵۳ لہ

ومثله فی کنز العمال ج ۶ ص ۲۵ حدیث ۱۴۶۸۷۔

خاوند کے نفوت کی وجہ سے ووٹ ڈالنے سے محروم ہو جاتی ہے، شریعت کی رُو سے بیہوی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب :- ووٹ ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی فرض کفایہ، موجودہ حالات میں ووٹنگ کا جو نظام ہے اس میں ووٹر زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ووٹ ڈالنا زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے حکم میں داخل ہوگا، اور فرض کفایہ میں یہ قاعدہ ہے کہ ضرورت کے تحت اگر چند لوگ ووٹ کا حق استعمال کریں تو اوروں کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر خاوند بیہوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرے تو شرعاً کسی پر مواخذہ نہیں، نہ خاوند پر اور نہ بیہوی پر، بلکہ عورت کے لیے عزت اور حیاء اسی میں ہے کہ خاوند کی یا ت مان کر ووٹ ڈالنے سے احتراز کرے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: ان الشهادة فرض كفاية اذا قام بها البعض سقط عن الباقيين وتعين اذا لم يكن الا شاهداً - (المحرر لائق ج ۲ کتاب الشہادۃ) لہ
رشتہ داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم | سوال :- کسی امیدوار کو اچھے بُرے کی تمیز کیے بغیر محض برادری اور

رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اہل اور عقدار کے بجائے صرف رشتہ داری اور برادری کی وجہ سے کسی امیدوار کو ووٹ دینا عصیت اور جاہلیت کے مترادف ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصیت کی دلدل میں پھنسنے والوں سے بے زاری کا اظہار فرمایا ہے۔

لما ورد في الحديث: وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات ميتة جاهلية.....

لہ وقال الامام عبدالرحمن بن علي الجوزي القرشي: انما يلزم الشاهد ان لا ياتي اذا ادعى لاقامة الشهادة اذا لم يوجد من يشهد غيره - فاما ان كان قد تحملها جماعة لم تتعين عليه وكذلك في حال تحملها لانه فرض على الكفاية كالجهاد فلا يجوز لجميع الناس الامتناع منه - (زاد المسير في علم التفسير ج ۱ ص ۳۳۹ سورة البقرة)

ومن قاتل تحت راية عمية يد عوار الى عصبية او يغضب بعصبية فقتل
فقتله جاهلية - (سنن النسائي ج ۲ ص ۵۶ کتاب المحاربة، باب التغليظ فيمن قاتل تحت راية عمية) ^{لہ}

دیندار امیدوار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا | سوال :- زید نے انتخابات

قسم اٹھائی کہ میں اپنا ووٹ عمرو کو دوں گا، لیکن کچھ دن بعد عمرو کے مقابلہ میں بکر انتخابات کے لیے کھڑا ہو گیا اور تمام اہل محلہ کے نزدیک بکر، عمرو سے دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اچھے کردار کا مالک ہے، اب زید کہتا ہے کہ میں نے جو قسم اٹھائی ہے اسے بکر کے حق میں توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- بکر چونکہ دیندار اور دیندار ہونے کی وجہ سے ووٹ کا صحیح حقدار ہے اس لیے زید کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے اور اپنا ووٹ بکر کے حق میں استعمال کرے تو شرعاً اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما روی امام نسائی: عن عدی بن حاتم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها فليأت الذي هو خير وليكفر عن
يمينه - (سنن النسائي ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف على يمين فرأى خيراً منها) ^{لہ}

مسلمانوں اور مرزاہیوں کی متحدہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت | سوال :- ایک مسلم

پارٹی کا قادیانیوں سے انتخابی اتحاد ہوا ہے، ایسی متحدہ جماعت کو ووٹ دینا مسلمانوں

لہ لما فی الحدیث: وعن فضيلة قالت سمعت ابي يقول سألت النبي صلى الله عليه وسلم
فقلت يا رسول الله امن العصبية ان يحب الرجل قومه قال لا ولكن من العصبية ان
يعين الرجل قومه على الظلم - (سنن ابن ماجه ص ۲۸۳ باب العصبية)

وَمَثَلُهُ فِي كُنْزِ الْعَمَالِ ج ۳ ص ۵۵ رَقْمُ حَدِيثٍ ۷۶۵

لہ وقال الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود النسقي: ومن حلف على
معصية ينبغي ان يحنت ويكفر - (كنز الدقائق ص ۱۵۵ کتاب الایمان)

وَمَثَلُهُ فِي سَنَنِ النَّسَائِيِّ ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف على يمين فرأى خيراً منها -

مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور خارج من الاسلام ہیں، ان سے اتحاد کرنے سے اگرچہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر کچھ معمولی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے ارتداد اور کفر کی وجہ سے ان کے جو نہ موم مقاصد ہیں اتحاد کی صورت میں وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس لیے قادیانیوں سے اتحاد کرنے میں فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ یہودیوں سے اتحاد کیا تھا لیکن اس سے کوئی اسلامی شعائر متاثر نہیں ہوئے تھے۔

تاہم صورت مسئلہ کے مطابق اگر مسلمان کسی نیک مقصد کی تکمیل کے لیے قادیانیوں سے اتحاد کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بنیادی طور پر کفار اور مشرکین سے اتحاد کرنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (سورة آل عمران آیت ۲۸)۔

لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے دینی اور دنیوی فائدہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے اتحاد کرنا مخص ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے دو مشہور قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ سے اتحاد کیا تھا، اور صلح حدیبیہ بھی اسی قسم کے اتحاد اور معاہدہ کی ایک کڑی تھی۔ اسی طرح آج بھی حالات کو دیکھا جائے گا کہ اگر مسلمانوں اور اسلام کو کفار کے ساتھ اتحاد کرنے میں کوئی معقول فائدہ ہو تو ان سے اتحاد کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الامام شمس الدين السرخسي: ولان رسول الله صلى الله عليه وسلم صالح اهل مكة عام الحديبية على ان وضع الحرب بينه وبينهم عشرين سنة فكان ذلك نظراً للمسلمين لمواظبة كانت بين اهل مكة واهل تميم وهي معروفة ولان الامام نصب ناظراً ومن النظر حفظ قوة المسلمين اولاً فربما ذلك في المودة اذا كانت للمشركين شوكة۔ (المبسوط للسرخسي ج ۱۰ ص ۸۶ کتاب السير)

وقال الامام ابو بكر جصاص في تفسير هذه الآية: "وَإِنْ يَجْعَلُوا لِلْإِسْلَامِ فَاجْتَحَ لَهَا" قال

ابوبکر قد صان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاہد حین قدم المدینۃ اصنافاً ممت
المشرکین منهم التضریر و بنو قینقاع و قرینطہ و عاہد قبائل من المشرکین۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۶ سورۃ الانفال) ۱۷

فاسق و فاجر کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا | سوال :- کسی فاسق اور فاجر شخص
کے حق میں ووٹ کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے یا ایک قسم کی شہادت ہے، اس اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر شخص کو ووٹ نہیں دینا چاہیے، ووٹ کسی دیانتدار، امانتدار اور دیندار یا ایسے شخص کو دینا چاہیے جو قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہو، تاہم جہاں کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلہ میں پارٹی کے منشور کو مد نظر رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

قوله تعالى: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا. (النساء آیت ۵۸)
۲. مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كُفْلٌ مِّنْهَا. (النساء آیت ۸۵)

و نقل الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: هي شفاعات الناس بينهم في حوائجهم من يشفع لينفع فله نصيب ومن يشفع ليفضر فله كفل. (الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵ سورۃ النساء ۸۵)

۱۷ قال في الهندية: واذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقاً منهم وكان ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به وان رأى الامام موادة اهل الحرب وان يأخذ على ذلك مالا فلا بأس به لكن هذا اذا كان بالمسلمين حاجة اما اذ لم تكن فلا يجوز۔
(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۹۶ الباب الثالث في المواعاة والامان الخ)

۱۸ وقال الدكتور الزحيلي: ثانياً، العدالة۔ ای الدیانة والاخلاق الفاضلة وهي معتبرة في كل الولاية وهي ان يكون صادق اللہجة ظاہر الامانة عفيفاً عن المحام۔ متوقياً الماثم۔ بعيداً عن الريب۔ ماموناً في الرضا والغضب۔ مستعملاً لمروءة مثله في دينه و دُنْيَاہ۔

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۶ ص ۶۹۲ ابواب السادر نظام الحكم في الاسلام، المبحث الرابع شرط الامام)

ووٹ لینے کی غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا | سوال :- انتخابات کے موقع پر بعض امیدوار اپنے حلقہ کے لوگوں میں کچھ پیسے یا کھانے پینے کی بعض اشیاء اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ کل ووٹنگ کے وقت یہ لوگ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں، شرعاً ان تقسیم شدہ اشیاء کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب :- اگر امیدوار کا مقصد یہ ہو کہ میں پیسوں کے ذریعے لوگوں سے ووٹ خریدتا ہوں تو اس غرض سے لوگوں کو پیسے دینا جائز نہیں، اس لیے ووٹ کی شرعی حیثیت یا تو شہادت و گواہی کی ہے یا سفارش کی، اور فقہاء کے نزدیک شہادت پر پیسے لینا جائز نہیں۔

لما قال الامام ابن الہمام رحمہ اللہ : بخلاف الشہادة فانہا فرض یجب علی الشہادة اداہا فلا یجوز فیہا التعارض اصلاً۔ (فتح القدیر ص ۲۷۱ کتاب الشہادة) اور اگر امیدوار کی غرض خرید و فروخت کی نہ ہو بلکہ ویسے لالچ دینے کے لیے ہو کہ پیسے دیکھ کر لوگ مجھے ووٹ دیں گے تو اس صورت میں تقسیم شدہ اشیاء کی حیثیت رشوت کی ہے اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے، اس لیے ووٹ کے عوض میں کچھ لینا اور دینا دونوں نا جائز ہے۔

لقولہ علیہ السلام : لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینہما۔

دکنز العمال ج ۶ ص ۱۱۲ حدیث من ۱۵۰۸، ۱۵

عورت کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا | سوال :- صوبائی اور قومی اسمبلیوں اپنا حق رائے دہی (ووٹ) کا استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، ووٹ کے

۱۵ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی فی الحکم۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۸ ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب القضاء، باب فی کراہیۃ الرشوة۔

ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے اور اسی طرح ووٹر اپنے حلقہ کے امیدوار کے حق میں رائے اور مشورہ دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو اہل رائے، اہل مشورہ اور اسی طرح اہل شہادت قرار دیا ہے۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى : فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ - (البقرة ۲۸۲)
خلفاء راشدین کے روشن دورِ خلافت میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے لوگوں سے مشورہ اور رائے طلب کی تو اس موقف پر آپؓ نے پاکدامن عورتوں سے بھی مشورہ اور رائے طلب کی تھی۔

لَمَّا قَالَ الْإِمَامُ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ : ثُمَّ نَهَضَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِيَسْتَشِيرَ النَّاسَ فِيهِمَا وَيَجْتَمِعَ رَأْيُ الْمُسْلِمِينَ بِدَائِي رُؤسِ النَّاسِ وَاقِيَادِهِمْ جَمِيعًا وَاشْتَاتًا مَثْنًى وَفَرَادًى وَمَجْتَمِعِينَ سِرًّا وَجَهْرًا حَتَّى خَلَصَ إِلَى النِّسَاءِ الْمُخَدَّرَاتِ فِي حِجَابِهِنَّ وَحَتَّى سَأَلَ الْوُلْدَانَ فِي الْمَكَاتِبِ وَحَتَّى سَأَلَ مَنْ يَرُدُّ مِنَ الرِّكَبَانِ وَالْأَعْرَابِ إِلَى الْمَدِينَةِ فِي مَدَّةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ بَلِيَالِيهَا - (البداية والنهاية ج ۷ ص ۱۵۱)

تاہم ایک مسلمان عورت کے ووٹ ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امورِ شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے ورنہ معصیت کے ارتکاب سے ووٹ کا ترک کرنا افضل ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عورتوں کا ووٹ بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔“

(کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۷۷ کتاب السياسة)

عورت کی شہادت (گواہی) کے بارے میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَمَا سَوَى ذَلِكَ مِنَ الْمَعَامَلَاتِ أَيْ وَكُلِّ مَا سَوَى ذَلِكَ يُقْبَلُ فِيهِ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ سَوَاءً كَانِ الْحَقُّ مَالًا أَوْ لَا كَالنِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

کالعتق والرجعية والنسب - (فتح القدیر ج ۶ ص ۲۵۰، ۲۵۱ کتاب الشهادة ۱)

مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا | سوال: مروجہ

مغربی طرز جمہوریت پر ہٹا کرتے ہیں علماء کرام ان انتخابات میں حصہ کیوں لیتے ہیں؟
الجواب:- علماء کرام کے لیے لازم ہے کہ اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سیاسی لائن پر منکرات کا سہارا نہ لیں اور برسر اقتدار طبقہ کو خلاف شرع امور کی نشاندہی کرتے ہوئے منکرات سے بچائیں۔ اور اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انتخابات میں شرکت کیے بغیر صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے، اسی لیے علماء کرام ضرورت کے تحت مروجہ طریقہ انتخابات کے ذریعہ ایوان اقتدار میں پہنچ کر حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے جسے علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: من اُبتلی ببلیتین وهما متساوین یاخذ بایتھما شاء وان اختلفا يختار اھونھما لان مباشرة الحرام لا تجوز الا للضرورة ولا ضرر ورة في حق الزيادة۔ (الاشباه والنظائر مع شرح للمحوی ج ۱ ص ۲۸۶ القاعد الخمسة الضرر يزال ۱)
انتخابات میں مروجہ طریقہ کے تحت حصہ لینا ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے

لہ وقال العلامة ابن حجر العسقلانی: عن مسروق... كانت عائشة أفقه الناس وعلم الناس واحسن الناس رأياً في العامة۔ (الاصابة في تميز الصحابة ج ۲ ص ۳۶ ذکر عائشة)

وقال العلامة عمر کمالہ فی ترجمۃ شفاء بنت عبد اللہ: يقول الشفاء بنت عبد اللہ..... صحابية جلیلة ذات عقل وفضل وجودة رأي كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقدمها في الرأي ويرضاها ويفضلها وربما ولاها شيئاً من امر السوق۔

(اعلام النساء لعمر کمالہ ج ۲ ص ۳)

لہ وقال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاكَ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ" اي سلطانه..... عادتہ ای بظلم بلا حجة مجاہد فی حکمہ وهو استرقاق السراف۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکتے کے لیے ملک مصر کے قانون کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر عمل فرمایا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۳۸ سورۃ یوسف)

آھون ہے، اس وجہ سے بھی علماء کرام مغربی طرز جمہوریت کے مطابق منعقدہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں۔

انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا | سوال: انتخابات کے دوران بعض

امیدوار انتخابی جلسوں میں لاؤڈ سپیکر پر اعلانیہ ایک دوسرے (مخالف امیدوار) کو گالی گلوچ اور نازیبا الفاظ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، از روئے شرع کسی پر نازیبا الفاظ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے کسی مسلمان کی بے جا تحقیر کرنے یا اس کے بارے میں نازیبا الفاظ زبان سے نکلانے کو ایک بری خصلت قرار دیا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق و فجور کی علامت ہے، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت قابو میں رکھے اور کسی کی دلائل زاری نہ کرے، جذبات کی رو میں بہہ کر اپنی مسئولیت کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیئے، اسلامی اقدار کا ہر میدان میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

لما روی البخاری: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل اولی صمت۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۹ کتاب الادب باب لا تعقرن جادة لجارتهما) وإیضاً: عن التبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سیاب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۱۵۶ کتاب المحاربة ۲ لہ)

لما فی الحدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد یتکلم بالکلمۃ ما یتبین فیہا یزل بہا فی النار بعد ما بین المشرق۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۹ کتاب الرقاق۔ باب حفظ اللسان ومن کا یؤمن باللہ الخ ایضاً: عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳ کتاب الادب باب ما ینہی عن السبا واللعن ۲ لہ)

انتخابات میں خود امیدوار بننا | سوال :- ایم این اے اور ایم پی اے کی مراعات اور اسے منافع بخش کاروبار سمجھتے ہوئے لوگ خود اس میدان میں اتر آتے ہیں جن میں سے اکثر کا نہ تو کوئی منشور ہوتا ہے اور نہ ہی ملک کی بہتری کا کوئی پروگرام ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ تو کیا ذاتی طور پر انتخابات میں امیدوار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ اصولی طور پر کوئی بھی عہدہ طلب کرنے کے خلاف ہے، امارت یا وزارت وغیرہ کے عہدہ پر فائز ہونے کے لیے مناسب یہ ہے کہ عوام میں سے دانشور لوگ کسی کو منتخب کریں اور جو کوئی خود اپنے آپ کو امارت و وزارت کے لیے پیش کرتا ہو تو شریعت ایسے اقدام کی نفی کرتی ہے۔

لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَنَا وَاللَّهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ احْدًا سَالَهُ وَلَا احْدًا حَرَصَ عَلَيْهِ - (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الامارۃ)
وايضاً: عن عبد الرحمن بن سمرہؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تسأل الامارة فانك ان اعطيتها عن مسئلة وكلت اليها وان اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها - (السنن النسائي ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الامارۃ م ۱۷)

تاہم جہاں کہیں نا اہل نمائندوں کی وجہ سے عوام کے حقوق ضائع ہوتے ہوں یا بے دین اور فساد و فحار کے ممبر منتخب ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو تو فواجش اور مظالم کے انسداد کے لیے انتخابی میدان میں آنا کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ امیدوار خود کسی خلاف شرع امور میں ملوث ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کرتا ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: "اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظٌ عليهم" (یوسف) ورنہ جہاں کہیں ایسے میدان میں خود آنا بے دینی کا ذریعہ بننا یقینی ہو تو بے دینی کے لیے سبب بننا خود جرم ہے۔

لے لما ورد في الحديث: عن أبي ذرٍّ قال قلت يا رسول الله ألا تستعملني قال قضر ببيدٍ على منكبي ثم قال يا أبا ذرٍّ انك ضعيف وانها امانة وانها يوم القيامة خزي وندامة الا من أخذها بحقها وآد الذي عليه فيها -

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الامارۃ)

انتخابی وعدوں کا شرعی حکم | سوال :- انتخابی مہم کے دوران ایک امیدوار نے لوگوں سے قسم قسم کے وعدے کیے اور لوگوں نے

بھی اس سے عہد و پیمان لیا کہ کامیاب ہونے کے بعد آپ فلاں فلاں کام کریں گے، لیکن جب وہ کامیاب ہو گیا تو اسے نہ وہ وعدے یاد رہے اور نہ ہی کوئی کام کیا بلکہ اپنی عیش و عشرت میں مصروف رہا، ایسے وعدے پورے نہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- شریعت میں کسی کے کام کرنے کے لیے دو قسم کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کو کہتے ہیں وعدہ اور دوسرے کو کہتے ہیں معاہدہ۔ اب شریعت مطہرہ میں معاہدہ پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور کبھی کبھی تو معاہدہ قسم کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے، اور اگر معاہدہ توڑ دیا جائے تو یمین یعنی قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

ساقال الامام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ: "وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا" العہد ینصرف علی وجوہ فمنہا الامر۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ" وقال: "أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يُبْنَىٰ آدَمُ" والمراد الامر وقد یکون العہد یمیناً ودلالة الآية علی ان المراد فی هذا الموضع الیمین ظاہر لانه۔ قال: "وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا" ولذلك قال اصحابنا ان من قال علی عہد اللہ ان فعلت کذا انه حالف وقد روی فی حدیث حذیفة: حین أخذہ المشرکون وأباه فاخذوا منه عہد اللہ ان لا یقاتلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قدما المدينة ذکر ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال تفی لهم بعہدہم وتستنحین اللہ علیہم۔ (احکام القرآن ج ۳ سورۃ التحل)

دوسری قسم وعدہ کی ہے، وعدہ وفا کرنے کو شریعت مطہرہ نے مکارم اخلاق سے شمار کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے کہ میں انشاء اللہ آپ کے لیے فلاں کام کروں گا، اور وعدہ کرتے وقت وہ کام کرنے کا ارادہ بھی تھا تو بعد میں کسی وجہ سے کام نہ کر سکنے پر گنہگار نہ ہوگا، تاہم وعدہ کو بروقت پورا کرنا ایک مستحسن فعل ہے اور

اور انسانی مروت کا شیوہ بھی ہے۔

لما روى ابو داؤد في سننه: عن زيد بن ارقم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا وعد الرجل اخاه ومن نيته ان يفي فلم يفي ولم يجئ للميعاد فلا اثر عليه۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۲۶ کتاب الادب باب في العدة)
وقال العلامة فخر الحسن الجنجوهي في شرح هذا الحديث: قوله، فلا اثر عليه قيل فيه دليل على ان الوفاء بالوعد ليس بواجب شرعي بل هو من مكارم الاخلاق بعد ان كان نيته الوفاء۔ (تعلیق المحمود علی هامش ابی داؤد ج ۲ ص ۳۲۶ کتاب الادب باب العدة)
ان دونوں میں دیکھنا ہوگا کہ اُمیدوار کا وعدہ کس قسم سے تھا، اگر معاہدہ کی قسم سے ہو تو اُسے اپنا معاہدہ پورا کرنا ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر وعدہ کی تک ہو تو پھر بھی انسانی اخلاق و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ وعدہ پورا کرے بصورت دیگر گنہگار نہ ہوگا، ہاں وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کی نیت کا ارادہ کرنا ضروری ہے ورنہ پھر نفاق کی علامت ہوگی۔

کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے؟ | سوال :- عصر حاضر میں انتخابات کے موقع پر مرد اور عورتیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا اسلام میں یہ جائز ہے کہ عورت کو قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکن منتخب کیا جائے؟

الجواب :- اس پُر فتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے اس لیے کہ موجودہ حالات میں انتخابات

لہ وقال الامام ابن حجر العسقلاني: لان خلف الوعد لا يقدح الا اذا كان العزم عليه مقارناً للوعد۔ اما لو كان عازماً ثم عرض له مانع او بدا له رأي فلهذا له توجب منه صورة النفاق۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۹ کتاب الایمان، باب علامات النفاق)
وروى ابو داؤد: عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان للغادر ينصب له لواد يوم القيامة فيقال هذه غدرة فلان بن فلان۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۳ في الباب في الوفاء بالعهد)

کے لیے مہم چلانے کے دوران عورت کے لیے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے، تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش ہے۔

اس لیے کہ ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ عوام اور قوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں اور عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے، فقہ حنفی کی کتابوں میں وکیل کی شرائط میں کہیں بھی ذکوریت کی شرط موجود نہیں، اور بدایتہ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے، صرف عقد نکاح میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی۔

لما قال الامام ابن رشد الحفید: و شروط الوکیل ان لا یكون ممنوعاً بالشرع من تصرفه فی الشئ الذی دکل فیہ فلا یصح توکیل الصبی ولا المجنون ولا المرأة عند مالک و الشافعی علی عقد النکاح۔ بدایتہ المجتہد تہایتہ المقتصد ج ۲ باب اول کتاب الوکالۃ اسی طرح ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ کی حیثیت اہل حل و عقد کی ہے، ان ہی کے ووٹوں سے پھر وزیر اعظم اور صدر مملکت کا انتخاب ہوتا ہے۔ سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردیؒ نے اہل حل و عقد کی شرائط میں ذکوریت کا ذکر نہیں کیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں:-

فاما الاختیار فالشروط المعبرة فیہم ثلاثة۔ احدها العدالة الجامعة لشروطها۔ والثانی: العلم الذی یتوصل بہ الی معرفة من یتحق الامامة علی الشروط المعبرة فیہا۔ والثالث: الرأی والحکمة السودیان الی اختیار من هو لامامة اصلم و بتدبیر المصالح اقوم واعرف۔ (الاحکام السلطانیة للماوردی ص ۶ الباب الاول فی عقد الامامة)

لہ قال العلامة ابو یعلیٰ الموصلی رحمہ اللہ: أما اهل الاختیار فیوت بونیہم ثلاث شروط احدها: العدالة والثانی: العلم الذی یتوصل بہ الی معرفة من یتحق الامامة والثالث: ان یتكون من اهل الرأی والتدبیر الموثوقین الی اختیار من هو لامامة اصلم۔ (الاحکام السلطانیة ص ۱۹ فصول فی الامامة)

عموماً پارلیمنٹ میں عورتیں اجیاء حقوق نسواں کے نام سے بے دینی کے کام زیادہ کرتی ہیں اس لیے انہیں اسمبلیوں میں نہ بھیجنا زیادہ رائج ہے۔
تاہم دلائل مذکورہ سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے اس لیے عورت کی سربراہی کے بارے میں احادیث اور قرآن مجید میں واضح دلائل موجود نہیں، اس کے علاوہ جہاں بھی امامت کبریٰ کی شرائط بیان ہوئی ہیں وہاں ذکور کی شرط لازمی ذکر ہوئی ہے۔

سوال :- جمعیۃ علماء اسلام کجاعتی سیاہ و سفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت

جھنڈا جو کہ سیاہ و سفید رنگ پر مشتمل ہے، اس سے وابستہ علماء اس جھنڈے کو علم نبوی کی شبیہ سمجھتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ بھی ایسا ہی تھا، تاریخ یا غرواۃ کی روشنی میں یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جنگوں میں مختلف رنگ کے جھنڈے استعمال کئے ہیں، کسی ایک رنگ کے جھنڈے کا مستقل استعمال کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ تاہم بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”نمرة“ کا جھنڈا استعمال کیا ہے جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا، کیونکہ ”نمرة“ سفید اور سیاہ رنگ سے مرکب ہوتا ہے۔

لما قال ابن منظور: والنمرة شملة فيها خطوط بيض وسود۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۲۹)

وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسم: قال بعثني محمد بن القاسم الى البراء بن عازب اسأله عن رؤية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سودا مرتبة من نمرة۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۹ ابواب الجهاد، باب في الرايات) ۱۰

۱۰ وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسم: قال بعثني محمد بن القاسم الى البراء بن عازب اسأله عن رؤية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سودا مرتبة من نمرة۔ (ستنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ کتاب الجهاد باب في الرايات والالوية)

جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم | سوال :- آجکل لوگ گھروں اور بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں

کیا خیر القرون میں جھنڈے کا اس قسم کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں؟ اور شرعاً اس طرح جھنڈے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنگ کے میدانوں میں جھنڈے کا استعمال کرتے تھے لیکن جنگ کے علاوہ صحابہ کرام سے جھنڈے کا استعمال قولاً فعلاً ثابت نہیں۔ تاہم آجکل جو لوگ گھروں، دوکانوں یا بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں اگر بلا التزام ہو تو اباحت پر محمول ہوگا، اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: الاصل في الاشياء الاباحة -

(الاشياء والنظائر مع شرحه للحموى ج ۱ ص ۲۲۳) لہ

البتہ اگر کسی جگہ دیندار لوگوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے جھنڈے کا استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا | سوال :- ایک شخص خود نہ تو کمیونسٹ ہے اور نہ ہی مغربی جمہوریت کو پسند کرتا ہے

لیکن وہ اپنے گھر اور دوکان وغیرہ پر کمیونسٹ، سوشلزم یا مغربی جمہوریت پسند پارٹیوں کے جھنڈے لگاتا ہے اور کسی دینی یا اسلامی پارٹی کا جھنڈا انہیں لگاتا ہے، تو شرعاً اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب :- شریعت مطہرہ نے غیر مسلم لوگوں کے شعار اپنانے سے منع فرمایا اس لیے مذکورہ بالا شخص کو ایسے امور کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے جس سے غیر مسلم اقوام کی

لہ ونقل الشيخ احمد بن محمد الحموى: عن قاسم بن قطلوبغا ان المختاران الاصل الاباحة عند جمهور اصحابنا - رغبزعيون البصائر ج ۱ ص ۲۲۳ قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة (

وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۲۷ باب المراجعة والتولية۔

مشابہت ہوتی ہو، یا کسی بے دینی کو تقویت ملتی ہو۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فهو منهم۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب اللباس) لہ

سوال :- اگر کسی ایسے علاقہ میں جہاں کوئی حکومت مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے | نہ ہو کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا

معاملہ کیا جائے گا؟ اور اگر اس کو قتل کرنا ضروری ہو تو یہ کس کی ذمہ داری ہے؟
الجواب :- مرتد کے بارے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو اُسے تین دن کی مہلت دیدے تاکہ دین اسلام کے متعلق اگر اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہوں تو وہ ختم ہو جائیں اور وہ دوبارہ اسلام قبول کر کے راہ راست پر آجائے لیکن اگر تین دن تک جملہ کاروائی کے بعد بھی مسئلہ جوں کا توں رہے تو حاکم اس کے قتل کا حکم دے لیکن عوام میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اسے قتل کرے، یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ذاتی طور پر مرتد کو قتل کر دیا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری : تحت قول کنزالدقائق : "قوله وكوة قتله قبله" ای قبل عرض الاسلام لان اسلامه مرجو۔ قال فی الهدایة ومعنی الكراهة هنا ترك المستعوب یعنی فھی كراهة تنزیة وهو مبني علی القول باستیباب العرض وامامی قال بوجوبه فھی كراهة تحريم كافی فتم القدير اطلقه فشمّل قتل الامام وغيره ولكن ان قتل غيرہ أو قطع عضوًا منه بغير اذن الامام اذ به الامام۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الجہاد) لہ

لہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس ہتا من تشبہ بغيرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى۔ (ترمذی ج ۲ ص ۹۹ ابواب استئذان)

لہ لما فی الہندیة : فان قتله قاتل قیل عرض الاسلام علیہ او قطع عضوًا منه کرہ ذلك كراهة تنزیة فلا ضمان علیہ لکنہ اذا فعل بغير اذن الامام ادب علی ما صنع۔ (الفتاویٰ الہندیة ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۳ کتاب السیر۔

حدود اور قصاص میں حاکم وقت کا دائرہ اختیار | سوال :- کسی شخص پر قصاص

یا حدود کے ثبوت کے بعد حاکم وقت شرعاً اس میں کسی قسم کی ترمیم کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر قصاص کے موقع پر سربراہ مملکت مروجہ قانون کی رو سے رحم کی اپیل کرنے پر قصاص کی معافی کا اعلان کر دیتا ہے؟

الجواب: حدود اور قصاص ایسی سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر اور متعین کیا ہے، عوام الناس میں سے کسی فرد یا جماعت کو ان سزائوں پر عملدرآمد کا حق نہیں، اسی طرح سربراہ مملکت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سزائوں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم یا رد و بدل کرے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : واما صفات الحدود فنقول وبالله التوفيق لاخلاف في حد الزنا والشرب والسكر والسرقۃ انه لا يحتمل العفو والصلح والابراء بعد ما ثبت بالحجة لانه حق لله تعالى خالصا لاحق للعبد فيه فلا يملك اسقاطه۔

(البدائع الصنائع ج ۲، ص ۲۵۵ کتاب الحدود) لہ
البتہ قصاص میں مقتول کے اولیاء کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لیں یا دیت وصول کریں یا ویسے ہی قاتل کو معاف کر دیں، اس کے علاوہ کسی اجنبی شخص کو یا حاکم وقت کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتول کے اولیاء کی رضامندی کے بغیر قاتل کو معاف کر دے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : واما بيان ما يسقط القصاص

لہ وقال العلامة عبد القادر عوده : والحد هو العقوبة المقررة حقاً لله تعالى..... يعنون بذلك انها لا تقبل الاسقاط من الافراد ولا من الجماعة..... ولاتها عقوبات لازمة فلا يستطيع التاضي ان ينقص منها او يزيد فيها كما انه لا يستطيع ان يتبدل بها غيرها۔
التشريع الجنائي الاسلامي ج ۱ ص ۶۳۵ الفصل الاول، العقوبات المقررة لجرائم الحدود

بعد وجوبہ فالسقط لہ انواع: ومنها العفو..... واما شرائط فمہا
ان يكون العفو من صاحب الحق لانه استقاط الحق واستقاط الحق ولاحق محال فلا
يصح العفو من الاجنبى لعدم الحق - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۱ کتاب الحدود) لہ
اصلاحی کمیٹی کا دائرہ اختیار | سوال :- علاقائی سطح پر اصلاح معاشرہ اور جرائم
کے انسداد کے لیے اگر معززین علاقہ پر مشتمل کوئی ایسی
اصلاحی کمیٹی قائم کی جائے جس کو حکومت کی طرف سے مکمل اختیار حاصل ہو تو کیا ایسی کمیٹی حدود و
تغزیرات کے مقدمات کے فیصلے کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- شرعی نقطہ نظر سے حدود اور تغزیرات کے قیام کا حق صرف حکومت یا
اس کے منتخب شدہ قاضی یا جج کو حاصل ہے، اس کے علاوہ شریعت رعایا میں سے
کسی شخص یا ادارے کو یہ اجازت نہیں دیتی، اس لیے حدود و قصاص کے مقدمات کے فیصلے
کرنا ایسی کمیٹی کے دائرہ اختیار سے خارج ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: واما شرائط جواز اقامتها
فمنها ما يعبر الحد وكلمها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذي يعم الحدود
كلمها فهو الامامة وهو ان يكون المقيم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا -
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۱ کتاب الحدود)

وقال الامام سيّد سابق رحمہ اللہ: والتعزير يتولاہ الحاكم لان له الولاية العامة
على المسلمين - (فقه السنة ج ۲ ص ۲۵ کتاب الحدود) لہ

لہ وقال عبد القادر عودہ: تجيز الشريعة للمجتنى عليه اولى دمه ان يعقوب عن
عقوبتي القصاص والدية - (التشريع الجنائي الاسلامي ج ۱ الباب السادس سقوط العقوبة)
ومثله في الهداية الاخرين ص ۵۵۶ کتاب الجنایات -

لہ وقال ابن الہمام: بخلاف الحدود فانها لم تثبت توليتها للولایة وبخلاف التعزير
الذي يجب حقاً للعبد بالقذف ونحوه فانه لتوقفه على الدعوى لا يقيمه الا الحاكم الا
ان يحكم فيه - (فتح القدير ج ۵ ص ۱۱۳ فصل في التعزير)
ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۸ باب التعزير -

جموعہ وعیدین میں شرط سلطان کی وضاحت | سوال :- نسوانی دور اقتدار میں نماز جمعہ وعیدین کے وجوب پر

کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ فقہاء نے وجوب ادا کے لیے سلطان یا اس کے نائب کی شرط لکھی ہے جبکہ نسوانی دور اقتدار میں یہ شرط منفقود ہوتی ہے۔

الجواب :- جموعہ اور عیدین کی نماز کی صحت کے لیے سلطان کی شرط ہونا مقصود بالذات نہیں بلکہ ایسے مواقع پر اس اشتراط کا مقصد مسلمانوں کے باہمی معاملات کو سلجھانا ہے، عموماً ان حالات میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے باہمی طور پر نزاع پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ایسے مواقع پر سلطان یا اس کے مقرر کردہ شخص کو اعتبار دیا ہے تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے باہمی طور پر کہیں کسی کو خطیب مقرر کیا جائے تو پھر سلطان یا اس کا نائب نہ ہونے کے باوجود جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لہما فی الہندیۃ : ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بہم الجمعة جائز۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۱ باب الجمعة)

وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : والسلطان هو الوالی الذی لا ولی فوقہ وانما کان شرطاً للصحة لانہا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقديم والتقدم وقد تقع فی غیرہ فلا بد منہ تسمیاً لامرہ..... ولولم یکن ثمہ قاض ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جائز للضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳۳ کتاب الجنائز ص ۲)

حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا | سوال :- بسا اوقات ارباب اقتدار کچھ ایسے فیصلے کرتے ہیں جو قرآن و حدیث سے متصادم ہوتے ہیں، اس صورت میں رعیت میں سے کسی شخص کو اپنی

لہما فی الہندیۃ : بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتواقی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیاً مسلماً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۴ باب الجمعة)

ذمہ داری کا احساس کہاں تک ہوتا چاہیئے ؟

الجواب :- خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جب کوئی کام اسلام کے خلاف ہوتا تو رعیت میں سے ہر شخص اور فرد کو باقاعدہ یہ حق حاصل تھا کہ حسب استطاعت اس غلط کام کا سد باب کرے، اگر بذاتِ خود خلیفہ سے بھی بے خبری میں کوئی خلافِ شریعت بات سرزد ہو جاتی تو رعایا میں سے کوئی نہ کوئی شخص ضرور اس کی نشاندہی کرتا اور خلفاء کی طرف سے اس شخص کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ میں رعیت کے عام افراد کو ہر حق دیتے ہوئے فرمایا: "أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ إِفَانِي قَدْ وُلِّيتْ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنِ أَحْسَنْتُمْ فَأَعِينُونِي وَإِنِ اسَاءْتُمْ فَاقْضُونِي..... أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِذَا عَصِيتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ" (البیہ والنہایہ ج ۶ مناقب ابو بکرؓ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عورتوں کے حقِ مہر کے بارہ میں فرمایا کہ آئندہ حقِ مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہوگا، اس پر ایک عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: "وَأَتَيْتُكُمْ أَحَدًا هُنَّ قِنطَارًا" اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال۔ اس عورت کے اس طرح کہنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور اس عورت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

قال عمرؓ لا تغالوا في مهور النساء فقالت امرأة ليس ذلك يا عمرؓ! إن الله يقول: "وَأَتَيْتُكُمْ أَحَدًا هُنَّ قِنطَارًا" من ذهب..... فقال عمرؓ إن امرأة خاصمت عمرؓ مخصمة - (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۷ سورة النساء) تاہم جہاں کہیں آدمی کو حق بات کہنے پر اپنی جان کے ضیاع اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو اور اس پر صبر کرنے کی طاقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

لما في الهندية: ولو علم باكر رأيه انه لو امرهم بذلك قد فوه و شتموه فتركه افضل وكذلك لو علم انهم يضربونه ولا يصبر على ذلك ويقع بينهم عداوة و يهيج منه القتال فتركه افضل - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۳) ۱۷

له قال عمرؓ احب الناس الى من رفع الى عيوني - (كنز العمال ج ۹ ص ۲۵۵۷)

جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا | سوال :- آج کل پاکستان میں زیادہ تر مغربی طرز کا جمہوری نظام نافذ العمل

ہے، اگر عوام الناس میں سے کوئی جماعت یا کئی افراد جمہوری نظام کی بعض خامیوں کے خلاف جلسے جلوس نکالیں اور برسر اقتدار طبقہ کے خلاف ہو جائیں تو کیا یہ لوگ حکومت کے باغی شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب :- مغربی جمہوری نظام میں حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوریت کا تقاضا ہے بلکہ جمہوری حکومت اپنے خلاف کسی رد عمل کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھتی ہے، اس لیے اس میں جلسہ جلوس یا اور کسی مناسب طریقہ سے حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوری نظام کا حصہ ہے، ایسا کرتا نہ بغاوت ہے اور نہ مخالفت یا باغی شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین انکاسانی: فالبعثة هم الخوارج وهم قوم من رأيهم ان كل ذنب كفر كبيرة كانت او صغيرة يخرجون على امام اهل العدل ويستحلون القتال والدماء والاموال بهذا التاويل ولهم منعة وقوة۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۲ کتاب السیر) لہ

غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا | سوال :- موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف غیر اسلامی نظام ہائے

زندگی مثلاً سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے قوانین چلتے ہیں، اور بعض مسلمان حکمران بھی اس قسم کے قوانین سے متاثر ہو گئے ہیں، اگر مسلمانوں میں سے کوئی گروہ یا جماعت اس قسم کے قوانین کے خلاف تحریک چلائے اور لوگوں کو اس کی قباحتیں بتائے تو شرعاً اس قسم کی تحریک کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- سوشلزم، کمیونزم اور مغربی جمہوریت یہ تمام ان نظام ہائے زندگی اسلام

لہ وقال العلامة الحصکفی: البغی لغة الطلب ومنه ذلك ما كنا نبغي وعرفا طلب ما لا یجوز من جور وظلم فتح وشرعاً هم الخارجون على الامام الحق یغیر حق قلوب بحق فلیسوا ببغاة۔
(رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۸ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي احكام السلطانية للماوردی ص ۵۸ الباب الخامس فی الولاية حروب الصالح۔

کے اصولوں سے متصادم ہیں، ایسے کسی بھی نظام کے خلاف آواز اٹھانا، جدوجہد کرنا یا کوئی تحریک چلاتا یہ سب امور موجب ثواب ہیں، اس لیے کہ یہ سب نظام ہائے زندگی منکرات میں داخل ہیں، خاص کر جب ان نظام ہائے زندگی میں دینی اقدار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ہوں اُس وقت مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان منکرات کا سدِ باب کریں۔ اور اگر منکرات کو ختم کرنے کے لیے کوئی جماعت مقرر ہو جائے یا کوئی خاص تحریک چلائی جائے تو یہ ایک مستحسن اور قابلِ فخر عمل ہوگا۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى : وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴)
وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸ کتاب الایمان)۔

وعن جَدِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ قِيَاهُمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِمُونَ عَلَى أَنْ يَغْيِرُوا عَلَيْهِ فَلَا يَغْيِرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَمُوتُوا۔ (ابوداؤد ج ۲ من ۲۲ کتاب الملاحم)

پھانسی کی سزا کا شرعی حکم | سوال :- پاکستان کے قانون میں قاتل کو پھانسی کی جو سزا دی جاتی ہے، شریعت کی رو سے یہ قصاص

شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت نے قصاص لینے کی جو شرائط مقرر کی ہیں موجودہ قانون کے مطابق پھانسی کی سزا میں وہ مفقود ہیں، اس لیے پھانسی کی سزا کو شرعاً تعزیر تو کہا جا سکتا ہے اسے قصاص کہنا صحیح نہیں، قصاص میں بنیادی تین شرطیں ہیں :-

(۱) قاتل سے قصاص لینا حقیقتاً مقتول کے ورثاء کے سپرد ہے، ورثاء چاہیں تو قصاص

لے وہی الہندیۃ : یقال الامر بالمعروف بالید علی الامرء وباللسان علی العلماء وبالقلب لعوام الناس۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۳ کتاب الکراہیۃ)
وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ ج ۲ ص ۲۰۰ بَابُ الْفَتَنِ۔

پس چاہیں تو دیت قبول کریں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

(۲) عین قصاص لینے کے وقت وراثت کا حاضر ہونا لازمی ہے۔

(۳) احناف کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قصاص تلوار سے لیا جائے، جبکہ آجکل پھانسی کی صورت میں یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جاتیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: قَوْلُ لَا يَتَّهَى اسْتِيفَاءُ الْقَصَاصِ تَثْبِيتُ بَأْسِهَا مِنْهَا الْوَرَاثَةُ وَجُمْلَةُ الْكَلَامِ فِيهِ أَنَّ الْوَارِثَ لَا يَخْلُو..... فَإِنْ كَانَ الْكُلُّ كِبَاراً فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَكَلَايَةُ اسْتِيفَاءِ الْقَصَاصِ حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ أَحَدُهُمْ صَادَرَ الْقَصَاصُ مَتَوَفًى..... إِلَّا أَنَّ مَحْضُورَ الْكُلِّ شَرْطُ جَوَازِ الْاسْتِيفَاءِ وَلَيْسَ لِلْبَعْضِ وَلَايَةُ الْاسْتِيفَاءِ مَعَ غَيْبَةِ الْبَعْضِ لِأَنَّ فِيهِ إِحْتِمَالُ اسْتِيفَاءِ مَا لَيْسَ بِحَقِّ لَهُ لِإِحْتِمَالِ الْعُضْوِ مِنَ الْغَائِبِ وَفِي فَصْلِ آخِرٍ - فَالْقَصَاصُ لَا يَسْتَوْفَى إِلَّا بِالْإِيفِ عِنْدَنَا - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۳۳-۲۳۵ کتاب الجنایات)

تاہم قاتل کو پھانسی دینا اگر قصاص نہ بھی ہو تو پھر بھی اس کا ابراء و نفاذ ناجائز نہیں بلکہ قاتل کو سزا دینے کے لیے پھانسی کا اقدام ایک مستحسن فعل ہے۔

سوال :- سرکاری افسروں کو ماتحت (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت

سوال :- سرکاری افسروں کو ماتحت (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت

اداروں میں پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر پرچم کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا اس قسم کا سلام شرعی سلام میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مطہرہ میں سنت سلام کے لیے سلام کے الفاظ زبان سے

لہ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ”وللکبار القور“ ای اذا قتل رجل له ولي كبير وصغير كان للکبير ان يقتل قاتله..... لو كان الكل کباراً ليس للبعض ان يقتص دون البعض ولا ان يوكل باستيفائه لان في غيبة المؤكل احتمال العفو فالقصاص ليحقه من يستحق ماله - (رد المحتار ج ۵ ص ۳۸۳ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتْاوى الهنديّة ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات، الباب الثالث۔

ادا کرنا ضروری ہے تاہم جہاں کہیں ایک آدمی دوسرے آدمی سے اگر کچھ فاصلے پر ہو جس میں ایک دوسرے کی آواز نہ سنی جاسکتی ہو تو زبان سے سلام کے الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی مرنقص ہے۔

لما فی الہندیۃ : وفي النوازل رجل جالس مع قوم سلم علیہم رجل فقال السلام علیک فردہ بعض القوم ینوب ذلک عن الذی سلم علیہ المسلم ویسقط عنہ الجواب یرید بہ اذا اشار الیہم ولم یسلم لان قصده التسليم علی الكل وميجوز ان یشار الی الجماعۃ بخطاب الواحد هذا اذا لم یسلم ذلک الرجل فاما اذا سئماہ فقال السلام علیک یا نرید فاجابہ غیر زید لا یسقط الفرض عن زید وان لم یسلم واشار الی نرید یسقط لان قصده التسليم علی الكل۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ کتاب الکراہیۃ۔ الباب السابع فی السلام)

سرکاری محکموں میں سلام کا جو طریقہ رائج ہے اس میں اصل دخل ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ کو ہے چاہے سلام کرنے والے ایک دوسرے سے دور ہوں یا قریب ہر حال میں سلام ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ سے ہو گا، زبان سے سلام کے الفاظ کا ادا کرنا محض ضمتاً ہوتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے صرف ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے سلام کرنے کو مکروہ اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت قرار دیا ہے۔

کما فی الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منّا تشبہ بغيرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسلیم الیہود الاشارة بالاصابع وتسلیم النصارى الاشارة بالاکف۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ابواب الاستیناد والادب ص ۹۹) یہ بات کہ پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارہ سے تعظیم کیلئے

لے روی الامام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی : عن ابراہیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ وفي التکبیر للقنوت فی الوتر وفي العیدین وعند استلام الحجر وعلی الصفا والمروة وجمع عرفات وعند المقامین عند الجمرتین قال ابو یوسف فاما فی افتتاح الصلوۃ وفي العیدین وفي الوتر وعند استلام الحجر فیکفیل بظہر کفّیہ الی وجہہ واما فی المثلث الاخر فیکفیل بباطن کفّیہ۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۱۲ باب رفع الیدین)

پرچم کو سلام کرتے ہیں تو یہ محض ایک رسم ہے شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔
خیر القیرون میں بھی مجاہدین اسلام پرچم رکھتے تھے لیکن کسی سے پرچم کی اس طرح تعظیم کرنا
ثابت نہیں، اس کے علاوہ شریعت مقدسہ میں جن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر تعظیم کرنا ثابت
ہے ان میں پرچم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری | سوال: جس ملک

سزائوں کا اجراء نہ ہو وہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجب حد ہو اور
یہ شخص اپنے آپ کو حد کے لیے پیش بھی کرتا ہو لیکن حدود کے عدم اجراء کی بناء پر کیا یہ شخص
صرف توبہ پر اکتفا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حدود اور قصاص کے اجراء کی ذمہ داری حکام پر ہے، اگر کسی ملک
میں حکام حدود و قصاص وغیرہ شرعی سزائوں کا اجراء عملانہ کرتے ہوں تو ایسے ملک میں ترک جرم
کے صرف توبہ و استغفار پر اکتفا کرنا صحیح ہے، اس لیے کہ مجرم کا کام عذاب سے بچنے کے
لیے توبہ کرنا ہے اور حکام صاحبان اور قضاة حضرات کا کام مجرم ثابت ہونے کے بعد حدود
و قصاص کو عملاً نافذ کرنا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله، والحاصل ان الواجب على العاصي في نفس
الامر التوبة فيما بينه وبين الله تعالى والأتابة ثم اذا اتصل بالامام ثبت وجوب
اقامة الحد على الامام ولا يمتنع من اقامة بسبب التوبة۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۳ کتاب الحدود) لے

انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا شرعی حکم | سوال: انگریزی قانون
کے مطابق باپ کی میراث

لے وفي الهنديات: وركنه اقامة الامام او نائبه في اقامة..... والظاهر من الذنب ليست
بحكم اصلي لا اقامة الحد لانها تحصل بالتوبة لا باقامة الحد ولهذا يقام الحد على الكافر
ولا طهرة له كذا في التبين۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الحدود، الباب الاول)
ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۴ کتاب الحدود۔

میں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا، تو کیا ایسے قانون کی آڑ لے کر بیٹیوں کو ان کے حق وراثت سے محروم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون میں باپ کی میراث سے بیٹی کو باقاعدہ حصہ ملتا ہے، اس لیے مروجہ انگریزی قانون کا سہارا لے کر بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کر دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے کی بجائے شریعت مقدسہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اگرچہ بظاہر اس کو نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

قال الله تبارك وتعالى : يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْوُنثَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثُ مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ - (سورة النساء آیت ۷)۔

کسی چیز پر مدت دراز تک قبضہ مفید ملک نہیں | سوال :- ملک میں ایک ایسا قانون رائج ہے کہ اگر اجارہ

کی صورت میں کوئی زمین وغیرہ ساٹھ سال تک مستاجر کے پاس رہ جائے تو وہ زمین مستاجر کی ملک شمار ہوتی ہے، اس قانون کو ”زائد المیعاد“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو کیا یہ قانون شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- انگریزی دور سے رائج ”زائد المیعاد“ نام کے اس ظالمانہ قانون کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، شریعت مطہرہ نے اجارہ میں مدت کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ اگر اجیر نے کوئی زمین وغیرہ کسی کو اتنی زیادہ مدت کے لیے مستاجری پر دی ہو کہ جس میں اجیر اور مستاجر کا زندہ ہونا بھی محال ہو تو ایسا اجارہ صحیح ہے، لیکن اتنی زیادہ مدت گزرنے کے باوجود بھی وہ زمین شرعاً مستاجر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

۱۔ وقال الامام سراج الدين محمد بن عبد الرشيد لسجاوتدي : واما البنات الصلب
فاحوال ثلث، النصف للواحدة والثلاثان للاثنتين فصاعداً ومع الابن للذكر مثلاً
حِطُّ الْأُنثَيَيْنِ وَهُوَ عَصَبُهُنَّ - (السراجي ص ۸ كتاب الفرائض)
وَمِثْلُهُ فِي شَرْيْفِيَّةٍ شَرْحِ سَرَاجِيَّةٍ ص ۲ الفرائض -

لما قال العلامة سليم رستم باز: رتحت قول مجلّة الاحکام "للمالك ان يوجر ماله وملكه لفترة مدّة معلومة قصيرة كانت كيوم او طويلة كسنتين" او اكثر حتى لو اجرها الى مدّة لا يعيش العاقدان الى مثلها عادة جاز واختاره الخصاص ومنعه بعضهم وظاهر اطلاق المتن ترجيح الاول -

(شرح المجلّة ص ۲۱۱ - المادة ۲۸۴ کتاب الاجارات) له

تعزیر بالمال کا شرعی حکم | سوال :- اگر علاقائی سطح پر حکومت کی طرف سے قائم کردہ کمیٹیاں جرائم کے انسداد کے لیے مجرموں سے مالی جرمانے وصول کریں تو ایسی کمیٹیوں کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح تعلیمی اداروں میں بچوں سے غیر حاضری پر جرمانے وصول کیے جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- مالی جرمانہ کا مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان اختلافی رہا ہے، احناف کے اصل مذہب میں کسی پر مالی جرمانہ عائد کرنا صحیح نہیں، کیونکہ کسی بھی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا جائز نہیں۔

لحديث النبي صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه. (كنز العمال ج ۱ ص ۳۹ - الفردوس للديلمي ج ۵ ص ۱۱ - رقم ۷۳۵)

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: تمت الدر المختار: لا باخذ مال في المذهب" وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقي الاثمة لا يجوز... واقاد في البرازية ان معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي..... وارى ان ياخذها فيمسكها فان اُيس من تو بته يصرفها الى ما يرى - وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ

له لما في الهندية: يصح العقد على مدّة معلومة اي مدّة كانت قصر المدّة كيوم ونحو او طالت كالسنتين كذا في المصمّرات ويعتبر ابتداء المدّة هاسمي وان لم يسم شيئاً فهو من الوقت الذي استأجرها - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۱۵ کتاب الاجارة - الباب الثالث) ومثله في البرازية على هامش الهندية ج ۵ ص ۱۸ کتاب الاجارة - تفريعات على الاجارة الطويلة -

والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۵، ۱۹۶ فصل فی تعزیر بالمال کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں مالی جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو اور مالی جرمانہ سے جرائم ختم ہوتے ہوں تو ایسی حالت میں اگر نظریہ ضرورت کے تحت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

ما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وكل فرع بالقضاء تعلقا..... قول ابن یوسفؒ فیہ ینتقی..... الفتاوی علی قول ابن یوسفؒ فیما یتعلق بالقضاء لزیادة تجریتہ۔
(مجموعۃ رسائل ج ۱ ص ۳۴-۳۵)

وقال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : وسمعت من ثقة ان التعزیر باخذ المال ان رأى القاضي والوالی جازو من جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يعوز تعزيره باخذ المال۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۴۴۳ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا | سوال :- روزہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے

تو یہ کس کو حق حاصل ہے؟

الجواب :- روزہ مرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں کمی یا زیادتی تجارتی منڈیوں میں اتار چڑھاؤ کی حالت پر مبنی ہے جس کا سبب ماہرین معاشیات ملکی حالات کو قرار دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں افراط زر پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے، اس لیے کسی حاکم یا والی کو روزہ مرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر

لہ وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ : ويجوز التعزیر باخذ المال وهو مذهب ابن یوسفؒ
وبہ قال مالک۔ وايضاً نقل عن معين الحکام ومن قال ان العقوبة المالية منسوخة
نقد غلط علی مذاہب الاثمة نقلًا واستدلالًا وليس یسهل دعوی نستحها۔

(فقہ السنۃ ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ هو المسقر القابض الباسط الرازق وانی لا رجوان اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب فی التسعیر)

تاہم جہاں کہیں تاجر عوام کی مجبوریوں سے غلط فائدہ اٹھا کر مصنوعی مہنگائی پیدا کرتے ہیں، ایسی صورت میں قاضی یا حاکم کے لیے اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر کرنا اور پھر اس کی نگرانی کرنا بھی ضروری ہے۔

لما قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ولا ینبغی للسلطان ان یسقر علی الناس فان کان ارباب الطعام یتحكمون یتعدون عن القيمة تعدیاً فاحشاً وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر فینتد لا بأس به بمشورة من من اهل الرأی والبصيرة۔ (الهدایة ج ۳ ص ۲۴۱-۲۴۲ کتاب الکراہیة۔ فصل فی البیع) لہ

حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکسوں کی شرعی حیثیت | سوال: ہر آجکل ملک میں تقریباً

ہر طرف ٹیکسیشن کا نظام رائج ہے، کہیں انکم ٹیکس، ٹریڈ ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس ہے تو کہیں آبکاری ٹیکس کی شکل میں یہ عوام پر نافذ ہے، تو کیا شریعت مطہرہ حکومت کو زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ رعایا پر مزید ٹیکس لگانے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ کرنے کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اغنیاء کے اموال میں فتراد اور مساکین کا حصہ

لہ وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: الترحیص فیہ عند الحاجة الیہ علی ان التجار اذا ظلموا وتعدوا تعدیاً فاحشاً یضرب بالسوق وجب علی الحاکم ان یتدخل ویجدر المسقر صیانة لحقوق الناس ومنعاً للاحتکار ودفعاً للظلم الرافع علیہم من جشع التجار۔ (فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۶، ۱۷ کتاب الکراہیة التسعیر)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۸ کتاب الکراہیة، فصل فی البیع۔

موجود ہے۔

قوله تعالى : وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ (سورة الذریت آیت ۱۹)
امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ
بھی حق ہے اور انہوں نے اس بات پر اُمت کا اجماع نقل فرمایا ہے، فرماتے ہیں :-

فقال ابن عمر والحسن والشعبي ومجاهد هو حق سوى الزكاة واجب في
المال..... قال ابوبكر هذه الاخبار كلها مستعملة وفي المال حق سوى الزكاة
باتفاق المسلمين۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۰۵، ۵۰۶ سورة الذریت)

اس کے علاوہ حکومت وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنا دفاعی نظام مستحکم رکھے، اسی طرح
رقاہ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتال، مسافر خانوں اور سڑکوں وغیرہ کے لیے مخصوص فنڈ مقرر
کرے، فقراء و مساکین اور یتیموں کا خصوصی خیال رکھے، اگر بیت المال خالی ہو تو دفاعی
نظام کے اخراجات کے لیے حکومت وقت اُغنیاء پر محدود انداز میں کچھ محسور اسٹیکس لگا
سکتی ہے لیکن یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں لگایا جائے گا کہ وہ ظلم کی حد تک پہنچ جائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اما اذا دخلت الايدي من الاموال ولم يكن من
مال المصالح ما بقى بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لحيف
دخول الكفار بلاد الاسلام وخيف ثوران الفتنة من اهل العرامنة في بلاد
الاسلام فيجوز للامام ان يوظف على الاغنياء مقدار كفاية الجند۔

المستصفى للامام غزالي ج ۱ ص ۳۰۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت ضرورت کے تحت مالدار لوگوں پر ٹیکس لگا سکتا
ہے، تاہم اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ دور میں ٹیکسیشن کا سارا نظام صحیح
ہے، اس لیے کہ آج کل ٹیکسوں کا جو نظام ہے اس میں بعض ٹیکس غیر شرعی ہیں اور
اسی طرح عام طور پر ٹیکسوں کی شرح فیصدی اتنی زیادہ ہے کہ عام انسان کی قوت برداشت
سے باہر ہے، شریعت مقدسہ نے ٹیکسوں کی شرح کو زکوٰۃ کی شرح مقدار سے زیادہ نہیں
بڑھایا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ
ٹیکس کی وصولی کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور ذمیوں

سے بیسواں حصہ اور حربیوں سے دسواں حصہ وصول کر لیا کرو۔

قال الامام ابو يوسف رحمه الله : فان عمر بن الخطاب وضع العشور فلا بأس باخذها اذا لم يعتد فيها على الناس ويؤخذ باكثر مما يجب عليهم قال وحدثنا ابو حنيفة عن القاسم عن انس بن سيرين عن انس بن مالك قال بعثني عمر بن الخطاب رضي الله عنه على العشور وكتب لي عهداً ان اخذ من المسلمين بما اختلفوا فيه لتجاراتهم ربع العشور ومن اهل الذمة نصف العشور ومن اهل الحرب العشور۔ (كتاب الخراج ص ۱۳۴ فصل في العشور) له
 آجکل ملک کے ہر کوئے میں پونئی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جسے ضلع ٹیکس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کے ٹیکس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ صراحتاً اس کا عدم جواز نقل کیا گیا ہے۔

قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ اس قسم کے ٹیکس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک ملک کے اندر ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو اشیاء منتقل کرنے پر جو ٹیکس وصول کیا جاتا ہے شریعت نے اس کو حلال قرار نہیں دیا ہے بلکہ اس قسم کا ٹیکس حرام ہے اور عادلانہ سیاست کے بالکل منافی ہے اور اکثر یہ ٹیکس ظالموں کے بلاد میں ہوتا ہے۔

قال العلامة قاضی ابی یعلیٰ: فاما اعتشار المنتقلة في دار الاسلام من بلد الى بلد فحرمه لا يبيحها شرع ولا يسوغها اجتهاد ولا هي من سياسيات العدل وقلها تكون الا في بلاد الجائرة ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة صاحب مكس وفي لفظ اخر ان صاحب المكس في النار يعني العاشر وفي لفظ اخر اذا القيتم عاشراً فاقتلوه۔ (الاحكام السلطانية ص ۲۲۶ فاما اعتشار الاموال)

۱۔ قال الامام ابن حزم الظاهري: قال ابو محمد وفرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلك ان لم تقم الزكوة بهم ولا فئس سائر اموال المسلمين بهم فيقام لهم بما ياكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك برهان ذلك قوله تعالى: "وَاتَّذِقُوا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمَسْكِينِ"۔ (المعجل ج ۲ ص ۲۵۲، ۲۵۳ رقم ۲۵۵ كتاب الزكوة - قسم الصدقات)

تاہم ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال اور اشیاء منتقل کرنے پر جو کسٹم ڈیوٹی عائد ہوتی ہے اس کے جواز کی گنجائش ہے، لیکن عصر حاضر میں بعض ممالک میں یہ کسٹم حد سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے اس لیے اس کی مقدار میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اور اس قسم کے ٹیکس کو ظلم کی حد تک نہیں بڑھانا چاہیے۔

لما قال القاضي ابو يعلى: ان كان البلد تغراً يتاخم دار الحرب وكانت اموالهم اذا دخلت دار السلام معشورة عن صلح استقر معهم اثبت في الديوان عقد صلحهم وقد رماخو ذمهم من عشر أو خمس او نراية عليه او نقصان منه وان كان يختلف باختلاف الامتعة والاموال فصلت فيه وكان الديوان موضوعاً لخراج رسومه والاستبقاء ما يرفع اليه من مقادير الامتعة المحولة اليه۔ (الاحكام السلطانية ص ۲۲۵ تقدير العطلة۔ الفصل السادس)۔

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقہ کار | سوال: کیا اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو یہ حق حاصل

ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اعلانیہ تبلیغ کریں یا کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر کریں یا اپنے مذہب کے مطابق جملہ رسومات ادا کرتے رہیں۔

الجواب:۔ ایک اسلامی مملکت میں مسلمان حاکم پر لازم ہے کہ غیر مسلم اقلیت کی جان و مال کا تحفظ کرے، لیکن شریعت نے غیر مسلموں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بازاروں اور حجروں اور دیگر پبلک مقامات میں اپنے مذہب کا پرچار کریں، غیر مسلموں کی عبادت اپنے گھروں اور اپنی قدیم عبادت گاہوں (مندروں، گرجا گھروں اور چرچوں) تک محدود رہے گی۔ اسی طرح غیر مسلم اپنے لیے کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی نیا قبرستان یا اپنے مردوں کو جلانے کے لیے کوئی نئی جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ: ولا يجوز ان يحدث بيعة

لما قال الامام قاضي ابويوسف: اما العتور قرأت ان توليها قوماً من اهل الصلاح والدين وتأمرهم ان لا يتعدوا على الناس فيما يعاملونهم به فلا يظلموهم ولا يأخذوا منهم الا ثمناً يجب عليهم۔ (كتاب الخراج ص ۱۳۲ فصل في العتور)

فیمنعون عنه فیما صار مصر اَمِّنْ اَمَّصَارَ الْمُسْلِمِیْنَ -
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر) لہ

حکومت کو زنا بالجبر اور بالرضاء کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں | سوال: حکمران طبقہ میں سے بعض

افراد نے زنا کی دو قسمیں بنا رکھی ہیں، یعنی زنا بالجبر کو قابلِ حد اور زنا بالرضاء کو جائز قرار دے کر زانی اور مرتبہ سے حد کو ساقط تصور کرتے ہیں، کیا شرعاً ان افراد کا یہ اقدام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- علماء اُمت اور فقہاء کرام نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں جس زنا کو قابلِ حد قرار دیا ہے اس میں زنا بالرضاء یا زنا بالجبر کی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ فقہاء عبارات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا رضامندی کے ساتھ کیا جائے وہ تو بطریقِ اولیٰ

لہ وفي الهندية : وليس للنصارى ان يضربوا في منزله بالناقوس في مصر المسلمين ولا ان يجمع فيه بهم اتماله ان يصلي فيه ولا ان يخرجوا الصليب او غير ذلك من كنائسهم ولورفعوا اصواتهم بقراءة الزبور والانجيل ان كانت فيه اظهارا لشرك منعوا عن ذلك وان لم يقع بذلك اظهارا لشرك لا يمتنعون ويمتنعون عن قراءة ذلك في اسواق المسلمين ---- ولا بأس باخراج الصليب وضرب الناقوس اذا جاؤوا اقلية مصر وفي كل قرية او موضع ليس من امصار المسلمين فانهم لا يمتنعون عن ذلك وان كان فيها عدد من المسلمين يسكنون فيها -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب الجہاد، الباب الثامن فی الجزية)
وقال الامام علاؤ الدين الكاساني رحمه الله : لا يمتنعون من اظهار شيء مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس في قرية او موضع ليس من امصار المسلمين ولو كانت فيه عدد كثير من اهل الاسلام وانما يكره ذلك في امصار المسلمين وهي التي بمقام فيها الجمع والاعياد والحدود -

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۳ کتاب السیر -

حد کا مستحق ہے۔

چونکہ عورت اور مرد پر اپنی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا حقوق اللہ میں سے ہے اس لئے کسی عورت یا مرد کو اپنی شرمگاہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے استعمال کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے رضامندی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ اس کی سزا جب حد مقرر ہو جائے تو کسی کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی حد کو ساقط کرنے کے لیے زنا میں باجماع اور بالرضاء میں تقسیم کر سکتا ہے، موجب حد زنا کی جو تعریف کی گئی ہے وہ دونوں کو شامل ہے :-

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : اما الزنا فهو اسم للموطء المحرام في قبْل المرأة الحیة في حالة الاختیار في دار العدل ممن التزم احکام الاسلام العاری عن حقيقة الملك وعن شبهته وعن حق الملك وعن حقيقة النکاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه في موضع الاشتباه في الملك والنکاح جميعاً۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳ کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں زانی اور مرتزئیہ پر ایسی زبردستی کی گئی ہو جس سے انکار کی صورت میں جان کے چلے جانے کا خطرہ ہو تو ایسے اکراہ اور جبر میں زانی مکروہ یا زانیہ مکروہ سے حد ساقط ہو سکتی ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی؛ قال ومن اكرهه السلطان حتى زنى فلا حد عليه..... وان اكرهه غير السلطان حد عند ابن حنيفة^۲ وقال لا يحد لان الاكراه عندهما قد يتحقق من غير السلطان۔ (الهداية ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود، باب حد الزنا) لہ

لہ وقال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی؛ الوطی الموجب للحد هو الزنا، وانه في عرف الشرع واللسان وطی الرجل المرأة في القیْل في غير الملك وشبهته الملك لانه فعل محظور والحرمۃ علی الاطلاق عند التعدی عن الملك وشبهته یؤید ذلك قوله علیه السلام ادرءوا الحدود بالشبهات۔

(الهداية ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا۔

غریب کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کارروائی کا حکم | سوال : فقہ حنفی کی تمام

کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی غریب اور افلاس کی وجہ سے قاضی یا حاکم خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح فسخ نہیں کر سکتا ہے بلکہ خاوند کو مجبور کرے کہ کسی سے قرض لے کر بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ آج کل چونکہ بہت سی عورتیں شوہروں کی غریب و افلاس کی وجہ سے کئی قسم کے گناہوں کی مرتکب ہوتی جا رہی ہیں، لہذا موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے آج کل کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- اس مسئلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے حالات کے پیش نظر ضرورت کے تحت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک اور طریقہ کیا ہے ؟ ائمہ ثلاثہ کی کتب کے مطالعہ سے اس مسئلہ کا حل کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند اس قدر غریب اور نادار ہو کہ وہ اپنی بیوی کو عام معمولی سی خوراک اور کپڑے وغیرہ نہیں دے سکتا ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ خاوند کے ساتھ اس مفلسی کی حالت میں رہے یا خاوند سے علیحدگی اختیار کر لے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

فلما كان من حقها عليه ان يعولها ومن حقه ان يستمتع منها ويكون لكل على كل ما للزوج على المرأة وللرأة على الزوج احتمل ان لا يكون للرجل ان يمسك المرأة يستمتع بها ويمنعها غيره تستغنى به ويمنعها ان تضطرب

لہ قال الامام البيهقي: عن ابى الزناد قال سألت سعيد بن المسيب عن الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما قال ابو الزناد قلت سنة قال سعيد سنة قال الشافعي والذي يشبه قول سعيد سنة ان تكون سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم - (السنن الكبرى ج ۷ ص ۶۹ کتاب النفقة باب الرجل لا يجد نفقة امرأته)

فان امتنع الزوج عن الاتفاق فالزوجة بالخيار ان شاءت بقيت على نكاحها وان شاءت

طلبت التفريق - (موسوعة فقه عمر بن الخطاب ص ۶۴۱ نفقة)

فراقه فی فرقة بلا طلاق لانها ليست شيئاً او قعه الزوج ولا جعل الى احد
 ايقاعه ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب الى امراء الاجناد في رجال غابوا
 عن نساءهم يا مرهم ان ياخذوهم ان ينفقوا أو يطلقوا فان طلقوا بعثو بنفقة
 ما حبسوا - (كتاب الام للشافعي ج ۵ ص ۹۱ باب الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته) له
 وقال الامام احمد بن محمد بن احمد الدردي المالكى: فان اثبت الزوج عسر
 عند الحاكم تلوم له اى امهل بالاجتهاد من الحاكم بحسب ما يراه من حال الزوج
 لعله ان يحصل النفقة في ذلك الزمن والا يثبت عسره عند الحاكم امر الزوج
 اى امره الحاكم بها اى بالنفقة او بالطلاق بلا تلوم بان يقول له اما ان تنفق
 واما ان تطلقها فان طلق أو انفق فالامر ظاهر والاطلق عليه بان يقول الحاكم
 فسخت نكاحه أو طلقتك منه أو يا مرها بذلك ثم يحكم به -

(الشرح الصغير ج ۲ ص ۴۵، ۴۶ باب وجوب النفقة على الغير)

تاہم تفریق کی صورت میں میاں بیوی شرعی عدالت سے رجوع کریں گے اور قاضی یا
 حاکم وقت عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کرے گا۔ قاضی یا مسلمانوں کی
 بنائی ہوئی عدالت کے بغیر عورت اور خاوند کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلی: ولا يجوز القسح
 في ذلك الا بحکم حاکم - (الانصاف ج ۹ ص ۳۹۱ کتاب النفقات)

له وقال الامام ابوالحسن المرداوی الحنبلی رحمه الله: قوله (وان عسر
 الزوج بنفقتها او ببعضها او بالكسوة) وكذا ببعضها خیرت بین فسخ النكاح
 والمقام وتكون النفقة ديناً في دتمته يعنى نفقة الفقير ومحلله اذا لم
 تمتنع نفسها الصحيح من المذهب ان لها الفسخ بذاتك مطلقاً
 وعليه جماهير الاصحاب ونقله الجماعة عن الامام احمد رحمه الله
 قال الزركشي رحمه الله: هذا المشهور والمختار للاصحاب -

(الانصاف ج ۹ ص ۳۸۳ کتاب النفقات)

ومثله في مختصر المزني ۲۳۲ باب النفقة -

پاسپورٹ اور ویزہ کی شرعی حیثیت | سوال : آجکل بین الاقوامی قانون کے مطابق جب کسی ملک میں کوئی غیر ملکی شخص

داخل ہوگا تو وہ لازماً ویزہ اور پاسپورٹ کے ساتھ اجازت طلب کمرے کے اس ملک میں داخل ہوگا ورنہ وہ مجرم شمار ہوگا، تو اس اجازت کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب :- عصر حاضر میں دنیا کی تقسیم جغرافیائی اعتبار سے ہو چکی ہے، ہر ملک کے لیے الگ حدود مقرر ہیں، اب اگر ہر شخص کا بغیر اجازت کے کسی ملک میں داخلہ شروع ہو جائے تو اس سے ممالک کے اندرونی معاملات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک ملک والے دوسرے ملک میں گھڑ بڑ پیدا کریں گے اور اس طرح فتنہ و فساد کا ایک نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے گا۔

اس لیے ملکی قوانین میں کسی غیر ملکی کے داخلہ کے لیے خاص شرائط رکھی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی کوئی بھی پابندی کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ملک میں کسی غیر مسلم کا داخلہ وہاں کی انتظامیہ کی اجازت پر موقوف ہے، کیونکہ اس سے یعنی کسی غیر مسلم کا بلا اجازت کسی اسلامی ملک میں داخل ہونے سے وہاں فتنہ و فساد کا خطرہ ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں ویزہ کی مثال متاثرین کا دوسرے ملک میں داخل ہونے کے لئے ایک معین مدت تک امن طلب کرنے کی ہے، جس طرح ویزہ میں ایک معین مدت تک کسی دوسرے ملک میں رہنا پڑتا ہے اسی طرح متاثرین کو بھی معین مدت تک دوسرے ملک میں رہنا ہوتا ہے۔

كما قال شيخ الاسلام برهان الدين المرغيناني رحمه الله : واذا دخل المسلم دار الحرب تاجداً فلا يعلّ له ان يتعرض بشئٍ من أموالهم ولا من دماءهم لانه ضمن ان لا يتعرض لهم بالاستيमान فالتعرض بعد ذلك يكون غدرًا والغدر حرام----- قال واذا دخل الحربي البيتاً مستأجراً لم يكن ان يقيم في دارنا سنة ويقتول له الامام ان اقامت تمام السنة وضعت عليك الجزية والاصل ان الحربي لا يمكن من اقامة دائمة في دارنا الا بالاستتقاق او الجزية لانه يصير عيناً لهم وعوناً علينا فيلتحق المضرة بالمسلمين ويمكن من الاقامة اليسيرة لان في منعها

قطع السیر والجلب وسد باب التجارة ففصلنا بیتہما سنة۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۵۵ کتاب السیر فصل فی استئمان الکفار)

سی آئی ڈی (جاسوسی) کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل دنیا کے اکثر ممالک کے حکمران طبقہ کا یہ دستور ہے کہ اپنے آپ

کو حکومت مخالف سرگرمیوں سے واقف اور باخبر رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم کرتا ہے جسے عرف میں سی۔ آئی۔ ڈی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایسے محکمے یا ادارے کا قائم کرنا شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب : ملک کو انتظامی طور پر بہتر انداز میں چلانے کے لیے حکومتیں مختلف قسم کے ادارے بناتی ہیں، اسی طرح اگر حکومت کوئی ایسا ادارہ قائم کرے جو غیر ملکی جاسوسوں یا ملک کے اندر ایسے لوگوں کی تحقیق سرگرمیاں معلوم کرے جو کہ حکومت اور ملک کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہو، تو یہ ایک مستحسن اقدام ہے، حکومت کے قائم کردہ ایسے ادارے ملک کے استحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانی: واذا استخلف الوالی رجلاً لیعلمته بكل داعی دخل البلد فہذا علی حال ولایتہ خاصۃ لان المقصود منه دفع شرک او شر غیرہ یزجرہ فلا یفید فائدتہ بعد زوال سلطنتہ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۵۶ کتاب السیر)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت خلافت میں آپ کو ملک کے اندرونی حالات و واقعات، عمال کی کارکردگی اور باغیوں کے خروج کا جس سرعت سے علم ہوتا تھا شاید دوسرے ممالک میں بہت کم ایسے ہوتا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر علاقے میں اس قسم کے خفیہ حالات فراہم کرنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کئے ہوئے تھے

لہ وقال العلامة ابن عابدین فی شرح ہذہ العبارة: "قوله لانه یصیر عیناً لہم" قال الرملی ہذہ العلۃ تنادی بحرمة تمکینہ سنہ بلا شرط وضع الجزیۃ۔

(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۵ کتاب السیر، فصل فی تاخیر استئمان الکافر)

وَمِثْلُهُ فِی الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۰۲ کتاب السیر فصل فی تاخیر استئمان الکافر۔

مملکت اسلامیہ کے جس حصہ میں بھی نہیہ کام ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً اس کی اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

لما قال الامام طبری رحمہ اللہ : وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله كتب اليه من العراق بخروج من نخرج ومن الشام بمائتة من اجير فيها۔
 تاريخ الامم والملوك للطبري ج ۴ ص ۶۷ ذکر خبر عزل خالد بن ولیدؓ
 اسی طرح نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ ميسان کے علاقہ کے گورنر تھے انہوں نے اپنی بیوی کو خط میں کچھ نازیبا اشعار لکھے جن میں سے بعض اشعار کا کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا، اشعار سننے ہی فوراً نعمان بن عدی کو خط لکھ کر گورنری سے معزول کر دیا۔

لما قال الامام دولابی رحمہ اللہ : وكان النعمان اول وارث في الاسلام وكان ابوه اول موروث في قول واستعمله عمر بن الخطاب على ميسان ولم يستعمل من قومه غيره واراد امرأته على الخروج معه الى ميسان فابت فكتب اليها ابیات - شعر وهي -

فمن مبلغ الحساء ان حليلها بميسان يسقى في رجاج وحنتم
 لعل امير المؤمنين يسوءه تناد منا يا لجوسق المتهدم
 قبل ذلك عمر فكتب اليه - اما بعد فقد بلغني قولك -
 لعل امير المؤمنين يسوءه تناد منا يا لجوسق المتهدم
 وايم الله لقد ساء في ثمر عزله - (اسد الغابة في ذكر نعمان بن عدی ج ۵ ص ۶۷) -

۱۔ وقال الامام علامہ دولابی رحمہ اللہ : وحذيفة صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنافقين لم يعلمهم احد الا حذيفة اعلمه بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وسأله عمر في عمالي احد من المنافقين قال نعم واحد قال من قال لا اذكرة قال حذيفة معزله كائنا دل عليه ركان عمر اذا مات ميت يسأل عن حذيفة كان حضر الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم وان لم يحضر حذيفة الصلوة عليه لم يحضر عمر۔
 (اسد الغابة - ذكر حذيفة بن ايمان ج ۱ ص ۳۹۱)

مخبری کرنے والے پر ضمان کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص حکومت کی جانب سے

سے لوگوں کے احوال اور اسمگلنگ کے اموال کے بارے میں حکومت کو معلومات اور شکایات فراہم کرتا ہو، تو اگر ایسے شخص کی مخبری کی وجہ سے لوگوں کا کوئی نقصان ہو جائے تو آیا اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو شخص حکومت کی طرف سے خفیہ معلومات کی حکومت کو فراہمی پر پاباند مامور نہ ہو اور وہ شخص لوگوں کے اموال وغیرہ کی حکومت کو سی آئی ڈی کرتا ہو تو وہ شرعاً مجرم شمار ہوگا اور جو مال وغیرہ اس کی شکایت کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہو چکا ہو اس کا ضمان اورتاوان اس شخص پر عائد ہوگا۔

لما قال العلامة سيد محمد امين بن عمر بن عبدالعزيز: اقول حاصله انه اذا شكاه بغير حق يضمن ما اتلفه الوالى أو اعوانه من عضو او من مال دون النفس أفشى به المتأخرون على خلاف القياس زجراً عن السعاية۔ (فتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب الجنایات) تاہم اگر کسی نے خوف اور خود کو ضرر پہنچنے کی وجہ سے کسی کی شکایت کی ہو تو پھر شکایت کرنے والے پر ضمان نہیں۔

لما قال الامام حافظ الدين محمد بن شهاب البزازی: السعى الى السلطان على ثلاثة ان كان بحق بان كان يوزيه ولا يمكنه الدفع الا بالرفع او فاستقلا يمتنع الا بالامر بالمعروف لا يضمن الساعي۔ (فتاوى يرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۱۳۱ کتاب الاستحسان البنا السادس في السعاية) ۱۷

۱۷ قال العلامة احمد بن محمد الحموى المصرى: تحت قول الاشباة والنظائر "الاقتناء بتضمين الساعي" وهو قول المتأخرين لغلبة السعاية "قيدة قارى الهداية بما اذا كان عادة ذلك الظالم ان من رفع اليه ويقول عنده ان يأخذ منه مالا مصادراً لضمن الساعي في هذه الصورة ما اخذ للظالم هذا هو المفتى به افشى به المتأخرون من علماءنا۔ (الاشباة والنظائر مع شرحه للحموى ج ۱ ص ۲۹۶ القاعدة التاسعة عشرة) ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۵ کتاب القضاء۔

قتال میں سے ایک گروہ کا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد قرار دینا | سوال :- پاکستان کے قبائل میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پاکستانیوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد کہتے ہیں اور لڑائی میں مرنے والے اپنے ساتھیوں کو شہید اور زندہ رہ جانے والوں کو غازی تصور کرتے ہیں، اور پاکستانیوں سے اخذ شدہ مال کو مالِ غنیمت کہتے ہیں، اور اس گروہ کا امیر اس مال سے اپنے لیے خمس (۱/۵) لیتا ہے، شرعاً اس گروہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب :- مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے مال و جان کو مباح قرار دینا اور ان کے ساتھ قتال کو جہاد کے مترادف قرار دینا، یہ باغیوں اور قطاع الطريق کا کام ہے۔ فقہاء کرام نے باغیوں اور قطاع الطريق کی جو تعریفات ذکر کی ہیں وہ اسی قسم کے گروہوں پر حرف بحرف صادق آتی ہیں۔

لما فی الہندیۃ : اہل البغی کل فوقہ لہم منعة یتغلبون ویقاتلون اہل العدل بتأویل ویقولون الحق معنا ویدعون الولاۃ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب السیرۃ النافیۃ فی البغاة) شریعت مقدسہ کی رو سے کسی مسلمان کا ناحق قتل کرنا اور اس کی رضا مندی کے بغیر لیتا دونوں حرام اور ناجائز ہے۔

لقولہ علیہ السلام : لا یجوز دم امرئ مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ واتی رسول اللہ الا باحدی ثلث، والنفس بالنفس والشیب الزانی والمفارق لدنیہ التارک الجماعۃ۔ (صحیح بخاری، دیات، ۲/۱۰۶۔ صحیح مسلم، قسامہ، ۲/۵۹۔ سنن النسائی ج ۲ ص ۱۶) وایضاً قال علیہ السلام : لا یجوز مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۳۹۔ فردوس الدیلمی ص ۵ رقم ۶۳۵، ۲۷۱)۔

۱۔ وقال الامام فخر الدین الرازی : (فی تفسیر هذه الایۃ) "انما جنداء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً" المحاربون المذكورون فی هذه الایۃ هم القوم الذین یجتمعون ولہم منعة ممن ارادہم بسبب انہم یجی بعضہم بعضاً ویقصدون المسلمین فی ارواحہم ودمائہم۔ (التفسیر الکبیر ج ۱۱ ص ۲۱۵، ۲۱۵۔ سورۃ المائدہ) ومثلہ فی احکام السلطانیۃ لا ینبغی علی ص ۵۴ اما قتال اہل البغی۔

شریعت بل کا پس منظر | سوال :- جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت میں شریعت بل کا شور و غوغا پورے ملک میں پھیلا ہوا

تھا۔ اس بل کی ابتداء، پس منظر اور بالآخر ایوان بالا (سینٹ) سے منظوری کے باوجود اس کے تعطل کا شکار ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟

الجواب :- شریعت بل اُن اسلامی دفعات کا مجموعہ ہے جس پر علماء کرام نے شریعہ و روز محنت کی، علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حکومتی ایوانوں میں یہ بل پیش کیا لیکن بدقسمتی سے نام نہاد جمہوری اداروں سے اس کو پذیرائی حاصل نہ ہوئی اور ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینٹ سے متفقہ طور پر پاس ہونے کے باوجود ابھی تک یہ بل آئین کا حصہ نہ بن سکا۔ اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بل تمام قانونی مراحل سے پاس ہو جاتا تو ملک کے پورے نظام میں یکسر تبدیلی آجاتی۔ معاشی اور اقتصادی اور عدالتی امور میں اس سے انقلاب برپا ہو جاتا لیکن حکومتی ایوانوں پر قابض بے دین طبقہ نے علماء کی آواز کو دبا کر سرد خانہ میں ڈال دیا، یہی وجہ ہے کہ حالات جوں کے توں ہی ہیں۔

شریعت بل کا خاکہ یہ تھا :-

دفعہ ۱: (الف) یہ قانون نفاذ شریعت کے نام سے موسوم ہوگا۔

(ب) یہ قانون اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام علاقوں اور تمام باشندوں پر نافذ ہوگا، البتہ غیر مسلم باشندوں کے شخصی معاملات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دفعہ ۲: شریعت کی قانونی تعریف !

(الف) شریعت سے مراد دین کا وہ خاص طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

(ب) شرعی قوانین کا اصل ماخذ قرآن کریم اور سنت رسولؐ ہے۔

(ج) اجماع اُمت کو قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے، اس لیے جو قانون اجماع اُمت سے ثابت اور مانوڈ ہو وہ بھی شریعت کا قانون ہے۔

(د) جو احکام اُمت کے معتمد اور مستند مجتہدین نے قرآن و سنت اور اجماع کے قواعد و ضوابط معینہ کے مطابق مستنبط کر کے مدون کر لے ہیں وہ بھی شریعت ہی کے قوانین

ہیں اس لیے کہ قیاس اور اجتہاد کو (بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو) قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے۔

دفعہ ۳: شریعت کی بالادستی۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرار داد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو، اگر ایسا کوئی قانون یا قرار داد منظور کر لی گئی تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا اور چیلنج کرنے کے فوراً بعد عدالت کے آخری فیصلہ تک اس پر عمل درآمد ملتوی ہو جائے گا۔

دفعہ ۴: ملک کی تمام عدالتوں میں ہر قسم کے مقدمات بشمول مالی وغیرہ کے شریعت کے مطابق نہ کئے گئے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔

دفعہ ۵: وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا کسی استثناء ہر قسم کے مقدمات پر حاوی ہوگا، اور عبوری دستوری حکم ۱۹۸۵ء کی دستوری ترمیم کے ذریعہ لگائی گئی پابندیاں فوراً ختم کر دی جائیں گی۔

دفعہ ۶: انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیراعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

دفعہ ۷: حکومت کے تمام عمال بشمول صدر مملکت اور وزیراعظم پر شرعی عدالت کا فیصلہ ملک کے تمام دوسرے باشندوں کی طرح یکساں طور پر نافذ ہوگا، اور کوئی بھی ملک کا باشندہ اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا۔

دفعہ ۸: مسلمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

دفعہ ۹: غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم اور اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنی مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

دفعہ ۱۰: تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جج اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱: علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور نجوں کی تربیت کا ایسا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر تیار ہو سکیں۔

دفعہ ۱۲: قرآن اور سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو صحابہ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے تمام عام اصول تفسیر اور علم حدیث کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

دفعہ ۱۳: انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لیے فرائض شریعت کی پابندی اور محرّمات شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

دفعہ ۱۴: تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں، فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵: حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمائی پر پابندی ہوگی۔

دفعہ ۱۶: شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگان ملک کو دیئے ہیں اُن کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا، اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

(شریعت بل کا معرکہ ص ۴۵، ص ۴۶)

اسلام اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ | سوال: دنیا کے اکثر ممالک میں جمہوری نظام رائج اور نافذ العمل ہے، کیا اسلام میں ایسی جمہوریت کی بقا کے لیے کوئی جگہ ہے یا اسلام اور جمہوریت دونوں الگ الگ نظام ہیں؟

الجواب: اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے مستقل شخص کا مالک ہے، اس کا تعلق جمہوریت یا سوشلزم سے جوڑنا اسلامی نظام حیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں، عوام جس طرح چاہیں ملک کے قانون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ملک کے کسی بھی رائج الوقت قانون کو محض اکثریت کے بل بوتے پر ختم کر سکتے ہیں، اور اگر چاہیں تو بے دینی، فحاشی اور خلاف انسانیت قانون کو راتوں رات پاس کر کے

ملک پر نافذ کر سکتے ہیں۔ ایسے نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہی ہوتے ہیں جبکہ عوام کے نمائندے وزیر اعظم کو ملک کی قسمت سے کھیلنے کے لیے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے فرسودہ نظام میں صرف افراد گنے جاتے ہیں، باطنی معافی اور علم و دانش کی کوئی قدر نہیں ہوتی، معاشرہ کی قابل فخر شخصیت اور ادنیٰ فرد کی رائے ایک شمار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی جمہوریت کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت بظاہر اپنے آپ کو عوام کا ترجمان شمار کرتی ہے لیکن عوام کے حقوق سب سے زیادہ اسی کے ذریعہ پامال ہوتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی معاشرہ کے حوالہ سے یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جمہوری نظام ہی میں قوم نے تباہی و بربادی اور ہلاکت کے کون سے مواقع نہیں دیکھے۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور خلیفہ صرف تشفیہ احکام الہی کے لیے نیابت کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔

قوله تعالى: (۱۲۱) اِنْ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ (سورة الانعام آیت ۵۷) سورة يوسف آیت ۶۶/۲ (۲) اِنِّيْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ (سورة البقرة آیت ۳۱)۔ (۳) اِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (سورة الاعراف آیت ۵۴)

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں طریقہ انتخاب بھی اسلام کے طریقہ انتخاب سے مختلف ہوتا ہے جس میں شوری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کرے، شوری کی تمام سرگرمیاں دین کے ماتحت رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب تک خلیفہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا تابع ہو تو اس کی خلاف ورزی ناجائز بلکہ بغاوت تصور ہوگی۔ قال الامام قاضی ابویعلیٰؒ: وهم الذین یخرجون علی الامام ویخالقون الجماعۃ ویفردون بہم ذہب التبذعۃ۔ (الاحکام السلطانیۃ ص ۵۴) اما قتال اهل البغی، بہر حال اسلام ایک مستقل نظام حیات ہے جو مروجہ مغربی جمہوریت سے جدا ہے، یہ الگ بات ہے کہ جمہوریت بعض امور میں اسلام کی خوشہ چین ہے، ووٹنگ کے مروجہ نظام کے مقابلہ میں اسلام میں شوری اور اختلاف کا نظام موجود ہے۔

قوله تعالى: وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔

(سورة ال عمران آیت ۱۵۹)

سیاست اسلامیہ کے نامور امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی الماوردیؒ نے

خلافتِ اسلامیہ کے انعقاد اور خلیفہ مقرر کرنے کا تفصیلی نقشہ یوں کھینچا ہے :-

فصل: والامامة تنعقد من وجهين احدهما باختيار اهل العقد والحل - والثاني بعهد الامام من قبل اقامتها انعقادها باختيار اهل الحل والعقد فقد اختلف العلماء في عدد من تنعقد به الامامة منهم على مذاهب شتى فقالت طائفة لا تنعقد الا بجمهور اهل الحل والعقد من كل بلد ليكون الرضا به عاماً والتسليم لامامته اجماعاً وهو مذهب مدفوع ببيعة ابي بكر رضي الله عنه على الخلافة باختيار من حضرها ولحين تنظر ببيعة قدوم غائب عنها - وقالت طائفة اخرى اقل من تنعقد به منهم الامامة فمنه يجتمعون على عقدها او بعقدها احدهم برضا الاربعة استدلالاً بما مر من احدهما انبيعة ابي بكر رضي الله عنه انعقدت بخمسة اجتمعوا عليها ثم تابعهم الناس فيها وهم عمر بن الخطاب وابو عبدة ابن الجراح واسيد بن حضير وبشر بن سعد وسالم مولى ابي حذيفة رضي الله عنهم - والثاني ان عمر رضي الله عنه جعل الشورى في ستة وقالت طائفة اخرى تنعقد بواحد لان العباس قال لعلي رضوان الله عليهما امدد يدك بايكم فيقول الناس عثم رسول الله صلى الله عليه وسلم بايع ابن عمه فلا يختلف عليك اثنان - ولانه حكم وحكم واحد فاذ - (الاحكام السلطانية للماوردي ابنا الاول عقد الامامة ص ۶۷)

سوشلزم اور اسلام کا موازنہ | سوال :- سوشلزم واشتراکیت کیا چیز ہے، اور کیا اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سوشلزم یا اشتراکیت یہ ایک کافرانہ نظام ہے اور اس کی تاریخ کا آغاز اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوا، سب سے پہلے ہیکل نامی ایک شخص نے اس نظریہ کو ایک علمی نظریہ کی شکل میں پیش کیا اور اسے اقتصادی امور میں کامیابی کی بنیاد قرار دیا بعد میں اسے اقتصادی زندگی بخشنے بلکہ معاشرتی اصول بناتے اور تمدنی پروگرام میں ڈھلنے والا شخص "کارل مارکس" ہے، اور یہی نظریہ آج کل "کمیونزم" کی شکل میں روس پر حاوی ہے۔

اسی نظریئے کے بارے میں برصغیر کے مشہور مسلمان ماہر اقتصادیات حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

”کارل مارکس اور دوسرے اشتراکی راہنماؤں نے جس فلسفہ پر مارکسزم کی بنیاد قائم کی ہے اس میں خدا سے انکار اور الہیات کی نفی صفت اول میں درجہ پاتے ہیں۔۔۔ لہذا اس کے فلسفہ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔“
اس کے بعد مولانا سیوہاروی رحمہ اللہ اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلامی اقتصادی نظام کے اصول یہ ہیں :-
(۱) دولت و ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی حدود قائم کر دی جائیں۔

(۲) حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ بلحاظ معیشت اختلاف مدارج تسلیم کرتے ہوئے احتکار کو روکا جائے۔

جبکہ اشتراکی اقتصادی نظام ان امور پر قائم ہے :-

(۱) دولت و ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹا دیا جائے۔

(۲) بلحاظ معیشت اختلاف درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوائی میں مساوات تسلیم کی جائے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۴۲)

سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ | سوال :- سوشلزم کے بارے میں کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں انسانی

ضروریات کا تکتل ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلام میں سوشلزم کے مقابلے میں انسانی ضروریات کا خیال کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اسلام میں محنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یا صرف خیرات و صدقات پر بھروسہ کیا جاتا ہے؟

الجواب :- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کی ضروریات کا حل اکل طریقہ سے موجود ہے، سوشلزم میں تو صرف چند لوگوں کو مفت روٹی، کپڑا اور مکان ملتا ہے، باقی سب لوگوں سے مزدوری زیادہ لی جاتی ہے اور معاوضہ تھوڑا دیا جاتا ہے اس لیے کہ پوری رعایا صرف حکومت کے لیے کام کرتی ہے، کوئی چیز کسی فرد کی ذاتی

ملکیت نہیں ہوتی، اس کے بالمقابل اسلام میں ضعیف، فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ، صدقہ اور عام رعایا کو بھی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔
 خلفاء راشدین کے دورِ خلافت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ملازمین کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے۔

لما قال الامام حافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ: کما فعل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما کثر المال اعطاهم عامۃ المسلمین فكان بلجیع اصناف المسلمین فرض فی دیوان عمر بن الخطاب غنیہم وفقیرہم..... ومع ہذا الجواب تقدیم الفقراء علی الاغنیاء الذین لا منفعة فیہم فلا یعطى غنی شیئاً حتی یفضل من الفقراء۔
 (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۸ ص ۵۶۷ المیاسۃ الشرعیۃ)

تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی محنت مزدوری اور کسبِ معیشت کو ترک کر کے صرف حکومتی وظائف ہی کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھے اور یہاں تک کہ دستِ سوال پھیلانے کی نوبت آجائے، جو شخص بدن اور اعضاء کے اعتبار سے تندرست و توانا اور محنت مزدور ہے کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود صدقات و خیرات کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، شریعت ایسے شخص کو کبھی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی رحمہ اللہ محتسب کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وان رأى رجلاً ان يتعرض لمسالۃ الناس فی طلب الصدقة و علم انه غنی
 اما بمال او عمل انكره عليه و اذ به فيه و كان المحتسب بانكاره اتخص من
 عامل الصدقة فعل عشر مثل ذلك بقوم من اهل الصدقة۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی البیاض فی احکام الحسبۃ)
 قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کو حلال روزی کمانے اور کسبِ معیشت کی ترغیب دیتی ہیں، مثلاً :-

قوله تعالى: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ۔

(سورة الجمعة آیت ۷)

وقال عليه الصلوة والسلام : طلب الحلال فريضة بعد الفريضة -
 (کنز العمال ج ۴ ص ۴۰۳ رقم ۹۲۰۳ الفصل الاول في فضائل الكسب الحلال)
 سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تنخواہوں کی تفصیل امام ابوالحسن الماوردی
 رحمہ اللہ نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے :-

فلما وضع الديوان فضل بالسابقة ففرض لكل من شهد بدرًا من المهاجرين
 الاولين خمسة آلاف درهم في كل سنة منهم علي بن ابي طالب و عثمان بن عفان
 و طلحة بن عبيد الله و الزبير بن العوام و عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنهم - وفرض
 لنفسه معهم خمسة آلاف درهم و الحق به العباس بن عبد المطلب و الحسن
 و الحسين رضي الله عنهم لمكانهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم و قيل
 بل فضل العباس و فرض له سبعة آلاف درهم و فرض لكل من شهد بدرًا من
 الانصار اربعة آلاف درهم و لم يفضل علي اهل بدرًا احدا الا ازوج رسول الله
 صلى الله عليه وسلم فانه فرض لكل واحدة منهم عشرة آلاف درهم الخ
 (الاحكام السلطانية للماوردي باب الثامن عشر في وضع الديوان الخ)

سوال :- آج کل حکومت سے اپنے مطالبات
بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت منوانے کے لیے بائیکاٹ اور ہڑتالوں کا

طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کیا شریعت مقدسہ میں اس قسم کی ہڑتالوں کی گنجائش ہے ؟
الجواب :- عصر حاضر میں احتجاجات اور ہڑتالوں نے مختلف شکلیں اختیار کر
 رکھی ہیں، بعض ہڑتالیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں لوٹ مار، سنگباری، توڑ پھوڑ اور چلتی
 گاڑیوں کو آگ لگانے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے جیسے غلط اور ناروا افعال کو
 اپنایا جاتا ہے جو کہ کسی بھی مہذب قوم کو زیب نہیں دیتا۔

ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ہڑتالیں کرنا اور جلسے جلوس نکالنا شرعاً ناجائز ہے۔
 اسی طرح بعض تعلیمی اداروں میں طلباء ان اداروں کے نظم و نسق کے بارے میں ہڑتالیں
 کرتے ہیں اور اسباق میں حاضر نہیں ہوتے۔

اس قسم کی ہڑتالوں کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے
 عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ : ”طلبة مدارس کی اسٹرائک منتظمین کے خلاف قواعد شرعیہ

کی رو سے ناجائز ہے۔ اولاً اس لیے کہ اسٹرائیک کا مقصد منتظمین پر دباؤ ڈال کر ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے۔ اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم، اور محکوم پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔ پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کے حکم کو بدلتا ہے، لہذا اسٹرائیک جائز نہیں ہو سکتی۔“

(امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۰۳ کتاب العقائد والکلام)

تاہم اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پُر امن ہوں، اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لیے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کیا تھا۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُوْنِي بِهٖ فَلَمَّا جَاۤءَ الرَّسُوْلُ قَالَ اَرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ يَكْفِيْهِنَّ عِلْمٌۭ (سورة يوسف آیت ۲۵) وقال الامام القرطبي: في تفسير هذه الآية: ”فَلَمَّا جَاءَ الرَّسُوْلُ“ اى بامرہ بالخروج قال ارجع الى ربك فاسئله ما بال النسوة۔ اى حال النسوة التي قطعن ايديهن فاني ان يخرج ان تصح برأته عند الملك مما قذف به وانه جالس بلجم۔ (الجامع لاحكام القرآن ج ۹ سورة يوسف ص ۱۳۵) لہ

لہ قال الامام ابن جرير الطبري: يقول فلما جاءه الرسول الملك يدعوه الى الملك: ”قال ارجع الى ربك“ يقول قال يوسف ارجع الى سيدك۔ ”فاسئله ما بال النسوة التي قطعن ايديهن“ واني ان يخرج مع الرسول واجابة الملك حتى يعرف صحة امره عندهم مما كانوا قد فوه به من شأن النساء فقال للرسول سئل الملك ما شأن النسوة التي قطعن ايديهن والمرأة التي سجنبت بسببها۔

(جامع البيان للطبري ج ۷ ص ۲۳۴ سورة يوسف)

وقال الامام جلال الدين في تفسيرة: اخرج ابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ قَالَ اراد يوسف عليه السلام العذر قبل ان يخرج من السجن۔ (الدر المنثور في التفسير المأثور ج ۲ ص ۵۲۸ سورة يوسف)

بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت | سوال :- اپنے حقوق حاصل کرتے اور مطالبات منوانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ آج کل اکثر ملکوں میں جمہوری حکومتیں ہیں اور بھوک ہڑتال کے ذریعہ حکومتیں عوام کے مطالبات کو تسلیم کر لیتی ہیں، اس لیے جائز مطالبات اور حقوق کے حصول کے لیے بھوک ہڑتال پر امن طریقہ سے ہونی چاہیے، کہیں یہ نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جان خطرے میں پڑ جائے ایسی ہڑتال کرنے میں شرعاً کوئی قیاست نہیں۔ تاہم اگر بھوک ہڑتال ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا بھوک ہڑتال کو اتنا لبا کر دیا جائے کہ بھوک کی وجہ سے کوئی مر جائے تو ایسی بھوک ہڑتال نہ صرف ناجائز اور ممنوع بلکہ خودکشی کے مترادف ہے۔

لما فی الہندیۃ : فان ترک الاکل والشرب حتی ہلک فقد عصی..... ولا تجوز
الریاضۃ بتقلیل الاکل حتی یضعف عن اداء الفرائض فاما تجویع النفس علی
وجہ لا یعجز عن اداء العبادات فهو مباح وفيہ ریاضۃ النفس۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۶ کتاب لکرامیۃ ابنا الحادی عشر فی الکرامیۃ فی الاکل)

عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم | سوال :- جمہوری حکومت میں اپنے حقوق کیلئے جلوس نکالنا جمہوری عمل کا ایک حصہ ہے، تو کیا مردوں کی طرح عورتیں بھی اپنے حقوق کے لیے جلوس نکال سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب :- معاشرہ کی بقاء مرد و زن کے باہمی اشتراک پر موقوف ہے، اس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حقوق رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۲)

(۲) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلِمَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸)

اے وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فان ترک الاکل والشرب حتی ہلک فقد
عصى لان فیہ القاء النفس الی التہلکۃ وانه متہی عنه فی حکم التنزیل۔
(مرد المحتار ج ۵ ص ۲۳۸ کتاب الخطر والاباحۃ)

وقال اللہ تعالیٰ : وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵)

اپنے حقوق کے حصول کے لیے لڑنے یا اس کا مطالبہ کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے جس طرح مرد اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم عورت کو اپنے حقوق کے احیاء کے لیے اپنی شخصیت کے تقدس کو پامال کرنا بددیانتی اور خیانت کے مترادف ہے۔ عورتوں کا جلوس نکالنے سے اگرچہ اپنے حقوق کا مطالبہ مقصود ہوتا ہے لیکن موجودہ حالات کی روشنی میں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اس میں عورتوں کا اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے نعرہ بازی کرنا یا اظہار نفرت کے لیے اپنے ایسے اعضاء کو ظاہر کرنا لازمی امر ہے جن کا بلاغ شرعی کھولنا شریعت میں حرام ہے جو کہ عورت کے لیے جائز نہیں، اس لیے عورتوں کا جلے جلوسوں یا دوسرے احتجاجی طریقوں میں مذکورہ امور کا ارتکاب ناجائز اور حرام ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قال مثل الوافلہ فی الزینۃ فی غیر اہلہا کشد ظلمۃ یوم القیۃ لانور لہا۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹ ابواب الرضاع، باب ما جاء فی کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)

تاہم اگر عورتوں کے ایسے جلوس نکالنے سے کسی بے حیائی اور خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو بلکہ ایسے جلوسوں سے کسی دینی یا دنیوی حقوق کا احیاء مقصود ہو تو ان کے جواز کی گنجائش ہے۔

لما فی الحدیث: عن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لا تفسر بوا أماء اللہ فجاء عمرؓ االی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذنن النساء علی ازواجہن فرخص فی ضربہن فاطاف بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کثیر یشکون ازواجہن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد طاف بال محمدؐ نساء کثیر یشکون ازواجہن لیس اولئک بمخیار کھر۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

عائلی قوانین کی شرعی حیثیت | سوال :- فیڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے اپنے دور حکومت میں جو عائلی قوانین نافذ کئے تھے

ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایوب خان مرحوم نے جن عائلی قوانین کا آرڈیننس جاری کیا تھا اس کی بعض

دفعات قرآن کریم اور احادیث سے مثلاً :-

(۱) دفعہ ۱: قابل توجہ ہے جس کی رو سے اگر کسی شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکا یا لڑکی اس کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے اور اس نے لڑکا یا لڑکی اولاد پھوڑی ہو تو اس داد یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ کی رو سے صلیبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، جبکہ اس قانون نے ان کو حصہ دلانے کے لیے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو حصہ دلوا دیا ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے: "ولایرث ولد الابن مع الابن" یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتا میراث نہیں لے سکتا۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹ کتاب الفرائض

(۲) دفعہ ۲: اس دفعہ میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے پر کڑی پابندی عائد کی گئی ہے اس دفعہ کی رو سے کوئی بھی شخص تالشی کونسل کی تحریری اجازت کے بغیر نہ تو دوسری شادی کر سکے گا اور نہ ہی مذکورہ منظوری کے بغیر کسی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کا فیصلہ بہت واضح ہے۔
 قوله تعالى: فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَّةً وَرُبْعًا (النساء ۳)
 اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شخص کو بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۳) دفعہ ۳: اس دفعہ میں طلاق اور عدت کے متعلق چند قوانین بیان کئے گئے ہیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ ۱ کے تحت کوئی طلاق اُس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ چیئرمین یونین کونسل کو دیئے گئے نوٹس کی تاریخ سے نوٹس دن نہ گزر گئے ہوں چاہے ایک طلاق ہو یا ایک سے زائد چاہے مطلقہ غیر مدخول بہا ہو یا مدخول بہا۔ حالانکہ کتاب اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جب کسی غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو فوراً شوہر کے نکاح سے نکل کر بغیر عدت گزارے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا لَمَّا تَمْسُوهُنَّ وَسَرَخُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ۴۹)

اور بوجہ مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق کا اپنا اثر فوراً ظاہر ہو کر اس عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے عدت پوری کرے گی۔

قوله تعالى: وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (سورة البقرة آیت ۲۲۸)

(۴) دفعہ ۱۲: اس دفعہ کی منشا یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح سولہ سال اور لڑکے کا نکاح اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کرنا جرم ہوگا۔ حالانکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر صرف چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو سال کی تھی۔

لما فی الحدیث: عن عائشہؓ قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبتی بنی وانا بنت تسع۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶) ۱۷
یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اُس وقت اس قانون کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اگرچہ اُس وقت سے لے کر اب تک قائم ہونے والی ہر حکومت انہی قوانین پر عمل پیرا ہے۔

سوال: حضرت حسن | **حضرت حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے** | **ابن علی رضی اللہ عنہما**

کا دور خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ورنہ بصورت دیگر حق چار یار کا نعرہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہوگی۔ فقہاء کرام اور متکلمین علماء نے خلفاء اربعہ (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) کا زمانہ خلافت اُن تیس سال اور چھ ماہ

۱۷ عن عروۃ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ وہی ابنۃ سب وبتی بہا وہی ابنۃ تسع ومکثت عندها تسعاً۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷) باب من بنی بامرأة وہی بنت تسع سنین۔ کتاب النکاح

بتایا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم اکثریت نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چھ ماہ کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے خلافت آپ کے سپرد کر دی۔ اس بناء پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت راشدہ میں مشہود بہا داخل ہے۔ حق چار یار کے نعرہ سے اہل سنت والجماعت کا مقصد دوسروں کا انکار نہیں بلکہ ان چاروں کی حقانیت کا اعلان ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ : وخلافة النبوة ثلاثون سنة. منها خلافة الصديق سنتان وثلاثة اشهر وخلافة عمر عشر سنين ونصف وخلافة عثمان اثنتا عشرة سنة وخلافة علي اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة ابنه ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاوية وهو افضلهم لكنه انما صار اماماً حقاً لما فوض اليه الحسن بن علي الخلافة فان الحسن بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاوية والقصة مشهورة وفي الكتب البسطة مسطورة - (شرح الفقه الاكبر ص ۶۸، ۶۹) لہ

لہ وقال الامام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی اللہ ملکہ من یشاء۔ وكانت خلافة ابی بکر سنتین و ثلاثة اشهر وخلافة عمر عشر سنين نصفًا وخلافة عثمان اثنتی عشرة سنة وخلافة علي اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة الحسن ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاوية وهو خير ملوك المسلمين لكنه انما صار اماماً حقاً لما فوض اليه الحسن بن علي الخلافة فان الحسن بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاوية نظر صدق قول النبی ان ابني هذا سيّد وسيصلح اللہ بھم بيئت فئتین عظیمتین من المسلمین والقصة المشہورة في موضعها۔ (شرح العقيدة الطحاوية ص ۵۴۵ الخلافة والامارة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْعَقَائِدِ عَلَى هَامِشٍ خِيَالِي ص ۱۵۱ الخلافة والامارة۔

عورت کا سربراہ مملکت بننا | سوال :- کیا اسلام میں عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- دلائل شرعیہ کی رو سے عورت کو بادشاہ و سربراہ بنانا جائز نہیں ہے تفصیل درج ذیل ہے :-

شریعت اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ شرعاً کسی چیز کا جواز یا عدم جواز اسلام کے چار مشہور اصول اور دلائل ہی سے ثابت کیا جاسکتا ہے ان دلائل کے بغیر کسی چیز پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگانا اور اسے شرعی حکم سمجھنا سراسر اجمہالت ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ عورت کی سربراہی کو ان اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تاکہ عورت کی سربراہی کے اصلی خدوخال اور اس کی شرعی حیثیت سامنے آجائے، اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون پیش خدمت ہے، امید ہے کہ اس سے صحیح صورتحال سامنے آسکے گی۔

(۱) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ**۔ (سورۃ النساء آیت ۳۴) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کرامی کے تحت ساتویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول اور معتبر مفسر علامہ ابن کثیرؒ اپنی مائتہ ناز تفسیر میں لکھتے ہیں:-
يقول تعالى **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** أي الرجل قويم على المرأة أي هو رئيسها وكبيرها والحاكم عليها ومؤديها إذا عوجت ر بما فضل الله بعضهم على بعض) أي لأن الرجل أفضل من النساء والرجل خير من المرأة ولهذا كانت القيوة مختصة بالرجال وكذلك الملك الأعظم لقوله صلى الله عليه وسلم **لن يفلم قوم ولوا أمرهم امرأة**۔ (رواه البخاري من حديث عبد الرحمن بن أبي بكر عن أبيه)۔ (تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۲۹۱ سورۃ النساء)

(ترجمہ) جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد عورت کا حاکم و رئیس اور سردار ہے، اُسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے اس لیے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری)

(۲) رالف، حدثنا عثمان بن الهيثم قال حدثنا عوف عن الحسن عن أبي بكر قال لقد نفعني الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم أيام الجمل بعد ما كدت ان الحق يا صبيحة الجمل فاقتل معهم قال لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل فارس قد ملكوا

عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولوا امرهم امراءاً۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴، ص ۱۵۲ کتاب النبیؐ الی کسری و قیصر)

(ترجمہ) ہم سے عثمان بن ہشیم نے بیان کیا کہ ہم سے عوف نے انہوں نے امام حسن بصریؒ سے انہوں نے ابی بکرؓ سے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنگِ جبل کے دن مجھ کو اس بات سے فائدہ دیا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ورنہ قریب تھا کہ میں جبل والوں کے ساتھ یعنی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں شریک ہو کر (مسلمانوں سے) لڑتا، ابوبکرؓ نے کہا وہ بات یہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسری کی بیٹی (بوران بنت شبرویہ) کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور حاکم والی کسی عورت کو بنایا ہو۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں حدیث ابوبکرؓ پر قسطلانی کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

اور اسی طرح محدث شہیر فقیہ نبیل ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تالیف ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :-

فی شرح السنة: لا تصلح المرأة ان تكون اماماً ولا قاضياً لانهما محتاجان الى الخروج للقيام بامور المسلمين والمرءة عورة لا تصلح لذلك۔ ولان المرءة ناقصة وانقصاً من کمال المولات فلا يصلح لها الا الکامل من الرجال۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۷ ص ۳۱۵ کتاب الامارة والقضاء)

شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجہوں سے جائز نہیں :-
(۱) سربراہی قیام بامور المسلمین کے لیے آزادانہ چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے محدثین، مفسرین نے اس حدیث کو عام لیکر اس سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال فرمایا ہے، لہذا اس حدیث کو بنت کسری کے ساتھ مخصوص کرنا سوائے خالی دعوے کے اور کچھ نہیں، خود راوی حدیث صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے اسلوب کلام

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو عام لے رہے ہیں۔ (کمالا یخفی علی المتامل)
 (ب) ما رأیت من ناقصات عقل و دین اغلب لادی لب منکن قالت یا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم ما نقصان العقل والدین قال اما نقصان عقلها فشهادة امرتین تعدل شهادة
 رجل فهذا نقصان العقل وتمکت الیالی لا تصلی وتفطرقی رمضان فهذا نقصان
 الدین۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے
 زیادہ ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسی ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو
 اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ
 ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرہ)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورت ناقص العقل ہے اور ریاست عامہ نامہ ہے کمال
 ولایت کا لہذا اس کے لیے کمال عقل کی ضرورت ہے اور یہ حدیث کی رو سے عورت میں منقود
 ہے اس لیے عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ جائز نہیں۔

(۳) تشریح عقائد کی مشہور شرح نیز اس میں ہے:-

قد اجمع الامۃ علی عدم نصبها حتی فی الامامۃ الصغریٰ۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۳۲۱ نسب الامام - بشرط ان یکن الامام من اہل الولایۃ)
 (ترجمہ) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ
 عورت کی ریاست عامہ (امامت کبریٰ) اور ریاست خاصہ (امامت صغریٰ) دونوں جائز نہیں۔
 ذیل میں مشہور محدثین و فقہاء اور متکلمین ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیجئے تاکہ مسئلہ کی مزید توضیح
 ہو جائے۔

(۱) علامہ علاؤ الدین الحنفیؒ فرماتے ہیں:-

ولیشترط کونہ مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۱ باب الامامۃ ص ۲۰۵)
 (ترجمہ) یعنی ریاست عامہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے لہذا عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

(۲) علامہ ابن عابدینؒ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی تعلیل میں لکھتے ہیں:-

لان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مین علی الستروالیہ اشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حیث قال کیف یفلح قوم تملکهم امردۃ۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۰۵ باب الامامۃ)

(ترجمہ) ”کیونکہ عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ان پر حجاب اور ستر میں رہنا لازم ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پاسکے گی جس پر عورت حکومت کر رہی ہو۔“

(۳) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ”نشرح مقاصد میں لکھتے ہیں: یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حرا ذکرا لی قولہ والنساء ناقصات عقل و دین مینوعات عن الخروج الی مشاہد الحکم ومعارک الحرب۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۷)

(ترجمہ) ”عورت کی سربراہی دودھ سے جائز نہیں ہے عورت عقل اور دین کے لحاظ سے ناقص ہے۔ ۱۔ اس کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے۔“

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اپنی مشہور زمانہ تفسیر ”روح المعانی“ میں اس آیتانی وجہت امرأۃ تملکھم (الآیتہ) کے تحت رقمطراز ہیں:۔

ولیس فی الآیۃ ما یدل علی جواز ان تكون المرأة ملکہ ولا حجة فی عمل قوم کفرۃ علی مثل هذا المطلب۔ وفي صحيح البخاری من حدیث ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغه ان اهل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسری قال لن یفلح قوم ولوا امرهم امودۃ۔ (روح المعانی ص ۱۸۹ ج ۱۰، الجزء ۱۹۔ الکلام علی نکاح الانس والجن)

(ترجمہ) ”یعنی عورت کی سربراہی جائز نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسری کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔“

(۵) حضرت علامہ مولانا آزادؒ الرجال قوام الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے، مرد عورت کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہے اس لیے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کیلئے ہو گیا ہے۔“ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۱۱ سۃ النساء)

(۶) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی معروف و مقبول تفسیر ”معارف القرآن“ میں لکھتے ہیں: ”کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟“

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسری کی بیٹی کو بنا دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا:۔

لن یفلح قوم ولوا امرهم امراً یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اس لیے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جاسکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا، تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر قائم رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔

(معارف القرآن ج ۶ سورۃ النمل)

(۷) مشہور محدث حضرت مولانا عبدالحق دہلوی اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اذین معلوم یشود کہ زن قابل ولایت و امارت نیست۔“ (اشعة اللمعات ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الامارة والقضاء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی جائز نہیں ہے۔

(۸) علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی ”مظاہر حق شرح مشکوٰۃ“ میں اس عنوان ”عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی“ کے تحت حدیث لن یفلح قوم الخ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مرد ہی ہو سکتا ہے، عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں۔“ (مظاہر حق ج ۳ ص ۶۷۲ کتاب الامارة والقضاء)

(۹) حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اپنی مشہور زمانہ تفسیر مظہری میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی بما فضل اللہ بعضهم علی بعض کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی الرجال علی النساء فی اصل الخلقۃ بکمال العقد و حسن التدبیر و بسطة فی العلم والجسم و مزید القوة فی الاعمال و علو الاستعداد و لدنک حضوا بالنبوة والامامة والولاية والقضاء والشهادة فی الحدود والقصاص وغیرها و وجوب الجهاد والجمعة والعیدين والاذان والخطبة والجماعة و زیادة السهم فی الامرات وماکیة النکاح وتعدد المنکوحات والاستبداد بالطلاق و کمال الصوم والصلوة من غیر فتور وغیر ذلک وهذا امر وہی۔

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۹۸ سورۃ النساء)

(ترجمہ) ”اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو بعض پر یعنی عورتوں پر تخلیقی برتری عطا فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل، حسن تدبیر، وسعت علم، عظمت جسم، زیادتی قوت اور

صلاحیت و استعداد کی بیشمار تخلیقی طور پر عطا کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات و احکام مرد کے لیے ہیں عورتیں ان احکام و خصوصیات سے محروم ہیں نبوت، امامت و حکومت، قضاء، تعزیری جرائم کی شہادت، وجوب جہاد، وجوب جمعہ، وجوب عیدین، اذان و خطبہ، نماز باجماعت، میراث میں حصہ کی زیادتی، نکاح کی مالکیت، تعدد ازواج، اختیار طلاق، پورے رمضان کے روزوں کی اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فرضیت وغیرہ، اور یہ عطا الہی ہے۔

(۱۰) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مشہور اور بے حد مقبول تفسیر ”بیان القرآن“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بالقیس کے حصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اول تو یہ فعل شرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعت سلیمانہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں“

(بیان القرآن ج ۲ ص ۴۴۷)

(۱۱) تفسیر نسفی میں الامام الجلیل علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ رقمطراز ہیں:-

یعنی انما کانوا مسیطریں علیہن لسبب تفضیل اللہ بعضہم و ہم الرجال علی بعض و ہم النساء بالعقل والعزم الی قوله والنبوة والخلافة والامامة۔ (المذکر ج ۲ ص ۲۲۳ اسوۃ النساء)
(ترجمہ) ”اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عقل، عزم، حزم، رائے و قوت و جہاد و کمال، صلوٰۃ و صوم، نبوت و خلافت و امامت وغیرہ“

(۱۲) حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:-

قوله ولوا امرهم امرۃ فی شرح السنۃ لا تصلح المرءۃ ان تكون اماما ولا قاضیا لان الامام والقاضی محتاجان الی الخروج للقیام بامور المسلمین والمرءۃ عورة لا تصلح لذلك ولان المرءۃ ناقصة والقضاء من کمال الولاية فلا یصلح لها الا کمال الرجال۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۱۱۱ کتاب الامامة والقضاء)
(ترجمہ) ”شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجہ سے جائز نہیں، اس لیے قیام بامور المسلمین کیلئے آزاد چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔“

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ اپنی مقبول ترین تفسیر ”المجامع للحکام القرآن“ میں لکھتے ہیں :-

العاشرة - روى البخارى من حديث ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم لما بلغه ان اهل قارس قد ملكوا بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة قال القاضي ابو بكر العريفي هذا نص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلافة فيه - (تفسير قرطبي ج ۳ ص ۱۸ سورة النساء)
(ترجمہ) امام بخاری نے ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔
قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ عورت خلافت کی اہل نہیں ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

الشیخ الامام بدر الدین ابن محمد محمود بن العینیؒ بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں :-

قال الخطابی فی الحدیث ان المرءة لا تلحق الامارة ولا القضاء - (عمدة القاری ج ۸ کتاب الامارة والقضاء)
(ترجمہ) علامہ خطابیؒ نے ارشاد فرمایا کہ عورت حکومت اور قضاء کی اہل نہیں ہے۔

ازالہ شبہات | بعض حضرات کو حدیث لن یفلح قوم الخ کے متعلق خصوص کا شبہ ہوا ہے اس وجہ سے کہ بعض اقوام میں عورتیں ان کی سربراہ رہ چکی ہیں اور وہاں بجائے عدم فلاح کے فلاح دیکھا گیا ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جن اقوام میں عورتیں سربراہ رہ چکی ہیں تو وہ ضرور کسی نہ کسی درجہ میں عدم فلاح کا شکار رہ چکی ہیں اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور بعض ایسی اقوام تو بڑے عبرتناک زوال اور عدم فلاح سے دوچار ہوئی ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کی مثال لیجئے کہ ایک زمانہ لے اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بعض اقوام کا زوال بغیر عورت کی سربراہی کے بھی آیا ہے اسلئے کہ زوال کے بڑے مختلف وجوہ ہیں جس طرح کہ موت کے بڑے مختلف ہوتے ہیں کوئی بخار سے مرتا ہے اور کوئی ہیضہ سے! اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ جائز ہے کہ ان بیگمات کی حیثیت واقعہً صرف مشیر کی ہوتی ہو گو بظاہر و صورتاً وہ حکمران تھیں اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ یہ بیگمات اگرچہ حکمران تھیں مگر التزاماً اپنی انفرادی اسلئے سے کام نہ کرتی تھیں، اور یہ دونوں صورتیں حد کے تحت داخل نہیں آتی اسلئے کہ عورت اہل مشورہ ہے اور دوم اسلئے کہ علت عدم فلاح کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلوم یعنی عدم فلاح بھی منقہ ہو گئی، تو ان وجوہ کی بناء پر یہ بعض اقوام عدم فلاح کا شکار نہ ہوئیں۔

میں برطانیہ کے قلمرو میں سورج نہ ڈوبتا تھا آج وہی عظیم برطانیہ دنیا کے ایک چھوٹے سے گوشے میں محصور ہو کر عظیم سے صغیر و حقیر برطانیہ بن گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض اقوام میں بہ ظاہر جو فلاح نظر آتی ہے اس سے حدیث نبوی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ فلاح کلی مشکک ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں، تو بظاہر کسی ایک مرتبہ فلاح کے وجود سے تمام مراتب فلاح کا وجود لازم نہیں آتا، حتیٰ کہ عدم فلاح متحقق نہ ہونے کی وجہ سے حدیث نبوی کے متاثر ہونے کا خدشہ لازم آجائے۔ اس کے علاوہ حدیث کے استقبالی صیغہ لن یفلم کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ اقوام کسی خاص زوال اور ناکامی میں مبتلا بھی ہو جائیں اور بتقدیر عدم ابتلاء کے جواب وہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کو تمام اکابر امت سلفاء و خلفاء نے عموم کا درجہ دیتے ہوئے انشاء کے معنی میں لیا ہے، اور دوسرے نصوص کے علاوہ اس حدیث سے بھی عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۲) بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حضرات یا تو مولانا تھانویؒ کے مقصد کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں جو فتویٰ دیا ہے اس کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ وہ دو صورتوں میں جواز کے قائل ہیں:-

۱۔ عورت صرف صوری سربراہ ہو، حقیقی نہ ہو بلکہ حقیقتاً صرف مشیرہ ہو اور حاکم اور حقیقی سربراہ پارلیمنٹ ہو، اور وجہ جواز یہ ہے کہ عورت اہل مشورہ ہے، لیکن ہمارے ہاں تو یہ صورت نہیں بلکہ یہاں حقیقی سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کی حیثیت صرف مشیر کی ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حقیقتاً حکمران ہو مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو، اور اس صورت میں جواز میں راز یہ ہے کہ علت عدم جواز کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم جواز و عدم فلاح بھی منفي ہو گیا، مگر سہارے ہاں یہ صورت بھی بلکہ یہاں وزیر اعظم مستبد بالرائے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کو صرف اپنی رائے کا تابع بناتا ہے۔

اور جبکہ عورت حقیقتاً حکمران اور سربراہ مملکت ہو اور اپنی انفرادی رائے سے کام کرتی ہو تو اس صورت کو حضرت تھانویؒ بھی ناجائز اور داخل حدیث سمجھتے ہیں، لہذا حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے عورت کی مطلق سربراہی کا جواز نکالنا یقیناً حضرت تھانویؒ کے مقصد کو نہ جانتے یا تجاہل عارفانہ کا نتیجہ ہے۔

(تنبیہ) گذشتہ صفحات میں جو دو صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بے ججانی سے اجتناب کے ساتھ مشروط ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ کی تعلیل صراحت کے ساتھ اس پر دال ہے۔

(۳) بعض لوگ قرآن پاک میں مذکور ملکہ بلیقہ کے قصہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پس بظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بحال ہا باقی رہنا معلوم ہوتا ہے اور تاریخ صراحتہ اس کی مؤید ہے اور قاعدہ اصولیہ ہے اذ اقص الله ورسوله علينا امرا من غير تكبير عليه فهو حجة لنا لهذا قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ملکہ بلیقہ کی حکومت کی صورت ان دو صورتوں میں سے ایک تھی جن کو حضرت تھانویؒ نے جائز قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی ہے: ما كنت قاطعة امرا حتى تشهدون۔ (بلیقہ نے کہا) ”میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو“

اور اس قرینہ سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد ملکہ بلیقہ کی حکومت کی صورت وہ تیسری صورت تھی جس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تو پھر گذشتہ قاعدہ اصولیہ کی رو سے جواب یہ ہے کہ چونکہ اس صورت پر شریعت مقدسہ میں انکار آیا ہے لہذا یہ حجت نہیں بن سکتی۔

(۴) بعض صحابی حضرات نے حدیث لن یفلح قوم الخ کے متعلق ضعف کا دعویٰ کیا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور کتاب سنن ترمذی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حدثنا محمد بن المثنی ثنا خالد بن الحارث عن حميد الطويل عن الحسن عن ابی بکرۃ رث قال عصمنی اللہ بثنی سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما هلك كسرى قال من استخلفوا قالوا ابنته فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرهم امراة فلما قدمت عائشة یعنی البصرة ذكرت قول رسول اللہ علیہ وسلم فعصمنی اللہ بہ۔ قال الترمذی هذا حدیث صحیح۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۵ ابواب الرؤیا) (ترجمہ) حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جنگ جمل کے دن) مجھ کو اس بات کی وجہ سے بچا یا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، وہ بات یہ تھی کہ جب کسری ہلاک ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایران والوں نے کس کو حکمران بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کسری کی بیٹی کو خلیفہ و حکمران بنایا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے

ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔ تو جب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لے آئیں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بن یفلح قوم الخ یاد آیا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں جبل والوں کے ساتھ شریک نہ ہوا، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض لوگ جنگ جبل کے واقعات سے ناکام اور ناتمام استدلال کر رہے ہیں، اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امامت و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی امامت و خلافت کا مطالبہ کیا بلکہ وہ اور ان کے ساتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

دیکھئے یہ حضرات، حضرت قعقاعؓ کو کیا جواب دے رہے ہیں :-
 ”اگر حضرت علیؓ کے یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے اور وہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر بڑائی اور مخالفت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی ہم اب تک یہی سمجھتے رہے کہ ان کو قاتلین عثمانؓ سے ہمدردی ہے۔“ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۹۶)
 صحیح بخاری کا حاشیہ بھی ملاحظہ کیجئے :-

قوله ايام الجمل متعلق بقوله نفعتني الله وايام الجمل وقعة وقعت بالبصرة بين علي وعائشة رضي الله عنهما سنة ست ثلثين وكأشقة يومئذ علي الجمل فسميت به اصحاب الجمل يعني عسكره۔ قاله الكرماني ولم تكن عائشة ولا غيرها طالبين الامارة والخلافة بل طلبوا دم عثمان من قتلته وكان علي رضي الله عنه كذا في الفتح۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷ کتاب النبیؐ الی کسریٰ و فیصر)

(ترجمہ) ”جنگ جبل ۳۶ھ میں سیدنا حضرت علیؓ اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑی گئی، اس دن ام المؤمنینؓ نبل داؤنٹ پر سوار تھیں اس لیے ان کے لشکر کا نام اصحاب الجمل پڑا، اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی امارت یا خلافت کے طالب نہ تھے، یہ حضرات صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔“

لہذا اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں امامت یا خلافت کی کوئی بات نہیں تھی، البتہ اس واقعہ کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے صوت خلافت و امامت ضرور آئی تھی جو جائز نہیں مگر حقیقت خلافت و امامت بالکلیہ موجود نہ تھی کیونکہ اس موقع پر نہ تو خود

ام المؤمنینؓ نے امامت کا دعویٰ فرمایا اور نہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو امام و خلیفہ بنایا بلکہ یہ حضرات مشترکہ طور پر حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے سعی و کوشش کر رہے تھے البتہ تحریک و سرپرستی حضرت ام المؤمنینؓ کی تھی، جیسے ایک گھر میں بچے ماں کی تحریک و سرپرستی میں کام کرتے ہیں، اس لیے اس واقعہ سے عورت کی سربراہی اور امامت و خلافت کا جواز پیش کرنا درست نہیں، مگر چونکہ اس سے صورت امامت تو آئی تھی اس لیے حدیث لن یفلح قوم الخ کے راوی حضرت ابوبکرؓ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث لن یفلح قوم الخ ہی کی دوسے غایت تقویٰ اور خشیت الہی کی وجہ سے ام المؤمنینؓ کے لشکر میں شمولیت نہ فرمائی۔ اور خود ام المؤمنینؓ حضرت عائشہؓ بھی اس حدیث کی صوری مخالفت اور اس فساد کی وجہ سے جو اس واقعہ جمل میں واقع ہوا اتنی غمگین اور پریشان تھیں اور اکثر یہ فرمایا کرتیں :-

”کاش میں اس واقعہ کے پیش آنے سے بیس برس پہلے ہی مرجاتی“

(۶) بعض لوگ یہ بے بنیاد اور بے سرو پا الزام لگاتے ہیں کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے مقابلہ میں جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر علماء نے فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی، اگر عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز ہوتی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ در خواستی حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے علماء فاطمہ جناح کی تائید و حمایت نہ کرتے۔ اس شبہ کا جواب صرف اور صرف یہ ہے: سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

معتز فین پر لازم ہے کہ دجل و فریب سے کام نہ لیں اور ماضی قریب کی تاریخ کی ورق گردانی کریں اور ایوبی دور کا سرکاری ریکارڈ ملاحظہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے رہے یا حمایت! حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر نے ایوب خان اور فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبید اللہ انور لاہوریؒ کو صدارتی امیدوار نامزد کیا تھا اور جمعیتہ کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت اس لیے کر رہے تھے کہ عورت کی سربراہی شرعاً جائز نہیں۔ تنبیہ: شریعت مطہرہ نے عورت کو ریاست عامہ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر کے اس پر عین شفقت اور مہربانی فرمائی ہے، کیونکہ عورت کے نازک اور ضعیف کندھوں پر ریاست عامہ کا عظیم بوجھ ڈالنا حکمت کا تقاضا ہے نہ عقل و دانش کا۔

امامت کبریٰ (خلافت) کے مستحق کا حکم | سوال :- مملکت اسلامیہ میں ایک شخص متقی پرہیز اور عالم دین ہے لیکن انتظامی امور میں تجربہ نہیں رکھتا جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص عالم اور متقی و پرہیزگار تو نہیں ہے لیکن مملکت کے انتظامی امور میں وسیع تجربہ رکھتا ہے، تو شرعاً ان دونوں میں سے کون خلافت کا زیادہ مستحق ہے؟

الجواب :- کتب کلام میں مذکور ہے کہ امام (خلیفہ) کا معصوم ہونا شرط نہیں اسی طرح اس کا اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل ہونا بھی شرط نہیں، لہذا ایسا شخص جو کہ ماہر ہو اور مملکت کے انتظامی امور کا تجربہ رکھتا ہو اگرچہ غیر عالم اور غیر متقی ہی کیوں نہ ہو اس کو امام (خلیفہ) بنانا درست ہے، تاہم جو شخص حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہو اس کی امامت (خلافت) ناجائز ہے۔

لما قال العلامة التفتازانی رحمہ اللہ : ولا يشترط في الامام ان يكون ولا ان يكون افضل من اهل زمانه لان المساوي في الفضيلة بل المفضلون الاقل علماً وعملاً اي كان اعرف بمصالح الامامة ومفاسدها واقدر على القيام بمواجبها خصوصاً اذا كان المفضل اذفع للمشروا بعد عن اثارمة الفتنة -

(شرح العقائد ص ۱۵۶ الخلافة والامارة)

آئین پاکستان میں گستاخی رسول اکرمؐ کی حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب پاکستانی آئین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے موت کی سزا تجویز کی گئی ہے جس میں اب ارباب اقتدار ترمیم کر کے اس سزا کو کم یا ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا شرعاً ارباب اقتدار کو یہ سزا کم یا ختم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کسی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر میں شک کرے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہنا ایک

لے قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله : يعجز عن تقليد الفاسق وتنفيذ قضاياء اذا لم يجاوز فيها حد الشرع - (شرح المجلة ص ۱۱۶ المادة ۱۷۹۳ فصل في القضايا) ومثله في رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۰ باب الامامة -

ناقابل معافی جرم ہے اس لیے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرتد اور واجب القتل ہے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر (ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) کالی دینا بالاجماع کفر ہے۔ اور الدر المختار میں ہے اصح فی آخر الشفادیان حکمہ کالمرتد۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا حکم مرتد کا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری کئے جائیں گے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

قال العلامة ابن عابدین: قال ابو یوسف بن المنذر ما جمع عوام اهل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل ومن قال ذلك مالک بن انس واللیث واحمد واسحاق ومذهب الشافعی وهو مقتضی قول ابی بکر رضی اللہ عنہ ولا تقبل توبته عند هؤلاء وبمثلہ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والثوری واهل الکوفۃ والاوزاعی فی المسلم لکنهم قالوا ہی ردۃ وروی مثله الولید بن مسلم عن مالک وروی الطبرانی مثله عن ابی حنیفۃ واصحابہ فیمن ینقصہ صلی اللہ علیہ وسلم او برئ منه او کذبہ اھ۔ وحاصل انہ نقل الاجماع علی کفر سباب ثم نقل عن مالک ومن ذکر بعدہ انہ لا تقبل توبته فعلم ان المراد من نقل الاجماع علی قتله قبل التوبۃ ثم قال وبمثلہ قال ابو حنیفۃ واصحابہ الخ قال انہ یقتل یعین قبل التوبۃ لا مطلقا الخ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ بالاجماع کافر، مرتد اور واجب القتل ہے ہاں اختلاف اس میں ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ سے قتل سے بچ جاتا ہے یا نہیں! نیز رد المحتار میں ہے: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل ومن شک فمأذابہ وکفرہ کفر۔ یعنی گستاخ رسول کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرتا ہو وہ بھی کافر ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع کفر اور ارتداد ہے۔ (ج ۲ ص ۲۶۳ باب المرتد) ان حوالہ جات مذکورہ اور عبارت مسطوں سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول بالاجماع کافر اور مرتد ہے اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر اور خارج عن الاسلام ہے، اور مرتد کی سزا قتل ہے لہذا گستاخ رسول کی سزا بھی قتل ہی ہے۔ حدیث میں ہے: من

بدل دینہ فاقتلوه۔ (الدر المختار ج ۳ ص ۳۱۳ باب المرتد۔) (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳۴)
 نیز اصحابہ العرب لما ارتدت بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجمعت
 الصعابة علی قتلهم (ج ۲ ص ۱۳۴) اور رسائل ابن عابدین جلد ۱ ص ۱۳۸ میں ہے
 اعلم ان المرتد یقتل بالاجماع کما مرّ یحییٰ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ مرتد کی
 سزا قتل ہی ہے۔

راقم الحروف کہہ رہا ہے کہ اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ امت کا اس پر بھی
 اجماع ہے کہ گستاخ رسول کافر اور مرتد ہے۔ نیز العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی
 الحامدیۃ میں ہے: فمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او احد من الانبیاء
 صلوات اللہ علیہم وسلامہ فانہ یکفر ویجب قتله شاتم النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم ونبی من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کافر اور مرتد ہے اور دونوں
 واجب القتل ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۸۱ باب المرتد)

وقال ابن نجیم: کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلہ کات
 مرتدا فالسب بطریق الاولی ثم یقتل حدا عندنا فلا تقبل توبته فی اسقاطہ
 القتل الخ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۶ باب المرتد) یعنی جو شخص پیغمبر اسلام
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھے یا آپ کو سب و شتم کرے تو وہ شخص کافر اور مرتد اور
 واجب القتل ہے۔ اور کفایت المفتی میں ہے کہ جناب رسالت مآب روحی فداہ صلی اللہ
 علیہ وسلم یا ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان رفیع میں گستاخی کرنے
 والا یا کسی گستاخی کرنے والے سے ناراض نہ ہونے والا کافر ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ
 اجماع اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا
 کافر ہے۔ الخ (جلد ۱ ص ۱۸۱ باب المرتد)۔ اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ جو شخص
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ونعوذ باللہ، استغفر باللہ گالی بکھے وہ مرتد
 اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کو چاہیے کہ فوراً توبہ اور تجدید اسلام و تجدید
 نکاح لازم ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے الخ (جلد ۱ ص ۱۶۲)
 اور امداد الفتاویٰ میں ہے: "اہانت و گستاخی کردہ جناب انبیاء کفر است" (جلد ۵ ص ۳۹۱)
 باب العقائد)۔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ ص ۲۵۹ باب المرتد میں ہے کہ سب النبی

کفر ہے۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: لا تصم ردة السكران الا الردة بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانه یقتل ولا یغفر عده۔ کذا فی البناذیرۃ کل کافر تاب ذنوبہ مقبولة فی الدنیا والاخرة الا جماعۃ الکافر بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء یغفرین۔ سبب النبی کفر ہے اگرچہ حالت سکری میں ہو اور سبب النبی کی توبہ قبول نہیں (جلد ۱ ص ۲۸۹) نیز فتاویٰ البرزازی علی ہامش الہندیۃ میں ہے کہ استخفاف النبی کفر ہے۔ (جلد ۶ ص ۳۳۸)۔ اور فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ میں ہے: اذا عاب الرجل النبی علیہ السلام فی شیء کان کافرا۔ الی قوله وتکفر فی الاصل ان شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر۔ (رج ۳ ص ۵۷۳) یعنی استخفاف و اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر و ارتداد ہے۔

سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! آج کل سیاسی جلسے اور جلسوں میں نعرے بازی ہوتی ہے، مثلاً مسلم لیگ زندہ باد، پیپلز پارٹی زندہ باد، پختونستان زندہ باد، جیسے سندھ وغیرہ کے نعرے بکثرت لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ایسی نعرہ بازی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ نعرہ جس سے کسی خلاف شرع امر کی تائید و تاکید ہوتی ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور جن نعروں میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں تو ان میں شرعاً کوئی قباحت نہیں تاہم جو نعرے تعصب اور قوم پرستی کی ترغیب دیتے ہوں موجب اجتناب ہیں۔

لما قال العلامة المفتی کفایت اللہ الدہلوی: قومی نعرہ ہندوستان زندہ باد، ہندوستان آزاد ہونا چاہیے، لگانا جائز ہے

{ کفایت المفتی ج ۹ ص ۲۹۱ کتاب سیاسیات
{ فصل چہارم: قومی ترانہ اور قومی نعرہ



مسلمان کی تعریف

مملکتِ خداداد پاکستان کے قومی اسمبلی میں جب عبوری آئین بنانے کے لیے کام ہو رہا تھا تو ایوان کے اندر اور باہر علماء کرام اور دینی جماعتوں کے قائدین نے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ آئین پاکستان میں جہاں صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے وہاں مسلمان کی تعریف بھی لازمی درج ہوئے چاہیے۔ لیکن حکمران طبقہ نے علماء کرام کے اس جائز مطالبہ کو مسترد کر دیا جس پر مرزا، پرویزی اور دیگر لادین عناصر بہت خوش تھے، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور ”آئین پاکستان میں مسلمان کی تعریف مسلم اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے؟“ کے نام سے ایک مضمون ماہنامہ الحق میں شائع کیا۔ مضمون کی اہمیت اور جامعیت کے پیش نظر ”فتاویٰ حقانیہ“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتب فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور مل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور اقلیتی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد تشکیل پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود

کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین اسلام نمائندوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزب اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز ”مرزائیت نوازی“ اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرین حدیث پر دیزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکر خدا و رسول، کمیونسٹ جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و دور رس ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزب اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا، مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے آئینی کمیٹی کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے۔

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سمجھ رہا

۱۔ قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کو رنجیزی نے اختلاف علماء کی آڑ میں تعریف مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علماء کے سامنے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنالیا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ ”س“

ہے جب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعہ اتحا و تتم نبوت میں ٹسکات ڈالنے کی گاتار سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خط امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ چلا رہے ہیں۔ جبکہ ان کے پیروں میں شدت پسینی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر متعین نہیں اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ ادلثک ہم الکافرون حقاً کا مصداق بنا جو اپنے نہ ماننے والے تمام عالم اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا حرام سمجھتا ہو اور جو لوگ اس "جرم انکار" بانی پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحق جنازہ و دعائے سمجھتے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور تشخصات کا طلبگار رہا ہو۔ (ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ کی تصانیف رسائل الفضل، آئینہ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر)

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس واویلا میں قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سٹینکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بقایا پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درون خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہِ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے شکار ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطہ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے ہین منت

بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً جہاد کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی لحاظ سے ملک کا دیوالیہ ہوا۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسٹ گڈائی لے کر یورپ کی درپوزہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر ادبوں روپے کا بوجھ لڑتا چلا گیا۔ دوسری طرف چینی سفیر بذاتِ خود ربوہ کی یاترا کرنے جا رہا ہے، روس کافر سٹیکریٹری خفیہ طور پر ربوہ جا چکا ہے۔ خفیہ سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں نہ تو اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے، نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ بانبر لوگ اس اجتماع ضدین پر محو حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیر زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا حکومت ان سب باتوں سے بانبر ہوگی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمان جیسا سلوک ہے۔ کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزائیت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہتے ہیں۔ ادھر مرزائی کن کن طریقوں سے اس احسان کا صلہ چکائیں گے۔ اخبارات میں آچکا ہے کہ لائل پور کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے افضل رندھاوا کے حق میں ”بگس ووٹ“ بھگتے کے لئے ربوہ سے بھاری تعداد میں عورتیں آئی تھیں، جنگ یکم جون ۱۹۷۲ء ان عورتوں کو ایک ٹورت کے مقابلہ میں پی پی پی کے مساندہ سے دلچسپی تھی تو کیوں۔ یہ سب باتیں قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ اور ملت مسلمہ کے شجرہ طوبیٰ کے لئے یہ اکاش بیل دن بدن خطرہ ہلاکت بنتا جا رہا ہے ایسے حالات میں اگر اسلام اور کفر کے درمیان

بنار ہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ:-

”ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیا کے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے، بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو ٹرے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا بنیاداً مسلمانوں کے قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے یا بیکار اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیا کے اسلام کا فر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے یاہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندو کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے“ (دعوتِ اقبال ص ۱۳۷)

اس علیحدگی اور مقاطعہ و متارکہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسن ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو عیس کا فر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شرپسندی ہو، ان دو طرفہ مفادات کی آخر وہ ملت مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبرو بے دنیا و دین متعارف اولین و آخرین روح کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے روائے ختم نبوت اور خلعتِ ختم المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملت مسلمہ کی غیرت ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخ دلی سے صلہ دیا جاسکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصارِ اسلام میں پے درپے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمایوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ

ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آرزو دہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبالؒ
 ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری فرصت پر اکٹھا نا چاہتے ہیں۔

”میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل
 نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ
 قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ
 کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب
 کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ چوتھی
 جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا
 سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے
 کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار
 کر رہی ہے۔“

(حرف اقبال ص ۱۳۸) (جون ۱۹۴۷ء)



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَلَقَ
 لِيَا سَمِيعًا تَقْوَىٰ

باب الاكل والشرب (کھانے پینے کے آداب و احکام)

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدم کیا جائے؟ | سوال: کم عمر اور عمر رسیدہ لوگ اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو پہلے موقع دیا جائے گا؟

الجواب:۔ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مسنون طریقہ ہے، چونکہ احادیث نبوی میں بچوں اور اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور محبت سے پیش آنے کا حکم آیا ہے، علاوہ ازیں بچے اکثر کھانے پینے کے زیادہ حریص اور مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کھانا کھانے سے قبل پہلے بچوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے اس کے بعد عمر رسیدہ بزرگوں کو موقع دیا جائے، اور کھانا کھانے کے بعد بزرگوں کا اکرام مد نظر رکھتے ہوئے پہلے انہیں موقع دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: وفي واقعات الناطفي اكد في غسل الايدي قبل الطعام ان يبدأ بالشبان ثم بالشيخوخ -

(البحر الرائق ج ۸ ص ۸۳ کتاب الکراہیۃ) لہ

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا | سوال: بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفا کرتے ہیں، تو کیا صرف انگلیاں دھونے سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

لہ لما فی الہندیۃ: وآداب غسل الايدي قبل الطعام ان يبدأ بالشبان ثم بالشيخوخ وبعد الطعام على العکس۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل) ومثله فی الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۴۰ کتاب الخطر والاباحۃ۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھویا کرتے تھے، اب اگر کوئی شخص کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھو لے تو بلاشبہ اس سے صفائی تو حاصل ہو جائے گی لیکن سنت ادا نہیں ہوگی، سنت کی ادائیگی کے لیے پوسے ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے جبکہ انگلیاں دھونا ہاتھ دھونا نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ: قال نجم الاثمة البخاری وغيره غسل الید الواحدة او اصابع الیدین لا ینفی للسنة غسل الیدین قبل الطعام: (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۴ الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل) ۱۔ لانه المذکور غسل الیرین وذلک (الخ)۔

دستروان پر روٹی رکھ کر سالن کا انتظار کرنا | **سوال:** اگر دستروان پر روٹی حاضر ہو لیکن تا حال سالن نہیں

لایا گیا ہو تو روٹی کھانا شروع کی جائے یا سالن کا انتظار کیا جائے؟
الجواب: روٹی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا اکرام ضروری ہے، فقہائے تصریح کی ہے کہ روٹی حاضر ہونے کی صورت میں سالن کے انتظار میں نہ بیٹھ بلکہ روٹی کے اکرام کے پیش نظر روٹی کھانا شروع کی جائے جب سالن حاضر ہو تو وہ بھی استعمال کر لیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: وینبغی ان لا ینتظر الادام اذا حضر الخبز ویأخذ فی الاکل قبل ان یأتی الادام - (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۳ کتاب الکراہیۃ) ۲۔

۱۔ قال العلامة ابن نجیم: ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیہ بركة وفي البرہانیۃ والسنة ان یغسل الایدی قبل الطعام ویعدہ -

(البحر الرائق ج ۸ ص ۸۳ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی الاکل والشرب)

۲۔ لما قال فی الہندیۃ: ومن اکرام الخبز ان لا ینتظر الا اذا حضر۔ کذا فی الاختیار فی شرح المختار۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۴ الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل)

ومثله فی البزانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۶۵ کتاب الکراہیۃ۔

سوال۔ آجکل لوگوں میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے | کارواج عام ہو چکا ہے، خصوصاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بھی کھڑے ہو کر کھانا کھایا جاتا ہے، کیا کھڑے ہو کر کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ ہمارا موجودہ معاشرہ چونکہ مغرب سے زیادہ متاثر ہے اس لیے مغرب ہی کے عادات و اطوار ہم نے اپنا رکھے ہیں، کھڑے ہو کر کھانا پینا مغربی اقوام کا طریقہ ہے جو کہ سنت اور ادب کے خلاف ہے، تاہم فقہاء نے کھڑے ہو کر کھانے کو مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ذکر کیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن قتادة عن النبی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه نهی ان یشرّب قائماً فقلنا الاکل فقال ذاک اشربوا خبیث۔

(الصحيح المسلم ج ۲ ص ۱۴۳ باب فی الشرب قائماً)۔
سوال۔ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز ہے یا سکوت کرنا بہتر ہے؟

کے ساتھ بیٹھ کر کھانا افضل ہے یا اس کے خلاف کیا جائے؟
الجواب۔ کھانا کھاتے وقت خاموش رہنے کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی عادت ہے، اس لیے اچھی اور دینی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کھانا کھایا جائے۔ میزبان کے لیے مہمان کی جہان توازی اور عزت افزائی ضروری ہے، لہذا اگر مہمان ساتھ بیٹھ کر کھانے پر خوش ہوتا ہو تو ساتھ کھانا افضل ہے ورنہ مہمان کی ذاتی طور پر خدمت کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

لما فی الہندیۃ: یکرہ السکوت حالۃ الاکل لانہ تشبہ بالمجوس..... ولا یسکت

۱۔ قال الامام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ: لیس فی ہذہ الاحادیث اشکال ولا فیہا بحمد اللہ ضعف بل کلہا صحیحۃ والصواب ان النہی محمول علی التنزیہۃ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۱۴۳ باب فی الشرب قائماً) ومثلہ فی کبیری ص ۳۶ آداب الوضوء۔

على الطعام ولكن يتكلم بالمعروف وحكايات الصالحين - (الفتاوى الهندية ج ۳۲۵)
الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ۱۰

تکیر لگا کر کھانا پینا | سوال :- بعض لوگ تکیر لگا کر کھانے پینے کے عادی ہوتے ہیں، آیا تکیر لگا کر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کھانے پینے کے دوران اگر مسنون طریقہ مد نظر رکھا جائے تو ضرورت بھی پوری ہوگی اور ثواب بھی مل جائے گا۔ جہاں تک تکیر لگا کر کھانے پینے کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر تکیر کا خدشہ نہ ہو تو تکیر لگا کر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم خلاف ادب ہونے کی بناء پر اس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما فی الہندیۃ : لا بأس بالاکل متکماً اذا لم یکن بالتکبروفی النظیریۃ هو المختار۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۳ ابنا العاشیٰ الکراہیۃ فی الاکل) ۱۰

تین انگلیوں سے کھانا | سوال :- بعض لوگ کھانا کھاتے وقت ہاتھ کی پانچوں انگلیاں استعمال کرتے ہیں، تو کیا اس طریقے سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی لہذا تین انگلیوں سے کھانا مسنون طریقہ ہے، البتہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں تین انگلیوں سے کھانے میں حرج ہو، تکلیف کی وجہ سے یا سالن نرم ہونے کی وجہ سے، تو کھاتے میں تین سے زائد انگلیاں استعمال کرنا بھی مریض ہے۔

۱۰ لما فی الہندیۃ : وینبغی ان یخدم الضیف بنفسہ اقتداءً ببراہیم علی نبینا وعلیہ السلام - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ ابنا العاشیٰ الہدایا والضيافات - کتاب الکراہیۃ)۔

۱۱ قال العلامة ابن عابدین : لا بأس بالاکل متکماً او مکشوف الرأس وهو المختار۔ (رد المختار ج ۶ ص ۳۴۲ کتاب الکراہیۃ - فصل فی البیع)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الِهْنَدِيَةِ ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الخطر والاباحۃ۔

لاورد فی الحدیث : عن کعب بن مالک عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأکل بثلاث اصابع - (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۵۷۱ باب لعق الاصابع والقصعة)

سوال :- جناب مفتی صاحب ! ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مستون طریقہ اگر جی کے موسم میں پیاس کی شدت

کے باعث انسان ایک ہی وقت میں کئی گلاس پانی پی جاتا ہے ، تو کیا ایسی صورت میں ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینا ہوگا یا ہر گلاس کے بعد ایک مرتبہ سانس لینا کافی ہوگا اور اس سے سنت کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :- مستون طریقہ یہ ہے کہ پانی کو تین سانسوں میں پیا جائے صورتِ مسئلہ میں چونکہ ہر گلاس مستقل پانی پیتا ہے اس لیے ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینے سے ہی سنت کی ادائیگی ہوگی ۔

لما قال الشیخ اشرف علی التہانوی رحمہ اللہ : ہر گلاس کو تین سانس میں پیو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے پیوے تو وہ مجموعی طور پر کئی بار کا پینا ہوگا اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے ۔ (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۳ کتاب الخطر والاباحة - کھانے پینے کی حلال و حرام الخ)

سوال :- ایک شخص گاڑیوں کی خرید و فروخت کا سود خور کی دعوت قبول کرتا کاروبار کرتا ہے اور سودی لین دین کے علاوہ بعض اوقات دیگر ناجائز ذرائع سے بھی مال حاصل کرتا ہے ، تو کیا ایسے شخص کی دعوت میں شرکت جائز ہے یا نہیں ؟

اے قال الامام النووی رحمہ اللہ : واستعجاب الاکل بثلاث اصابع ولا یضم الیہ الرابعة والخامسة الا لعذر بات یكون مرقاً وغیره فلا یمکن بثلاث وغیر ذلک من الاعذار

{ شرح صحیح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۵۷۱ }

{ باب لعق الاصابع والقصعة }

الجواب :- اگر یہ بات واضح اور یقینی ہو کہ اس شخص کا پورا مال حرام اور ناجائز ذرائع سے کمایا گیا ہے تو دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر یہ بات یقینی نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا کچھ مال تو حرام ہے لیکن مال کا اکثر حصہ حلال ہے تو پھر شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کے مال میں کچھ نہ کچھ ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

قال العلامة قاضی خان: وان كان غالب المهدى من الحلال فلا بأس بان يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين انه حرام لان اموال الناس لا يخلوا عن قليل حرام فيعتبر الغالب رافعاوى الخانية على هامش المهدية ج ۳ کتاب الخطر والباحة ۳۷

سوال :- بعض لوگ شادی بیاہ کے مواقع پر دعوت ولیمہ میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا اہتمام ہو اس میں شرکت کا حکم

اجاب واقارب کو مدعو کیا جاتا ہے، تو کیا ایسی دعوت ولیمہ میں شرکت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قبول دعوت کو علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے، لیکن آجکل چونکہ لادینیت اور فحاشی کا دور دورہ ہے لہذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ وہاں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پروگرام ہو گا تو ایسی دعوت میں نہیں جانا چاہیے، البتہ اگر وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہو تو واپس نہ آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ حکم عوام الناس کے لیے ہے اور جہاں تک خواص کے واپس آجانے کا تعلق ہے تو ان کے واپس آنے میں مصلحت یہ ہے کہ الدعی پر ان کی ناراضگی واضح ہو کہ وہ اپنے عمل بد سے باز آجائیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: اذا كان هناك لعب وغنا قبل ان يحضر فلا يحضر

لما في الهدية: ولا يجوز قبول هدية امرء الجور لان الغالب مالهم الحرام الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب زرع او تجارة فلا بأس به لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب رافعاوى الخانية ج ۳ کتاب الخطر والباحة ۳۷

الثاني عشر في الهدايا والضيافات كتاب الكراهية

ومثله في البرازية على هامش المهدية ج ۲ ص ۳۶ الباب الرابع في الهدايا والميراث

لانه لا يلزمه الاجابة اذا كان هناك منكر۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۸ کتاب الکراهية) لہ
چونا کھانے کا حکم | سوال: پان، نسوار وغیرہ میں چونا ملایا جاتا ہے، اس کے کھانے
 کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: چونا بمقدار ضرورت پان وغیرہ میں ملا کر کھانا مریض ہے۔

لما قال العلامة محمد عبدالحی الکنہوی: یباح اكل النورة مع الورق الماکول فی
 دیار الهند لانه قليل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل
 بدونها۔ (نصاب الاحتساب بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۰۳) لہ

افیون کھانے کا حکم | سوال: افیون کھانا اور ادویات میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: افیون مسکرا شیا میں سے ہے جس کا بغیر عذر شریک کے
 کھانا حرام ہے تاہم اگر مباح و حلال اشیا اور ادویات میں کوئی تداوی کے لیے مفید نہ ہو اور مسلمان
 طبیب نے بطور دوائی کے کھانے کا کہا ہو تو اس صورت میں کھانا مریض ہے۔

لما قال الشيخ محمد کامل بن مصطفى الطرابلسي: اتفق مشايخنا ومشايخ الشافعي على تحريم
 الحشيش وأفتوا باحراقه وأمر بتأديب بائعه والتشديد على آكله فهو يذم مبتدع۔ (فتاویٰ الکاملية)
 وفي الهندية: يجوز للتعليل شرب الدم والبول وأكل اذا أخبره طبيب مسلم ان شفاؤه فيه
 ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه۔ (فتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۵۵) ابنا الثامن عشر في التداوي المعالجات لہ

لما قال الهندية: هذا كله بعد الخضوع لما اذا علم قبل الخضوع فلا يحضر لانه يلزمه حق
 الدعوة۔ (فتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۲۳) الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات
 ومثله في البوزية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۲ کتاب الکراهية۔

لہ قال العلامة عبدالحی الکنہوی: نعم وفي نصاب الاحتساب یباح اكل النورة مع الورق
 الماکول فی دیار الهند لانه قليل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل
 بدونها وهو الحمرۃ۔ (رفع المفتی والسائل ص ۹۳ کتاب الکراهية)

لہ قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله والنتن الذي حدث) وهو مصرع في حرمۃ
 البنج والافیون لا لدواء۔ (مراد المختار ج ۶ ص ۲۵۵ کتاب الاشربة)

ومثله في نصاب الاحتساب بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۸۹ کتاب الکراهية۔

سوال :- پیاز، لہسن اور دیگر بدبودار حلال اشیاء کھا کر
مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پیاز، لہسن وغیرہ اشیاء کھانا فی ذاتہ جائز اور مباح ہے تاہم مساجد اور
ایسی مجالس جن میں خلق خدا کو ایذا پہنچنے کا خدشہ ہو کھا کر جانا جائز نہیں۔

لما قال الشيخ فضل الله الشهيد بشيخنا أحمد العثماني (رحمته) قوله صلى الله
عليه وسلم من أكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يأتي المساجد ليس في هذا تقييد النهي بالمساجد
فيعتدل بعمومه على الحاق الجامع بالمسجد كصلى العيد والجنائزة ومكان الوليمة وجمهورية الأمة
على إباحة أكلها۔ (رفع الملهم ج ۲ ص ۱۵۱/۱۵۲) باب نهى من أكل ثوماً له
سوال :- بھنگ کا استعمال بطور نشہ اور تداوی کے شرعاً جائز
ہے یا نہیں؟

الجواب :- بھنگ کا شمار جو تک مسکراشیاء میں ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً
ممنوع ہے تاہم بوقت ضرورت کسی مسلمان طبیب کے مشورے بقدر ضرورت استعمال
مخصص ہے بشرطیکہ حلال اشیاء میں معالجے کے لیے کوئی شے نہ ہو۔

لما قال شيخ الاسلام ابو بكر علي بن محمد الحداد اليميني: ولا يجوز اكل البنج والخيشة
والافيون وذلك كله حرام۔ (الجوهر النيرة ج ۲ ص ۲۸۱ کتاب الاشربة م ۲۷)

لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن ابي سعيد الخدري قال لم نعدان فتحت خيبر فوقعنا
اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك البقلة الثوم والناس جياعاً فاكلنا منها اكلًا شديدًا ثم
رجعنا الى المسجد فوجد رسول الله صلى الله عليه وسلم الريح من اكل هذه الشجرة الخيشة شيئاً
فلا يقربنا في المسجد فقال لناس حرمت فيك النبي صلى الله عليه وسلم فقال ايها الناس
انه ليس في تحريمه ما احل الله لي ولكمها شجرة اكره ربحها۔

(الصحيح للمسلم ج ۱ ص ۲۸۱ باب نهى من أكل ثوماً الخ)

وَمُثْلُهُ فِي شَرْحِ مُسْلِمٍ لِلنَّوَوِيِّ ج ۱ ص ۲۸۱ باب نهى من أكل ثوماً۔

۲۔ قال العلامة ابن عابدین: وهو صريح في حرمة البنج والافيون لا للدواء۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الاشربة)
وَمِثْلُهُ فِي خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الاشربة۔

بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا | سوال :- کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسلمان کا مال جان شرعاً معصوم ہے اور بغیر مالک کی اجازت کے لینا جائز نہیں اور نہ اس مال سے بغیر اجازت کے نفع اٹھانا جائز ہے۔

لما رواہ اکامام علی بن عمر الدارقطنی: عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع بمنى فسمعتہ يقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵ کتاب البیوع۔ رقم حدیث ۸۹) لہ

کافر کے ساتھ کھانے کا حکم | سوال :- کیا کسی غیر مسلم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے کو معمول بنانا درست نہیں تاہم کبھی کبھار ایسا کر لینا مخصص ہے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: والا کل والشرب فی اواني المشركين مکروه ولا بأس بطعام المجوس الا ذبیحتهم وفي الاکل معهم وعن الحاكم عبد الرحمن لو ابتلی به المسلم مرة او مرتین لا بأس به اما الدوام علیه فمکروه۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۲ کتاب الکراہیۃ) لہ

لہ لما ذکره الشيخ ولی الدین ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطیب: وعن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منه۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۵ باب الغصب والعاریۃ، الفصل الاول) ومثله فی نصب الراية ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الغصب۔

لہ وفي الهندية: الاکل مع المجوس ومع غيرة من اهل الشرك انه هل یحل ام لا عن الحاكم عبد الرحمن الكاتب أنه ان ابتلی به المسلم مرة او مرتین فلا بأس به واما الدوام علیه فیکره۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۲۴ الباب الرابع عشر فی اهل الذمۃ.... الخ)۔

خلافت شریعت و دعوت میں شرکت کا حکم | سوال :- آجکل تشادی بیاہ اور خوشی کی دگر تقریبات میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات

اور طور طریقوں کے خلاف کیا جاتا ہے جن میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بے پردگی میں میل جول، ناچ گانا، ہندوؤں اور عیسائیوں کے مختلف طور طریقے قابل ذکر ہیں۔ اگر کسی کو ان خلاف شرع کاموں سے روکا جائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے اس کے بغیر تو خوشی کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ بعض اہل علم اور دیندار طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرتے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان لغویات کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ کام ناجائز ہیں تو فلاں عالم یا دیندار شخص نے کیوں شرکت کی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرنا ہندوؤں کا علم اور دیندار طبقہ کا شرکت کرنا اور کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنا ناجائز ہے اور جہاں احکام شریعہ کی

خلاف ورزی ہو رہی ہو اور منکرات موجود ہوں وہاں اکل و شرب یعنی کھانا پینا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اس قسم کی تقریبات میں کسی عالم یا دیندار شخص کی شرکت کی بناء پر کوئی خلاف شرع کام جائز نہیں ہو سکتا۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ، دعی الی ولیمة دثمة لعب او غنا قعد واکل لوللمنکر فی المنزل فلو علی المائدة لا ینبغی ان یقعد بل ینخرج معرّضاً الی قوله فان قدر علی المنع فعل والا صیر ان لم یکن ممن یقتدی بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع ینخرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین الخ (الدرا المختار ج ۵ ص ۲۲۵ کتاب الخطر والاباحہ) لہ

لہ وفي الهندية : ومن دعی الی ولیمة فوجد ثمة لعباً او غناء..... ولو كان ذلك علی المائدة لا ینبغی ان یقعد وان لم یکن مقتدی بہ وهذا کلمہ یعد

الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر الخ
 { الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب الکراہیة
 الباب الثانی عشر فی الهدایا والفضیلات }

باب التداوی

(علاج معالجہ کے احکام و مسائل)

انسانی اعضاء کی بیوند کاری کا حکم | سوال :- دورِ حاضر میں انسانی اعضاء کی بیوند کاری کا دور دورہ ہے، کئی لوگ وصیت کر جاتے ہیں کہ

مرنے کے بعد ان کے کچھ اعضاء مثلاً آنکھیں، گردے وغیرہ نکال کر کسی ضرورت مند کو لگا دیئے جائیں، تو کیا شریعت مقدسہ میں انسانی اعضاء کی بیوند کاری جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اپنے اعضاء کو معالجتاً استعمال کرنے کیلئے دوسرے انسان کیلئے وصیت کرنا اور ان اعضاء کی بیوند کاری کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ یہ بارِ آجکل کافی عروج ہے جس سے اجتناب لازمی ہے، تاہم متاخرین فقہاء نے حالتِ اضطرارِ شدیدہ کے وقت مرخص قرار دیا ہے۔

لما قال الامام محمد بن احمد السرخسی : لا يجوز الانتفاع به بحال ما والادھی مختراً بعد موته علی ما کان علیہ فی حیاته کما یحرم التداوی لبشی من الادھی المحی اکرمآلہ کذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت۔ (شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۲۸ باب دواء الجراحة) ۱۷

انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم | سوال :- دورِ حاضر میں اکثر امراض میں بھی استعمال ہوتا ہے، شرعی نکتہ نگاہ سے ان ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- انگریزی ادویات کے بارے میں متاخرین علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظن غالب سے ثابت ہو تو بغیر

۱۷ قال العلامة علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی : ولو سقط سنہ یکرہ ان ینخذ من المیت فیشدھا مکان الاوی بالاجماع۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)

ومثله فی الہندیہ ج ۵ ص ۳۵۲ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات الخ۔

شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال
مرخص ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی، وکوة شرب دردی الخمر
والامتنشاط به لان فيه اجزاء الخمر فكان حراماً نجساً والانتفاع بمثله
حرام۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۹۹ کتاب الاشربة) لے
پوسٹ مارٹم کا حکم | سوال:۔ عصر حاضر میں اگر کوئی قتل ہو جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک
ہو جائے تو ہسپتال میں اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جس میں اعضا

کی قطع برید ہوتی ہے، تو شریعت مقدسہ میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟
الجواب:۔ جس طرح انسان کا احترام اس کی زندگی میں مستم ہے اسی طرح موت
کے بعد بھی قابل احترام ہے، جس طرح زندہ انسان کو ایذا دینا موجب جرم و گناہ ہے
اسی طرح مردہ انسان کو بھی ایذا دینا موجب جرم و گناہ ہے اس لیے فقہاء کرام نے
بعد الموت انسانی اعضاء کی قطع برید کو خلاف شرع قرار دے کر پوسٹ مارٹم کو ایک
فبیح و ناجائز عمل کہا ہے۔

لما قال الباجی: یرید ان لہ من الحرمة فی حال موته مثل ماله منها
حال حیاته وان کسر عظامه حال موته یحرم کما یحرم کسرھا حال حیاته
(موطا امام مالک حاشیہ ص ۲۲ ما جانی الاحتقاد وھو النیش) لے

لے قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (وکوة شرب دردی الخمر) ای
(والامتنشاط) بالدردی لان فيه اجزاء الخمر وقليله کثیرہ کما مر۔
(الدہ المختار علی صدر رد المختار ج ۶ ص ۲۵۷ کتاب الاشربة)

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشربة۔
لے رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، عن عائشةؓ ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم الميت کسره حیاً۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۱ باب الحفاری عبد العظم هل ینتکب ذلک المكان)
ومثله فی سنن ابی ماجہ مع حاشیہ ج ۱ ص ۱۱۱ باب ماجاء فیمن مات مریضاً۔

خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا حکم | سوال :- آجکل کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی

کی اشاعت بکثرت ہو رہی ہے، شرعی لحاظ سے خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- خاندانی منصوبہ بندی کے اہداف کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ یہ تمام تر پروگرام رزق کی تنگی کے خوف سے ہو رہے ہیں جو خالق کائنات جل مجدہ کی صفت خاصہ یعنی رزاقیت سے بغاوت کے مترادف ہے، اس لیے منصوبہ بندی کے بنیادی نظریہ (رزق کی تنگی کا خوف) کو مد نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنا شرعاً حرام ہے، تاہم کسی شرعی عذر کی بناء پر مانع حمل ادویات کا استعمال اور دیگر ذرائع اختیار کرنا مقرر ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلا الانصاری رحمہ اللہ : شرب الدواء لأجل إسقاط الحمل قبل ان يصير صوره يمحور عند الضرورة والكف عن هذا خير اولی - (الفتاوی التاتاریخانیة ج ۳/۲ کتاب النکاح الفصل المساس والعشرون) | **انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم** | سوال :- افزائش نسل کے انجکشن گوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ حیوانات میں نسب کا لحاظ رکھنا شرعی لحاظ سے ضروری نہیں اس لیے کہ ماں جانوروں میں اصل ہے اور بچہ بھی حلت و حرمت میں ماں کا

لما قال العلامة ابن عابدین : تحت قوله (ويكره أن تسقى لإسقاط الحمل) وجاز لعذر (كل مرضعة إذا ظهر بها الحمل والقطع لبنها وليس لابی الصبی ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها أن تعالج في استئزال الدم مادام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو وقد رو تلك المدة بمائة وعشرين يوماً - (رد المحتار ج ۶ ص ۲۲۹ کتاب الحظر والاباحة - فصل في البيع) ومثله في الطحاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۲ کتاب الحظر والاباحة - فصل في البيع -

تابع ہے، بنا بریں جانوروں کو افزائش نسل کے لیے انجکشن لگوانا کوئی قبیح عمل نہیں۔

لما قال الامام السيد احمد بن محمد الحموی المصری: والمولود بین الاهلی والوحشی یتبع الام لان الاصل فی التبعية الام حتی ان نزی الذئب علی الشاة یفشی بالولد۔ (غمر عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۳۳۷) لے

سوال ۱۔ بوقت ضرورت کسی بیمار کی جان بچانے کیلئے بیمار کو خون دینے کا حکم انسانی خون سے انتفاع کا شرعی حکم کیسا ہے؟

الجواب ۱۔ بوقت ضرورت (حادثة یا شدید بیماری کی صورت میں) جان بچانے کے لیے انسانی خون سے استفادہ مخصص ہے۔

لما قال العلامة الشیخ محمد کامل بن مصطفى الطرابلسی الحنفی: قال فی التہذیب يجوز لعلیل شرب البول والدم والمیئة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاہہ فیہ ولہ یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔ (الفتاوی الکاملیة ص ۲۶۷ کتاب الکراہیة) لے

سوال ۲۔ دفع ضرر و جلب منفعت کے لیے قرآنی آیات اور ادعیہ مانور سے تعویذ کر کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۲۔ غیر شرعی الفاظ کے علاوہ آیات قرآنی و ادعیہ مانورہ سے تعویذ کرنے یا کرانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ یہ ایک مستون طریقہ ہے اور پہننا بھی جائز ہے۔

لما قال الامام اللغوی ابو الفتح ناصر الدین المطرزی: قال القتیبی وبعضہم یتوہم ان المعاذات ہی التائم وليس كذلك انما التمیمۃ الخرزۃ ولا بأس بالمعاذات

لے لما قال الامام ابو بکر احمد بن علی الرازی البصاص رحمہ اللہ: ولو ولدت حمارة وحشیة من حماد اہلی اکل ولدہا فان الولد تابعاً لأمہ دون ابیہ۔ (احکام القرآن للبصاص ج ۵ سورۃ النحل)

لے لما فی الہندیۃ: يجوز لعلیل شرب البول والدم وأکل المیئة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاہہ فیہ ولہ یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۳ ص ۳۵۵ باب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی البیع۔

اذا كتب فيها القرآن او اسماء الله تعالى - (المغرب في ترتيب المعرب ج ۱ ص ۱۷۰)
سوال :- اگر کوئی حاملہ عورت فوت
 مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم
 کی تصدیق ہو جائے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ابھی زندہ ہے تو کیا اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ
 نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے انتہائی مجبوری کے تحت مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے
 بچہ نکالنے کو مخصص کہا ہے مگر اس شرط پر کہ بچہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہو یعنی اس کا زندہ ہونا
 یقینی ہو، چونکہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کی وجہ سے مذکورہ بالا صورت میں الٹراساؤنڈ کے
 ذریعے بچے کا زندہ ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، لہذا جب الٹراساؤنڈ کے ذریعے معلوم ہو جائے
 کہ بچہ واقعی زندہ ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا شرعاً مخصص ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: حامل ماتت و ولدها يضطر شق بطنها و يخرج
 ولدها - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۸ باب الجنائز، مطلب في دفن الميت)
سوال :- بیوی شوہر کو اپنی
 شوہر کو راغب کرنے کے لیے تعویذات کا سہارا لینا
 کسی تعویذ کا سہارا لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اصلاح بین الزوجین کے لیے عملیات یا دیگر تعویذات کا سہارا لینا شرعاً

لما اخرج ابوداؤد سليمان بن الاشعث السجستاني في سننه: عن عمرو بن شعيب عن أبيه
 عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الفزع كلما اعوذ بكلمات الله التامة
 من غضبه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون وكان عبد الله بن عمر يعلمهم من
 عقل من بنيه ولم يعقل كتبه فاعلقه عليه - (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۲۳ باب كيف المرقى -
 ومثله في رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۳ كتاب الخطر والاباحة - فصل في الليس -

۱۷۰ قال الشيخ اشرف على التهانوي: اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لینا اس وقت جائز
 ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہو معلوم ہو ورنہ اگر بچہ بھی مر گیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۲۰۶ کتاب الخطر والاباحة)

قیح نہیں بشرطیکہ شوہر کو اپنا غلام بنانا مقصود نہ ہو بلکہ بے اختلافی سے بچنے کی نیت ہو، تاہم کتب فتاویٰ میں جو عدم جواز کا فتویٰ موجود ہے وہ غیر شرعی تعویذات و تسخیرات وغیرہ یا دیگر بدینتی پر محمول ہے۔

لما قال العلامة ابو الفتح ناصر الدین المطرزی: بعضهم یسألون ان المعاذات هی التائم وليس كذلك انما التمیمة الخرزة ولا یأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالى..... وأما ما کان من القرآن وشئ من الدعوات فلا یأس۔

(المغرب فی ترتیب المعرب ج ۱ ص ۱۰۸) ۱۰۸

تعویذات میں یا بدوح لکھنا | سوال :- اکثر عالین تعویذات میں یا بدوح لکھتے ہیں، اس بارے میں بعض علماء سے سنا ہے کہ یا بدوح لکھنا درست نہیں، کیا واقعی ایسا لکھنا جائز ہے؟

الجواب :- بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تعویذات میں اسماء اللہ لکھنا جائز ہے لہذا تعویذات میں یا بدوح لکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة المفتی محمد شفیع: احقر نے اپنے اتاذ مخرم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب الکشمیری سے سنا ہے کہ لفظ "بدوح" بلا تشدید دال عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ (عزیز الفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۳۹) ۱۳۹

۱۰۸ لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وبعضهم یسألون ان المعاذات هی التائم وليس كذلك انما التمیمة الخرزة ولا یأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالى۔ (رماد المختار ج ۶ ص ۳۶۳ کتاب الخطر والاباحة۔ فصل فی اللیس)

وَمِثْلُهُ فِي نِيلِ الْاَوْتَارِ ج ۵ ص ۳۲۰ باب ما جاء في الابوة على الضرب۔

۱۰۹ لما قال العلامة المفتی محمد شفیع: بدوح یہ لفظ عام طور پر بضم باد و تشدید دال مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں، صحیح لفظ بدوح بفتح باد و تخفیف دال ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

(امداد المفتیین المعروف بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۳۸ کتاب الکراہیہ)

غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا | سوال :- تعویذات میں غیر شرعی الفاظ مثلاً 'یا فرعون' یا 'ہامان' وغیرہ لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- تعویذات میں قرآنی آیات و ادعیہ مانورہ کے علاوہ غیر شرعی الفاظ مثلاً جن، بھوت یا کسی بڑے کافر کا نام وغیرہ لکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشيري : عن عوف بن مالك الاشجعي قال لنا نرقي في الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف تری في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لا بأس بالرقی ما لم يكن فيه شرك - (الصحيح لمسلم ج ۲ ص ۲۲۲) باب جواز اخذ الاجرة على الرقية (۱) ۱۰

بیماری کا علاج کرنا سنت ہے | سوال :- بیماری کا علاج کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اگر کوئی بیمار علاج نہ کرنے پر ہلاک ہو جائے تو

کیا وہ گنہگار ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

لما قال الامام الفقيه ابواللیث السمرقندی : ولو مرض ولم يعالج حتى مات لم یأثم بخلاف الجائع اذا لم یأكل حتى مات بالجوع یا ثمربہ - (فتاویٰ نوانرل من کتاب الکراہیۃ) ۲ ۱۰

۱۰ قال العلامة الحسینی : التیمۃ المکروهۃ ما کان بغیر العربیۃ - قال العلامة ابن عابدین : (فی قولہ التیمۃ المکروهۃ) قول الذی رأیتہ فی المجتبی التیمۃ المکروهۃ ما کان بغیر القبرانیات -

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۳ کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی اللیس)

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ الْجَامِعِ التِّرْمِذِيِّ لِلشَّيْخِ أَحْمَدَ عَلِيٍّ السَّهَارَنُفَوِيِّ ج ۲ ص ۲۵۵ باب مجاء جرة على التعويز (۲) قال العلامة ابن البرزاز الكورنی : امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً أضران عن التداوی حتى تلف مرضاً لالان عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مطمئن -

رافتاوی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۲ ص ۳۶۲ نوع فی التداوی - کتاب الکراہیۃ (۲) وَمِثْلُهُ فِي الِانْعِيَارِ عَلَى تَعْلِيلِ الْمُخْتَارِ ج ۲ ص ۱۰ کتاب الکراہیۃ -

خاندانی منصوبہ بندی کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جائزہ | سوال: مکرّمی جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اسلام منون!

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ماہرین اقتصادیات و عمرانیات کے پیش نظر ایک ہولناک مسئلہ کی صورت میں جلوہ گر ہے، اگر اس مسئلے پر محض اقتصادی یا عمرانی نقطہ نظر سے بحث کی جائے تو تحدید النسل ناگزیر معلوم ہوتی ہے تاہم ایک مسلم معاشرے میں کسی تحریک کے آغاز سے پیشتر اس کی شرعی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

میں ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ ہوں اور اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی کے موضوع پر کام کر رہا ہوں میرے پیش نظر کوئی سیاسی مصلحت نہیں، بہر قسم کے دباؤ سے بے نیاز محض دین کی خدمت کے جذبے کے تحت میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے کے لیے مجھے ہر وقت علماء کرام کی راہنمائی کی ضرورت ہے، اُمید ہے آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر میری راہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالیں گے۔

الف۔ آپ کے خیال میں ”خاندانی منصوبہ بندی“ مذہبی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟
ب۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
ج۔ فقہاء کرام نے کن صورتوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کو عزل پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دی ہے؟

د۔ آیات تحریک کی صورت میں ضبط تولید کے مختلف طریقوں کی ہمہ گیر اشاعت شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

ه۔ اگر نہیں تو اس سے کون سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے؟ نیز ان خرابیوں کے تدارک کے لیے آپ کی تجاویز؟

و۔ عزل کے علاوہ ضبط تولید کے دیگر جدید طریقوں پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- آنجناب کا سوال نامہ ملا، خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہماری رائے جو شرعی نصوص اور فقہاء اُمت کی آراء پر مبنی ہے، حسب ذیل ہے:-

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ہولناک نتائج کی بنا پر تحدید النسل کرنا جبکہ جبر اور

حاکمانہ طور سے ہو یا تحریک کے طور سے ہو مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے، ایک موجد اور مسلم قوم کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ املاک اور تنگدستی کے خطرہ کی بناء پر مشرکین عرب کی طرح (خفی) میں مبتلا ہو، نیز جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین جنس کی عاقبت اندیشی، ہمدردی اور شفقت علی الخلق میں کوئی شبہ نہیں ہے انہوں نے عرب جیسے ریگستان اور بے آب و گیاہ ملک میں تحدید النسل کا حکم یا مشورہ نہ دیا حالانکہ وہاں قحط کا خطرہ بلکہ اس کا متحقق ہونا ان کو محسوس تھا بلکہ بجائے تحدید کے تکثیر نسل کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: تزدوجوا الودود والود فانی مکا ثدیکر الامم۔ تو ایک مسلمان معاشرہ کے لیے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع چھوڑ کر ہر معاملہ میں مغرب کی اندھی تقلید کرے اور تقلید بھی اس درجہ کی کہ اگر آج ہی مغرب کی طرف سے تکثیر نسل کا اشارہ ہو جائے تو فوراً اس کے صواب اور حق ہونے پر مصر ہوں گے۔

الفرض اس مسئلہ کا حل اقتصادی و عمرانی نقطہ نظر سے تحدید نسل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت پر اعتماد اور توجید کے خلاف ہے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین اور کائنات میں رزق و معاش کے جو بے انتہا اور بے حد و حساب خزانے ودیعت فرمائے ہیں خدا کی عطا کی ہوئی عقل و ادراک سے کام لے کر رزق پڑھانے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرنے کے ذرائع اور طریقے اختیار کیے جائیں، بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا جائے، زمینداروں کی زرعی ترقی کے لیے جدید طریقوں سے راہنمائی کی جائے، زمین کی غیر ضروری پیداوار از قسم تمباکو، افیون وغیرہ کی تحدید یا ان کا خاتمہ کیا جائے جس پر انسان کی بنیادی ضروریات کا کوئی مدار نہیں۔

اس تمہیدی بحث کے بعد بالترتیب آپ کے سوالوں کے جوابات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔

الف۔ حاکمانہ اور بھری طور سے، نیز ہمہ گیر اور اجتماعی تحریک کے طور سے ناجائز ہے۔ اور بلا جبر و اکراہ انفرادی طور سے کسی شدید ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

ب۔ جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے جبکہ یہ امر مفسد پر مشتمل نہ ہو جو مباحات مفسد کا ذریعہ بنیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں، اسی طرح اس کے

محرمات اور بواعث بھی از روئے شرع مذموم نہ ہوں۔

ج۔ ضرورت مند اور معذور اشخاص کے لیے عزل جائز ہے اور اہل مقرب کی تقلید کی وجہ سے یا اقتصادی نقطہ نگاہ سے ناجائز ہے، جیسا کہ گھڑے ہو کر پیشاب کرنا، اور جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل دے رہے ہیں ان کے نزدیک اس ایک معاشی مسئلہ کا حل ہونا ذہنی علامی کا ثبوت ہے۔

د۔ ضرورت مند اور معذور کے لیے انفرادی طور پر بلا جبر و اکراہ جائز ہیں جبکہ مفسد پر مشتمل نہ ہوں، لیکن مفسد پر اشتہال یقینی ہے، اس لیے اسے تحریک کی شکل میں چلانا بہر حال ناجائز ہے۔

س۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت اور صفت تقدیر سے غفلت اور کثرت زنا کی لعنت اس کے اہم مفسد ہیں جن کا تدارک اگرچہ زبانی طور سے تو ممکن ہے لیکن عملی طور سے ناممکن ہے۔

س۔ صاحب عذر اور ضرورت مند کے لیے دوسرے طرق بھی انفرادی طور پر جائز ہیں البتہ جو طریقے مفسد پر مشتمل ہوں، جیسے نس بندی کی صورت یا مستقل طور پر قوت تولید زوج یا زوجہ کا خاتمہ کرنا جو از قبیل تغیر خلق اللہ بھی ہے، اس کا ارتکاب ناجائز ہے اس قسم کے مفسد پر اشتہال ضروری ہے، لہذا ہم اس تحریک کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں۔ اور جو لوگ نصوص کتاب و سنت اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کو کھینچ تان کر اپنی مطلب برآری کے لیے اس تحریک کا جواز ڈھونڈنا چاہتے ہیں ان کی تحقیقات کا رجوع دراصل تاویل و تحریف ہے (کوئی اعتبار نہیں)۔

سوال :- جند بیدستر جو کہ ایک دریائی جانور
جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا کے خفیوں کی منجھد خشک شدہ رطوبت ہے

اور طبی ماہرین اسے ادویات میں بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جبکہ بعض اوقات اس کا استعمال تبادلہ دوائی نہ ملنے کی وجہ سے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جند بیدستر پاک نہیں بلکہ ناپاک است اگرچہ حرام ہے۔ شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس بارے میں تفصیل درکار ہے ؟

الجواب :- دریائی جانور سب پاک ہیں، پھوٹے ہوں یا بڑے، مذبوح ہوں یا غیر مذبوح، البتہ ان میں سے سوائے مچھلی کے کسی اور کا کھانا مذہب حنفی میں درست نہیں مگر ادویات میں تمام دریائی حیوانات کا یا ان کے کسی بھی اجزاء کا خارجی استعمال درست ہے الا آنکہ مینڈک کا مارتا کراہت سے خالی نہیں۔ لو ورد النص فیہ۔ ہاں اگر مرل ہوا ہو تو خارجی استعمال میں کوئی حرج نہیں، یہ حکم صرف دریائی مینڈک کا ہے، جند بیدستر کا داخلی استعمال کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو دو وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ جند دریائی جانور ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ خفصیہ ہے جس کی ممانعت حدیث میں منصوص ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف اخیر وجہ سے اور بوجہ پاک ہونے کے خارجاً درست ہے، عطر میں ڈالنا جائز ہے۔ (اصلی طبی جوہر ص ۱۰۴ از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی)

وفي الهندية: (واما حکمها) فطهارة المذبح وحل اكله من المأكول و طهارة غير المأكول للانتفاع لاجهة الاكل۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۲۰۶ کتاب الذبائح۔ الباب الاول لہ

لہ وفي الهندية: الحيوان في الاصل نوعان نوع يعيش في البحر ونوع يعيش في البر اما الذي يعيش في البحر فجميع ما في البحر عن الحيوان يحرم اكله الا السمك خاصة فانه يجعل اكله الحرام (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب الذبائح۔ الباب الثاني في بيان ما يוכל لحمه الحيوان وما لا يוכל)

باب اللباس

(لباس کے احکام و مسائل)

سونے چاندی کی گھڑی پہننا | سوال :- سونے، چاندی یا لوہے اور تانبے کی بنی ہوئی گھڑی پہننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- گھڑی اگر خالص سونے یا چاندی کی بنی ہوئی ہو تو مردوں کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن اگر اندر سے سونایا چاندی کی ہو اور باہر سے لوہا وغیرہ کی ہو تو مرد و زن کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ لوہے وغیرہ کا استعمال صرف انگوٹھی میں ممنوع ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: (ولا يتحلّى للرجل ربّ ذهب وفضّة) مطلقاً..... ولا يتختم الا بالفضّة لحصول الاستغناء بها في حرم (بغيرها كالحجر) وذهب وحديد و صفر و رصاص وغيرها لما مرّ فاذا ثبت كراهة لبسها للتختم۔

والله المختار على صدره رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الخطر والاباحت۔ فصل فی اللبس۔ لہ
عورتوں کے لیے سفید کپڑے پہننے کا حکم | سوال :- خواتین کے لیے رنگین کپڑوں کے علاوہ سفید کپڑے زیب تن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت اسلامیہ میں عورتوں کے لیے کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننے کی کوئی پابندی نہیں تاہم ان کے لیے ایسے لباس سے اجتناب ضروری ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔

لما قال العلامة الحصکفی: (وکره لبس المعصفر والمزعفر والأحمر صفر للرجال)

لما قال العلامة ابوالبركات النسفی: (ولا يتحلّى للرجل بالذهب والفضّة الا بالختام..... و حرم التّختم بالحجر والحديد والصفر والذهب۔ (کنز الدقائق ص ۲۲ کتاب الکراهیۃ فصل فی اللبس۔ ومثله فی الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۳۸۳ کتاب الخطر والاباحت۔

مفادہ ائہ لا یکرہ للنساء ولا یأس بسائراً لا لون۔ الخ (رد المحتار علی صدر المختار ج ۶ ص ۳۵۸ کتاب
الخطر والاباحۃ۔ فصل فی اللبس) ۱

سوال: بہ زمانہ حال میں اکثر خواتین اتنا باریک
لباس زیب تن کرتی ہیں جس میں ان کے جملہ اعضاء
نمایاں نظر آتے ہیں اور بعض اوقات ان پر کسی غیر محرم کی نگاہ بھی پڑ جاتی ہے۔ از روئے شرع
ایسے لباس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے اور ایسے ملبوسات کے
استعمال سے منع فرمایا ہے جو بے حیائی کا موجب ہوں، لہذا خواتین کا ایسا لباس پہننا جس
میں جسم کے پوشیدہ اعضاء کی وضاحت ہوتی، ہو حرام و ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین، اقول مفادہ ان رؤية الثوب بحيث يصف حجم
العضو ممنوعة ولو كثيفاً لا ترى البشرة منه۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۲ کتاب
الخطر والاباحۃ۔ فصل فی النظر واللبس) ۲

سوال: خالص تیلہ جو سونے چاندی کا بنا
مردوں کے لیے تیلہ کے استعمال کا حکم | ہو مردوں کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز
ہے یا نہیں؟

الجواب: خالص تیلہ جو سونا چاندی کا بنا ہو اس سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال
کرنا مردوں کے لیے ناجائز ہے، تاہم مروجہ تیلہ جو سونا چاندی پر مشتمل نہ ہو کی بنی ہوئی

۱ قال العلامة السيد احمد الخطاوی، قوله والمنع من الذهب والفضة يعني ان المنع من القسميه مكروه، وأما الاصفر
من غير الزعفران فلا كراهة فيه ولا بأس بسائراً لا لون من الابيض والازرق والاشقر۔ الخ
رخطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۴ ص ۱۸ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللباس

۲ رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: عن ام سلمة قالت استيقظ النبي
صلى الله عليه وسلم فقال..... فرب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة۔
(الصحيح البخاری ج ۱ ص ۲۲ باب العلم والعظمة بالليل)
ومثله في تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللبس۔

اشیاء کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: یکرہ ان یتلبس الذکور قلنسوة من الحریر
والذهب والفضة والکرباس۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۲ کتاب الخطر والاباحۃ۔
فصل فی اللبس) ۱

دانت جوڑنے کے لیے سونا، چاندی استعمال کرنا | سوال: ٹوٹے ہوئے دانت کو
استعمال ہوتا ہے، تو کیا اس طرح سونا، چاندی کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونے کا استعمال ناجائز ہے
اس لیے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے، تاہم صرف چاندی کا نول چڑھانے میں کوئی
قیاحت نہیں ہے۔

لما قال الامام المجتہد محمد بن حسن الشیبانیؒ: ولا تشد الا سنان بالذهب
وتشد بالفضة۔ (الجامع الصغیر ص ۳۱۹ کتاب الکراہیۃ) ۲

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم | سوال: مرد وزن کو لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز ہے
یا نہیں؟ نیز سونے چاندی کی انگوٹھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب: لوہے کی انگوٹھی مرد وزن کو پہننا مکروہ ہے اور سونے کی انگوٹھی صرف
مردوں کیلئے پہننا حرام ہے جبکہ چاندی کی انگوٹھی بمقدار مازون جائز ہے اور خواتین کے لیے مطلقاً جائز
ہے تاہم محتاج الیہ کے علاوہ مردوں کو انگوٹھی پہننا مستحسن نہیں۔

لما قال الامام عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: ویجوز للنساء التحلی بالذهب والفضة

۱۔ لما فی الہندیۃ: یکرہ ان یتلبس الذکور قلنسوة من الحریر والذهب والفضة
والکرباس۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۲ الباب التاسع فی اللبس)۔ (۲)
ومثله فی الفتاویٰ السراجیۃ ص ۳۵ کتاب الکراہیۃ۔

۲۔ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویشد الانسان بالفضة ولا یشدھا
بالذهب۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۷ کتاب الکراہیۃ۔ الفصل السابع فی اللبس)
ومثله فی الفتاویٰ الکاملیۃ ص ۲۶۱ کتاب الکراہیۃ۔

ولا يجوز للرجال الا الخاتم..... من الفضة (وقال في شرح كتابه) ثم التعم سنة لمن يحتاج اليه كالسلطان والقاضي ومن في معناها ومن لا حاجة له اليه فتركه افضل..... و يكره التعم بالحديد والصفير للرجال والنساء لانه حلية اهل النار وقد نهى عنه -
(الاختيار لتعديل المختار ج ۹ ص ۱۵۹ کتاب الکراهیة. فصل فی اللباس) ۱۵

عورت کیلئے پازیب پہننے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل بڑے گھرانوں کی خواتین میں پازیب پہننے کا رواج ہے، عورت

جب پازیب پہن کر راستے میں چلتی ہے تو اس کی چھن چھن کی آواز کانوں میں پڑتی ہے جس کی وجہ سے آوارہ قسم کے لڑکے ایسی عورتوں پر آوازے کسے لگتے ہیں جو کہ فساد کا ذریعہ ہے کیا شرعاً عورت کے لیے پازیب کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے عورت کو حجاب (پردہ) کا حکم دیا ہے اور اسے ہر اس عمل سے منع کیا ہے جو بے حیائی کا باعث بنتا ہو، چونکہ عورت کے پازیب پہننے میں ایک قسم کی بے حیائی ہے اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑے بڑے فتنے و فساد پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ پازیب حجاب شرعی کے بھی منافی ہے اس لیے اس کا استعمال ہر چھوٹی بڑی خاتون کے لیے ناجائز و حرام ہے -

لما قال الله تعالى: وَلَا يَضُرُّنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ -

(سورة النور آیت ۳۱) ۱۵

۱۵ لہذا قال الامام ابوالبركات ابو عبد الله بن احمد النسفي: ولا يتحل الرجل بالذهب والفضة الا بالخاتم والمنطقة حلية السيف من الفضة والا لغير سلطان والقاضي ترك التعم بالحجر والحديد والصفير - (كنز الدقائق ص ۲۲۳، ص ۲۲۴ کتاب الکراهیة)

۱۶ وَمَثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْإِهْدِيَةِ ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة -

۱۷ وعن بنانة مؤيد عبد الرحمن بن جابر الانصاري كانت عند عائشة اذ دخلت عليها بجارية وعليها جلاجل يصوتن فقالت لا تدخلها على الا ان تقطعن جلاجلها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخل الملائكة بيتا فيه جرس - (رواه ابو داود)

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۹ کتاب اللباس - باب النعال)

۱۸ وَمَثْلُهُ فِي اِمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۴ ص ۱۳۷ کتاب الخطر والاباحة -

بدن پر خال یا نام لکھوانا جائز نہیں | سوال :- پیشانی یا جسم کے کسی عضو پر خالیں بنانا یا نام لکھو دوانے کا شریعت میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- بدن پر نام گدوانا یا پیشانی پر خالیں بنانا تخلیق خداوندی میں تغیر کے مترادف ہے جو کہ ناجائز عمل ہے اس لیے بدن پر نام لکھو دینے یا خال بنانا حرام ہے لیکن اگر ایک دفعہ نام لکھا گیا ہو تو اس کو مٹانے کے لیے چمڑا کا ٹنا بھی ضروری نہیں اور اس سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے ۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری : عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم و ثمن الكلب و كسب البغى و لعن أصل التبر و مؤكله و الواشمة و المستوشمة و المصوّر ۔

(الصحيح البخاری ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لعن المصور) ۱۵

بالوں کو سیاہ خضاب لگانا | سوال :- سفید بالوں کو سیاہ خضاب لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سفید بالوں خصوصاً داڑھی کو سیاہ خضاب لگانے کے متعلق فقہاء کرام کی عام روایات سے ممانعت کا رجحان غالب معلوم ہوتا ہے ، جبکہ صوفیاء کے نزدیک حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے ، تاہم دشمن پر رعب ڈالنے کے خاطر مجاہدین کے لیے زہمت موجود ہے ۔

لما قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری : ذهب اکثر العلماء الى كراهة الخضاب بالسواد و جمع النووي الى

انها كراهة تحريم وان من العلماء من رخص فيه في الجهاد ولم يرخص في غيره ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۳۸۲) ۱۶

لہ رواہ الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری : عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الواصلة

والمستوصلة و الواشمة و المستوشمة ۔ (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲ باب تحريم فعل الواصلة الخ)

و مثله في سنن النسائي ج ۲ ص ۲۸۰ وصل الشعر بالحرق ۔

۱۷ قال العلامة ابن عابدین : قوله ويكره بالسواد اي لغير الحرب قال في الذخيرة

أما الخضاب بسواد للغزو ليكون اهيأ في عين العدو فهو محمود بالاتفاق ۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۴۲۲ کتاب الخطر والاباحة۔ فصل في البيع)

و مثله في الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۹ الباب التاسع عشر في الختان والحضار ۔

بچوں کے کانوں میں سونے کی بابیاں ڈالنا | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بچوں کی بابیاں پہنائی جاتی ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع و حرام قرار دیا ہے، البتہ عورتوں کے لیے یہ جائز ہے۔ اس لیے سونے کا استعمال جیسے بالغ مردوں کے لیے ممنوع و حرام ہے اور اس کا وبال والدین یا سرپرست کے ذمہ ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی موسیٰ الاشعریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذہب والحریر للاثاث من امتی احرم علی ذکورہا۔

رواہ مشکوٰۃ عن الترمذی ج ۲ ص ۳۲ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی (۱۷)

پگڑی کے شملے کی مقدار کا تعین | سوال :- شریعت مطہرہ میں پگڑی کے شملے کی مقدار کیا ہے اور کہاں پھوڑنا چاہیئے؟ یعنی آگے کی طرف

ہو یا پیچھے کی طرف ہو؟

الجواب :- عمامہ رگڑی، باندھنا سنت نبوی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کا شملہ اکثر پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان ہوتا تھا، اور شملہ کی مقدار میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں، بعض کی رائے ایک شبر ہے اور بعض کی رائے نصف النظہ ہے، اور بعض نے موضع الجلوں تک رکھنے کا قول فرمایا ہے۔

کما فی الہندیۃ: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامۃ بین الکتفین الی الی وسط النظہ، کذا فی الکنز: واختلقوا فی مقدار ما ینبغی ذنب العمامۃ منہم

۱۷ قال العلامة علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمہ اللہ: ومنها الذہب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الذہب والحریر فی التحریم علی الذکور۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)

لما قال العلامة التمرتاشی: وکرۃ الباس القبی ذہباً او حریراً فان ما حرم لبسہ وشربہ حرم الباسہ واشربہ۔ (تنویر الابصار علی مدرد المحتار ج ۶ ص ۳۶۲ کتاب الکراہیۃ)

من قدر شبرا ومنهم من قال الى وسط الظهر ومنهم من قال الى موضع الجلوس۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳ الباب التاسع في اللبس) ۱۰

مسلمانوں کے لیے ٹائی باندھنا جائز نہیں | سوال :- بعض جَدّت پسند مسلمان نے

معاشرہ میں ٹائی کا استعمال بڑے شوق سے کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان کے لیے
ٹائی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ٹائی کا استعمال مسلمان کے قطعاً شایانِ شان نہیں، علماء کرام
فرماتے ہیں کہ ٹائی صلیب کی نشانی ہے اور صلیب چونکہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے، لہذا
مسلمان کے لیے اس کا استعمال کفار سے مشابہت کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے مسلمان قوم کے لیے غیر مسلموں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا ہے، اور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی اُسی قوم کے ساتھ اٹھے گا دنیا
میں جس کی مشابہت اختیار کی ہوگی، لہذا ٹائی کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ
النَّارُ۔ (سورة هود آیت ۳۱) ۱۰

دانتوں کے ارد گرد چاندی کا نخل لگانا | سوال :- بعض لوگ اپنے دانتوں کو
مضبوط اور خوبصورت بنانے کے لیے

۱۰ لما قال العلامة ابن البرزاز الكردي: ويستحب ارسال ذنب العمامة
بين كتفيه إلى وسط الظهر وقيل إلى موضع الجلوس وقيل مقدار شبر۔
(البرزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراہیۃ ایضا السابع في اللبس)
وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَار ج ۶ ص ۳۵۵ کتاب الکراہیۃ، فصل في اللبس۔

۱۰ لما ورد في الحديث: عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من
تشبه بقوم فهو منهم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس)
والضحاك عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يترك في
بيته شيئا فيه تصليب الا قصبة۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۶ باب في الصليب في الثوب)

ان کے ارد گرد سونے چاندی کا نخل لگاتے ہیں اور وہ نخل اس طریقہ پر لگایا جاتا ہے کہ اسے دوبارہ دُور نہیں کیا جاسکتا، تو کیا اس طرح چاندی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟
الجواب:- اسلام میں مردوں کے لیے سونے کا استعمال خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو ممنوع قرار دیا ہے، اور جہاں تک چاندی کا تعلق ہے تو شریعت نے مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے، لہذا دانتوں کی مضمبوطی کے لیے چاندی کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابی بکر لکاسافی: اما شد السن المتعرت بالذهب کما یجوز۔۔۔
 ولو شد هاباً لفضة یجوز بالاجماع۔ (بدائع الصنائع ج ۵ کتاب الاستحسان) لہ
سوال:- بعض لوگ سفید دائرہ بھی پر مہندی لگاتے ہیں،
دائرہ پر مہندی لگانا تو کیا دائرہ پر مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- سر یا دائرہ کے سفید بالوں پر مہندی یا سرخ خضاب لگانا شرعاً مباح ہے بلکہ فقہاء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔

لما فی الہندیۃ: وعن الامام ان الخضاب حسن لکن فی الخناء والکتع والوسمة
 واراد به اللحية وشعر الرأس۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۹ الباب التاسع عشر
 فی الختان والخضاء) لہ

سوال:- بعض لوگ شلوار یا پاجامہ ٹخنوں
شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا سے نیچے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں البتہ

لہ قال العلامة ابن نجیم: ولا یشد الاسنان بالذهب ولو وجد عانقه لا یتخذ
 انفاً من الذہب ویتخذ هامن الفضة۔ (البحر المرائق ج ۳ ص ۱۸۶ کتاب الکراہیۃ)
 ومثله فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳ الباب التاسع فی اللبس۔ الخ

لہ قال العلامة قاضی خان: والخضاب یا الخناء والوسمة حسن۔
 (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۸۶ کتاب الکراہیۃ)

ومثله ورد فی الحدیث: عن عبد اللہ بن مویہ قال دخلت علی أم سلمة فاخرجت
 الیناسعراً من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مخضوباً۔ (الصیحیح البخاری ج ۲ ص ۸۴۵ باب ما یدکر فی الثیب)

نماز کے دوران اوپر اٹھا لیتے ہیں، تو کیا شلوار یا پاجامہ کا اٹھانا صرف نماز تک خاص ہے یا ہر وقت ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے؟

الجواب :- تجر چونکہ باری تعالیٰ کا خاصہ ہے لہذا بندوں کے لیے متکبر نہ چالیں اور لباس کا استعمال مناسب نہیں، شلوار، پاجامہ یا چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا عام طور پر تجر اور غرور کی نشانی ہوتی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، شلوار اور پاجامہ وغیرہ جس طرح نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور ممنوع ہے ویسا ہی نماز کے باہر بھی حرام اور ممنوع ہے۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابی ہریرۃ (رضی اللہ عنہ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أسفل من الکعبین من الانوار فی النار۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۹۵ کتاب اللباس) **ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں میں ریشمی لنگیاں (بطور کچڑی) استعمال کی جاتی ہیں، تو مردوں کے لیے ریشمی لنگیاں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور سونا اپنی امت کے مردوں پر حرام فرمایا ہے اس لیے ریشم کا استعمال خواہ کپڑوں کی شکل میں ہو یا لنگی کی شکل میں ہو موت میں یکساں ہے۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابی موسیٰ الاشعری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذہب والحریر للاناث من اُمتی ولعزم علی ذکورہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۹۵ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی) ۲۔

۱۔ لما فی الہندیۃ : ینبغی ان یکون الذار فوق الکعبین الی نصف الساق وهذا فی حق الرجال واما النساء فیرخین ازوارهن اسفل من کعب یتترظہرقہ مہن۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۳ الباب التاسع فی اللبس)

وَمِثْلُهُ فِي الصَّحِيحِ الْبُخَارِيِّ ج ۲ ص ۸۶ کتاب اللباس باب من جر ازاره من غیر خیل۔ ۲۔ قال ابن نجیم المصری : حرم للرجل کاللمرۃ لبس الحریر الا قد رابع صابع۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس)

وَمِثْلُهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ عَلَى صَدْرِهِ دَاخِلُ الْمُحْتَارِ ج ۶ ص ۳۵۱ کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس۔

سونا چاندی کے برتن استعمال کرنا | سوال :- آجکل بعض لوگ کھانے پینے کے لیے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جو کہ

چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا از روئے شریعت ایک مسلمان کے لیے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونا چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تکلف اور تکبر کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذیفۃ قال نہانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تشرب فی النینۃ الذهب والفضۃ وان ناکل فیہا وعن لبس الحریر والدیبا ج وان نجلس علیہ۔
 {الصعیح البغاری ج ۲ ص ۸۶ کتاب اللباس}
 {باب متن الحریر من غیر لبس}

عورتوں کے لیے لوہے کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں | سوال :- بعض عورتیں

زیورات کے علاوہ لوہے یا دیگر دھاتوں کے زیورات مثل انگوٹھی وغیرہ بھی استعمال کرتی ہیں، کیا عورتوں کیلئے لوہے وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں خواتین کے لیے سونا چاندی کے زیورات کا استعمال اگرچہ مشروع ہے لیکن اس کے علاوہ لوہے، پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی اور دیگر زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں؟

قال العلامة التتاشی: ولا یتختم بغیرہا کحجر وذهب و حدید و صفر و رصاص و زجاج وغیرہا لما مر۔ (تویر البصار علی صدر المختار ج ۶ ص ۳۶ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللبس) ۲۔

۱۔ قال العلامة ابن نجیم: وکراہ الاکل والشرب والادھان والتسطیط فی انا ذهب فضۃ للرجال والنساء۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۵ کتاب الکراہیۃ)۔ ومثله فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۱ کتاب الاستحسان۔

۲۔ قال فی الہندیۃ: والتختم بالحدید والصفرو والنحاس مکروہ للرجال والنساء فافہم۔

۳۔ الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ باب إباحۃ استعمال الذهب والفضۃ)۔ ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۱ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللبس۔

سوال :- کپڑوں میں اگر عام بٹن کی بجائے
کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا
کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع قرار
دیا گیا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مردوں پر ان دونوں ریشم
اور سونے کا استعمال حرام قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد اگر
حریر یعنی ریشم یا سونے کے بٹن کپڑوں میں استعمال کرے تو اگرچہ یہ اسراف ہے لیکن
حرام نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: وفي التاتارخانية عن السيرالکبیر لایأس باذراء
الدیباج والذهب۔ والدر المختار علی هامش رد المختار ج ۵ ص ۲۵ کتاب المحظر والاباۃ۔ فصل فی اللبس ۱۷

سوال :- بعض علاقوں میں مرد بھی سونے
مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا
شادی کے موقع سسرال والوں کی طرف سے بڑے بڑے کو بطور تحفہ سونے کی انگوٹھی دی جاتی ہے
تو کیا مردوں کے لیے ایسی انگوٹھی کا استعمال مشروع ہے یا نہیں؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کو اپنی امت کے مردوں پر حرام
قرار دیا ہے، سونا خواہ انگوٹھی کی شکل میں ہو یا دیگر زیورات کی شکل میں ہو مردوں کے لیے
حرام ہے، لہذا اسلام میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: التخنم بالذهب حرام فی الصحیح کذا فی الوجیز لکوردی۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضۃ) ۲

۱۔ قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ولا یأس بمسما الذہب یجعل
فی حجر الفص ای فی ثقبہ لانه تابع کا لعل فی الثوب فلا یعد لباساً۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۴۵ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللبس) ۱

۲۔ قال العلامة ابن نجیم: التخنم بالذهب حرام۔ البحر الرائق ج ۱ ص ۱۹ کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس،
ومثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراہیۃ فصل السابع فی اللبس۔

چاندی کی انگوٹھی کا بلا ضرورت استعمال مناسب نہیں | سوال ۱۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یا حاکم ہے ہر شخص کے لیے اس کی اجازت نہیں، کیا واقعی چاندی کی انگوٹھی صرف قاضی اور قاضی کے لیے مشروع ہے یا ہر شخص اس کو استعمال کر سکتا ہے ؟

الجواب ۱۔ حاکم اور قاضی کو چونکہ دستاویزات وغیرہ پر مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے زمانے میں یہ مہریں انگوٹھی میں ہو ا کرتی تھیں اسلئے وہ ایسی انگوٹھی استعمال کرتے تھے لیکن فقہاء نے فرمایا ہے کہ قاضی اور حاکم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت استعمال نہ کیا جائے اور استعمال کی صورت میں نیت اور تبرکات بھی احتراز کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وان تختع بالفضة قالوا ان قصد به يكره وان قصد به الختم ونحوه لا يكره۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراهية - فصل في اللبس) ۱۔

سبیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا | سوال ۲۔ آج کل بعض لوگ سونے چاندی کے علاوہ سبیل، لوہے اور جھنڈے وغیرہ کے

زیورات استعمال کرتے ہیں، کیا اس قسم کے زیورات کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب ۲۔ یہ سبیل، سونے اور چاندی کے ہر قسم کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے جبکہ مردوں کے لیے صرف چاندی کا استعمال مشروع قرار دیا گیا ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کا استعمال مکروہ ہے لہذا ایسے زیورات استعمال نہیں کرتے چاہئیں۔

لما قال في الهنذية: والتختم بالحديد والنصق والنحاس مكروه للرجال والنساء ما فهم۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة) ۲۔

لما قال في الهنذية: يجوز التختم بالفضة اذا كان على هيئة الرجال اما اذا كان على هيئة النساء يكره۔۔۔۔۔۔ ويكره للرجل بما سوى الفضة۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة)
ومثله في البرازية على هامش الهنذية ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراهية السابع في اللبس۔

لما قال العلامة التمر تاشي: ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد وصفر وصابون وجاج وغيرها بما مر۔ (تنوير الا بصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۶ کتاب الکراهية فصل في اللبس)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹ کتاب الکراهية۔ فصل في اللبس۔

سوال :- آجکل بعض خواتین مردوں جیسے بال عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا | بنواتی ہیں اور اسے ایک فیشن سمجھا جاتا ہے، تو کیا عورتوں کے لیے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- اسلام نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے خواتین کا ایسی ہیئت بنانا جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح خواتین کا ایسے بال بنانا بھی حرام اور موجب لعنت ہے جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔
 لما ورد في الحديث : عن ابن عباس رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔
 (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸ کتاب النکاح۔ باب الرجل)۔

سوال :- آجکل بڑے بڑے ناخن رکھنے کا رواج ہے، خصوصاً خواتین فیشن کے طور پر بڑے بڑے لمبے ناخن رکھتی ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے ناخن وغیرہ کٹوانے کو امور فطرت میں شمار کیا ہے اور اس کے لیے دن بھی مقرر کیے ہیں، یعنی ہفتہ میں ایک بار کٹوانا مستحب اور پندرہ دنوں کے بعد جائز جبکہ چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے جس کی وجہ سے انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے خواتین اور مردوں کے لیے فیشن کے طور پر لمبے ناخن رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة القمي تاشي رحمه الله : (وليستحب قلم اظافيره يوم الجمعة) وكونه بعد الصلوة افضل الا اذا اخذ اليه تاخيراً فاحشاً فيكون لان من

له وفي صحيح البخاري : عن ابن عباس رضي الله عنه قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

صحيح البخاري ج ۲ ص ۸۷ کتاب اللباس۔ باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال
 ومثله في سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱ کتاب اللباس۔ باب في لباس النساء۔

كان ظفره طويلاً كان رزقه ضيقاً الخ - (تنوير الابصار مع شرحه لد المحتار ج ۵ ص ۲۸۴ كتاب الخطر والاباحة - فصل في النظر والمس) له

غیر ضروری بالوں کی صفائی کے بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا | سوال: کیا مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُسترے سے صاف کرنا ضروری ہے یا بال صفا پاؤڈر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُسترے سے صاف کرنا لازمی ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے، اس مقصد کے لیے ایسے کیمیکل پاؤڈر استعمال کرنا رجن سے بال صاف ہو جائیں، اگرچہ منحص ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، تاہم خواتین کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامة عبدالحی الکنہوی: هل يجوز قطع شعرا عانة بالمقراض؟ الاستبشار هو خلاف السنة - قال الملا علی القاری فی المرقاة: قال ابن الملک لو ازال شعرا بغير الحلق لا يكون علی وجه السنة وفيه ان ازالته قد يكون بالنورة وقد ثبت انه علیہ لصلوة والسلام استعمل النورة علی ما ذكره السيوطی فی رسالته نعم لو ازالها بالمقراضة لا يكون آتيا للسنة علی وجه الکمال - والله اعلم

رفع المفتی والسائل من ۱۳/۳۱ کتاب الخطر والاباحة - ما يتعلق بالنوم والقيام الخ

له وفي الهندية: لا فضل ان يقتل اظفاره ويخفى شاربہ ويخلق عانته وينظف يده بالغتسال في كل اسبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً ولا يعذر في تركه وراى الاربعين في الاسبوع هو الافضل الخ - الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ کتاب الکراهية - الباب التاسع عشر في الختان والخصاء الخ ومثله في فتاوى قاضى خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۳ کتاب الخطر والاباحة فصل في الختان

له الافضل ان يقتل اظفاره ويخفى شاربہ ويخلق عانته وبعد اسطر قال ويبتدئ في حلق العانة من تحت السرة ولو عالج بالنورة في العانة يجوز -

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ کتاب الکراهية - الباب التاسع عشر في الختان والخصاء الخ ومثله في الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب الخطر والاباحة - فصل في البيع -

مصنوعی بھنویں (ابروں بنانے کا حکم) | سوال :- آجکل بعض خواتین زیبائش کے لیے مصنوعی

طریقہ سے بھنویں (ابروں بناتی ہیں جس میں چھوٹے بلکہ بھن بڑے بالوں کو کسی طریقہ سے نکال دیتی ہیں، کیا ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بدن کو گوندتی ہے یا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگاتی ہے، چونکہ زیب و زینت کے لیے بھنویں بنانے میں بھی ان امور کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے خواتین کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لما ورد في الحديث : عن ابن عمر رضي الله عنهما قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۷۹ کتاب اللباس)

عورتوں کے چہرے پر سیاہ بال نکل آنے کا حکم | سوال :- اگر کسی عورت کے چہرے پر وہ ان کو صاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کسی عورت کے چہرے پر غیر معتاد بال نکل آئیں جس کی وجہ سے اس کا حسن و جمال متاثر ہوتا ہو تو فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے چہرے سے غیر معتاد سیاہ بال صاف کر سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین : تحت قوله (النامصة التي تنتف الشعر من الوجه) ولعله محمول على ما اذا فعلته للزينتين للجانب والافلوكان في وجهها شعر ينقرن وجهها عنها بسببه ففي تحريم ازالته بعد لان الزينة للنساء مطلوبة للتحسين الا ان يحمل على ما لا ضرورة اليه لما في تنقه بالتماس من الايذاء وفي تبين المحام ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحية او شوارب فلا تحرام ازالته بل تستحب الخ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۳ کتاب الخطر والاباحة فصل في النظر والمس)

۱۔ قال المحقق : ووصل الشعر بشعر لادى حرام سواء كان شعرا او شعرا غير لقوله صلى الله عليه وسلم لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والواشقة والمستوشقة والنامصة والمتنمصة الخ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۳، ۲۶۴ کتاب الخطر والاباحة - فصل في النظر والمس) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ کتاب الکراهية الباب التاسع عشر في الحنا والخصا وقلم الاظفار الخ ۲۔ قال العلامة عبدالحی الکهنوی : الاستفسار : لو نبتت للمرأة لحية ماذا تفعل؟ الاستفسار يستحب تنقها وحلقها الخ - (نفع المفتي والسائل ص ۱۰۶ کتاب الخطر والاباحة - ما يتعلق بالنساء من الحيض والنفاس)

وسمہ استعمال کرنے کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! میں بائیوٹر سکاؤٹس خارا ملاکنڈ ایجنسی کے شعبہ تعلیمات سے وابستہ ہوں، ۱۱ جون ۱۹۶۵ء

کو جمعہ کی نماز کے مسائل بیان کرتے ہوئے ایک عالم دین نے خضاب روسمہ کی ممانعت شرعی کے بارہ میں بھی فرمایا، بعد میں ایک آدمی نے اس کی دلیل قطعی اور حوالہ کتاب کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جلالین شریف کے حاشیہ سے کسی حد تک ثابت کیا رہا ۵ رکوع ۱۸ مگر قطعی جواب کے لیے آنجناب سے رجوع کر رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ آنجناب اس بارے میں شرعی فیصلہ دیکر ہم سے آگاہ فرمائیں گے۔

(۲) انگریزی طرز کے بال کٹوانے، داڑھی منڈانے یا کتروانے کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: علماء محققین کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خضاب کرنا سرخ یا ندیا اور کسی رنگ کا سوائے سیاہی خالص کے مستحب ہے، اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ الخضاب بالحناء حسن۔ انتہی۔ اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ غیر واھذا الشیب واجتنبوا السواد۔ یعنی تغیر کر و سفیدی کو اور اجتناب کر و سیاہی سے۔ اور سنن ابی داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: یکون فی الآخر الزمان قوم یغضبون بالسواد کما وصل الحمام لا یجدون راحة الجنة۔ یعنی آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے مثل رنگ کبوتر کے سینہ کے، وہ لوگ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پائیں گے۔ اور معجم الطبرانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: من خضب بالسواد سود الله وجهه یوم القیمة انتہی۔ یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا قیامت کے روز وہ رو سیاہ مشور ہوگا۔ اور شیخ محثب دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: خضاب بحنا باتفاق جائز است ومختار در سواد حرمت است۔ انتہی۔ اور مؤطا امام محمد میں ہے: لا تری بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة یا ساء وان ترکہ ابیض فلا یأس بذلك کل ذلك حسن۔ انتہی

(۲) دارمی کی مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

داڑھی کو اپنی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعفوا اللہی واحفوا الشوارب۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱) یعنی داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔ اس کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء اللہی۔ امام ترمذیؒ نے دونوں روایات کو حسن اور صحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ احادیث داڑھی کی مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق اعفاء (بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے) جس سے داڑھی لمبی کرنے کا مسنون اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے: ان التبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من لحيته من عرضها وطولها۔ (الحديث) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طول و عرض سے کٹواتے تھے۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حدیث غریب کہا ہے کہ اس کی سند پر جرح بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ابی شیبہ)

بہر حال ان تمام روایات و اقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی داڑھی کو کٹوانا بھی چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ کٹوا سکتا ہے اور مٹھی بھر سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر کوئی حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے بڑھا بھی سکتا ہے، دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لمعات تشرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوانے کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کاٹ دے تو جائز ہے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے ایسا کتنا ثابت ہے۔

امام شعبیؒ اور امام ابن سیرینؒ بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے مٹھی سے زیادہ کا کٹوانا جائز معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف بعض سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے۔ جیسے حضرت حسن بصریؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت عثمانؒ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے۔ یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تصریح کی ہے: وکان یغلی لحيته ویأخذ شاربہ، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک بڑھاتے تھے۔

اور منجھ مبارک کٹواتے تھے۔ (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۳۸۳)

شیخ ابوبکر مالکی جرح ترمذی میں فرماتے ہیں، ان ترک الحیثۃ، فلا حد ج علیہ۔

(شرح ابی بکر مالکی ج ۱۰ ص ۲۱۹)

ملا علی قاری جو احناف کے بلند پایہ امام ہیں نے ابن الملک کی ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے: قال ابن الملک اما لاخذ من اطراف اللحية من طولها و عرضها لتناسب محسن لكن المختار ان لا یأخذ منها شیئاً لنفع قوت المغتدی حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹)

اسی طرح شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی حاشیہ مذکور میں ہے: قال عندی اخذ اللحية ما فوق القیضۃ جائز لکن اکاوی ترکھا۔

خلاصہ یہ کہ ان روایات اور اقوال سے داڑھی کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے۔ اور جن روایات سے مٹھی سے زائد کاٹنا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں، روایات میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیۃ کو اطلاق پر حمل کر کے اس کو بڑھانا ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے۔ کئی صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور مشائخؓ کا نمونہ ان کے سامنے موجود تھا۔ جس کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا ہے مگر انہوں نے بھی بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من تشبہ بقوم فهو منهم۔ آپ کے اس فرمان کے مطابق انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں غیر مسلم قوم کے ساتھ تشبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! بندہ پی ای ایف پی ٹی (P.T) میں نیکر پہننے کا حکم

رسالہ پور میں ملازم ہے جہاں تمام ملازمین نیکر پہن کر پی ٹی (فوجی مشقیں) کرتے ہیں جس سے ران وغیرہ ننگے ہوتے ہیں۔ میں نے افسران بالا کو درخواست دی کہ چونکہ نیکر میں پردہ نہیں رہتا اور اسلام کا حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک غنمی ہونا چاہیے، اس لیے مجھے پی ٹی (P.T) کے موقع پر پتلون پہننے کی اجازت دی جائے۔ جواب میں مجھے یہ کہا گیا کہ اس کے لیے قرآن مجید یا حدیث شریف سے حوالہ پیش کروں۔ آپ سے

استند عا ہے کہ جلد از جلد قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو ایک سے زائد احادیث کا حوالہ بھی دے دیں۔ واضح ہو کہ نیکر ہم اپنی خوشی سے نہیں پہنتے بلکہ کھیل کود یا بعض دیگر فوجی مشقوں میں نیکر پہنا گورنمنٹ نے لازمی قرار دے رکھا ہے۔ امید ہے اس اہم شرعی مسئلہ میں آپ ضرور راہنما فرمائیں گے۔

الجواب :- مسلمان کے لیے ستر عورت کا چھپانا ہر حالت میں فرض ہے اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا قانون اسلامی کی رو سے سخت گناہ ہے۔ قرآن و حدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔ منجملہ ان نصوص کے خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے: **خُذُوا زِينَتَكُمْ** (الآیۃ) ای مایواری عورت تکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: **عن عبد الرحمن بن ابی سعید الخدری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المرأة الی عورة المرأة ولا یفشی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأة الی المرأة فی الثوب الواحد**۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۵۲) مسلم شریف کے ستر عورت کے باب میں جتنی احادیث رسولؐ مذکور ہیں اس کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس باب میں جتنی احادیث رسولؐ ہیں ان سے یہ حکم ثابت ہوا: **ففیہ تحریم نظر الرجل الی عورة الرجل والمرأة الی عورة المرأة وهذا الاختلاف فیہ وکذا لک نظر الرجل الی عورة المرأة والمرأة الی عورة الرجل حرام باجماع**۔ آدمی کا آدمی کے عورت رستر کو دیکھنا اور عورت کا عورت کے عورت رستر کو دیکھنا حرام ہے اور اس میں کچھ خلاف نہیں ہے، اسی طرح آدمی کا عورت کے عورت رستر کو دیکھنا اور عورت کا آدمی کے عورت رستر کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے۔

اب آدمی کے عورت کی تحدید کیا ہے، یعنی اس کے بدن کا کتنا حصہ عام حالات میں عورة ہے جس کا چھپانا اس پر فرض ہے؟ تو یہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء اسلام نے بھی اس کی تحدید کی ہے۔ **قال علیہ السلام: عورة الرجل بین سرتہ الی ركبته۔ (الحديث) واخرجه الحاكم فی المستدرک۔** نیز امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **واما ضبط العورة فعورة الرجل ما بین السرة والركبة۔** اور الدر المنثور میں ہے: **وجوبہ عام ولو فی الخلوة علی الصحیح الی قوله** وہی للرجل ماتحت ركبته۔ علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ركبته (گھٹنہ) بھی عورت

پروردہ ہے، چنانچہ کہتے ہیں: فالركبة من العورة لرواية الدارقطني ماتحت
السرة الى الركبة من العورة والحديث على قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم الركبة من العورة۔

ان نصوص اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو ستر عورت
کا چھپانا فرض ہے اور کسی حالت میں بھی اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

مردوں کے لیے زرد رنگ کے لباس کا حکم [سوال: جناب مفتی صاحب!]
اجکل بعض نوجوان زرد رنگ کا لباس
پہنتے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرما
کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- بعض الوان و رنگ، ایسے ہیں کہ اسلام نے ان کے استعمال سے
مسلمان مردوں کو منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک زرد رنگ بھی ہے۔ احادیث نبویہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس رنگ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے، اس لیے فقہاء اسلام
نے مردوں کے لیے زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وكره لبس المعصفر والمزعفر
الاحمر والاصفر للرجال۔ الخ (الدر المختار على صدره المختار ج ۴)
كتاب الكراهية، باب اللبس، لہ



لما نقل العلامة المفتي عبد القادر الرافي، عن عبد الله بن عمرو بن العاص
قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم على ثوبين معصفرين فقال ان هذا
من ثياب الكفار فلا تلبسها۔ الخ
وفي رواية المسلم رأى على ثوبين معصفرين فقال ا أمك أمرك
بهذا قلت اغسلها قابل ا حرقها۔ الخ

(التقريرات للرافعي ج ۲ ص ۳۰۶ فصل في اللبس)

بَابُ التَّصَاوِيرِ (تصویر کے احکام و مسائل)

خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے | سوال :- آجکل بازاروں، دکانوں اور محروں میں خواتین کی تصاویر لگی ہوتی ہیں، تو کیا ان تصاویر کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- جب ذی روح اشیاء کی تصاویر اتارنا اور ان کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا حرام ہے تو پھر اجنبی عورتوں کی تصاویر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا تو بعینہ اس خاتون کو دیکھنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن عبد الله بن مسعود قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها كأنه ينظر إليها - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۸) باب لا تباشر المرأة المرأة (مسلم)
کسی جاندار کی تصویر کا حکم | سوال :- کسی جاندار کی تصویر بنانا اور کھینچنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذی روح اشیاء کی فوٹو گرافی کرنا یا شبیہ بنانا تخلیق خداوندی کا مقابلہ کرتے کے مترادف ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے، اس لیے جاندار اشیاء کی تصاویر بنانا شرعاً حرام و ناجائز ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسمعيل البخاري: عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اصحاب هذه الصور

لما رواه الامام ابو داود سليمان بن اشعث السجستاني: عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تباشر المرأة المرأة لتتنعتها لزوجها كأنها ينظر إليها - (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۲ باب ما یومر بہ من غض البصر) ومثله في مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاول۔

يعذبون يوم القيامة ويقال احيوا ما خلقتم وقال ان البيت الذي فيه الصور
لا تدخله الملكة۔ (الصحيح البخاری ج ۲ ص ۸۸) باب من يدخل بيتاً فيه صورة ثم له
بٹوہ میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا | سوال :- ایک شخص کے پاس
بلکہ آدھی ہے اور بٹوہ میں بند کر کے جیب میں رکھی ہوتی ہے، تو کیا جیب میں رکھی ہوئی
تصویر کے ساتھ نماز ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کشی سے ہر حال میں منع فرمایا ہے
جہاں کہیں دیواروں پر جاندار اشیاء کی تصاویر لٹکائی گئی ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی،
لیکن جب تصویر چھوٹی ہو اور بٹوہ وغیرہ میں بند کر کے جیب میں رکھی گئی ہو تو اس سے
نماز کی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

لما قال شيخ الاسلام علاؤ الدين الحصكفي: ولا يكره لو كانت تحت قدميه
او في يد او في بدنه لانها مستورة بثيابه او على خاتمه بنقش غير مستبين۔
والدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۱ مكرهات الصلوة

کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تبرکاً لٹکانا | سوال :- ایک شخص نے اپنی دوکان
اپنے مرشد کی تصویر لگا رکھی ہے، کیا ایسا کرتا جائز ہے یا نہیں؟

لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن نافع ابن عمر اخبره ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال الذين يصنعون الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا
ما خلقتم۔ (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۲۰۸) باب تحريم تصوير صورة الحيوان

وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوتِ الْمَصَابِيحِ ج ۲ ص ۳۱۵ باب التواوير۔ الفصل الاول۔
قال ابراهيم الحلبي: اما اذا كانت مقطوعة الرأس يعني به اذا لم يكن له رأس او كان فمها بخط
او كانت صغيرة لا تبدو للناظر اذا كان قائماً وهي على الارض اي لا تبين تفاصيل
اعضائها فلا يكره حينئذ۔ (كبيري ص ۳۵۹ مكرهات الصلوة)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدِيَةِ ج ۱ ص ۱۶۱ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة۔

الجواب :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر و برکت نہیں بلکہ معصیت میں عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں (عام آدمی یا کسی بزرگ کی) تصویر ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لہذا مذکورہ بالا مقصد کے لیے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔

ماوردی الحدیث : عن عائشةؓ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترۃ بقراۃ فیہ صورة قتلون وجہہ ثم تناول السترفہتکۃ ثم قال ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یشبهون بخلق اللہ۔ (الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲)
باب تحریم صورة الحيوان (۱) لہ

آرائش کے لیے گھر میں نصف فوٹو لگانا | سوال :- ضرورت کے تحت اگر نصف تصویر بنائی جائے اور پھر اس قسم کی دوسری تصویروں کو گھر کی بجاوٹ کے لیے دیواروں پر لگایا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- متاخرین فقہاء کرام نے ضرورت کے تحت نصف تصویر بنانے کے اجازت دی ہے لیکن ضرورت کے لیے بنائی گئی تصویر کو اُسی ضرورت میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے، ایسی تصویروں کو گھر کی دیواروں پر بغیر ضرورت و زینت لگانا جائز نہیں،
ماوردی الحدیث : عن ابی طلحۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل المملکۃ بیتاً فیہ کلبٌ ولا صورة۔ (الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲) باب تحریم تصویر صورة الحيوان (۲) لہ

ماوردی الحدیث :- عن ابی ہریرۃؓ قال استاذن جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل فقل کیف ادخل وفي بیتک ستوفیہ تصاویر فاما ان انقطع رؤسہا وتجعل بساطاً یوطا فاما معتز المملکۃ لاندخل بیتاً فیہ تصاویر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۳۰۱ ذکر اشد الناس عذاباً) ومثله فی فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲ باب لا تدخل المملکۃ بیتاً فیہ صورة۔
لہ قال الامام النووی : قال العلماء سبب امتناعہم من بیت فیہ صورۃ کونہا معصیۃ فاحشۃ وفيہا مضاہاة لخلق اللہ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۲۰۲) باب تحریم تصویر ومثله فی سنن النسائی ج ۲ ص ۳۰۱ ذکر اشد الناس عذاباً۔

الجواب :- کسی جاندار کی تصویر بنانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے خواہ شادی بیاہ کے موقع پر ہو یا دیگر تقریبات کے مواقع پر ، اس میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اور دوسرے بلا ضرورت مال ضائع ہوتا ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز قیامت مصورین کے لیے سخت ترین سزا کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

لما ورد في الحديث : عن عائشة ^{رضي} قالت دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم
وانا مستنقة بقرام فيه صورة فتلون وجهه ثم تناول الستر----- ثم قال ان
استد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يشبهون بخلق الله.

(الصحيح المسلم ج ٢ ص ٢٠٢ باب تحريم التصوير الخ) ٤

خانہ کعبہ کی تصاویر میں چھوٹی چھوٹی انسانی تصاویر کا حکم | سوال: بعض مساجد میں
ہوتی ہیں، ان میں حاجیوں کی انتہائی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی ہوتی ہیں جو کہ قریب سے
دیکھے بغیر انسانی تصویریں معلوم نہیں ہوتیں، کیا اس قسم کی تصویروں والے کتبے مساجد
میں آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو انسانی تصاویر اتنی چھوٹی اور باریک ہوں کہ انتہائی قریب سے دیکھے بغیر پہچانی نہ جاسکتی ہوں، اور قریب سے دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تصویر کے اعضاء واضح طور پر نظر نہ آئیں، تو اس قسم کی تصویروں کا حکم عام تصویروں کی طرح نہیں

لما ذكر في الحديث : عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إن الذين يصنعون هذه الصور عذوبة يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم - (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۶ باب نقض الصور)

وَمَثَلُهُ فِي شَرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِيِّ ج ٢ ص ٢٠٢ بَابُ تَحْرِيمِ تَصْوِيرِ -

جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، لہذا اس قسم کے کتبے مساجد اور گھروں میں آویزاں کرنے میں کوئی ترجیح نہیں اور نہ ہی اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔
لما قال العلامة الحصفیؒ: ولا یکرہ لو كانت تحت قدمیه اوفی بدۃ اوفی بدۃ
لانہما مستورۃ بثیابہ او علی خاتمہ بنقش غیر مستبین۔

(الدر المختار علی صدد رد المحتار ج ۱ ص ۶۰ مکروہات الصلوٰۃ)

جدید آلات رٹی وی، وی سی آر، حکم | سوال :- آلات جدیدہ یعنی ٹیلیوژن،
یہ پ ریکارڈر، وی سی آر وغیرہ سننا
اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- آلات جدیدہ کا استعمال بذاتِ خود مباح ہے لیکن ٹی وی اور وی سی آر میں
چونکہ تصویر بینی کے علاوہ بعض فحش پروگراموں کی نمائش بھی ہوتی ہے جن کا دیکھنا ایک شریف
آدمی کے لیے بہت مشکل ہے، لہذا ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ہی لازم ہے۔
لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله كل لهو) أي كل لعب وعبث فالشائبة بمعنى
واحد كما في شرح التاويلات والأطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية
والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرياب والقانون والمزمار والصنع
والبوق فأنها كلها مكروهة لأنها زی الکفار واستماع ضرب دف والمزمار وغیره
ذلك حرام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الخطر والایاحۃ - فصل فی البیع)

الحال الشیخ ابراہیم الحلبيؒ: اما اذا كانت مقطوعة الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہ رأس او کان فحماہ بخیط
او كانت صغيرة لا تبد وللناظر اذا کان قائماً وہی علی الارض ای لا تبین تفاصيل اعضائها
فلا یکرہ حنین۔ (حلبی کبیر ص ۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)
ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶ مکروہات الصلوٰۃ۔

لہ رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عبد اللہ بن مسعود قال
سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذاباً عند اللہ
اصورون۔ (الصحيح البخاری ج ۲ ص ۱۸۱ باب عذاب المصورین یوم القيامة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰ کتاب الکراہیۃ - فصل فی البیع۔

تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا | سوال :- اگر کسی شخص کی گھڑی یا انگوٹھی میں اتنی چھوٹی تصویر ہو جو کہ انتہائی غور

سے دیکھے بغیر نظر نہیں آتی ہو تو کیا اس قسم کی گھڑی یا تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں تصاویر رکھنا، دیکھنا اور بنانا سب ممنوع ہے ایسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اس سے مراد وہ تصاویر ہیں جو ظاہر اور مستبین ہوں، صورتِ مشولہ میں یہ تصویر صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی لہذا اس سے اگرچہ نماز متاثر نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ایسی گھڑی رکھنا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: ولا یکرہ لو كانت تحت قدمیه اوفی یدیه اوفی یدئہ لانہا مستورۃ بתיابہ اوعلى خاتمہ بنقش غیر مستبین۔
والمدى المختار على مدارد المختار ج ۱ ص ۶۰ فصل فی مکروہات الصلوۃ (۱)

سوال :- جناب مفتی صاحب! گائے بھینس بچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا رکھنے والوں میں یہ رواج ہے کہ جب ان کی

گائے یا بھینس کا بچہ مر جائے تو اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر لیتے ہیں جسے گائے یا بھینس اپنا بچہ تصور کر کے دودھ آسانی سے دیدیتی ہے، تو کیا شرعاً یہ تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مشولہ میں بچھڑے کی کھال پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ یہ تصویر کے حکم میں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے قدرتی پیدا کردہ جسم کو ایک گونہ محفوظ رکھا جاتا ہے اس لیے یہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ بوقتِ ضرورت ایسا کرنا مخصص ہے۔

قال الشيخ ابراهيم الحلي: اما اذا كانت مقطوعة الرأس يعني به اذا لم يكن له رأس وكان فحاه بخيط او كانت صغيرة لا تبدو لناظر اذا كان قائماً وهي على الارض اي لا تتبين تفاصيل اعضائها فلا يكره حينئذٍ۔ (جلی کبیر ص ۳۵۹ مکروہات الصلوۃ)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۶ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوۃ۔

باب الملاہی

(کھیل کود کے مسائل و احکام)

خوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم | سوال : شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں ناچ گانا اور ڈھول و سرور کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب : خوشی کی تقریبات ہوں یا عام تقریبات ان تمام مواقع پر ناچ گانا اور ڈھول وغیرہ بجانا شرعاً حرام ہے تاہم شادی بیاہ کے موقع پر صرف دف بجانا جو بغیر غنائ کے ہو، مگرخص ہے۔

لما قال العلامة ابن الیوزان الکردی، استماع صوت الملاہی كالضرب بالقضيب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاہی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفرای بالنعمۃ۔ (الفتاویٰ البنزازیة علی هامش المہندیۃ ج ۶ ص ۳۵۹)

الباب الثالث فیما يتعلق بالمناہی (۱)

کیرم بورڈ کھیلنا | سوال :۔ آجکل بعض نوجوان جمع ہو کر کیرم بورڈ نامی کھیل بڑے شوق سے کھیلتے ہیں، کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ وہ امور جن میں نہ دنیا کا فائدہ ہو اور نہ آخرت کا بلکہ وقت اور دولت کا ضیاع ہو جیسا کہ کیرم بورڈ وغیرہ ! کہ اس میں نہ توصحت کا فائدہ ہے اور نہ دنیا و آخرت کا تو ایسے بے معنی اور بلا ضرورت کاموں پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا کوئی دانشمندی کا کام نہیں اور شریعت مقدسہ نے بھی ایسے لہو و لعب سے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة ابن نجیم : ویکره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعة عشر لقوله

لہ رواہ اکامام محمد بن اسماعیل البخاری، عن ابن عباسؓ ! ومن الناس من يشتري كهُوَ الحديث
رسوۃ لقمان ۶، قال الغناء واشباهہ۔ (ادب المفرد ص ۲۰۲ باب الغناء واللہو)
وَمِثْلُهُ فِي الدُّخَانِ عَلَى مَدْرَدِ الْمُتَارِجِ ۶ کتاب الخطر والاباحۃ۔

عليه السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل مع زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۹ کتاب الکراہیۃ) لے
شطرنج کھیلنا | سوال :- بعض لوگ شطرنج کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، تو کیا شطرنج کھیلنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس کام میں دین اور دنیا کا فائدہ نہ ہو بلکہ قیمتی وقت ضائع ہوتا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، شطرنج چونکہ ایسا ہی ایک کھیل ہے جس میں سوائے تفریح اوقات اور خواہش پرستی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا لہذا اس قسم کے کھیل سے بچنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد والادبعة عشر لقوله عليه السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۸۹ کتاب الکراہیۃ) لے
جوڑو کرائے کھیلنا | سوال :- آج کل بعض مقامات میں جوڑو کرائے سیکھنے کے مراکز کھلے ہوئے ہیں، اس کے سیکھنے سے بدن کو قوت اور مضبوطی ملتی ہے اس کھیل میں اگر آدمی اس غرض سے حصہ لے کہ صحت اور جسم کو مضبوط بنا کر جہاد میں حصہ لے سکوں تو کیا اس کا کھیلنا جائز ہوگا؟

الجواب :- انسان پر دیگر حقوق کے علاوہ اپنی صحت کا بھی حق ہے، اگر انسان کی صحت ہی خراب ہو تو باطل قوتوں کا مقابلہ تو درکنار عبادات بھی بطریق احسن ادا نہیں کر سکے گا،

لے قال العلامة الترمذی رحمہ اللہ: وکرہ کل لہو لقوله عليه السلام كل لهو حرام الا ثلاثاً الخ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الکراہیۃ) ومثله في البدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

لے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والشطرنج وانما کرہ لان من اشتغل به ذهب غناؤه الدنیوی وجارہ الغناء الاخری فهو حرام وکبیرۃ عندنا۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۲ کتاب الخطر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)

ومثله في بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

جوڑو کرائے میں چونکہ صحت کا فائدہ ہے، لہذا اگر پردہ اور شرعی حدود قیود کا اہتمام کرنے ہوئے اس میں حصہ لیا جائے تو جائز ہے بلکہ ثواب کی بھی امید ہے کیونکہ باطل قوتوں اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں تیاری پر مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ**۔ (سورة الانفال آیت ۱۰)۔

کھیل کود میں رانوں کو کھلا رکھنے کا حکم | **سوال** :- بعض کھیلوں مثلاً پی ٹی اور کبڈی وغیرہ میں عورت غلیظ کے علاوہ رانوں کو نگار کھنا

پڑتا ہے جس پر لوگوں کی نظریں پڑتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک عورت (پردہ) ہے جس کا چھپانا شرعاً لازمی ہے، ان حدود کو کھلا رکھنا اور لوگوں کو دکھانا معصیت ہے اس لیے کھیل کود کے وقت اس کے چھپانے کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة شيخ الاسلام ابو بكر بن علي الحداد اليمنى: قوله ينظر الرجل من الرجل الى جميع البدن الاما بين سرته الى ركبته لقوله عليه السلام لعلي لا تنظر الى فتحتي ولا مييت۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۳۸۵ باب الحظر والاباحة)۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعه عشر لقوله عليه السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۹ کتاب الکراہیۃ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

لما قال العلامة علي بن سلطان محمد القاري: تحت قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ينظر الرجل الى عورة الرجل ولا المرأة الى عورة المرأة الخ فيه بيان تحريم النظر الى ما لا يجوز وعورة الرجل ما بين سرته وركبته۔ (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۹۵ باب النظر الى المخطوبة وبيان العورات)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَالْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَا الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۳۶۲ تا ۳۶۶ کتاب الکراہیۃ فصل في البيع

ورزش کرنا | سوال :- ورزش کی نیت سے کھیل کود کا شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب :- جس کھیل کود میں دینی یا دنیوی منفعت ہو تو اس کھیل میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن اگر نیت جہاد کی تیاری ہو تو موجب اجر و ثواب ہے۔ تاہم ایسے کھیل سے اجتناب ضروری ہے جس میں کشفِ عورت رب پر دوگی یا کسی دوسرے حرام کا ارتکاب ہو۔

لما روى الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن عائشة قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستوفي بردائه وانا انظر الى الحبشة وهم يلعبون - (الجامع الصحيح المسلم ج ۱ ص ۲۹۱ کتاب صلوة العیدین) لہ
تاش کھیلنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل ڈیروں اور پبلک مقامات میں لوگ تاش کھیل رہے ہیں جسے وہ تروپ کہتے ہیں، اگرچہ یہ کھیلنا صرف تفریح کے لیے ہوتا ہے اور اس پر عموماً کوئی خاص شرط وغیرہ بھی نہیں لگائی جاتی لیکن بسا اوقات اس میں چائے، حلوا وغیرہ کی شرط لگائی جاتی ہے جو کہ بازی ہار جانے والے کے ذمہ ہوتا ہے کیا شرعاً ایسا کھیل جائز ہے؟

الجواب :- اگر دینی ورزش یا تفریح کیلئے تاش کھیلایا جاتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ ہارجیت پر شرط لگانا صحیح نہیں، اس صورت میں یہ کھیل قمار کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

لما قال العلامة مولانا اشرف علی التھانوی: اگر ہارجیت (پر شرط) نہ ہو تو جائز ہے۔
 {رامد الفتاوی ج ۴ ص ۲۵۲ کتاب الخطر والاباحۃ}
 غناء، مزامیر اور لہو و لعب کے احکام



لما رواه الامام ابوداؤد سليمان بن اشعث السجستاني: عن عائشة انها كانت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر قالت فسا بقته فسبقته على رجلي فلما حملت اللحم ساقته فسبقني فقال هذه بتلك السبقه - (سنن ابی داؤد ج ۱ باب السبق علی الرجل) ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۴ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع -

بَابُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

وامر بالمعروف والنهي عن المنکر کا بیان

تبلیغ دین فرض کفایہ ہے | سوال :- کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے یا فرض کفایہ ؟

الجواب :- خلق خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور تنوہی سے منع کرنا شرعاً فرض کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، فرض عین کی رائے رکھنا خطا پر محمول ہے، تاہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک کرنا فرض عین ہے۔

لما قال حجة الاسلام ابو بکر احمد بن علي الرازي الجصاص: قال ابو بكر قد حوت هذه الآية معنيين احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والاخر انه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل احد في نفسه اذا قال به غيره لقوله تعالى (ولتكن منكم امة) وحقيقته تقتضي البعض دون البعض فدل على انه فرض على الكفاية اذا قام به بعضهم سقط عن الباقيين - (احكام القرآن ص ۳۱۵ باب فرض الامر بالمعروف والنهي عن المنكر)

مستورات کی تبلیغی جماعات کا حکم | سوال :- دو درجہ صریح تبلیغی جماعت والے مستورات نکالتے ہیں جبکہ خواتین کے سامعہ انکے اپنے محارم اور دیگر حدود و شریعہ و پردے کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، کیا ان شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مستورات کا تبلیغ دین کے لیے نکلنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مروجہ تبلیغ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور تعلیم و تعلم ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کی شرعی ذمہ داری ہے اور دونوں کو تبلیغ دین کا حق حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ

لہ قال العلامة شہاب الدین الالوسی: منشاء الخلاف في ذلك ان العلماء اتفقوا على ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروع الكفايات - (روح المعاني ص ۲۱ سورة آل عمران) ومثله في الاكليل في استنباط التنزيل ص ۵۶ سورة آل عمران -

بیٹھارنیک خواتین قرآن و حدیث کے علوم کی ماہر شگزی ہیں، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں خواتین اسلام کا جہاں میں شریک ہونا بھی ثابت ہے، اس لحاظ سے خواتین کی جہاد میں شرکت کی بناء پر تبلیغی جماعات میں خواتین کی شرکت جائز معلوم ہوتی ہے۔ تاہم پردہ، محارم اور دیگر حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: عن انس قال لما کان یوم أحد انہزم الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولقد رأیت عائشة بنت ابی بکر و أم سلیم وانہما مشمرتان اری خدما سوقھما تنفزان القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علی متونہما ثم تفرغانہ فی افواء القوم ثم ترجعان فتملانہا ثم تجیان فتفرغانہ فی افواء القوم۔
 (الصحيح البخاری ج ۱ ص ۲۰۳ باب غزوة النساء وقتاہن مع لولم لہ

سالانہ چلہ لگانے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص اپنی اصلاح و تحصیل علم کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلہ لگاتا ہے تو کیا تحصیل علم و اصلاح کے لیے مزدوری چھوڑ کر چلے کے لیے نکلنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب :- چوبیس گھنٹے زندگی کو شریعت اسلامیہ کے مطابق گزارنے کے لیے ضروری احکامات کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے، اس کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل نفلی عبادات سے افضل ہے، لہذا اگر کوئی شخص ضروری علوم کے علاوہ مزید علم کی تحصیل اور اصلاح نفس کے لیے سالانہ چلہ لگانا چاہے اور اس سے اہل و عیال کا نان و نفقہ متاثر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلے پر جانا بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن البزازی الكردی: طلب العلم والفقه اذا صحت النية افضل اعمال البر وكذا الاشتغال بزيادة العلم اذا صحت النية لانه اعم نفعاً لكن بشرط أن لا یدخل النقصان فی فرائضہ۔ (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة ج ۶ ص ۳۷۸ کتاب الکراہیة ص ۲۸)

۱۔ ماورد فی الحدیث :- وعن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو باً سلیم ونسوة من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء ویداوین الجرحی۔ (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۱۱۶ باب غزوة النساء مع الرجال) ومثله فی شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۸۵ باب قتال النساء مع الرجال۔

۲۔ قال العلامة ابن عابدین: طلب العلم والفقه اذا صحت النية افضل من جميع اعمال البر وكذا الاشتغال بزيادة العلم اذا صحت النية لانه اعم نفعاً لكن بشرط أن لا یدخل النقصان فی فرائضہ۔ (رد المحتار ج ۶ کتاب النکاح ص ۲۰۲ الاضافة فی البیع)

مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب | سوال: تبلیغی جماعت وقت لگانے پر ایک نیکی پر انچاس کروڑ نیکیوں کا ثواب ملنے کا بتایا جاتا ہے، شرعاً اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب:- تبلیغ کے لیے وقت لگانے پر انچاس کروڑ تک تضاعف اعمال کا مسئلہ دو احادیث کے ضرب دینے سے ثابت ہے لیکن یہ زیادت مطلقاً فی سبیل اللہ لکھنے سے وابستہ ہے اس کو محض تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں۔

لما رواه الامام ابو داؤد سليمان بن اشعث السجستاني في سننه، عن سهل بن معاذ عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر تضاعف على النفقة في سبيل الله عز وجل بسبع مائة ضعف - (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۳۸)

ورواه ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه في سننه:- عن علي بن ابی طالب و ابی الدرداء و ابی هريرة و ابی امامة الباهلي و عبد الله بن عمر و جابر بن عبد الله و عمران بن الحصين كلهم يحدثن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال من ارسل بنفقة في سبيل الله و اقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم و من غرض بنفسه في سبيل الله و انفق في وجه ذلك فله بكل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآية و الله يضاعف لمن يشاء - (سنن ابن ماجه ص ۱۹۸ باب من جهن غازیاً له)

لہ وقد ذكره الشيخ العلامة جلال الدين السيوطي رحمه الله:- عن عمران بن الحصين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ارسل بنفقة في سبيل الله و اقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم و من غرض بنفسه في سبيل الله و انفق في وجهه ذلك فله بكل درهم يوم القيامة سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآية و الله يضاعف لمن يشاء۔

وعن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم النفقة في سبيل الله تضاعف سبع مائة ضعف - (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۶ سورة آل عمران) و مثله في تفسير القرآن لابن كثير ج ۱ ص ۳۱۷ سورة آل عمران۔

تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں | سوال: تبلیغی جماعت

تعبیر کرنا کیسا ہے، اور کہنے والے کا کیا حکم ہے؟
الجواب: تبلیغی جماعت فی زمانہ ایک فعال دینی جماعت ہے، اس کی ہر کوشش خلق خدا کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہے، اس کو فرقہ جبریہ و کفریہ وغیرہ سے تعبیر کرنا ضلالت اور گمراہی ہے اور ایسا کہنے والے پر کفر کا خطرہ ہے جو موجب تعزیر ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: اذا قذف مسلماً بغیر الزنا فقال یا فاسق او یا کافر او یا خبیث او یا سارق لانه اذا ه والحق الشین به ولا مدخل مقياس فی الحدود فوجب التعزیر۔ (الهدایة ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الحدود) لہ

تبلیغی چلے کی حقیقت | سوال: آج کل تبلیغی جماعت والے تبلیغ میں چلہ لگانے پر بہت زور دیتے ہیں کیا تبلیغ کے لیے دنوں کی یہ تعداد قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: روحانی امراض سے شفا کیلئے ضروری ہے کہ طبیعت میں تبدیلی پیدا ہو جائے، چونکہ تبلیغ میں چلہ یعنی چالیس دن لگانے والے میں کافی تبدیلی آجاتی ہے اسلئے تبلیغ والے چلہ لگانے پر زور دیتے ہیں، یہ کوئی واجب سنت یا فرض نہیں بلکہ صرف روحانی علاج کیلئے چلہ مقرر کیا گیا ہے جس طرح چالیس دن تک تکبیر اولیٰ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح تبلیغ میں چلہ لگانے سے بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

لما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلیٰ للہ اربعین یوماً فی جماعۃ یدرک التکبیر الاولیٰ کتب لہ برأتان برأتہ من النار وبرأتہ من النفاق۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۱ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق۔ الفصل الثانی)

لہ قال العلامة سراج الدین علی بن عثمان: اما اذا قال لآخر یا فاسق او بلید او یا اکل الربوا۔۔۔۔۔ او یا کافرا و یا خبیثا و یا فاجرا یعزو و خیار التعیین الی الامام۔ (الفتاویٰ السراجیۃ ص ۶ کتاب الحدود)

وَمِثْلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ النُّورِ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب الحدود۔ فصل فی التعذیر۔

تبلیغی جماعت کا طریقہ بدعت نہیں | سوال - (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین موجودہ طریقہ تبلیغ کے بارے

میں کہ کیا اس طریقہ سے تبلیغ بدعت سیئہ ہے۔ یا ناجائز ہے ہمارے علاقے میں ایک مولوی ہے جو موجودہ طریقہ تبلیغ کو بدعت سیئہ کہتا ہے۔ اور لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے۔ اور تبلیغ والوں کو مسجد سے نکالتا ہے۔ اس مولوی کا یہ عمل اور قول خلاف شرع ہے یا موافق شریعت ہے۔ اگر خلاف شریعت ہو۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا تبلیغی جماعت اہل سنت والجماعت میں نہیں ہے کیا تبلیغی جماعت ضال اور مضل ہے اور گمراہ فرقہ ہے۔ ہمارے علاقے میں عالم موصوف تبلیغی جماعت کو اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں کرتا ہے۔ اور تبلیغی جماعت کو فرقہ گمراہ کہتا ہے اور ضال اور مضل تصور کرتا ہے۔ کیا اس عالم کا یہ کہنا شریعت کی رو سے صحیح ہے یا غلط؟ اس کے مقابلے میں دیگر علماء تبلیغ والوں کے احترام کرتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے تبلیغ کو جائز کہتے ہیں اور تبلیغی جماعت کو اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں؟

الجواب : دین کی اشاعت اور اعلام کلمۃ اللہ کے لیے سعی اور کوشش کرنا امر خداوندی ہے اس کی تعمیل لوگوں کے ذمے لازمی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر کئی مقامات پر اس ذمہ داری کا مسلمانوں کو احساس دلایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الایۃ)

(۲) دوسری جگہ ارشاد ہے :

قُلْ هَذِهِ سَبِيلُ اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ (الایۃ)

(۳) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنَ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (الایۃ)

ان آیات کے علاوہ بھی آیات موجود ہیں جن سے اس امر کی ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے، اس لیے حضرات مفسرین نے وضاحت کے ساتھ اس کو فرض کفایہ لکھا ہے، کما قال العلامة محمود الوسی : ان العلماء اتفقوا على ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات ولم يخالفوا ذلك الا لنزك روح المعاني ۲/۲۰۷

اور علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

فی هذه الآية وفي التي بعدها وهي قوله تعالى (كنتم خير أمة أخرجت للناس)
دلیل علی ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض علی الکفاية -
(احکام القرآن ۲/۲۹)

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص الرزنی لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر قد حوت هذه الآية معنيين احدهما وجوب الامر بالمعروف
والنهي عن المنكر والاخر انه فرض علی الکفاية (احکام القرآن ۲/۳۱۵)
اور یہ امر بالمعروف والنهي عن المنكر سب کے لیے ہے چاہے کفار ہو یا مسلمان یہی حکم اکابر
مفسرین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ سید محمود الالوسی فرماتے ہیں۔
يدعون الى الخير: المراد من الدعاء الى الخير الدعاء الى ما فيه صلاح ديني
او ديني: روح المعاني ۲/۲۱
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

دعائى الله اى الى توحيد الله تعالى وطاعته والظاهر العموم في كل داع اليه
تعالى روح المعاني ۱۲/۱۸۸۔

اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

يدعون الى الخير اى خير العقائد والادخال والادخال التى فيها صلاح
الدين والدنيا: تفسير مظهری ۲/۱۱۲۔
اور ہذا سبیلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الدعوة الى التوحيد والاعداد للمعاد: تفسير مظهری ۵/۲۰۶
اسی طرح دعائى الله کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وما الى الله اى الى عبادة الله وتوحيده۔ (تفسير مظهری ۸/۲۹۴)

ان کے علاوہ تفسیر بیان القرآن، تفسیر عثمانی، اور تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس
کاندھلوی وغیرہ تفاسیر میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ دعوت الی اللہ مسلمان اور
کافروں کے لیے ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں۔
پھر دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت

دنیا ہے، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کے تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرے اور فریضہ الی الخیر انجام دے۔

(معارف القرآن ۲/ ۱۴۰، ۱۴۱)

اور نہ ہی طریقہ کار کوئی انوکھا ہے بلکہ سلف صالحین اور در صحابہ میں اس طرز عمل کی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے لکھا ہے تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف صالحین کے عین مطابق ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹/ ۳۶۳)

مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی کے جواب سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے چنانچہ جب آپ سے تبلیغ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً تبلیغ دین ہر زمانے میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جس میں جیسی اہمیت ہو اس کے حق اسی قدر ذمہ داری ہوگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے، سب سے بڑا معروف ایمان اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مومن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ خدا سے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول کی ہدایت کے موافق پہنچا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۴۶)

اسی بنا پر اکابر علماء دیوبند نے اس کام کی تعریف کی اور اس کو ضروری قرار دیا ہے۔

مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے۔

کہ یہ تحریک (تبلیغی جماعت) اصل حقیقت کے اعتبار سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچایا اور ان کے گھروں پر جا کر خود پہنچانا اصل تبلیغ ہے کفایت المفتی ۲/ ۹۹

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کے اس تحریک کو ان الفاظ سے سراہا ہے۔

کہ مولانا الیاسؒ نے یاس کو اس سے بدل دیا ہے۔

(مولانا الیاس اور ان کی دعوت ۱۲۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے محترم بزرگ یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کر رہی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد و گائیکائیت کا قوی جذبہ پیدا اور ان کو مذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجے کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔ بنابرین میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جائیں والسلام حسین احمد غفرلہ ۱۶ صفر ۱۳۶۱ھ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۴)

ایک اور مکتوب میں (جو آپؒ نے پہلی بار تبلیغی باہت کو جو افغانستان جا رہی تھی اپنے تلامذہ کے نام دیا تھا) فرماتے ہیں

عرض ان کہ حاملین عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرتا ہے اور مسلمانان افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے، امیدانکہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تہیلات سے درگزر نہ فرمائیں گے والسلام ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۵

ان کے علاوہ شاہ عبدالقادر رائی پوری، مولانا غیل احمد سہارن پوری، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا محمد ذکریا، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہ نے بھی اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو اشاعت دین کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے ان کے اجتماعات میں شریک ہوئے اور اس میں بیانات کیے، لوگوں کو اس جماعت میں شامل ہونے کی تلقین فرمائی، تو اس کے باوجود بھی اس کو بدعت سیئہ لکھنا جہالت اور نا سمجھی کی دلیل ہے، بدعت سیئہ پر فواجاد امر کو نہیں کہا جاتا بلکہ بدعت سیئہ پر وہ امر ہوتا ہے جس کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی اصل و بنیاد نہ ہو، اکابرین امت نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے اور یہ تعریف چاروں مذاہب کا متفقہ تعریف ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل

السنة فتكون مذمومة رفتح الباری ۴/۴۱۹

اور علامہ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

كل محدثة بدعة انما يريد ما خالف اصول الشريعة ولم يوافق السنة۔

(تاج العروس ۵/۲۷۱)

علامہ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

المراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه وامام ما كان له اصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة (رجا مع العلوم والحكم ص ۱۹۳)

اسی طرح علامہ قرطبی اور شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں۔

كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع ام لا فان كان لها اصل فهي في خيز الممدح ويعقده قول عمر نعت البدعة هذا والافهي في خيز المذموم والافكار۔ (تفسير قرطبي ۲/۸۷، وتفسير صابوني ۱/۹۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تبلیغ کرنا مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا ان کو نمازی، حاجی اور پابند صوم و زکاة بنانا اور اس کے لیے کوشش کرنا قرض کفایہ اور دینی ضروریات میں سے ہے، سلف صالحین اور صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت ہے اس لیے اس کو بدعت سیئہ کہنا ضرور عناد یا جاہلیت و ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں یہ کام نہ بدعت ہے اور نہ اس میں بدعت ہونے کا کوئی شبہ ہے ورنہ کبھی بھی اکابر علماء اس کو سراج نام نہ دیتے، لہذا ان لوگوں کو مساجد سے روکنا اور ان کو منع کرنا ان کو مسجد سے نکالنا وغیرہ گناہ ہے اور مانع عن الخیر کی قبیح صفت سے موصوف ہونے کے مترادف ہے، اس امر کا ترکیب شخص فاسق و فاجر ہے اس لیے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔

(۲) گذشتہ تفصیل سے خوب واضح ہوا ہے کہ یہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل جماعت ہے اس کو ضال اور مضل کہنا جاہلیت کی دلیل ہے یہ ایک حق جماعت ہے جو دین کی اشاعت کے لیے مصروف عمل ہے، ان کا احترام کرنا چاہیے اور ان کی حوصلہ افزائی ہر مسلمان کا فریضہ مذہبی ہے،

واللہ اعلم و علمہ

باب مسائل المتفرقة

(متفرق مسائل کے بیان میں)

والدین کو گالی دینے والے کا حکم | سوال :- والدین کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- اسلام میں جب کسی عام مسلمان کو گالی دینا موجب فسق ہے تو والدین کو گالی دینا تو بدرجہ اولیٰ عظیم گناہ ہے، اس فعل بیکارزکاب قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔

قال الله تعالى: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا... وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا۔ (سورة الاسراء آیت ۲۳) لہ

گالی گلوچ کرنے والے کا حکم | سوال :- کسی مسلمان کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- کسی مسلمان کو بے عزت اور سب و شتم کرنا موجب فسق و گناہ کبیرہ ہے اور گالی دینے والا فاسق و گنہگار ہو جاتا ہے۔

لما رواه الامام ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذی عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقاله كفر۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۹ باب ما جاء في الشتم) لہ

لہ لما رواه الامام ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذی عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اكلبائرا ن يشتم الرجل والديه قالوا يا رسول الله وهل يشتم الرجل والديه قال نعم يسب ابا الرجل فيسب اياه ويشتم امه فيشتم امه۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۲ باب ما جاء في عقوق الوالدين)

وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوتِ الْمَصَابِيحِ ج ۲ ص ۱۹ باب البتر والصلوة، الفصل الاول۔

لہ رواه الامام محمد بن اسمعيل البخاری عن عباس بن حماد قال قلت يا رسول الله الرجل يسبني قال النبي صلى الله عليه وسلم المستبئان شيطانان يتهاثران ويتكاذبان۔ (ادب المفرد باب سباب المسلم وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنُّوْرِ ج ۲ ص ۳۲۱ باب النهي عن السباب۔

والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے ناراض ہیں، باپ بیٹے کو ماں سے حسن سلوک بند کرنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ درمیان میں کوئی شرعی مقاطعہ بھی نہیں، تو کیا بیٹے کے لیے باپ کے حکم سے ماں کے ساتھ حسن سلوک بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت نے اولاد کے لیے والدین کو حسن سلوک اور تعاون میں برابر کے شریک قرار دیئے ہیں جبکہ بعض احادیث کی روشنی میں والدہ زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے، لہذا والد کے کہنے سے بیٹے کے لیے والدہ سے حسن سلوک سے پیش نہ آنا مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی ہے لہذا دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور فرمانبرداری کرنا ضروری ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ (سورة بنی اسرائیل آیت ۲۱) لے

سوال:- ایک شخص بلا کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا کے والدین اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی بیوی رہائش کے لیے علیحدہ مکان چاہتی ہے اور اپنے شوہر کے والدین سے جدا ہونا چاہتی ہے، تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کی بات مان کر والدین سے جدا ہو جائے یا والدین کی بات مان کر بیوی کو طلاق دے دے؟

الجواب:- واضح رہے کہ ہر انسان پر والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی ہے اور حتی الامکان اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنا ضروری ہے، لیکن بعض اوقات اگر والدین خواہ مخواہ سخت مزاحمت سے پیش آئیں اور

لے قال الله تبارك وتعالى: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ (سورة بنی اسرائیل آیت ۲۱)

بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو والدین کی یہ بات نہ مانتے ہیں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں اور جہاں تک مذکورہ معاملہ میں والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا تعلق ہے تو شریعت نے عورت کو علیحدہ رہائش اور نفقہ کے مطالبہ کا حق دیا ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ ہے، لہذا بیوی کے حقوق پورا نہ کرنے میں والدین کی بات نانا گناہ ہے اور معصیت خالق (نافرمانی) میں اطاعت مخلوق کی کوئی گنجائش نہیں لہذا شخص بذکور کے لیے بیوی کے حقوق پورے کرنا لازمی ہے اور اس کے والدین کو بھی نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

لما فی الہندیۃ : تجب السکنی لہا علیہ فی بیت خال عن اہلہ و اہلہا الا ان تختار ذلک - و الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۵۶ الباب السابع عشر فی النفقات الفصل الثاني فی السکنی علیہ

سوال :- ایک آدمی اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے والدین کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ ان کی نافرمانی، توہین اور سب و شتم بھی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- والدین کی نافرمانی اور ان کی گستاخی کرنا شریعت میں بدترین جرم اور دنیوی و آخروی تباہی و بربادی کا باعث ہے اور ان کی خوشنودی اور تابعداری جنت میں داخلے کا ذریعہ و سبب ہے، بلکہ حضور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کو تحت اقدام الأمہات قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی باپ کی خوشنودی سے جوڑ رکھی ہے۔ تو والدین کا نافرمان یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا مجرم ہے اور ایسا شخص سزا کے قابل ہے، البتہ دنیا میں زجر و سزا رائی الامام کے حوالے ہے وہ جتنا اور جیسا مناسب سمجھے وہ ہی بہتر ہوگا۔

لہ قال علامۃ طاہر بن عبدالرشید البخاری : تجب السکنی لہا علیہ فی بیت خال عن اہلہ و اہلہا الا ان تختار ذلک - (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۵۲ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الحظر والاطاعہ) ومثله فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۴۲۲ باب النفقۃ۔

لما قال الله تعالى: وَلَا تَقْتُلْ لِهَمَّا آيَةٌ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۷) لہ

علم دین کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کا حکم | سوال: ایک شخص کو علوم دینیہ حاصل کرنے

کا بڑا شوق ہے، جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ کاروبار بھی ہے اور کاروبار کے علاوہ بھی اُسکی مالی حالت اچھی ہے، تو کیا یہ شخص بلا اجازت والدین حصول علم کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور نکلنے سے والدین کی نافرمانی تو نہیں ہوگی؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے، کم از کم اتنا علم ہو کہ دین کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ ہو سکے اور اس کے لیے والدین کا منع کرنا کوئی شرعی عذر نہیں بلا اجازت والدین بھی بالغ بیٹا حصول علم کے لیے سفر کر سکتا ہے اور صورت مذکورہ میں والدین کے ضعف اور محتاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیٹا عاق اور نافرمان بھی نہ ہوگا

لما فی الہندیۃ: رجل خرج فی طلب العلم بغیر اذن والدیہ فلا یأس بہ ولم یکن ہذا عقوباً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۷ الباب السادس والعشرون فی الرجل یتخرج الی السفر... الخ) لہ

لہ لما ورد فی الحدیث: عن ابی بکرۃ (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کُلُّ الذَّنُوبِ یَغْفِرُ اللہُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّا عَقُوقَ الْوَالِدِینِ فَانْہُ یُعْجَلُ لِصَاحِبِہِ فِی الْحَیْوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۱ باب البر والصلة)

وَمِثْلُہُ رَوَاهُ النَّسَیُّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۱ باب البر والصلة)

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ولو خرج لطلب العلم بلا اذن ابویہ لا یصیر عاقاً کما ذکرنا فی الخزائنۃ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۷ کتاب الکراہیۃ)

وَمِثْلُہُ قَالَ الْعَلَمَۃُ شَیْرَاحُ مُحَمَّدُ الْعُثْمَانِیُّ فِی الْفَقْرِ الْمَلَمِّ ج ۱ ص ۲۵۲ باب الکبائر واکبرہا۔

کسی مسلمان کو بُرے القابات سے پکارنا | سوال :- اگر کوئی شخص بلا کسی شرعی وجہ کے دوسرے مسلمان کو فاسق اور

فاجر کے القاب سے متہم کرے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟
 الجواب :- ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت اور اُبرو کی حفاظت لازمی ہے اور ایسے بُرے القاب اور بیہودہ کلمات جن سے مسلمان کی عزت پر حرف آتا ہو، اس سے بھی پرہیز از حد ضروری ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے فسق و فجور والے القابات سے کسی کو متہم کرنے سے منع فرمایا ہے، کسی مسلمان کو فاسق اور فاجر کہنے والا شخص قابلِ تعزیر ہے، اس بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے وہ جیسا مناسب سمجھے سزا دے سکتا ہے البتہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں، اور اگر واقعی یہ فاسق اور فاجر ہو تو یہ بہت بُرا کام ہے لیکن ایسا کہنے والے پر تعزیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

لما قال الله تبارك وتعالى : وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأُسْمُ الْفُسُوقُ يَعْدِلُ الْإِيمَانَ - (سورة الحجرات آیت ۱۲) لے

مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا | سوال :- ایک شخص بلا کسی وجہ کے مسلمان

ان کا تمسخر اُڑاتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا استہزاء اور تمسخر کرنا سخت گناہ ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل ہو، گناہ گار ہو یا پرہیزگار، اس کا مذاق اڑانا شرعاً ممنوع ہے۔ سورة الحجرات میں جو اخلاقی تعلیمات بیان

لے قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : لو قال لا خير يا ديوث يا فاسق يا فاجر لا يجب الحد لكن يعزره هذا اذا قال للصالح اما اذا قال للفاسق يا فاسق حذف يسير لا يجب شيء واختيار التعزير الى رأى الامام من واحد الى تسع وثلاثين -

(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الحدود)

ومثله في يدائع والصنائع ج ۷ ص ۶۲ کتاب الحدود۔

کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دے کر اس کے تمسخر اور مذاق سے منع فرمایا ہے، ایسے شخص کے لیے بروز قیامت سخت سزا ہوگی۔

قال الله تبارك وتعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ۔

(سورة الحجرات آیت ۱۱) لہ

استمناء بالید کا حکم | سوال :- استمناء بالید رہا تمہ سے جنسی تسکین حاصل کرنا کے مرتکب کا شریعت میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق استمناء بالید بدون عذر شدید کے حرام و ناجائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحق تعزیر ہے تاہم اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اھوں البلیتین کی رو سے رخصت کا امکان ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: الاستمناء حرام وفيه التعزير۔ وقال العلامة ابن عابدین: وتحت قوله الاستمناء حرام ای بالكف اذا كان الاستمناء بالشهوة اما اذا غلبته الشهوة وليس له زوجة ولا أمة ففعل ذلك لتسكينها فالرجاء انه لا وبال عليه۔
(رد المحتار ج ۴ مک ۲ کتاب الحدود، فصل في التعزير) لہ

لہ ما ورد في الحديث: عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباعضوا ولا تداربوا ولا يبيع بعضكم على بعض وكونوا عبادا لله اخوانا المسلم اخ المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوى ههنا ويشير الى صدره ثلاث مراتب يحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔

والصحيح المسلم ج ۲ مک ۳ باب تحريم ظلم المسلم

۲ قال العلامة السيد محمود الآلوسی: وكذا اختلف في استمناء الرجل بيده ويسمى الخفضة وجلد غيره فجمهور الائمة على تحريمه وهو عندهم داخل فيما وراء ذلك قال ابن الهمام: يحرق فان غلبته الشهوة ففعل ارادة تسكينها به فالرجاء الا يعاقب۔ (روح المعاني ج ۸ سورة المؤمنون)
ومثله في تفسير المظهر ج ۶ ۳۶۵ سورة المؤمنون۔

ہاتھ پاؤں پھونکے کا حکم | سوال :- کسی قابل تعظیم شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قابل تعظیم شخصیات کی دست بوسی میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بوسہ دیتے وقت رکوع یا سجدہ کی کیفیت پیش نہ آئے۔

لما قال العلامة الحصکفی: (ولا بأس بتقبیل ید الرجل (العالم) المتوسر علی سبیل التبرک (الدر المختار علی صدد المختار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی الاستبوا وغیرہا) لہ

کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم | سوال :- آج کل مسلمان حکمران غیر ملکی دورے کے دوران وہاں کے کفار سے مصافحہ کرتے ہیں، تو کیا اسلام

میں کفار سے مصافحہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- کفار کی عزت و کرم کی نیت سے ان سے مصافحہ کرنا ایمانی غیرت کے منافی ہے، تاہم اگر مواسات کے درجہ میں ہو یا کفار کی اسلام میں رغبت کے لیے ہو تو ان سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ہاتھ ملاتے وقت السلام علیکم نہ کہا جائے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ویکرہ مصافحۃ اهل الذمۃ۔ رخلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الکراہیۃ، نوع منہ فی السلام) لہ

مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم | سوال :- بعض مریدین اور چھوٹے بپتے بڑوں یا مرشد سے ملاقات کرتے وقت ان کے

قدموں پر گر جاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

لہ لہارواۃ الامام محمد بن اسماعیل البخاری: عن صہیب قال رأیت علیاً یقبل ید العباس ورجلیہ۔ (ادب المفرد ص ۲۵۴ باب تقبیل الید والرجل۔

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۸ کتاب الخطر والاباحۃ۔

لہ قال العلامة الحصکفی: کما کرہ للمسلم مصافحۃ الذمی۔

(الدر المختار علی صدد المختار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع)

ومثله فی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۸ الباب الرابع عشر فی اهل الذمۃ الخ۔

الجواب :- ماسوی اللہ کے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس میں رکوع کی طرح جھکاؤ سمجھنا
غیر اللہ کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع و ناجائز ہے، اس لیے فقہاء کرام نے اس قسم کی
تعظیم کو مکروہ لکھا ہے۔

لما فی الہندیۃ : ویکرہ الانحناء عند التَّحِیَّۃِ ویدر النہی۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۹ الباب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوك

حشرات الارض کو جلانے کا حکم | سوال :- حشرات الارض یعنی کھٹل، پتو وغیرہ کو
جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذی روح اشیاء کو آگ سے جلانا یا ان پر گرم پانی ڈالنا ایک مکروہ عمل ہے
اس لیے کہ تفسیر بالنار خالق حقیقی (اللہ تبارک و تعالیٰ) کا خاصہ ہے اس لیے اس عمل سے
اجتناب ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری : وأما فی شرعنا فلا يجوز احراق
الحيوان بالنار الا با لاقتصاص وسوائ فی منع الاحراق بالنار القمل وغیره للحدیث
المشہور ولا یعذب بالنار الا الله تعالى۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۳۹ باب ما یحل اكله وما یحرم)

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا | سوال :- مساجد میں گم شدہ اشیاء کا
اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں، عبادت الہی
کے علاوہ دوسرا کوئی بھی دنیاوی عمل کرنا سود ادب ہے اور خصوصاً کسی گم شدہ چیز کے
اعلان کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے منع فرمایا
ہے، تاہم اگر کوئی چیز مسجد ہی میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان کرنا مرتضیٰ ہے لیکن

لما قال العلامة عبد الرحمن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادة : ویکرہ الانحناء لانه یشبه فعل
المجوس۔ (مجمع الانہر شرح ملتقى الابحر ج ۲ ص ۵۴۵ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع)

لما فی الہندیۃ : واحراق القمل والعقرب بالنار مکروہ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۱
الباب الحادی والعشرون فیما یسع من جراجات الخ)

پھر بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

لما رواه الامام ابو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري: عن شاذان بن الهاد انه سمع ابا هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلاً ينشد بضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تكن لهذا۔

(الصحيح المسلم ج ۱ ص ۲۱۱ باب نشد الضالة في المسجد)

مسجد میں سوال کرنے کا حکم | سوال۔ مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ مساجد کی تاسیس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی گئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ دیگر اعمال کرنا مناسب نہیں، تاہم سائل کو بدون ایذا کے دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مسجد کی ضروریات، مدرسہ اور جہاد وغیرہ کے لیے چندہ کرنا بھی مرخص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کاموں کے لیے چندہ کرنا ثابت ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: ويحرم فيه السؤال۔ وقال العلامة ابن عابدین: يكره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم يتخط رقاب الناس في المختار۔
(الدر المختار علی ص ۶۵۹ مکروہات الصلوٰۃ ص ۲)

لما قال العلامة محمد يوسف البنوسی: وأما انشاد الضالة فله صوتان أحدهما دهي اقيم واشنع بأن يضل شيء خارج المسجد ثم ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه والثانية أن يضل في المسجد نفسه فينشده فيه وهذا يجوز اذا كان من غير لغط و شغب۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۳۱۳) باب جاء في كراهية البيع والشراء وانشاد الضالة الخ ومثله في سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶۸ باب في كراهية انشاء الضالة في المسجد۔
۲۔ قال العلامة علی بن سلطان محمد القاسمی: ويدخل في هذا كل أمر لم يدر له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلك وكان بعض السلف لا يرضى ان يتصدق على السائل المحتضر في المسجد۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔
ومثله في الاختيار لتعليل المختار ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب الكراهية۔ فصل الكسب۔

مسجد میں سونے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! مسجد میں بلا عذر شرعی سونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی تائیس عبادت اور ذکر اللہ کے لیے کی جاتی ہے لہذا ان میں علاوہ عبادت اور ذکر اللہ کے اور کام مثلاً نوم (نیند) وغیرہ بلا عذر شرعی کے کرنا فقہاء کرام کے ہاں مکروہ ہے، تاہم اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر مسجد میں سو گیا تو اس میں کوئی قیاحت نہیں، البتہ مسافر، معتکف اور طلباء علوم دینیہ کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصلیؒ: (یکره) وأکل ونوم إلا لمعتکف وغریب۔ (الدر المختار علی صدر مراد المختار ج ۱ ص ۶۱ مکروہات الصلوٰۃ)

لما ورد فی الحدیث: وعن ابن عمرؓ قال کنا ننام فی المسجد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن ماجہ ص ۵۲ باب تنشید المساجد) ۲

سوال :- ایک شخص کو زکام لگا ہوا ہے اور بار بار اس کو پھینک آتی ہے، تو ایک دفعہ پھینک آنے پر اس کا جواب دینا تو سننے والے مسلمان کا حق ہے، لیکن اگر بار بار پھینک آئے تو کیا پھر بھی جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت اسلامیہ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کئی حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان حقوق میں سے ایک پھینکنے والے کو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی ہے، لیکن اگر اس کو بار بار پھینکیں آتی ہوں تو تین دفعہ سے زائد پر جواب نہ دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیونکہ بار بار جواب دینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

لما قال الشیخ عبدالغنی المجدی الدہلویؒ: (تحت قوله کنا ننام) وهذه رخصة لابن السبیل والمسافر فان ابن عمرؓ ما کان له حنین اهل وامال غیره فیکره الاعتیاح بالنوم فیہ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۵۲ ص ۵۳ باب تنشید المساجد)

وَمِثْلُهُ فی مرقاة المفاتیح ج ۲ ص ۱۹۸، ۱۹۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔

لما فی الہندیۃ : فان عطس اکثر من ثلاث مرات فالعاطس یحمد اللہ
کل مرۃ فمن کان بحضرۃ ان شمتہ فی کلّ مرۃ فحسن وان لم یشتمت
بعد الثلاث تحسن ایضاً - ر الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۶ الباب السابع
فی السلام وتشمیت العطس (۱)

زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نماز جنازہ پڑھنے کا حکم | سوال : ایک شخص

اجنبی عورت کو بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھتا ہے جبکہ پورے معاشرے پر اس کی قبیح
حرکت واضح ہے جبکہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اجراء حد مشکل ہے، تو ایسے
حالات میں اس شخص کے ساتھ سماجی تعلقات قائم کرنے یا لین دین کرنے اور نماز جنازہ
پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- بشرط صحت سوال اگر شخص واقعی زانی ہو اور محسن بھی ہو تو شرعی
شہادت کے ثابت ہونے کے بعد قابل رحم ہے لیکن یہ رحم کرنا قاضی اور حکومت اسلامیہ
کی ذمہ داری ہے، عوام الناس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس سے مالی جبرانہ
لینے کی عوام کو اجازت ہے، البتہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت میں
ایسا اوقات مالی تعزیر (جرمانہ) کے بغیر کسی کی اصلاح ممکن نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے
تو مالی تعزیر بھی دے سکتا ہے لیکن عوام کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے،
عوام الناس کو چاہیئے کہ ایسے شخص کا بائیکاٹ کر کے اس سے تمام تر تعلقات اور لین دین
بند کر دیں اور اس کے غم و خوشی میں بھی شریک نہ ہوں تاکہ وہ اپنے اس خلاف شریعت
فعل کے ارتکاب سے باز آنے پر مجبور ہو، اور جہاں تک نماز جنازہ کا تعلق ہے
تو علماء اہل سنت کے نزدیک ایک مسلمان گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ایمان سے

الح قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : وفي العطاس فوق الثلاث ان
شمتوه فحسن وان لم يفعلوا فلا بأس به والعاطس یحمد اللہ -

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۳۴ کتاب الکراہیۃ، نوع منہ فی اسلام)
وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهَنْدِيَةِ ج ۳ ص ۳۳۴ کتاب الکراہیۃ فصل فی التبیہ والتسلیم الخ۔

خارج نہیں ہوتا خواہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ! البتہ گنہگار اور قابلِ سزا ہے، مذکورہ صورت میں جنازہ بھی پڑھایا جائے گا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔
لما قال العلامة التمرقاشی: التعزیر هو التأدیب دون الحد۔۔۔ لا يأخذ مال فی المذهب۔
(تویر لا بصار علی صدر المختار ج ۲ ص ۶۱ باب التعزیر) لہ

کسی کو ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کا حکم | سوال ۱۔ اگر کسی ہو جبکہ کذب بیانی کے بغیر اس کا دفع ہونا ناممکن ہو تو اس کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کذب بیانی کی شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- جھوٹ اور کذب بیانی ایک ایسی عادت ہے جو کہ ہر وقت ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور احادیث نبوی میں بھی اس کے بارے میں وعیدیں وارد ہیں۔ لیکن بسا اوقات اگر کسی انسان پر ظلم و ستم کا ایسا اندیشہ ہو کہ کذب بیانی کے علاوہ اس کی تلافی ناممکن ہو تو ایسے حالات میں تو یہ کرنا مباح ہے جو کہ حقیقتاً جھوٹ نہیں اگرچہ بظاہر جھوٹ ہی لگتا ہو یا دین پر چوٹ لگنے کا خطرہ ہو جبکہ ظاہری کذب بیانی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا مخصص ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام۔
(الدوا المختار علی صدر المختار ج ۲ ص ۶۲ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع م ۲)

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ، ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان كانت کبیرۃ اذا لم يستحلها۔ (شرح الفقہ الاکبر الکبیرۃ لا تخرج المؤمن عن الایمان)
لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: جوز الکذب فی ثلاثۃ مواضع فی الصلح بین الناس و فی الحرب ومع امرئہ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۶ الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی، کتاب الکراہیۃ)۔

ومثله فی البرازیلۃ علی هامش المہندیۃ ج ۲ ص ۳۹۵ ب لث البنا الثانی فیما یتعلق بالمناہی۔

زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا | سوال :- بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ زلزلہ کے وقت کمروں اور گھروں سے فوراً باہر نکل آتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ میں بوقت زلزلہ ایسا کرنا جائز ہے؟
الجواب :- زلزلہ کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے یا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اور اپنی جان کی حفاظت کرنا بھی انسان پر لازم ہے اس لیے اس لیے ایسے اوقات میں گھروں سے باہر نکلنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ نہ نکلنے کی صورت میں اپنی جان کو ہلاکت اور خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة آیت ۱۹۵) لہ

گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا | سوال :- فحاشی اور بے دینی کے اس دور میں بعض لوگوں نے گانے بجانے کو اپنا ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے یعنی فلموں اور ریڈیو وغیرہ کے لیے گانے لکھ کر اور گانے بجا کر رقم حاصل کرتے ہیں، تو کیا گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- گانے بجانے کے ذریعے کمائی کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ گانے بجانے سے دل میں سختی اور دین سے دوری پیدا ہوتی ہے لہذا اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال حرام ہوگا۔

لما قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ: ویکوہ کسب المغنیۃ والنائحة کذا

لہ لما قال العلامة ابن البزاز الکردی رحمہ اللہ: واذا تزلزلت الارض وهو فی بیتہ لہ الفرار الی الصحراء۔ (افتاویٰ البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۷۱ الباب التاسع فی المتفرقات)

وَمِثْلُهُ فِی الدَّر الْمَخْتَارِ عَلٰی صَدْرِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ کتاب الکراہیۃ۔

فی الجوامع الفقہ علی ان التغنی للہو اوجع المال حرام۔ دفع القدر ج ۲، کتاب الکرامۃ ص ۲۵۸
بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا | سوال :- ایک شخص نجاست چمکی سے
 کے لیے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے قرآن پاک کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟
 الجواب :- قرآن پاک چونکہ کلام الہی ہے اس لیے اس کا مقام و مرتبہ بھی بلند و
 بالیہ اس کو ہاتھ لگانے کے لیے ظاہری اور باطنی ناپاکی دور کرنا ضروری ہے کیونکہ
 قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ناپاک آدمی قرآن پاک کو مس نہیں کر سکتا
 اس لیے بے وضو انسان کے لیے قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، البتہ غلاف کی
 موجودگی میں چھونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصحف سے لگا ہوا غلاف نہیں بلکہ
 وقایہ سے غیر محیط کپڑا مراد ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ : لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلُ مِمَّنْ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ ۝ (سورة الواقعة آیت ۸۰، ۸۱) ص ۲۷

قاری یا سامعین تلاوت پر سلام کرنا | سوال :- ایک قاری قرآن پاک
 کی تلاوت کر رہا ہو اور لوگ اُس کے
 ارد گرد بیٹھ کر قرآن پاک سن رہے ہوں تو کیا اُن کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور
 حاضرین مجلس (سامعین) پر اس سلام کا جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟
 الجواب :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات میں افشاء السلام کی

لہما فی الہندیۃ : امرؤ نائمۃ او صاحب طبل او مزمار کتسب مالاً.... با زاد الیناحۃ
 او با زاد الغناء فکان الاخذ معصیۃ و السبیل فی المعاصی را دھا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۹ ابنا الخامس عشر فی الکسب)

و مثله فی مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹ کتاب الخطر والاباحۃ۔

لہ قال العلامة ابن عابدین : ومنہ ایّام القرآن ولوح او درہم او حائط
 الا بغلافہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۲ باب الحيض)

و مثله فی الفوائد العثمانیۃ ص ۱۲ للعلامة شبیر احمد عثمانی۔

تاکید فرمائی ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہیں کہ ان میں سلام کرنا مکروہ ہے، ان مقامات میں ایک مجلس تلاوت قرآن پاک بھی ہے، قرآن پاک کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کے وقت سلام نہیں کرنا چاہیئے، اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ایسی محفل پر سلام کرنے سے جواب لازم نہیں آتا۔

لما فی الہندیۃ: ویکرہ السلام عند قرأۃ القرآن جہراً وکذا عند مذاکرۃ العلم وعند الاذان والاقامۃ والصحیح انہ لا یرد فی ہذہ المواضع۔
(افتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ الباب السابع فی السلام)

غائب کو سلام پہنچانے کا حکم | سوال: بسا اوقات کسی آدمی کے ذریعے پر غائب کو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی کو سلام کہنا مسنون عمل ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے اور کسی کو اگر کسی غائب کو سلام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی جائے تو اس پر سلام پہنچانا واجب ہے اور جس کو سلام پہنچایا جائے اس کو چاہیئے کہ پہلے مبلغ سلام کو جواب دے اور پھر سلام بھیجے والے کو سلام کا جواب دے یعنی جواب میں وعلیک وعلیہ السلام کہنا چاہیئے۔

لما ورد فی الحدیث: عن اسماعیل عن غالب قال اتانا لجلوس بباب الحسن اذ جاء مرآجل فقال حدثنی ابی عن جدی قال بعثنی ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انتہ فاقراءہ السلام قال فایتتہ فقلت انت ابی یقرئک السلام فقال علیک وعلی

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: ویکرہ علی عاجز عن الترد حقیقۃً کاکلی او شرعاً مکصل او قاریء ولو سلم لایستحق الجواب وهو الصحیح۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۵ کتاب الخطر والاباحۃ)
ومثله فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ ج ۳ کتاب الکراہیۃ فصل فی التبع والتیم۔

ابیک السلام۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۶۳ باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام) ۱۔
سوال : بعض لوگ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھتے اور یہ ان
 کے سر نماز پڑھنا کی عادت ہوئی ہے، کیا ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً
 جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر کوئی شخص محض سستی اور غفلت کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہو
 اور ٹوپی یا پگڑی استعمال کرنے اور سر ڈھانپنے کا خیال نہیں رکھتا تو مکروہ ہے
 البتہ اگر عاجزی اور تذلل کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس میں کوئی گناہ
 نہیں اور اگر اس کام کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھے تو اس کے بکرا کا خطرہ ہے۔
 لما قال العلامة الحصفی: ویکره صلاته حاسراً ای کاشفاً رأسه
 للتکاسل ولا بأس به للتذلل اما الالهاته یها فکفر ولو سقطت قلنسوته فاعادتها
 افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۷ مکروہات الصلوٰۃ) ۲۔

سوال : کیا مونچھوں کا حلق اولیٰ ہے یا انہیں کاٹ کر کم
 کرنا اولیٰ ہے؟ بعض لوگ بلیڈ کے ذریعے کاٹنا مناسب نہیں
 سمجھتے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب : مونچھوں کے بارے میں علماء کرام نے قصر اور حلق دونوں پر قول کیا ہے
 حلق کرنے میں یا قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ کاٹنے
 میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ گویا حلق نظر آئے، تو اس طرح کرنے سے حلق اور قصر دونوں پر

لما فی الہندیۃ: واذ امر رجلاً ان یقرء سلامہ علی فلان یمجب علیہ ذلک۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۶ الباب السابع فی السلام الخ)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۲۱۵ باب الخطر والاباحۃ۔

۲۔ قال الشیخ ابراہیم الحلبي: یکره ان یصلی حاسراً ای حال کونہ کاشفاً رأسه تکاسلاً
 ای لاجل الکسل وبسببہ ان استقل تغبطته ولم یرها امرأً مہماً فی الصلوٰۃ ولا بأس به اذا فعل
 به تذلاً وخشوعاً۔ (حلی کبیر ص ۳۲۸ مکروہات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَامَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۳۵ کتاب الصلوٰۃ فصل مکروہات الصلوٰۃ۔

عمل ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الشیخ احمد الطحاویؒ: ویستحب احفاء الشوارب ونراه افضل من قصها وفي شرح شریعة الاسلام۔ قال الامام الاحقاء قریب من الحلق۔ (الطحاوی ص ۲۸۷ باب الجمعة) لہ

سوال۔ اُجکل بعض فیشن ایبل عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں، تو کیا عورتوں کے لیے سر کے بال کٹوانا یا کم کروانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ عورتوں کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں سے مشابہت ممنوع قرار دی ہے، چونکہ سر کے بال کم کرنے یا کٹوانے کا معمول مردوں کا ہوتا ہے اس لیے عورتوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مردوں سے مشابہت کی وجہ سے حرام ہے، البتہ کسی بیماری یا عذر ہونے کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی بال کاٹنے یا کم کروانے کی شرعاً اجازت ہے، حج اور عمرہ میں عورتوں کے لیے بھی قصر کی اجازت ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: واذا حلفت المرأة شَعْرَ رَأْسِهَا فَانْكَانَ لَوْ جَعِ اصَابَهَا فَلَا يَأْسُ بِهِ وَانْ حَلَقَتْ تَشْبِيْهَا بِالرِّجَالِ فَهُوَ مَكْرُوهُ۔
(البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۵ کتاب الکراهية، فصل في البيع) لہ

لما في الهندية: ويأخذ من شارب حتى يصير مثل الحاجب... قص الشارب حسن..... وتقصيران يأخذ حتى تنقص من الاطار۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ الباب التاسع عشر في الختان والخصاء)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۲۰۵ کتاب الکراهية، فصل في البيع
لما في الهندية: ولو حلفت المرأة رَأْسِهَا فَانْ فَعَلَتْ لَوْ جَعِ اصَابَهَا فَلَا يَأْسُ بِهِ وَانْ فَعَلَتْ ذَلِكَ تَشْبِيْهَا بِالرِّجَالِ فَهُوَ مَكْرُوهُ۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ الباب التاسع عشر في الختان والخصاء)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۲۰ کتاب الخطر والاباحة۔

مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹواتا | سوال ۱۔ اگر کوئی مسلمان اپنے سر کے بالوں کا بعض حصہ زیادہ کٹوائے اور بعض حصہ کم کٹوائے یا دیگر مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوائے، تو کیا اس طریقے سے سر کے بال کٹوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو سر کا حلق کیا ہے اور یا نین طریقوں سے یعنی وفرہ، لمہ اور جتہ، سر کے بال رکھے ہیں۔ لہذا اگر سر کے بعض بال زیادہ کاٹ دیئے جائیں اور بعض رکھے جائیں تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر غیر مسلم اقوام کی مشابہت ہے اس لیے ان غیر مسلم اقوام کی وجہ سے اس قسم کے بال بنانے سے اجتناب ضروری ہے۔

ماوردی الحدیث، عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس) لہ
غیر ضروری بالوں کی صفائی کا حکم | سوال ۲۔ زیر ناف بالوں کے ازالہ کے لیے مستحسن طریقہ کیا ہے؟

الجواب: ۱۔ مرد و زن کے لیے کسی بھی طریقے سے اپنے بدن کے غیر ضروری بالوں کا ازالہ ضروری ہے، ان کے ازالہ کے لیے کسی دوائی یا آلہ کا سہارا لینا جائز ہے تاہم خواتین کے لیے انگلیوں سے نکلانا مستحسن ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: قالوا الاولى للمرأة التفت لانه انطف وأبعدتفق الحیل من بقایا اثر الحلق ولان شهوة المرأة اضعا شهوة الرجل اذ جاء ان لها تسعاً وتسعين جزءاً منها وللرجل جزءاً والتفت يضعفها والحلق يقويها فأمر كل منها بما هو النسيب به۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۵) لہ

۱۔ ملا فی الہندیۃ: ان السنة في شعر الرأس اما الفرق واما الحلق وذكر بطحاوی ان الحلق سنة۔

۲۔ الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر في الحنّان والخصام (

۳۔ قال العلامة ابن عابدین: (قوله ويستحب حلق عانتہ) قال في الہندیۃ ویبتدی من تحت السرة ولوعالج بالنورة یجوز، کذا فی الغرائب وفي الاشباہ والسنة في عافة المرأة التفت۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۴۶ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع)

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کی حد | سوال :- از روئے شریعت زیرِ ناف بالوں کی کہاں سے کہاں تک صفائی کرنا ضروری ہے ؟

الجواب :- عام شراح حدیث و فقہاء کے بقول شرمگاہ کے ارد گرد بالوں کا صاف کرنا ضروری ہے ناف تک صاف کرنا لازمی نہیں ہے ۔

لما قال الامام محی الدین ابو نکر یاءیحیی بن شرف النووی : المراد بالعانة الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذا لک الشعر الذی حوالی فرج المرأة ۔

(شرح صحیح المسلم للنووی ج ۱ ص ۱۲۸ باب خصال الفطرة) ۱۷

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت | سوال :- زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت کیا ہے ؟

الجواب :- زیرِ ناف بال ہفتے میں ایک بار صاف کرنا مستحب ہے اور چالیس دن تک تاخیر کرنا مکروہ ہے ۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی : (ویستحب) حلق عانة وتنظيف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والا فضل یوم الجمعة وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکہ وراء الامر بعین ۔ (الذی المختار علی صدر المختار ج ۲ ص ۴۲ کتاب الخطر والاباحة فصل فی البیع) ۱۷

۱۷ قال الشیخ القاضی محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ : والمراد بالعانة الشعر فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذا لک الشعر الذی حول فرج المرأة ۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳ باب الختان)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْمَلْهَم ج ۱ ص ۴۱۹ باب خصال الفطرة ۔

۱۷ وفي الهندية : والا فضل أن يقلم اظفاره ويحفي شاربه ويخلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال فی کل السبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً لا يعذر في تركه وراء الاربعين فالاسبوع هو الا فضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الا بعد ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد ۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ الباب التاسع عشر في الختان والخصاء الخ)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْمَعِ الْأَنْهَارِ فِي شَرْحِ مُلْتَقَى الْأَبْعَر ج ۲ ص ۵۵۶ کتاب الکراهية ۔

پیدائشی طور پر مخنون بچے کے ختنہ کا حکم | سوال :- اگر کوئی بچہ مخنون پیدا ہو یعنی اس کا حشفہ پوست سے باہر نظر آتا ہو اگرچہ

مکمل طور پر یا ہرنہ ہو تو کیا اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے گا یا نہیں ؟
الجواب :- مخنون بچے کے بارے میں اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے، اگر اس کا مخنون ہونا یقینی ہو تو دوبارہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: الصبي اذا كانت حشفته ظاهرة ولا يمكن ان يمد جلد ذكره الا بتشديد وظهور حشفته بحاله لو راها انسان يريها صانه اختن لا يتشد عليه ويترك ولا يتعرض - (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲ کتاب الکراهية، جنس آخر) لہ

بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم | سوال :- بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرنے کی صورت میں نگاہ شرمگاہ

پڑنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- ختنہ شعائر اسلام میں شمار ہوتا ہے جو شرعاً ہر مسلمان کے فطرے لازمی ہے، اس لیے ضرورت کے تحت ڈاکٹر یا حجام کی نگاہ کا عورت غلیظہ پر پڑنا مریض ہے۔

لما قال العلامة الكاساني: فلا بأس ان ينظر الرجل من الرجل الى موضع الختان ليغتته او يد اويه بعد الختن - (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۲۳ کتاب الاستحسان) لہ

لہ وفي الهتدية: الصبي اذا لم يخن ولا يمكن ان يمد جلدته لتقطع الا بتشديد وحشفته ظاهرة اذا رآه الانسان يراه كانه ختن ينظر اليه الثقات واهل البصر من الحجامين فان قالوا هو على خلاف ما يمكن الاختتان فانه لا يشدد عليه ويترك - (الفتاوى الهتدية ج ۵ ص ۳۵ الباب التاسع عشري الختان والخصاء)

لہ قال العلامة ابن البرزاز الكردي: يجوز النظر الى فرج الرجل للختن -

والفتاوى البرزانية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۴۲ کتاب الکراهية - الباب التاسع في المتفرقات

ومثله في رد المختار ج ۶ ص ۳۴ کتاب الخطر والاباحة، فصل في النظر واللس -

چہرے کے زائڈ بال دور کرنے کا حکم | سوال :- چہرے سے داڑھی کے علاوہ
 زائڈ بالوں کا دور کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی کی حدود کے علاوہ چہرے کے زائڈ بالوں کے دور کرنے
 میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اس میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مخنت سے
 مشابہت ہو جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم
 يشبه المخنت - (مراد المختار ج ۶ ص ۲۷۰ کتاب الخطر والاباحۃ ، فصل فی البیع) لہ
 سوال :- جناب مفتی صاحب ! شریعت مقدسہ میں
 داڑھی رکھنے کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ ہے اور شعائر اسلام میں
 اس کا شمار ہوتا ہے ، فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب جس کی
 مقدار ایک مشت ہے اس سے کم داڑھی رکھنا خلاف سنت ہے۔

لما رواہ امام ابو یوسفؒ یعقوب بن ابراہیم الانصاری : عن ابن عمرؓ انه
 كان يقبض على لحيته فيأخذ منها ما جاوذا لقبضة - (کتاب الآثار للامام
 ابو یوسف ص ۲۳۲ فی الحنطاب والاخذ من اللحية ، رقم حدیث ۱۰۳۹) لہ

لہ قال العلامة الاستاد محمد الشہیر بالطوری فی تکیلة البحر : ولا بأس بان يأخذ
 الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنت - (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۷۰ کتاب
 الکراہیۃ ، فصل فی البیع)

لہ قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ : وفي الاحياء قد اختلفوا فيما طال
 من اللحية ان قبض الرجل على لحيته وأخذ ما تحت القبضة فلا بأس به
 وقد فعله ابن عمرؓ من التابعين واستحذہ الشعبي وابن سیرین -

(مرقاۃ المفاتیح ج ۸ باب الترحیل - الفصل الاول)

وَمِثْلُهُ فِي كِتَابِ الْأَثَارِ لِلْمُحَمَّدِ ۱۹۸ بَابُ حَفِّ الشَّعْرِ مِنَ الْوَجْهِ -

مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو

کے بعد اپنے ہاتھ چومتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة المحقق: وكذا ما يفعله الجهال تقبيل يدها إذا لقي غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه۔

رالدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۵ کتاب الکراهیة (

بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض خواتین

اور دیندار گھرانوں میں اُن کے آنے جانے سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ دیندار گھرانوں کی باپردہ خواتین ان سے پردہ کریں؟

الجواب :- اسلام انسان کی عفت و عصمت اور عزت و آبرو کا خیال رکھتا ہے، اور جن عوامل سے اس کی عفت و عصمت پامال ہوتی ہو وہاں سے منع کرتا ہے، جیسا کہ دیندار اور باپردہ گھروں میں برے اور گندے اخلاق والی خواتین کے آنے جانے سے معصوم بچوں خصوصاً عفت مآب خواتین کے متاثر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ لہذا فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے بے دین اور بُرے اخلاق والی عورتوں سے عقیف اور دیندار خواتین کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاحشة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلابها ولا خمارها۔ رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۸ کتاب الخطر والاباحة۔ فصل في البيع۔



ٹیلیوژن کے بُرے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری | سوال: مخدوم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ!

یہاں کلیرنس سٹریٹ بولٹن یو کے میں گھر گھر دل بہلانے کے لیے ٹیلیوژن نصب ہیں جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں رقص و سرود کرتی ہیں۔ گانا بجانا، بوس و کنار، دھینگا مستی اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے، عیسائیت کا پرچار اور عالمی حسیناؤں کے انتخاب کے دھڑاٹے مناظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد و عورتیں اور خاندان کے افراد باہر بیٹا، بہن بھائی، باپ بیٹی اکٹھے بیٹھ کر ان فلموں کے جیسا سوز مناظر کو دیکھتے ہیں، تعلیم اور دنیاوی رویا سب کاموں میں اس سے رکاوٹ اور پیداوار میں کمی واقع ہو رہی۔ رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ آئینہ اب ہمیں اسکی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلو سٹائل کر کے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کرا کے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہو سکے اور وہ اس کے بُرے اثرات اور تباہ کاریوں سے بچ سکیں؟

الجواب: ٹیلیوژن کے بارے میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہے۔ تصویر پرستی اور تصویر کشی اسلام میں حرام ہے، پھر جبکہ ٹیلیوژن پر فحاشی اور عریانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے اخلاقی بے راہروی، مادہ پرستی، خدا فراموشی، بچیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہو سکتا، خاص کر یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویر کشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ مرد و عورت کا نامحرموں کی طرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہو سکتا ہے۔ | **الغرض** اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے، خصوصاً یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے، ان میں سے ہر ایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلغ بننا چاہیے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہو کر اپنی اسلامی حیثیت ہی ختم کر دی جائے۔ افسوس کہ یہ برائی اب ہمارے ملک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات پڑ رہے ہیں پوری مسلم قوم اس سے غافل ہے۔ نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

ٹیلیوژن اور وی سی آر کا شرعی حکم

سوال: کیا ٹیلیوژن اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈ اور وغیرہ سے سرود سننا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: ٹی وی اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو شہوت کے طور سے دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈ اور وغیرہ سے سرود سننا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ جو شیطانی لذت اصل کو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے تو اس جیسی لذت اس کے عکس اور صوت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویر اور عکس میں فرق ہے، وہ یہ کہ جو شکل دھات، تار، رنگ، پلاسٹک وغیرہ ذی جرم اشیاء سے بنائی جائے اس کو تصویر اور صورت کہا جاتا ہے اور وہ قدرتی طور سے بقاء اور ثبات رکھتی ہے، اور جو شکل آئینہ وغیرہ سے تقابل کے وقت دکھائی دے اس کو عکس کہا جاتا ہے، یہ عکس صرف انعکاش ہوتا ہے ذی جرم اور ذی جسد نہیں ہوتا اور طبعی طور سے بقاء اور ثبات نہیں رکھتا بلکہ تقابل کے زوال سے وہ بھی زائل ہو جاتا ہے البتہ اس کو مصنوعی طور سے باقی اور برقرار رکھا جاتا ہے اور تصویر جیسا دکھائی دیتا ہے بلکہ عرف عام میں اس کو بھی تصویر کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرف عام میں اصل آواز کے عکس اور آواز باز گشت کو مصنوعی طور سے باقی رکھنے کے بعد اصل آواز کہا جاتا ہے، اور شرعی اصول کی بنا پر صورت اور عکس میں دیگر فرق بھی موجود ہے وہ یہ کہ زندہ اور جاندار اشیاء کی تصویر کشی شرعاً ناجائز ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

جس نے کسی زندہ چیز کی صورت بنائی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مکلف اور مجبور کرے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے اور وہ اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔

من صور صوره فی الدنیا کلف یوم
القیمة ان ینفخ فیہا الروح ولیس
بنا فیخ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸)
باب من لعن المصور

اور آئینہ وغیرہ کو دیکھنے سے عکس بنانا ناجائز نہیں ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے تھے۔
فیض القدیر میں بحوالہ سنن ابن ماجہ، طبرانی اوسط، بیہقی مسطور ہے:-
كان اذا نظرت المرأة قال الحمد | یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو اللہ
لہ۔ | کی حمد بیان کرتے۔

واضح رہے کہ عکس کی طرح بت اور تصویر کو دیکھنا بذات خود ناجائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (الاعراف ۷۷)
اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔
بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:-

انہا اشترت نحرقة فيها تصاویر
فلما داراها رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على الباب فلم يدخل.
(صحيح بخاری ج ۲ باب من أید بیتا فیہ صوۃ)
یعنی عائشہ صدیقہؓ نے ایک تکیہ خریدا جس میں
تصاویر تھیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازہ پر کھڑے
ہو گئے اور اندر تشریف نہ لائے۔

تو ان دلائل کی رو سے عکس، تصویر، بت کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے البتہ اگر ان کو
دیکھنے میں مفسدہ موجود ہو، مثلاً یہ دیکھنا شیطانی تفریح اور شیطانی لذت حاصل کرنے کیلئے
ہو تو ممنوع ہوگا، بخاری شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ:-

لا تباشرا المرأة المرأة فتنتعها
لزوجها كأنه ينظر إليها.
(صحيح بخاری ج ۲ ص ۷۸۸)
باب لا تباشرا المرأة فتنتعها لزوجها
یعنی کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ نہ لیٹے
حتیٰ کہ اس کے بعد یہ عورت اپنے خاوند کو
اس دوسری عورت کے اعضاء کی ترجانی کرے
گویا کہ یہ خاوند اس کو دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں جب بیوی کی ترجانی سے اس کے خاوند کے دماغ
میں اس اجنبی عورت کی خیالی تصویر سے لذت حاصل کرنا شنیع اور منکر ہو تو آنکھوں سے
دکھائی دینے والے عکس اور تصویر سے یہ لذت حاصل کرنا بطریق اولیٰ شنیع اور منکر ہوگا،
کیونکہ اس میں اس مفسدہ کا خطرہ زیادہ ہے۔

اور جب اجنبی عورت کا نغمہ اور ترنم سنا حرام ہے کیونکہ اس سے غیر محرم عورت کا

میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے نغمہ اور ترنم کا عکس سننا بھی حرام ہوگا کیونکہ یہ مقصدہ اور جاذبیت اس میں بھی موجود ہے اور یہی حکم ٹیپ ریکارڈ وغیرہ سے سرود کے عکس کے سننے کا ہے۔
تو اس تفصیل کی بناء پر واضح ہوا کہ اگرچہ ٹی وی اور وی سی آر پر اصل شے نظر نہیں آتی بلکہ ان پر عکس دیکھا جاتا ہے جو کہ جدید صناعت کی وجہ سے قائم اور ثابت ہوتا ہے لیکن یہ عکس اصل کے اعضاء اور محاسن کی بلاخیانت ترجمانی کرتا ہے، اور اس عکس کے دیکھنے سے اصل کے دیکھنے کی طرح شیطانی لذت اور خواہش پوری کی جاتی ہے تو لازمی طور پر ان آلات پر منع مخالف کے عکس کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہوگا، اسی طرح غیر محرم عورت کے ترنم اور نغمہ کے عکس کا سننا اور سرود کے عکس کا سننا بھی حرام ہوں گے۔

سوال : داڑھی کی مقدار مسنون اور اس کے بڑھانے کے بارہ
دارھی کی مسنون مقدار
میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب - داڑھی کے مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احقوا الشوارب واعفوا الدخی یعنی مونچھوں کو کٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۰ اس کے علاوہ ابن عمر کی دوسری روایت میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء الدخی امام ترمذی نے دونوں روایات کو حسن و صحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے احادیث داڑھی کے مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق اعضاء بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے داڑھی لمبا کرنے کا مسنون اور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں امام ترمذی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحية من عرضا وطولها جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک کو طول و عرض سے کٹواتے تھے کہ اس روایت کو امام ترمذی نے حدیث "غریب" کہہ کر اس کی سند پر جرح بھی کی ہے اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابی ہریرہؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے (ابوداؤد و نسائی) ابن ابی شیبہ (بہر حال ان تمام روایات و اقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر داڑھی کٹوانا چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوا سکتا ہے مٹھی سے کم کٹوانا بالاتفاق حرام ہے اور اگر مذکورہ بالا ابن عمرؓ کے روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے زیادہ بڑھا سکتا ہے دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمحات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ کٹوانے کے بارہ ہیں

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دائرہ کو مٹھی سے زیادہ کٹا دے تو جائز ہے کیوں کہ ابن عمر سے ایسا ثابت ہے امام شعبی ابن سیرین بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے جائز ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری طرف بعض سلف دائرہ بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے جیسے حسن بصری اور حضرت قتادہ نیز صحابہ کرام کے بارے میں بھی حضرت عثمان یہی منقول ہے یہاں تک کہ امام غزالی نے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ کان یعنی لحیتہ و یاخذ شاربہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائرہ مبارک بڑھاتے تھے اور مونجھ مبارک کٹواتے تھے (اجیاد العلوم ج ۲ ص ۳۸۳)

شیخ ابوبکر مالکی مشرح ترمذی میں فرماتے ہیں ان ترک لحیتہ فلا حرج علیہ۔

(شرح ابوبکر مالکی ج ۱ ص ۲۱۹)

حضرت ملا علی قاری نے ابن الملک کی ایک روایت میں دائرہ بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے۔
 قال ابن الملک اما لاجن من اطراف اللحية من طولها وعرضها للتناسب فحسن
 لكن المختاران لا ياخذ تنها شيئا رافع قوت المعتدى حاشيه ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ اسی
 طرح شاہ محمد اسحاق المحدث دہلوی کے بارے میں حاشیہ مذکور میں ہے قال عندی اخذ اللحية
 ما فوق القبضة جائز لكن الاولی (حوالہ تذکرہ) خلاصہ یہ کہ ان روایات و اقوال سے دائرہ
 کا بڑھنا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے مٹھی سے زائد
 کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں روایات میں تعارض نہیں ہمارے حضرت الاستاذ شیخ
 التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاد اللعیتہ کو اطلاق پر حمل کر کے اس کو بڑھانا
 ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے کئی صحابہ و تابعین اور مشائخ کا نمونہ ان
 کے سامنے موجود تھا جس وجہ سے بعض علماء نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا مگر
 انہوں نے مٹھی بھر بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔ والسلام

عورتوں کے حقوق

اسلام کامل اور مکمل نظام حیات ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، اور خصوصاً عورت کو تو اسلام نے وہ مقام دیا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ فتنہ و فساد اور بے حیائی کے روک تھام کے لیے ان کو پردے اور حجاب کا حکم دیا جو کہ موافق فطرت ہے۔ لیکن عصر حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلافت فطرت کا کام کرتا ہے اسی طرح عورتوں کے حقوق کے آڈ میں عورتوں کے غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جبکہ بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کی ذہنی غلامی سے مرعوب ہو کر اس نظریہ کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے ”عورتوں کے حقوق، آزادی اور بے حیائی کا مسئلہ“ کے عنوان سے ایک وقیع مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ مضمون کے افادیت کے پیش نظر فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

یورپ کی غلامی میں آکر جب عالم اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مسادات مرد و زن۔ تہذیب مغرب کا اہم فتنہ | اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادی نسواں اور مسافات مرد و زن ثابت ہوا، اسلام کے نظام سترو حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی کو میاں و حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد

مسلمین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانہ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب، اذہان نے مغرب کی بے میں بے ملائی کبھی تعدد ازواج کی بنی اڑائی گئی، پردہ کو مشق تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابل رحم تصویر بنا دی گئی، برصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں مٹتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج | قیامِ پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حیائی میں نہایت اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقامِ حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریبِ خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی نہ چاہئے جیسے مطالبہ بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادی نسواں اور حقوقِ نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیرِ اعظم بھٹو کی دعوتِ بے حیائی | مگر اس مسئلہ کا نقطہ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیرِ اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریبِ کراچی کے استقبال میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سو، خاتمہ تھا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیرِ اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں

میں سامنے آنا چاہیے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہار خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور غیور و جسور قوم کو عملی دعوت تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں آرسی ڈی کے سمینار میں صدر مملکت سمیت کئی اعیان سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور پیغامات سامنے آ رہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا و رسول کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے ہمیشہ نظر ہمیں کچھ گزارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیر بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں، ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظام عصمت و عفت سے ہے تو ہر درد مند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہار خیال کا حق ملنا چاہیے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق | اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارے میں دشمنان اسلام کا بہرہ و پیگندہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارے میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارے میں کیا عرب اور عجم اقوام و ادیان عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین فطرت اور دین رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الشریعہ سے اٹھا کر اوج شریعت تک پہنچا دیا۔

ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام | ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور اتبدال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک مبتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی

وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں ویت اور قصاص ملے وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات | عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محل نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، باؤ لے کتے یا اونٹ کی طرح اس کے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں بعض اقوام میں شہودوں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائیگی عبادت کی بھی، کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا ”سماجی حق“ حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیتِ اولیٰ اور تبرجِ جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے، عورت کو محض ایک آلہ تعیش اور ذریعہ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک شملات ایک وقت اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفاد عامہ کی ایک مخلوق اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آسائش و راحت میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاۃ بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاغن بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و

انصاف اور بلا لحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔
 عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے اگر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں
 جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقام انسانیت میں مردوں کے ہمسر
 قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا ایہذا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ۔ حضورؐ نے
 فرمایا عورتیں مردوں کا جڑواں نصیب ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور
 مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں
 اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جاسکتی ہے۔ ولیس
 الذکر کا الانثیٰ۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین
 قانتین، صادقین، صابریں، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو
 اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، تانتات، صادقات، صابرات، خاشعات،
 متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمنوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں
 طبقوں کو منفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ فوزِ عظیم جناتِ خدا اور رضوان و خوشنودی کی بشارت
 دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا، وعد اللہ المؤمنین و المؤمنات جنت (الہ قولہ)،
 ذلک ہوا الفوز العظیم۔

دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حق ملکیت تسلیم
 کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع، شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات
 کا اختیار دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا، وللنساء
 نصیب مما ترک الوالدان والاقرابون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت
 میں حصہ ہے۔۔۔ دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات
 مارنا بیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عفت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے

والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذابِ عظیم کی سزا عید ہے۔
 ان الذین یرمون المحصنات الفاضلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذابٌ
 عظیم۔ (الآیہ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور
 اس سے الگ ہو سکتی ہے شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا
 حد قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام
 نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے
 اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے، چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام
 نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور ملکیت کا رشتہ نہیں تو جین کے باہمی
 تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور
 معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری
 تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری
 حاصل ہے۔ ولستہ جال علیہن درجۃ۔ اور۔ الشہ جال قوامون علی النساء۔
 کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند
 بنا دیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی
 ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذمی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں
 اٹھا کر اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو
 قہرسم کے حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا دعا شہ وھت بالمعروف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں
 کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر

حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما احرام النساء الاکسایہ ولما ہانھن الا لثیہ۔ عورتوں کی عزت و کرم شرف کا اور ان کی اہانت و تحقیر زلیوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعدد و ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے اب مرد استطاعت مالی کے باوجود بھی پہلے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسرار اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور اتبذال کو روکنے کے لئے مرد بہ طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کسہتم وھن فعضی ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معائنات کرو اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی تم کسی چیز کو ناپسند نہ کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر جوع کی شکل میں اس مبنغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقع بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقد بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدسؐ نے اپنے پہلے نکاح میں عمل نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو با امر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے نسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام | اسی طرح عورت کی اُس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیت ادنیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچہ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورت حال خاتگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی

تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ ٹلی و جوبات تھے یا نظریاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة (فی رواية خدر مخدرة) فاذا خرجت استشفرتها الشيطان۔ ”بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا۔“

مردوں کو انہیں بُری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے عفت بصر کا حکم دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: نأأ العين النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزادی نسوان تہرج جاہلیت کا دوسرا نام | مگر آج کا یہ دور آزادی نسوان اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم معنی نازک کو دوبارہ اسی جاہلیتِ اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعی مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر سرباز ارتماشاٹے عالم بن جائے۔ رونق خانہ بننے کی بجائے شمع محفل ہو، آلات و صنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی شہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ سیرگاہوں، پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، بلبوسوں، اسمبلیوں اور عدالتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، تھیٹروں اور سینماؤں، مرکبوں اور سیلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر پھٹکتی ہوئی، رسوا ہوتی ہوئی، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاۃ طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی فاسقانہ تہرج، جاہلیتِ اولیٰ (جاہلیت کی نمود و نمائش)

ہے جو اس آگینہ عصمت و عیا کو سر بازار پاشش پاشش کرنا چاہتی ہے۔

آزادی نہیں غلامی کی دعوت | یہ دعوت و تحریک اسے مرد کا کھلونا اور لعبۃ لاعبین بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورت حال کا جاہلیت ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاست دان اسلام نے: اِنَّمَا تَنْقُصُ عُرَى الْاِسْلَامِ عَرَّةٌ عَرُودَةٌ اِذْ نَشَأَ الْاِسْلَامُ مِنْ لَمْ يَعْرِفِ الْجَاهِلِيَّةُ بِشَخْصِ اِسْلَامٍ مِیْنِ رَسُوْلَتِهِ، ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔ اس سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظام عفت و عصمت | اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیت اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالائیں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظام عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دوائی اور اسباب فحاشی کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لا محدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصلح، علل و بواعت اور جلی اور نظری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاست مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیب اخلاق ممکن ہے نہ تدبیر منزل کار گرہ ہو سکتی ہے۔ اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں

قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالق حکیم خداوند کریم اور بنی نوع انسان کے رحمت مجسم نبی الرحمة علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جو یائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسول کا منشاء کیا ہے؟
پیروہ کے احکام | ارشادِ ربانی ہے:-

وَقَرْنَ فِي بُرُوجِكُنَّ وَلَا تَبَرِّجْنَ
 تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ -
 اور گھروں میں ٹھہری رہو اور بچھلی
 جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک
 کر دو۔

چلتے پھرتے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا:-

ولیسری بن بغمہن علی جیو بہت اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا انچل ماریں۔
 دوسری جگہ ازواج مطہرات، بنات اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-
 یدین علیہن من جلابیہت وہ لمی بسی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔
جلباب | مفسرین نے جلاباب کی تفسیر میں لکھا ہے:-

هو الیاء فوق الخمار۔ جلاباب دوپٹے کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔
 حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: تغطي ثغرة نحرها بجلبابها تدنیه علیہا۔ وہ اپنے سینہ کو اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی لیستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے ہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکیم حجاب سنا تو بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔

شققن مس وطہن ناعتجنن منها اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر نکلنا بھی پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجر - فقد کن یعین ویطفن وھن مستترات الابدان حضور کے وصال کے بعد ازواج مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقع پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکید حکم دیا گیا۔ منہا۔

قل للمؤمنات یغضضن من	مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں
ابصارھن ویحفظن فروجھن	شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنے
ولایبدین زینتھن الا ما ظہر	بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ
منہا۔ (الآیہ)	بجھوری اور اوربلا قصد خود ظاہر ہو

جائے۔ اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجاب | واذا سألتن موہن متاعاً فسلوہن من دراء عجاب۔ بغیر ضرورت کے پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر بجھوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہوگی اور ضرورت بھی بڑے بڑے معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں، فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا۔

حامیان بے پردگی کی مغالطہ انگیزی | اس آیت حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء الا ما ظہر منہا۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ

اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں، ایسی روایات کو مخالفین پر وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ نام بھی ہے یا جان بوجھ کر دجل و تبلیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک بے ستر عورت اور ایک بے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا بستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیچھا، رانیں، ٹانگیں، بونٹوں اور گتہ تک چھپائے رکھنا فرض ہے جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محرم سے بھی چھپائے رکھے گی، البتہ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محرم سے چھپانا ضروری نہیں، اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے، فرق ہے تو جسم کی حدود ہیں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس مردوں سے بھی حصہ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی کوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک بے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے

پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکلنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہ ہر پردہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پس پردہ گفتگو یعنی من و راہ حجاب کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناء ہلا برب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں، جسے ہمارے ہاں عرف عام میں پردہ کہا جاتا ہے لہ

بات چیت میں احتیاطی تدبیر | اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پس پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آجی جائے تو ہدایت کی گئی کہ سریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے تاکہ کسی بدذہنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آجائے۔ فلا تخضعن یا القول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولاً معروفا۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت | او ویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے، حالانکہ آیات و نصوص اور روایات ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

لہ مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید رضا مصریؒ اور تاجی محمد طیب صاحب مدظلہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جاسکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آجھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات | یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غرض بھر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جاسکتی۔ جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا بھاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدا را ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننکے سر، ننکے پاؤں ننکے جسم کے ساتھ سامان سفر کا تھیلہ پیٹھ پر لاوے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا مٹی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا، اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی سیاحت عاریات (برائے نام لباس والی مگر حقیقت ننکی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذاب جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز باجماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے صحابیؓ

میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکی شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولیضریٰ تفلّات مسجد جانے کے لئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔
فہی کذا و کذا۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگائی گئی ولیضریٰ بن بخس رہن علیٰ حیو بہن لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بچے والا زلیور پہننے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زلیور کا علم ہو سکے یا اس کے بچنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولایضریٰ بن بارجلہت۔ الایۃ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلبیوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحب شریعت کو گوارا نہ تھی عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف عمل علمی مہین بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدیدات | اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور روبرو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی

ناگزیر ہے۔ حکومت و ریاست ولایت عامہ قضاہ اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدنی، معاشرتی، عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصورات تک ہیں حیار و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضو سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل تطہیر ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجب آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصور محاسن مرأتہ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مقتدیوں کے اقتدار کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام بھیرتے وقت عورتوں کی نیت نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجام نماز تصورات بد کا ذریعہ اور ناجائز حفظ نفس کا موجب نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا "مساواتی دور" میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائش نہایت اور ذریعہ فوجائش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آ جاسکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزار باخطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی مایوس ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار | تواصل معاملہ خلتی اور جہلتی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔
 مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا
 بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں فیکٹری اور کاتوں میں پسینہ سے شرابور اپنا
 خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک جھوٹے
 سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ
 امور خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر
 کی اسیر نہیں، رونق خانہ اور نور منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر بظاہر جذبات
 ترحم اٹھا کر اسے باہر کی ناقابل برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خاردار زندگی میں
 کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سرمنڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ
 گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعہ تعیش پیدا کیا جاتا
 ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ
 پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پر دے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال
 کی نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے | اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک
 گوشہ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا
 ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے
 ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور آبِ شہری فضاؤں
 کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسے گئے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید
 سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں
 اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو

اپنی اختیار در غیبت اور فطرت کی بناء پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔
 پردہ نہیں بے پردگی خرابی صحت کی باعث ہے | پھر عورتوں کی خرابی صحت کا روزانہ دیا جاتا
 ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابی صحت کی شرح میں افسانہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف
 عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔
 ضروریات زندگی سے اکثریت استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا
 خالص نہیں ملتی۔ نہ سر پھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی دگرمی سے بچنے کے لئے
 مناسب لباس، پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو
 سکتی ہے، چاہیے یہ کہ حفظان صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ
 کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے
 جا رہے ہیں طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے
 اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بادی صحت کا ذریعہ ہے۔ تو ایسے ان مخلوط اور بے حیا اور
 بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز
 دیکھنا نصیب نہیں، موتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں،
 اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے
 آٹھ دن کے ہزاروں نوع بنوع بھتسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور
 اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیں۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے
 یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا
 نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاط حمل اور متعلقات حمل
 کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔
 وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس

پرسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا، موتی جا رہی ہے۔
نظر بازی، ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ | پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف
 اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ
 بنتا جا رہا ہے۔ وہ بدھ سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک
 مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر
 میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی
 اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان جنسی
 اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال،
 قلبی پریشانی اور اعصاب کے کچھاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جلدی اور
 اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی
 شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی | پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور
 اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے
 عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم
 قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں
 کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجینئر یا مزدور بنائے
 اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفاشعار، مہذب اور با حیا ذات بنانے کے لئے
 ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا و رسولؐ، شوہر اور خاندان کے
 حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی قدیم تربیت گاہ
 ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ

ہاسٹلوں میں گوہر حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحت جسمانی و روحانی اور حسن سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیم نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہور اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پر وہ نشین ہو گئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفسد اور موجبات فحشاء کے بغیر شرعی حدود پر وہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیا، عہد جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہد جاہلیت نے پیش کیا، علم حیا سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور علمی و فنییت بھی فنا ہو گئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا، سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عظمت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات و معاذ اللہ میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا۔ عصمت و عفت کے پیرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ماڈرن بننے کے شوقین | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی ”اصلاحات“ کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قدر مذلت میں پہنچ چکا ہے — پھر انہیں عالم اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلیدِ یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف ”مصلحین“ ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (مئی ۱۹۶۶ء)



باب الوضوء

وضو کے مسائل



وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم | سوال :- وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص وضو کی ابتداء میں قصداً یا سہواً بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بسم اللہ عمدتاً یا سہوارہ جائے تو وضو پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا تاہم بار بار جان بوجھ کر ترک کرنا موجب ملامت ہے۔

قال المحقق في باب سنن الوضوء والبدعة بالتسمية في من سنن الوضوء
والمتن على مدد المختار ج ۱ مثلاً أيضاً قال وترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً بل
إساءة لو عامداً غير مستغف وقالوا إساءة دون من الكراهة في مدد المختار ج ۱ ص ۴۳

برش مسواک کی سنت کا متبادل نہیں | سوال :- مسواک سے عموماً دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے موجودہ دور میں برش سے یہ فائدہ اچھے طریقہ سے حاصل ہوتا ہے کیا یہ مسواک کا نعم البدل ہو سکتا ہے؟ یعنی برش کے استعمال سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- دانتوں کی صفائی بلا شک مسواک کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے لیکن مسواک کا استعمال صرف دانتوں کی صفائی کے لیے نہیں، بنیادی عنصر اس میں سنت رسول کا اتباع ہے، برش میں وہ خصوصیات اور صفات نہیں پائی جاتیں جو مسواک میں موجود ہوتی ہیں اس لیے اس سے سنت ادا نہ ہوگی، تاہم برش کا نفس استعمال جائز ہے۔

لہ قال ابن نجیم: في سنن الوضوء (قوله كالتسمية) أي كما ان التسمية سنة في الابتداء مطلقاً؟ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۸) ومثله في الهندية ج ۱ الفصل الثاني في سنن الوضوء۔

قال ابراهيم الحلبي: ثم المستحب ان يكون المسواك من شجرة مَرَّة لزيادة
ازالة تغير الفم قالوا وليستاك بكل عود الا الرومان والقصب وافضله الاراك ثم
الزيتون وان يكون طوله شبراً في غلظ الخصر ركبي. (آداب الوضوء ص ۳)
مسواک نہ ہونے کی صورت میں | سوال :- اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا مسواک
کیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے؟ کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں انگلی
مسواک کا قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مسواک میسر نہ ہو یا منہ میں دانت نہ ہوں یا اس کے استعمال سے کسی
تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام بن سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: قال في الحلیة ثمر باي اصبع استاك لا باس به والا فضل ان
يستاك بالسبابتين يبداء بالسبابة اليسرى ثم باليمنى وان شاء استاك بايهما
اليمنى والسبابة اليمنى بالابهام من الجانب الايمن فوق وتحت ثمر بالسبابة اليسرى
كذلك (رد المحتار على الدر المختار - سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۱۵)

مسواک چبانے کا حکم | سوال :- مسواک استعمال کرتے وقت اگر مسواک نرم کرنے
کے لیے دانتوں سے چبایا جائے تو کیا از روئے شرع یہ
عمل جائز ہے؟

الجواب :- مسواک کو دانتوں سے باریک کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور سنت
کی ادائیگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ طبی لحاظ سے مسواک کے چوسنے سے قوت بینائی متاثر
ہو سکتی ہے اس لیے مسواک کا چوسنا مناسب نہیں۔

کہا اخرجہ البخاری عن عائشة.... فاخذت السواک فقصته ونفضته
وطبته ثم دفعته النبي - ربيع بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ باب وفات النبي قال الحصكفي

قال ابن عابدین: (وقوله السواک) بالكسر معنی العود الذي يستاك به. (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۳ سنن الوضوء)

وفي ايضاً، وليستاك بكل عود الا الرومان والقصب وافضله الاراك ثم الزيتون۔

ثم قال ابن نجيم: وتقوم الاصبع او الخزقة الخشنة مقامه عند فقد او عدم اسنانه في تحصيل
الثواب لا عند وجوده۔ (البحر الرائق، سنن الوضوء ج ۱، ومثله في الزيلعي، سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۱۳)

ولا يمسح فانه يورث العمى۔ (الدر المختار علی صدر مرآة المختار۔ سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۵۲)
سوال :- آجکل عام عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں
 کیا ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم

اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- ناخن پالش جدید دور کا مسئلہ ہے اس کیلئے مستقل جزیئہ کسی قدیم کتاب
 میں نہیں ملتا ہے، موجودہ دور کے نامور علماء ناخن پالش کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ
 ناخن پالش سے ناخن کا جسم مستور ہو کر وضو اور غسل میں اس کو پانی پہنچنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے
 گوندھے ہوئے آٹے کی طرح مانع وضو اور غسل ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء کے نزدیک ناخن پالش اگر عورت کی زینت مان لی جائے تو پھر
 ایسی صورت میں اگر ازالہ میں دشواری نہ ہو تو وضو اور غسل کے لیے ازالہ ضروری ہوگا اور اگر ازالہ
 میں حرج ہو لیکن اس کی تہہ نہ بنی ہو تو پھر اس کا حکم ہندی کی طرح ہوگا اور تہہ بن جانے کی صورت
 میں اس کے ازالہ میں حرج ہو تو موجب حرج ہونے کی وجہ سے پانی کا ایصال ضروری نہیں۔

قال الحسکفی: ويجب ای يفرض غسل کل ما يمكن من البدن بلا حرج مؤثراً وبعد
 اسطر ولا يمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه اوفى سنه المجوف به يفتي
 وقيل ان صلباً منع وهو الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار، ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۲)
 تاہم موجودہ وقت میں یہ مغربی ثقافت کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے اس لیے معزز گھرانوں
 کی خواتین کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، لہذا محققین علماء کے نزدیک ناخن پالش،
 وضو اور غسل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

سوال :- وضو میں گردن کا مسح کسی روایت سے ثابت ہے یا
 نہیں؟ بصورت ثبوت فقہاء کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے؟

لہ اخرجہ الزیلعی عن عائشة قالت فاخذت السواک فقضمتہ وطبتہ ثم دفعته الى
 رسول اللہ۔ (نصب الراية ج ۱ ص ۱۸۱) حادیت السواک قال الشیخ عبدالحی الکھنوی: لا یصح
 السواک فانه یورث العمی۔ (السعیة ج ۱ ص ۱۱۹) باب سنن الوضوء ومثله فی مرقاة شرح
 مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۱ باب وفات النبی الفصل الاول۔

الجواب :- گردن کے مسح کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں جن میں موقوف روایات کے علاوہ مرفوع روایات بھی ہیں۔

لما ذكر العلامة العيني عن ابن عمر ان النبي ^{صلی اللہ علیہ وسلم} قال من توضأ ومسح عنقه لم يغفل
بأغلال يوم القيامة - ر البناية شرح الهداية ج ۱ ص ۱۸ باب الوضوء
البتہ فقہاء کے نزدیک تعین حکم میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کی سُنیت کے قائل ہیں
لیکن صاحب الخلاصہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے اور صاحب کنز نے بھی اس کو مستحب و ضو
میں ذکر کیا ہے۔

قال ابن نجيم: وقيل سنة وهو قول الفقيه ابي جعفر وبه اخذ كثير من العلماء
كذا في شرح مسكين وفي الخلاصة الصحيح انه ادب وهو بمعنى المستحب - ر البحر الرائق
مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۲۸

سوال :- سر پر مسح کرنے کا مننون طریقہ کیا ہے؟
الجواب :- سر پر مسح کرنے کا مننون طریقہ یہ ہے کہ
سر کے ابتدائی حصہ پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں رکھ کر گردن تک ایسے طریقے
سے لے جائے کہ اس سے تمام سر کا احاطہ ہو۔

قال العلامة محمد امين: ولا ظهران يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدحها الى القفا
على وجه يستوعب جميع الرأس - رد المحتار على الدر المختار - سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۳

لہ عن وائل بن حجر قال شهدت النبي وأبي بانه فاكفا على يمينه ثلاثاً ثم غس يمينه في
الماء فغسل بها ذراعه اليمنى حتى جاوز المرفق ثلاثاً ثم غسل يساره ثلاثاً حتى جاوز المرفق
ثلاثاً ثم مسح على راسه ثلاثاً وظاهراً أذنيه وظاهر رقبته - ر نصب الراية ج ۱ ص ۱۸
وقال صاحب التنوير في مستحبات الوضوء ومسح الرقبة - وقال ابن عابدین
ر تحت قوله ومسح الرقبة هو الصحيح وقيل انه سنة - رد المحتار على الدر المختار
مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۱۸ ومثله في السعاية ج ۱ ص ۱۸ باب مسح الرقبة -

لہ قال ابن نجيم: قال الزيلعي تكلموا في كيفية المسح ولا ظهران يضع كفيه واصابعه...
ر البحر الرائق، سنن الوضوء ج ۱ ص ۲۶ ومثله في الھندیة ج ۱ ص ۱۸ فصل اثنا في سنن الوضوء

وضو کرتے وقت داڑھی ترک کرنے کا حکم | سوال :- وضو کرتے وقت چہرہ دھونے کی حالت میں داڑھی کا کیا حکم ہے؟ کیا پوری داڑھی دھونا ضروری ہے یا بعض حصہ پر اکتفاء درست ہے، نیز گھنی اور ہلکی داڑھی کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

الجواب :- واضح ہو کہ داڑھی کی دو قسمیں ہیں، گھنی اور ہلکی، اگر بالوں سے چہرے کی کھال نظر آتی ہو تو ایسی داڑھی ہلکی شمار ہوتی ہے اور جس داڑھی میں چہرے کی کھال مستور ہو تو اس کو گھنی داڑھی کہا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی ہلکی داڑھی کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ جو کھال نظر آتی ہو اس کا دھونا بھی فرض ہے اور گھنی داڑھی میں چہرے کی حدود میں جو داڑھی واقع ہو اس کا دھونا فرض ہے اور جو داڑھی لٹکی رہے اس کا دھونا نہیں بلکہ صرف مسح ضروری ہے۔
قال المصنف: ثم لا خلاف أن المسترسل لا يجب غسله ولا مسحه بل يسق، وإن الخفيفة التي ترى بشرتها يجب غسل ما تحتها۔ وقال ابن عابدین: (تحت قوله المسترسل) أي الخارج عن دائرة الوجه، وفسره ابن حجر في شرح المنهاج بما لومد من جهة نزوله، لخرج عن دائرة الوجه، زاد المختار على الدار المختار۔
فرائض الزوج (م) لے

نضاب والی داڑھی پر وضو کا حکم | سوال :- بالوں پر نضاب لگانے سے حقیقت میں بالوں کی اپنی حقیقت غائب ہو کر ان پر باریک سا پردہ آ جاتا ہے، کیا اس سے وضو پر اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- بالوں پر نضاب لگانے سے کوئی تمہ نہیں بنتی اس لیے ایسے رنگ کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ رنگ ریز کے ہاتھوں پر کپڑے کو رنگ دیتے وقت رنگ کا لگ جانا مانع وضو اور غسل نہیں۔ البتہ اگر بدن کے کسی ایسے حصہ پر جس کا دھونا ضروری

لے قال في الهندية: وروى عن أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى أنه يجب إمرار الماء على ظاهر اللحية هو الأصح كذا في التبيين وهو الصحيح هكذا في الزاهد والشعر المسترسل من الذقن لا يجب غسله كذا في المحيطين۔ رالهندية ج ۱ کتاب الطهارة۔
الباب الاول۔۔ ومثله في البحر الرائق ج ۱ فرائض الوضوء۔

ہو جیسے لکڑی والا رنگ (پینٹ) لگ گیا ہو تو اس سے تہہ بن جانے کی وجہ سے پانی کا پہنچنا ممکن نہیں اس لیے اس کا ہٹانا ضروری ہے اور اس کی موجودگی میں وضو بھی درست نہیں۔

قال المحقق: ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه اوفى سته
المجوف به يفتى وهو الاصح - (الدر المختار على مدار المحتار ج ۱ ص ۱۵۸ اجازات الفصل ۱۷)

سوال :- وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مقصود بالذات نہیں بلکہ سنون عائنیں پڑھتے وقت ادب یہ ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے۔

قال ابن عابدین: وان يقول بعد فراغه سبحانك اللهم وبحمدك اشهد
ان لا اله الا انت استغفرک واتوب اليك واشهد ان محمداً عبداً ورسولك
ناظراً الى السماء؟ (رد المحتار على الدر المختار مندوبات الوضوء ج ۱ ص ۱۲۸) ۱۷

سوال :- ایسا وضو جس سے کوئی عبادت نہ ہوئی ہو تو عبادت کے بغیر وضو کا حکم ایسی حالت میں دوبارہ وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- وضو علی الوضو بالاتفاق جائز ہے، البتہ اگر ایک دفعہ کیے ہوئے وضو سے کوئی ایسی عبادت ادا نہ کی جائے جس کے لیے وضو شرط ہو تو ایسی صورت میں وضو علی الوضو کرنا بہت خالی نہیں۔

قال ابن عابدین: وفي شرح المنية فاذا لم يؤد به عمل متاها هو المقصود من
شرعيته كالصلوة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي ان لا يشرع تكرار
قربة لكونه غير مقصود لذاته - (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۹ مطلب في الوضوء) ۱۸

لے قال العلامة الشرنبلالی: ولا ما على ظفر الصباغ من صبغ للضرورة وعليه الفتوى
مرافق الفلاح على صدر الطحطاوى من فصل في تمام اقسام الوضوء ومثله في
منية المصلى ۲۳ لے قال العلامة الكاشغري: بعد ما ذكر الا دعوية الماثورة
ناظراً الى السماء؟ (منية المصلى ص ۱۲ سنن الوضوء) ۱۹ لے قال ابراهيم الحلبي
فاذا لم يؤد به عمل متاها هو المقصود من شرعيته كالصلوة وسجدة التلاوة
ومس المصحف ينبغي ان لا يشرع تكرار قربة... الخ (كيسوى، سنن الوضوء ص ۲۶)

وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم | سوال :- بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضو کرتے وقت چہرے کو ایک ہاتھ سے دھوتے ہیں، جس میں پانی کا ضیاع اور بسا اوقات استیعاب میں بھی خلل آجاتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- وضو میں مفسولہ اور مسومہ اعضاء کا استیعاب مننون ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا ہے لہذا ایک ہاتھ سے چہرہ دھونا خلاف سنت ہے۔

لما قال الامام محمد اسماعیل البخاری: باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة: عن ابن عباس انه توضأ وجهه اخذ غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يدك الاخرى فغسل بها وجهه الخ۔ (الجامع الصحيح البخاری ج ۱ باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة) ملہ

گلے کے مسح کا حکم | سوال :- بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ گردن کے مسح کے ساتھ گلے کے مسح کا حکم ساتھ بھی کر جاتے ہیں، کیا گلے کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- آداب وضو میں گردن کا مسح شامل ہے، حلقوم (گلے) کا مسح اسلاف میں سے کسی سے ثابت نہیں، اس لیے گلے کا مسح کرنا بدعت ہے۔

لما قال ابن نجيم: والثاني مسح الرقبة وهو بظهر الیدين واما مسح الحلقوم فبدعة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ کتاب الطهارة) ملہ

وضو میں ہاتھ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا سنت ہے | سوال :- ہمارے علاقہ میں لوگ وضو کے دوران ہاتھوں پر انگلیوں کی طرف سے پانی بہاتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

لما قال الشيخ زعفران حمد العثماني: چہرہ ایک ہاتھ سے دھونا اور سر کا مسح ایک ہاتھ سے کرنا خلاف سنت ہے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۳۲ فصل في سنن الوضوء وادابہ ومكروهاته)

ملہ قال المحقق: ومسح الرقبة بظهر يديه لا الحلقوم لانه بدعة۔

والدرا المختار على صدره رد المختار ج ۱ ص ۱۲۲ مستحبات الوضوء ومثله في الهندية ج ۱ ص ۸ الفصل الثالث في المستحبات۔

الجواب :- وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اسی طرح دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا بھی سنت ہے۔

لما فی الہندیۃ : ومن السنن البدایۃ من رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین ۔

الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸ الفصل الثالث فی المستحبات ص ۱۸

وضو کرنے کا افضل طریقہ | **سوال :-** وضو کھڑے ہو کر کرنا چاہیے یا بیٹھ کر ؟
الجواب :- وضو بیٹھ کر کرنا چاہیے، اس لیے کہ وضو کے آداب میں یہ بات ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے۔

ومن آداب ان یجلس المتوضی مستقبل القبلة عند غسل سائر الاعضاء
ومن آداب ان یکون جلوسہ علی مکان مرتفع ۔

رجلی کبیر ج ۱ ص ۳۱ باب الوضوء ص ۲

سردی کے موسم میں اعضا وضو دھونے کا طریقہ | **سوال :-** سردی کے مہینوں میں اعضا وضو اتنے خشک ہو جاتے ہیں کہ اگر ان پر پانی بہایا جائے تو اس سے اندام نہ نہیں ہوتا بلکہ خشک رہ جاتا ہے، اس صورت میں وضو کیسے کیا جائے ؟

الجواب :- سردی کے موسم میں خشکی بہت ہو جاتی ہے اور پانی اعضا وضو کو گیل نہیں کرتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ دھونے سے قبل مغسولہ اندام کو تر کیا جائے پھر پانی بہایا جائے تاکہ اندام اچھی طرح دھویا جاسکے۔

لما قال العلامة الکاسانی : عن خلف بن الیوب انه قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاء شبہ الدھن ثم یسیل الماء علیہا لان الماء یتجافی

لہ لما قال ابن الہمام : ومن السنن الترتیب بین المضمضة والاستنشاق والبداءۃ من مقدم الرأس ومن رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین ۔ (فتح القدیر ج ۳ کتاب الطہارۃ)
لہ قال الحصکفی : والجلوس فی مکان مرتفع تحوز عن الماء المستعمل وعبارۃ الکمال : وحفظ ثیابہ من التقاطر وہی اشم ۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۲ آداب الوضوء)
ومثله فی السعیۃ ج ۱ ص ۱۸ آداب الوضوء ۔

عن اعضاء في الشتر - (بدائع الصنائع ج ۳ کتاب الطهارة) طه
وضو میں دوسرے سے مدد دینے کا حکم | سوال :- فقہ کی عام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ
 استعانت بالغیر مکروہ ہے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ
 شاگرد اپنے استاد کے لیے اور ملازم اپنے مالک کے لیے وضو کا پانی تیار کر کے اس کو وضو
 کراتا ہے، کیا یہ استعانت مکروہ نہیں اور اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا ؟

الجواب :- اس مسئلہ کے بارے میں اگرچہ فقہی ذخائر میں مطلقاً استعانت بالغیر پر
 کراہت کا قول کیا گیا ہے مگر محققین کے ہاں یہ مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لیے دو حالتیں ہیں :
 (۱) استعانت تیاری آلات غسل (۲) استعانت بالغسل والمسح - اول الذکر استعانت بلاکراہت
 جائز ہے، اس قسم کی استعانت حضور کے لیے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جس پر آپؐ نے کوئی
 نکیر نہیں فرمائی، البتہ ثانی الذکر استعانت بلا عذر شرعی مکروہ ہے۔

لما قال ابن عابدین : وحاصله ان الاستعانة في الوضوء ان كانت بصب الماء
 او استقاؤه او حضاره فلا كراهة بها اصلاً ولو بطلبه وان كانت بالغسل والمسح
 فتكروه بلا عذر - (رد المحتار ج ۱۲ آداب الوضوء مطلب في مباحث الاستعانة
 في الوضوء بالغیر) طه

بیماری کی وجہ سے وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ | سوال :- بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے
 کہ اگر وہ کلی کرتے ہیں تو دانتوں سے خون آتا

لہ وفي الهندية : عن خلف بن ايوب انه قال ينبغي للمتوضي في الشتاء ان يبل اعضاءه بالماء
 شبه الدهن ثم يمسح الماء عليها لان الماء يتجاف عن اعضاءه في الشتاء -
 (الهندية ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث في المستحبات)

لہ قال العالم بن العلاء الانصاري : ومن اكداد ان يقوم بامر الوضوء بنفسه لحدیث
 عمر رضی اللہ عنہ قال انا لا نستعين على وضوءنا ومع هذا لو استعان بغيره جاز
 ان لا يكون الغاسل غيره بل يغسل بنفسه وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم استعان بالمغيرة وكان المغيرة يفيض الماء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان
 يغسل - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱۲ آداب الوضوء)

شروع ہو جاتا ہے، اب اگر بیمار بوجہ عذر کیے کلی نہ کرے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟
الجواب: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنن وضو میں داخل ہے، اگر کوئی شخص اس کو بدون عذر ترک کرے تو گنہگار ہوگا، تاہم عذر کی وجہ سے کلی ترک کرنے پر وضو متاثر نہ ہوگا اور نہ گناہ لازم آئے گا۔

قال المحصن: وغسل القدم الخ بماء ثلثة والالف بماء وسنتان مؤكدتان۔ فلو تركها اثم على الصحيح سراج قال في الحلية لعله محمول على ما اذا جعل الترك عادة له من غير عذر۔ (مردا المختار ج ۱ سنن الوضوء لہ)
سوال: آجکل کے نئے دور میں منہ ہاتھ دھونے کیلئے بیسن میں وضو کرنے کا حکم
بیسن بنائے گئے ہیں جن میں کھڑے ہو کر منہ ہاتھ دھویا جاتا ہے، کیا ان میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وضو کرنا جائز ہے لیکن خلاف الادب ہے۔
 ومن الادب ان يجلس المتوضي مستقبل القبلة عند غسل ساثر الاعضاء ومن الادب ان يكون جلوسه على مكان مرتفع۔ (حلبی کبیر ص ۱۳۱ آداب الوضوء لہ)
سوال: آجکل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم
 وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وضو کے دوران ادعیہ یا ثورہ پڑھنا مستنون عمل ہے، دنیاوی باتوں

له وفي الهندية: والسنة ان يتمضمض ثلاثاً، او لا ثم يستنشق ثلاثاً وياخذ لكل واحد منهما ماءً جديداً في كل مرة..... ان ترك المضمضة والاستنشاق اثم على الصحيح لانهما من سنن الهدى وتركها يوجب الاساءة الخ
 (الهندية ج ۱ ص ۱۷۱ الفصل الثاني في سنن الوضوء)
 له قال المحصن: والجلوس في مكان مرتفع تحزاً عن الماء المستعمل وعبارة الكمال: وحفظ ثيابه من التقاطر وهي اشمل۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۲۱ آداب الوضوء)
 ومثله في السعاية ج ۱ ص ۱۸ آداب الوضوء۔

کی وجہ سے چونکہ اس میں خلل آتا ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے، البتہ کسی ضروری سوال کا جواب یا کسی کو پیغام وغیرہ دینا بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالی: ويكره التكلم بكلام الناس لانه يشتغله عن الادعية. قال الطحاوی: ما لم يكن لحاجة تفوته بتركه۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۶۲ فصل مکروہات الوضوء) لہ

بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم | سوال :- بعض حضرات بواسیر کے مرض کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اُن سے ہر وقت ریح (ہوا) یا خون

وغیرہ کا خروج رہتا ہے، ان کے وضو کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- بواسیر کے مریض کا مرض اگر اتنا شدید ہو کہ ہر وقت ریح یا خون کی آدرہتی ہو تو ایسا مریض معذورین کے حکم میں ہے، وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے۔ اور اگر معذورین کی حد تک مرض نہ پہنچا ہو تو پھر بواسیر کی وجہ سے نکلنے والی ریح اور خون دونوں ناقض وضو ہیں۔

لما قال الحصکفی: وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه امساكه او استطلاق بطن او انفلات ريح..... ان استوب عذراً تمام وقت صلوة مفروضة بان لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضا ويصلى فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً..... حكمه الوضوء بكل فرض اللام للوقت ثم يصل في فيه فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل. ۱۴۰
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ باب الحيض) ۲ لہ

لہ قال العلامة الحصکفی: ومن اصابه..... وعدم التكلم بكلام الناس الا لحاجة تفوته۔ رالدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۶ آداب الوضوء مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير

لہ قال المرغینانی: ومن به سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذي لا يلقا يتوضون لوقت كل صلوة فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء۔

(الھدایة ج ۱ ص ۱۸۷ باب الحيض)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۰ باب الحيض مطلب في احكام المعدور۔

وضو میں واجبات نہیں | سوال :- کیا وضو میں واجبات ہیں یا نہیں؟
الجواب :- فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں واجبات نہیں۔

لما قال الحنفی: وسننه افاد أنه لا واجب للوضوء ولا للغسل والا لقدمه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ - منن الوضوء) ۱۰۳، ۱۰۲

اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو مس کرنے کا حکم | سوال :- اس دور میں اخبارات، جرائد اور رسائل میں قرآن کریم کے الفاظ

مع ترجمہ و تفسیر درج ہوتے ہیں، اسی طرح تفاسیر میں اکثر حصہ صرف تفسیر کا ہوتا ہے، کیا الفاظ قرآنی کے علاوہ تفسیری اوراق کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرآن کریم کو بلا وضو مس کرنا جائز نہیں، البتہ تفسیر یا دیگر سفید کاغذات کو چھونے یا پکڑنے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایات منقول ہیں جن میں بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے عدم کراہت۔ علامہ ابراہیم الحلبيؒ نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت بھی ہے تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

قال الشيخ ابراهيم الحلبي: ويكره أيضاً للمحدث ونحوه من تفسير القرآن وكتب الفقه وكذا كتب السنن ولا نهالايخلو عن آيات وهذا التعليل يمنع من شروح النحوايضاً..... والاصح انه لا يكره عندنا حيفة۔ (کبریٰ ص ۵۶ فی آخر باب الغسل) ۱۰۳

سوال :- بعض لوگ جلدی میں وضو کرتے ہوئے کان کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم اور رخسار کے درمیان والے حصے کو خشک چھوڑ دیتے ہیں

۱۔ قال ابن نجيم: ذكر في النهاية انه يجوز ان يكون الفرض في مقدار المسح بمعنى الواجب لا لتقائهما في معنى اللزوم وتعقب بانه مخالف لما اتفق عليه الاصحاب اذ لا واجب في الوضوء۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۰ كتاب الطهارة)

۲۔ قال الشيخ اشرف علي تھانوی: اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کا مس مطلقاً گناہ ہے اور انظار امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ وفي الاخذ به سہولة۔

رامداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۲ مسائل منشورہ کتاب الطهارة

کیا اس سے وضو پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب :- فقہی تصریحات کی رو سے کان اور رخسار کے درمیان والا حصہ چہرے کے حکم میں داخل ہے، وضو میں جس طرح چہرے کا دھونا فرض ہے اسی طرح اس جگہ کا دھونا بھی فرض ہے۔

قال العلامة المحقق: وما بين العذار والاذن لدخوله في الحد وبه يفتي - قال ابن عابدین: قوله وما بين العذار والاذن ای ما بينهما من البياض قوله وبه يفتي وهو ظاهر المذهب وهو الصحيح وعليه أكثر المشائخ - (رد المحتار ج ۱ ص ۸۹ کتاب الطهارة) لہ

سرخ پاؤں کریم کی موجودگی میں وضو کا حکم | **سوال :-** لپ سٹک، کریم اور پاؤں کے ہوتے ہوئے وضو کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- مروجہ سرخی، کریم وغیرہ تیل کے مانند ہے اور پاؤں گرد و غبار کے مانند، جسکی وجہ سے اعضاء پر تہ نہیں بنتی، اس لیے ان کے ہوتے ہوئے بھی وضو درست ہے لیکن وضو کرتے وقت اولاً ان کو گیل کرے پھر دھوئے، البتہ اگر سرخی یا کریم ایسی ہو جس سے ناخن پالش کی طرح تہ بنتی ہو تو پھر وضو یا غسل جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابوبکر البکاسانی: عن خلف بن ايوب انه قال ينبغي للمتوضئ في الشتاء ان يبيل اعضاءه شبه الدهن ثم يسيل الماء عليها لان الماء يتجافى عن الاعضاء في الشتاء - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳ کتاب الطهارة) لہ

جماعت کے فوت ہونے کے ڈر کے باوجود مکمل وضو کرنا ضروری ہے | **سوال :-** بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بسا اوقات جلدی میں ہوتے ہیں اور جماعت کے فوت ہونے کے ڈر سے وضو میں سنن وغیرہ پورے نہیں کرتے، تو کیا وضو کی سنن کو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے یا سنن کو پورا کیا جائے

لہ قال العلامة عالم بن علاء الانصاری: وما البياض الذي بين العذار وبين شجة الاذن قد ذكر شمس الاثمة الحلواني أنه ظاهر المذهب - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۸۹ کتاب الطهارة) لہ
وفي الهندية: عن خلف بن ايوب انه قال ينبغي للمتوضئ في الشتاء ان يبيل اعضاءه بالماء شبه الدهن ثم يسيل الماء عليها لان الماء يتجافى عن الاعضاء في الشتاء - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۹ باب الوضوء الفصل الثالث في المستحبات)

اگرچہ جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اس بارغ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض، سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سنن وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

قال الشيخ ملا علی القاری: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسبغوا الوضوء۔ رواه مسلم ای اتموه باتیان جمیع فرائضه وسننه واكملوا واجباته۔ (موقاة شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱) لہ

آپ نے زمزم سے وضو غسل کا حکم | **سوال:** کیا آپ زمزم سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ زمزم کا پانی ایک تبرک پانی ہے اس کے آداب و احترام کا خیال رکھنا شرعی ذمہ داری ہے اسلئے بے وضو شخص کا اس سے وضو کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرا متبادل پانی ہیما ہو ورنہ بلا کراہت جائز ہے لیکن غسل جنابت ہر حال میں کراہت سے خالی نہیں اور نہ اسے استنجی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ تاہم اگر با وضو آدمی اس سے تبرک کے طور پر وضو کرے یا پاک بدن والا شخص اس سے غسل کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال السيد احمد الطعطاوی: یجوز الاغتسال والتوضوء بماء زمزم ان کان علی طهارة للتبرک فلا ینبغی ان یغتسل به جنب ولا یحدث ولا فی مکان نجس ولا یتنجی به ولا ینال به نجاسة حقیقیة من بعض العلماء تحویم ذلك وقیل ان بعض الناس استنجی به فحصل له باسؤر۔ (طعطاوی حاشیہ مرقا الفلاح ص ۶۱ کتاب الطهارة۔ اقسام المیاء) لہ

لہ عن عبد الله بن عمر قال رجعتا مع رسول الله من مكة الى المدينة حتى اذا كنا بماء بالطريق تعجل قوم عند العصر فتوضأوا وهم ممسجون فانتھینا اليهم واعتقبا بهم تلوح لهم بماء الماء فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ويل للاعتقاب من النار اسبغوا الوضوء۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۶ باب سنن الوضوء)

لہ قال العلامة الحصکفی: یکرہ الاستنجاء بماء زمزم۔ قال ابن عابدین: تحته وكذا انالة النجاسة الحقیقیة من ثوبه او بدنه حتى ذکر بعض العلماء تحريم ذلك۔

[رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الحج، مطلب فی
کراہیۃ الاستنجاء بماء زمزم]

نشہ اور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم | سوال :- کیا شراب، ہیروئن، پرس وغیرہ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- پرس، افیون، شراب، ہیروئن پینا بذاتِ خود ناقض وضو نہیں، البتہ پینے کے بعد جب نشہ غالب آجائے تو وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحصكفي: (ينقضه اغماء) ومنه الغشي وجنون وسكر بان يدخل في مشيه تايل ولو يأكل الحشيشة اهـ۔ قال ابن عابدین: (قوله سكرام هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميز بين الامور الحسنة والقبیحة اسمعيل عن المبرجندی۔ (رد المحتار ج ۱ باب نواقض الوضوء) ۱۳۳

نشہ اور دوائیوں کے استعمال کی صورت میں وضو کا حکم | سوال :- آجکل بعض دوائیاں ایسی ہیں جن میں نشہ ہوتا ہے، کیا

ان کے استعمال سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- دوائی اگرچہ بذاتِ خود ناقض وضو نہیں مگر جب اس کے نشہ کی وجہ سے انسان پر غشی طاری ہو جائے تو وضو باقی نہیں رہے گا ورنہ بغیر نشہ کے وضو متاثر نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: وينقضه اغماء ومنه الغشي وجنون وسكر بان يدخل في مشيه تايل ولو يأكل الحشيشة۔ وقال ابن عابدین: (قوله سكرام هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميز بين الامور الحسنة والقبیحة۔ (رد المحتار ج ۱ باب نواقض الوضوء) ۱۳۴

۱۔ وكذا في الهندية: والغشي والسكر قال وحد السكر في هذا الباب أن لا يعرف الرجل من المرأة وهو اختيار بعض المشائخ۔ وصدر الشهيد والصحيح ما نقل عن شمس الأئمة الحلواني أنه إذا دخل في بعض مشيته تحرك كذا في المذخيرة۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۲ الفصل الخامس في نواقض الوضوء)

۲۔ وفي الهندية: والغشي والسكر قال وحد السكر في هذا الباب أن لا يعرف الرجل من المرأة وهو اختيار بعض المشائخ۔ والصحيح ما نقل عن شمس الأئمة الحلواني أنه إذا دخل في بعض مشيته تحرك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۲ الفصل الخامس في نواقض الوضوء)

انجکشن ریجہ لگانے سے وضو کا حکم | سوال :- ڈاکٹر حضرات بیمار کو دو طرح کے انجکشن

ایک رگ میں جس کو وریڈی انجکشن کہا جاتا ہے۔ کیا ان انجکشنوں سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہر نجس چیز جب بدن کے کسی بھی حصے سے نکل جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتے گا۔ ان دونوں قسم کے انجکشنوں میں وریڈی انجکشن تب یقینی ہوتا ہے جب پچکاری میں خون آجائے ورنہ یقینی نہیں ہوتا، چونکہ اس انجکشن سے نجس شے یعنی خون کا اخراج ہو جاتا ہے اس لیے صرف وریڈی انجکشن سے وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحسکفی: وينقضه خروج كل خارج نجس منه ای من المتوضی
الحی معتادا ولا من السبیلین اولا الى ما يطهر ای يلحقه حكم التطهير۔

والدرا المختار علی صدر رد المحتاد ج ۱ مطلب نواقض الوضوء ۱۳۲

فلیم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا | سوال :- ٹی وی، وی سی آر اور فلم بینی وغیرہ سے

وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- ٹی وی، وی سی آر یا فلم وغیرہ دیکھنا امور فسقہ ہیں، اس عمل سے انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ مستحب یہ ہے کہ گناہ کے ان کاموں کے ارتکاب کے بعد وضو کر لیا جائے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالی: ومندوب للنوم علی طهارة واذا استيقظ منه

..... وبعد غيبة وكذب ونميمة وكل خطيئة الخ

(نور الايضاح ۳۲ فصل الوضوء علی ثلاثة اقسام) ۲



۱۔ قال العلامة ابن نجيم المصري: وينقضه خروج نجس منه ای وينقض الوضوء خروج

نجس من المتوضی الخ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ کتاب الطهارة)

۲۔ قال قاضي خان: ومندوب..... ومنها الوضوء بعد الغيبة وبعد انشاد الشعر۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ۱ ص ۳۲ باب الوضوء والغسل فیہ سبعة فصول)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث في المستحبات۔

سوال: گرم پانی سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟
الجواب: ہر وہ پانی جو پاک ہو اس سے مطلقاً وضو کرنا جائز ہے چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا تاہم دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبی لحاظ سے مکروہ ہے۔

ان عمر: کان یسخن له ماء فی قمیئة ویغتسل به۔ ۴۱
 ان عمر: قال لا تغسلوا بالماء المتشمس فانه یؤثر البصر۔ (ہج (دارقطنی ج ۱، باب الماء المسخن) ۳۹، ۳۴)
سوال: کیا کشف عورت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟
الجواب: کشف عورت ناقض وضو نہیں ہے؟

الجواب: کشف عورت مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن ناقض وضو نہیں لہذا مرد یا عورت کا ستر ظاہر ہونے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اگر کشف عورت کا ارتکاب بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔

لما قال ابراہیم الحلبي: ومن الآداب ان یستر عورتہ حین فرغ من ای من الاستنجاء والتجفیف لان الکشف کان لضرر ومرة لقوله الله احق ان یستحي منه۔ (کبیری ص ۳۱ آداب الوضوء) ۲

سوال: اگر ایک شخص کو وضو یا غسل کرنے کے بعد پیشاب نکلنے کا شک ہوگا لیکن غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کوئی چیز نہیں نکلی ہے، یا بسا اوقات ریح نکلنے کا شبہ ہوتا ہے، کیا ایسی صورت میں وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جب تک پیشاب کے قطرے یا ریح نکلنے کا یقین نہ ہو محض شک کی بناء پر

لہ عن الاسلام بن شریک: فقلت اصابتنی جنابة فخشيت البرد علی نفسي فاموتة ان یرجلها وضعت ارجاء فاسخنت ماء فاغتسلت به۔ ۱۷ وعن عائشة قالت نہی رسول الله ان یتوضا بالماء المتشمس

(نصب الراية ج ۱ ص ۱۰۳، ۱۰۲ باب الماء الذی یجوز به الطهارة)

ومثله فی السعاية ج ۱ ص ۳۳۶، ۳۳۷ باب الکراهية فی الماء المتشمس الخ۔

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری ومن الآداب ان لا یترك عودته مكشوفة یعنی بعد الاستنجاء۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیة ج ۱ ص ۱۱۱ آداب الوضوء)

وضو متاثر نہیں ہوتا لہذا وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

قال طاهر بن عبد الرشيد: ومن شك في الحدث فهو على وضوءه ولو كان محدثاً
فشك في الطهارة فهو على حدثه۔ (خلاصة الفتاوى۔ الفصل الثالث في الوضوء ج ۱) ۱۵
وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم | سر و علاقوں میں ہاتھ پاؤں کو مچھٹنے سے بچانے
کے لیے وضو مکمل کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں
پر مختلف قسم کا صابن لگایا جاتا ہے، کیا اس سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- صابن بذات خود پاک چیز ہے اور نظافت کے لیے اس کا استعمال جائز
ہے ایسے مذکورہ صورت میں صابن لگا کر باقی رکھنا اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔
قال القدوري: ويجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احدا وصفه
كماء المد والماء الذي اختلط به الزعفران والصابون..... الخ

(مختصر القدوری کتاب الطہارۃ ص ۹)

کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ | سوال:- کیا سگریٹ اور نسوار
کے استعمال سے وضو پر کوئی اثر
پڑتا ہے؟

الجواب:- دیگر نواقض کے علاوہ وضو پر اس چیز سے بھی ٹوٹ جاتا ہے جس میں نشہ
ہو، اور چونکہ نسوار اور سگریٹ میں نشہ کی وہ کیفیت نہیں جس کا اعتبار فقہاء نے کیا ہے لہذا
ان دونوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بدبو کے ازالہ کے لیے منہ ضرور دھونا چاہیے (یعنی
گلی وغیرہ کر لینی چاہیے)۔

۱۵ قال المحقق: ولو ايقن بالطهارة وشك بالحدث او بالعكس اخذ باليقين
والدم المختار على صدر رد المحتار، نواقض الوضوء ج ۱، وقال في الهندية
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱۳ نواقض الوضوء۔

۱۶ قال ابراهيم الحلبي: وتجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احدا
او صافه كماء المد والماء الذي يختلط به الكاشتان والصابون والزعفران
..... الخ۔ (کبیری، باب ما يجوز به الطهارة ص ۹)

قال العلامة ابن عابدین: فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضرامه بل ثبت له منافع... الخ (رد المحتار على الدر المختار كتاب الاشرية ج ۶ ص ۲۵۹) لہ

جب تک احویل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا | سوال :- اگر ایک شخص سے پیشاب یا مدی کے قطرے

وقتاً فوقتاً نکلتے ہوں جس کی وجہ سے باقاعدہ ہر نماز کے لیے اس کو وضو کرنا پڑے، لیکن بعض اوقات ایک نماز سے دوسری نماز تک کوئی قطرہ نہیں نکلتا البتہ احویل کے اندر قطرے موجود ہوں تو کیا ایسی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازمی ہے یا وہ پہلا وضو ہی کافی ہوگا؟

الجواب :- صاحب عذر ہو تو ہر نماز کے لیے وضو کرنا لازمی ہے البتہ غیر معذور کے وضو ٹوٹنے کا دار و مدار سبب نقض کی قطعی اور یقینی موجودگی پر ہے، صورت مذکور میں جب پیشاب کے قطرے نکلنے کا یقین ہو تو وضو کرے گا اور اگر یقین نہ ہو تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں اگرچہ پیشاب کے قطرے احویل میں موجود ہوں۔

قال المحقق: (وينقضه خروج كل خارج نجس منه) اي من المتوضئ المحي معتاداً أو لا من التبيلين أو لا (إلى ما يطهر) ثم المراد بالخروج من التبيلين مجرد الظهور وقال ابن عابدین: (تحت قوله مجرد الظهور) اي انظهورا لمجردة عن السيلان فلونزل البول الى قصبة الذكر لا ينقض لعدم ظهوره - (رد المحتار على الدر المختار - نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶) لہ

بدن سے خالص پانی نکلنے پر وضو کا حکم | سوال :- اگر بدن کے کسی حصہ سے خالص پانی نکل آئے جو خون یا پیپ سے مخلوط نہ ہو

ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے؟ | الجواب :- اگر یہ نکلا ہو مواد یقیناً خالص پانی ہو جو پیپ یا خون سے مخلوط نہ ہو

لہ قال المفتی کفایت اللہ: تمہا کو نوشی اور نسواری سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۹۲) باب الطہارۃ فصل چہارم (۲) لہ وقال ابن نجیم: (تحت قول النسفی وينقضه خروج نجس منه) افاد بقوله خروج نجس ان الناقض خروجہ لا عینہ (البحر الرائق، نواقض الوضوء ج ۱ ص ۲۹) ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۰۷ نواقض الوضوء۔

تو اس کے نکلنے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا (وضو درست رہے گا)۔

قال الحسن بن عمار: وعن الحسن ان ماء النقطۃ لا ينقض۔

(مراقب الفلاح ^{ص ۸} فصل فی نواقض الوضوء)۔

سوال :- اگر خون یا پیپ نکل کر بہنے کی صورت

اختیار نہ کرے اور یوں ہی بدن پر پھیل جائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب :- جب خون یا پیپ زخم کے منہ سے خارج ہو کر پھیل جائے تو اس سے وضو کا ٹوٹنا بہنے پر موقوف نہیں۔

قال المحصن: ویتقضه خروج كل خارج نجس منه الى ما يطهر اى يلحقه حكم التطهير۔ والدر المختار علی صدر رد المحتار نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۵۔

سوال :- سردی کے موسم میں

ہاتھ پاؤں کے اندر شکاف پڑھاتے ہیں ایسی حالت میں اگر شقوق دوائی سے مہر دیئے جائیں اور وضو کرتے وقت پانی اس میں داخل انداز نہ ہو تو اس صورت میں وضو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- اگر زخموں کے اندر پانی پہنچنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ پاؤں کی جلد پر صرف پانی بہانا ہی کافی رہے گا، شقوق کے اندر پانی پہنچانا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدین: تحت قول المحصن: (فی اعضائه شقاق غسله ان قدسوا لامسحه) ولو كان في رجله فجعل فيه الدواء يكفيه

۱۔ قال ابن نجيم: وعن الحسن ان ماء النقطۃ لا ينقض (البحر الرائق بحث الوضوء ج ۱ ص ۳۲)

۲۔ قال ابراهيم الحلبي: اذا خرج وتجاوز مكان خروجه الى موضع يلحقه اى يلحق ذلك الموضع حكم التطهير اى يجب تطهيره في الجملة۔ (كبيري۔ نواقض الوضوء ص ۱۳) وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدَةِ ج ۱ من الفصل الخامس في نواقض الوضوء۔

امرار المأفوقہ لا یفید المسح۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ فرائض الوضوء ج ۱ ص ۱۷
سوال :- اگر کوئی شخص انجکشن کے ذریعہ
 بدن سے خون نکالے تو اس سے وضو پر کیا اثر
 پڑتا ہے؟ یہ خون سوئی کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اور بدن کے کسی حصہ پر یہ خون نہیں لگتا،
 جو الی موضع یلحقہ حکم التطہیر نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر ناقض وضو نہ ہونے کا
 شبہ ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب :- مذکورہ صورت میں خون کا بدن کے کسی حصہ پر نہ لگنے کے باوجود ناقض
 وضو ہے کیونکہ اگر یہ خون تھیلے میں نہ جاتا تو اس کا جسم پر بہہ جانا لازمی امر تھا۔ تحقید کا وجود
 ایک خارجی مانع ہے اس سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قال ابن عابدین: فالاحسن ما فی النہر عن بعض المتأخرین من ان المراد
 السیلان ولو بالقوة: ای فان دم الفصد ونحوه سائل الی ما یلحقہ حکم التطہیر
 حکماً تامل۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۲

سوال :- صاحب عذر کے وضو کا اعتبار
 نہیں رہتا ہے، ایسے شخص کے لیے وضو کرنے کا
 کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات اس عذر کی موجودگی میں کپڑوں کا پاک رکھنا ناممکن رہتا ہے، تو
 معذور کے کپڑوں کی تطہیر کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کسی شخص سے خون نکلنے یا سسل بول یا خروج ریح کی بیماری ایسی صورت

۱۔ قال ابراہیم الجلی: اذا کان برجلہ شقاق فجعل فیہ الشحم والمرہم ان کان یضرہ ایصال
 الماء لا یجوز غسلہ ووضوہ وان کان لا یضرہ یجوز اذا مر الماء علی ظاہرہ ذلک۔
 رکبیری ص ۵، الطہارۃ الکبریٰ فرائض الغسل، ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۔
 ۲۔ قال فی الہندیۃ: الفراد اذا مص عضو انسان فامتلا دمًا ان کان صغیراً لا یتقض
 وضوہ کما لو مصت الذباب او البعوض وان کان کبیراً یتقض وکن العلقۃ اذا مصت
 عضو انسان حتی امتلأت من دمہ انتقض وضوہ کذا فی محیط السرخسی۔
 (الہندیۃ۔ نواقض الوضوء ج ۱) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۲ الفصل الثالث نواقض الوضوء۔

اختیار کرے کہ نماز کا وقت اُس معذور شخص پر بغیر اس بیماری کے نہ گذرتا ہو تو یہ شخص معذور شرعی
مستصوّر ہوگا۔ اور معذور کے لیے لازمی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جس سے وہ اُس
وقت کے اندر تمام عبادات ادا کر سکتا ہے البتہ نماز کا وقت گزرنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا
دوسرے وقت کی نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا لازمی ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر کپڑوں کی صفائی ممکن ہو یعنی کپڑے دھونے سے نماز کے دوران یہ کپڑے
پاک رہ سکتے ہوں تو پھر نماز کی ابتداء میں کپڑے صاف رکھنا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر
کپڑوں سے ملحقہ نجاست سے صفائی ضروری نہیں اور اس شخص پر کپڑے دھونا لازمی نہیں۔

قال المحصن کفیٰ وصاحب عذر من به سلسل بول او استطلاق بطن او انفلات
ریج او استحاضة ان استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة بان لا یجد فی جمیع
وقتہا زماً یتوضاً ویصلی فیہ خالیاً عن الحدث (الی ان) وحکمہ الوضوء لا غسل
توبہ ونحوہ لكل فرض۔ رالدر المختار علی صدر رد المحتار۔ مطلب فی احکام
المعذور ج ۱ ص ۳۵۱

یا خانہ کے مقام سے کیڑا نکلنے پر وضو کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کو بیماری کی وجہ سے
یا ویسے یا خانہ کی جگہ سے کیڑا نکل آئے تو

اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :- یا خانہ کی جگہ سے کیڑا نکلنا موجب نقص وضو ہے اس سے وضو باقی نہیں
رہتا، اس میں معذور اور غیر معذور دونوں برابر ہیں۔

قال المحصن کفیٰ وخروج غیر نجس مثل ریح او دودة او حصاة من دُبْرٍ لا
وقال ابن عابدین: قوله من دُبْرٍ وكذا من ذکر او فرج فی الدودة

۱۳۵
لہ قال طاہر بن عبد الرشید: یتوضاً صاحب الجرح السائل لوقت کل صلوة ویصلی
بذلک ما شاء من الفرائض والنوافل ما دام فی الوقت فان خرج الوقت ینتقض طہارتہ
رو بعد اسطرمان فان اصاب توبہ من ذلک الدم فعلیہ ان یغسل ان کان مفیداً اما
اذا لم یکن مفیداً بان کان مصیبہ مرة اخرى۔ ثانیاً وثالثاً حیث لا یفترض علیہ غسلہ۔
(خلاصۃ الفتاویٰ۔ الفصل الثالث ج ۱ ص ۱۶)

والحصة بالاجماع۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۸ لہ

باب الغسل

(غسل کے مسائل)

غسل میں غرغره کا حکم | سوال :- اگر غسل کرتے وقت غرغره رہ جائے تو کیا غسل درست رہے گا؟

الجواب :- جنابت کے غسل میں مضمضہ فرائض غسل میں شامل ہے، اس میں منہ دھونا رکھی کرنا کافی ہے، یہاں تک کہ پانی پینے سے بھی یہ فرض ادا ہو جاتا ہے، اگر مطلقاً منہ دھونا نہ جائے تو غسل ناقص رہے گا جبکہ دھونے میں مبالغہ نہ جانے کی صورت میں غسل کامل متصور ہوگا۔

قال المحقق: وفرض الغسل غسل كل فمه ويكفي الشرب عباً كان
المج ليس بشرط في الاصح۔ رد المحتار علی صدر رد المحتار،
ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۱ لہ

غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم | سوال :- غسل کرتے وقت ناک میں پانی ڈالنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا پانی ناک میں ڈال کر انگلی مارنا کافی ہے یا پانی کھینچ کر اقصیٰ ناک تک پہنچانا ضروری ہے؟ جبکہ کھینچتے وقت دماغ تک پانی پہنچنے کی صورت میں تکلیف کا اٹھانا لازم ہوتا ہے۔

الجواب :- دوران غسل ناک کا دھونا فرض ہے اور ناک کی مقدار ناک کی نرمی تک ہے،

لہ قال فی الہندیۃ: ومنها ما ینخرج من السبیلین من البول والغائط والریح الخارجۃ من الذیبر والودی والمذی والمنی والدودۃ والحصاة۔ الہندیۃ۔ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء ص ۱۹۰ ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ۔ الفصل الثالث فی نواقض الوضوء ص ۱۵۱ لہ قال ابراہیم الحلبي: وشرب الماء یقوم مقام المضمضة اذا كان علی وجه السنۃ اذا بلغ الماء الفم کله والافلا۔ رکبیری۔ فرائض الغسل ص ۱۵۱

ایسی صورت میں اپنی سہولت کو مدنظر رکھ کر جو مناسب نظر آئے وہی طریقہ اختیار کریں۔
 قال المحصن کفی وفرض الغسل غسل کفہ ویکفی الشرب عباً لان المیج لیس بشرط فی الاصح وانفہ حتی ماتحت الدہن۔ رالد المختار علی صدر
 مراد المختار، ابیات الفصل ج ۱ ص ۱۵۱

مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم | **سوال :-** دانت گر جانے کے بعد مصنوعی دانت لگانے کی صورت میں کیا غسل کے لیے اس کا نکالنا ضروری ہے ؟

الجواب :- چونکہ مصنوعی دانت کا ہر وقت نکالنا موجب حرج نہیں اس لیے غسل کے وقت اس کا نکالنا ضروری ہے، لہذا آسانی سے نکالنے کے باوجود اگر کوئی اس کو نہیں نکالتا اور پانی کا وصول بھی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں غسل کی ادائیگی جائز نہ ہوگی تاہم اگر دانت مستقل طور پر لگایا ہوا اور نکالنے میں تکلیف ہوتی ہو تو نکالے بغیر غسل درست ہے۔
 قال المحصن کفی بخلاف نحو عجین۔ ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه اوفی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلباً منع، وهو الاصح۔

قال ابن عابدین: قوله بخلاف نحو عجین ای کعلک وشمع وقشر سمک وخبر مضموع متلبد جوہرہ..... نعم ذکر الخلاف فی شرح المنیۃ فی العجین واستظهر المنع لان فیہ لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء بقوله وهو الاصح صرح به فی شرح المنیۃ وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والخرج اه۔
 مراد المختار علی الدر المختار۔ ابیات الفصل ج ۱ ص ۱۵۲

۱۷۱ قال طاهر بن عبد الرشید: وانما یجوز اذا تمضمض واستنشق بناء علی ان المضمضة والاستنشاق فرض فی الغسل عندنا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۷۱
 ومثله فی الطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۱۷۱ فصل فی فرائض الغسل
 ۱۷۲ قال العلامة ابراہیم الحلبي: قال بعضهم هو ان كان صلباً مضموعاً متأكداً لا یجوز غسله قل اوکثر وهو الاصح لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والخرج۔
 رکبیری ص ۱۷۹۔ الطہارۃ الکبریٰ، فرائض الغسل، ومثله فی السعایۃ ج ۱ ص ۱۷۱ فرض الغسل۔

دانتوں پر سونے کے خول چڑھانے سے غسل کا حکم | سوال :- بسا اوقات لوگ دانت

اس پر سونے کا خول چڑھاتے ہیں، سونے کے خول سے دانت مستور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مضمرہ کرتے وقت دانت کو پانی نہیں پہنچتا، کیا ایسی صورت میں جنابت کے غسل پر کوئی اثر پڑے گا؟ علاوہ انہیں گھسی یہ خول ویسے حسن اور زینت کیلئے چڑھایا جاتا ہے تو اس حکم میں ضرورت اور عدم ضرورت مساوی ہے یا نہیں؟

الجواب :- دانت پر ضرورت کے وقت سونے کا خول چڑھانا از روئے شرع جائز ہے، غسل کے لیے اس خول کا ہٹانا حرج و تکلیف سے خالی نہیں بلکہ بسا اوقات منہ کے زخمی ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے لہذا اس مجبوری کی وجہ سے بوقت غسل اصلی دانت تک پانی پہنچانا معاف ہے اور اس خول کے ہوتے ہوئے نماز بھی ہو جاتی ہے۔

قال المحقق في كونه يمنع الطهارة ونعيم أي خرد ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته وحناء ولو جرمه به يفتي - قال ابن عابدين: رقله به يفتي صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة روبرو اسطر فالأظهر التعليل بالضرورة. (رد المحتار على الدر المختار - إبحاث الفسل ج ۱ ص ۱۵۸)

بلا ضرورت سونے کا استعمال جائز نہیں، ایسے وقت میں اگر خول کے ہٹانے سے دانت سے محسوس ہوتی ہو تو موجب حرج ہوتے ہوئے غسل جائز ہے، لیکن ہٹانے میں اگر حرج نہ ہو تو پھر یہ بلا ضرورت کے چڑھایا ہوا خول ہٹایا جائے گا۔

دانت بھروانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا | سوال :- دانتوں میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے مصالحو بھرنے کی ضرورت پڑتی

ہے، کیا دانت بھر جانے کی وجہ سے غسل پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ اس وقت دانت کے سوراخ میں پانی نہیں پہنچتا؟

له قال ابراهيم الحلبي: ان كان بين اسنانه طعام ولم يصل الماء تحته في الغسل من الجنابة جاز لان الماشي لطيف يصل تحته غالباً قال صاحب الخلاصة وبه يفتي روبرو اسطر والطين والدرن اذا بقيا على البدن يجزئ وضوءهم للضرورة. (كبيري باب الغسل ص ۴۹)

الجواب :- دانت میں سوراخ ہو جانے سے عموماً کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہے لیکن ایسے وقت میں پاک مصالحہ سے دانت بھرتا جائز معالجہ ہے، دانت بھرنے کے بعد غسل کے لیے خالی کرنا موجب حرج ہے اس لیے اس کا خالی کرنا ضروری نہیں اور اس سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔
 قال المحصن: ولا يمنع الطهارة ونیم ای خرمذ باب وبرد غوث لم یصل الماء تحتہ وحتاء ولو جرمه، به یفتی قال ابن عابدین: (قوله وبه یفتی) صرح به فی المتیة عن الذخيرة فی مسئلة الحناء والطين والمدین معللاً بالضرورة (رو بعد اسطر) فالظاهر التعلیل بالضرورة۔
 (رد المحتار علی الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۴) ۱

بجائز کے غسل میں عورت کو مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں | **سوال :-** کیا عورت کو غسل کرتے وقت سر کے بال دینڈھیاں

کھولنا ضروری ہے ؟
الجواب :- اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کے اصول و جزم تک پانی پہنچانا ضروری ہے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔
 البتہ اگر عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو پورے بالوں کا دھونا ضروری ہے اگر کچھ حصہ خشک رہ جائے تو غسل درست نہیں ہوگا۔

قال المحصن: وكفی بل اصل ضفیرتھا ای شعرا المرأة المضمفوم للمخرج اما المنقوض فیفرض غسل كله اتفاقاً ولو لم یبتل اصلها یجب نقضها مطلقاً هو الصمیم۔
 (رد المحتار علی صدر رد المحتار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۳) ۲

۱۔ قال ابراھیم الحلبي: والطين والمدین اذا بقيا على البدن یجزئ وضوءهم للضرورة۔ (کبیری۔ باب الغسل ص ۲۹) مثله فی مراقی الفلاح علی صد الطحاوی فصل فی تمام احکام الوضوء۔

۲۔ قال ابن نجیم: قوله ولا تنقص ضفیرة ان بل اصلها ای ولا یجب علی المرأة ان تنقص ضفیرتھا ان بلت فی الاغتسال اصل شعرها (رو بعد اسطر) ویجب علیها الا یصل الی اثناء شعرها اذا كان منقوضاً لعدم الخرج۔ (البحر الرائق کتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۵۴) ومثله فی الھندیة۔ الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۴۔

جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم | سوال :- جنابت کی حالت میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز لبس اوقات ایسی حالت میں کسی سے باتیں کرنے اور سلام کا جواب دینے کا موقع بھی پیش آتا ہے، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب :- جنابت کی حالت میں کھانا پینا، چلنا بھڑنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا تمام امور جائز ہیں۔ البتہ کھانے پینے کے وقت گلی کرنا اور ہاتھوں کو دھولینا چاہیئے بغیر گلی کے کھانا پینا مکروہ ہے۔

قال المحقق: لا قرأت قنوت رای لا تکرہ ولا اکلہ وشر بہ بعد غسل ید و قدم ولا معاودة اہلہ قبل اغتسالہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار بحال الغسل ج ۱، ص ۱۲۱) لہ

حالت جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم | سوال :- جنابت کی حالت میں ناخن تراشنا اور بال کٹوانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- جنابت کی حالت میں پورا جسم ظاہری طور پر نجاست کا شکار ہوتا ہے اسلئے پورے جسم کا دھونا فرض ہے، ایسی حالت میں ناخن اور بال کٹوانا مکروہ ہے۔ فقہاء کرام نے کراہت مطلقاً ذکر کیا ہے لیکن قرائن کے اعتبار سے کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

وفي الہندیۃ جلق الشعر حالة الجنابة مکروہ وکذا قص الاظافر۔ کذا فی المغرائب۔ (الہندیۃ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والمخضاء وقلم الاظفار وقص الشارب ج ۵ ص ۳۵۸) لہ

دوران غسل باتیں کرنے کا حکم | سوال :- غسل کرتے وقت باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اس دوران ادعیہ مستنوتہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا عربانی

لہ قال سدید الدین کاشغری: واذا اراد الجنب الاکل والشرب ینبغی لہ ان یغسل یدہ ووجہہ تقریاً کل ویل شرب۔ (منیۃ المصلی۔ بحث الطہارۃ الکبریٰ ص ۲۹) ومثله فی الہندیۃ۔ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج ۱ ص ۱۶۔

لہ قال الشیخ العلامة اشرف علی تھانوی: ”در مطالب المؤمنین می آرد سردن و تراشیدن موئے و رفتن ناخنہا در حالت جنابت کراہت است۔“ (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۲۸ فصل فی الغسل)

کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- دورانِ غسل خاموش رہنا بہتر ہے، عریانی کی حالت میں فقہاء نے باتیں کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اور ادعیٰ مسنونہ پڑھنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں، کیونکہ نجس مکان میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بے ادبی کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدین: وليستحب ان لا يتكلم بكلام مطلقاً، أما كلام الناس فلكرهته حال الكشف وأما الدعا فلا نه في مصب المستعمل ومحل الاقذار والأحوال^{۱۴} رر المختار على الدر المختار مطلب سنن الفسل ج ۱ ص ۱۵۶ لہ

سوال :- کپڑے اتار کر ننگے ہونے کی حالت میں وضو کا حکم؟

میں وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو نہیں ہوتا۔

الجواب :- کشفِ عورت نواقض وضو میں سے نہیں ہے لہذا یہ بات عوام میں غلط مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو جائز نہیں، غسل خانہ میں کپڑے اتار کر وضو کرنا جائز اور مشروع ہے، البتہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کی رعایت ہو۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: حاصل حکم من اغتسل عارياً انه ان كان بمحل خال لا يراه احد يحرم عليه نظر عورة له حل له ذلك لكن الا فضل المتستر حياء من الله تعالى۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹ باب الفسل الفسل الثانی)

سوال :- غسل کرتے وقت کون سی کیفیت کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

بہتر ہے؟ کیا بیٹھ کر غسل کرنا چاہیے یا

لہ قال الحسن بن عمار: وليستحب ان لا يتكلم بكلام معاً ولو دعاء لانه في مصب الاقذار ويكره مع كشف العورة ورو بعد اسطر (ويزاد فيه كراهة الدعاء۔ (مراقی الفلاح، آداب الاغتسال ص ۵۷) ومثله في الهندية۔ الفصل الثانی سنن الفسل ج ۱ ص ۱۳۔

لہ عن أم هانئ بنت أبي طالب: تقول ذهبت إلى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة تستره۔ (الجامع الصحيح البخاری ج ۱ ص ۱۰۰) عریاناً وحده في الخلوة ومثله عن ميمونة في الصحيح المسلم ج ۱ ص ۱۵۱ باب تستر المغتسل بتوب ونحوه۔

کھڑے ہو کر بھی غسل کرنا افضل ہے ؟

الجواب :- غسل کرتے وقت کسی خاص کیفیت کی پابندی ضروری نہیں، حالت اور موقع کو مد نظر رکھ کر ایسی کیفیت اختیار کی جائے گی جو انسانی بدن کے لیے استر ہو، عموماً بیٹھ کر غسل کرنے سے پردہ قوی رہتا ہے اس لیے بیٹھ کر غسل کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری عن اُمّ ہانی تَقُولُ ذَہَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتَهُ یَغْتَسِلُ وَقَاطِمَةُ تَسْتَرُ فَقَالَ مِنْ هَذِهِ فَقُلْتُ اَنَا اُمّ ہانی۔ (الصحيح البخاری ج ۱ ص ۱۲۸ باب التستر فی الغسل عند الناس) ۱۷

سوال :- کیا غسل کرتے وقت عورت کے لیے دوران غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں؟ پورے بدن کا دھونا فرض ہے؟ بعض عورتیں بدن پر

پانی ڈال کر سر پر مسح کرنا کافی سمجھتی ہیں، کیا ایسی صورت میں غسل ہو جاتا ہے ؟

الجواب :- احکام غسل میں مرد اور عورت یکساں ہیں، جیسا مرد کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی پورے بدن کا دھونا ضروری ہے، سر کے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں، بال بھی دھونا ضروری ہیں، اگر غسل کرتے وقت بالوں پر مسح کر کے دھونا چھوڑ دیا جائے تو اس سے غسل ادا نہیں ہوگا۔

قال المحصن فی: وفرض الغسل غسل کل جسمہ والنفہ حتی ماتحت الدرن وباقی بدنہ لکن فی المغرب وغیرہ لبدن من المنکب الی الالیة، وجینڈ فالرأس والعنق والید والرجل خارجة لغة داخلہ تبعاً شرعاً۔ (الدر المختار علی صدار رد المحتار۔ ابحات الغسل ج ۱ ص ۱۵۲) ۱۸

۱۷ واخرجه الامام مسلم فی صحیحہ عن معاذة قالت قالت عائشة: کنت اغتسل انا ورسول اللہ من انا وواحد بنی وبنیہ فیبا در فی حتی اقول دع لی دع لی قالت هما جنبان۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۸ باب غسل الرجل والمرأة من انا وواحد)۔

۱۸ وفی الہندیة: الفصل الاول فی فرائضہ وہی ثلاثة المضمضة والاستنشاق وغسل جمیع البدن علی ما فی المتون۔ (الہندیة۔ الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۲) ومثله فی البحر الرائق، کتاب الطہارة ج ۱ ص ۱۵۲

سوال :- بعض علاقوں میں لوگ بڑے بڑے تالابوں میں غسل کے لیے کشف عورت کا حکم اور حوضوں میں اجتماعی طور پر غسل کرتے ہیں اس میں نظام ہے کہ عضو مخصوصہ کے کشف پر جس کو لوگ دیکھ سکیں (ضمیر ملامت کرتا ہے، لیکن اگر ایک شخص عضو مخصوصہ پر ایک کپڑا باندھ کر ایسی حالت میں غسل کرے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنوں سے اوپر کا کچھ حصہ عام لوگوں کو نظر آئے، اس کا از روئے شرع کیا حکم ہے ؟

الجواب :- واضح ہو کہ اگر انسان ایسی جگہ میں غسل کرے جہاں پر اکیلا ہو تو ایسی حالت میں بھی بلا ضرورت کشف عورت سے احتراز کرے گا ضرورت کی حد تک اس کے لیے کشف عورت کی رخصت ہے۔ لیکن جہاں اس پاس لوگ موجود ہوں تو ایسی حالت میں گھٹنوں سے لے کر ناف تک کا حصہ مرد کے لیے چھپانا فرض ہے جس کا کشف حرام ہے، ایسی حالت میں یہ ضروری ہے کہ پردہ کر کے غسل کرے تاہم اگر ایک شخص نے اس طریقہ سے غسل کر لیا تو ارتکاب حرام کے باوجود جب فرائض غسل ادا ہوئے ہوں تو فریضہ غسل ادا ہو جاتا ہے۔

قال ابراہیم الحلبي: وان يغتسل في موضع لا يراه احد لا احتمال بدو العورة حال الاغتسال او اللبس والحديث يعلى بن أمية ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الله حتى يستببر يحب الحياء والتستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر۔

(رواه ابوداؤد)۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ص ۱۵)

سوال :- اگر کسی شخص کو ایسی جگہ میں غسل کشف عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت کی ضرورت پڑے جہاں غسل کرنے کا پردہ انتظام نہ ہو اور اگر غسل کرتا ہے تو کشف عورت کا قوی امکان ہے، تو ایسی صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- جب دیگر آدمیوں کے سامنے کشف عورت کے بغیر غسل ممکن نہ ہو تو اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یعنی کشف عورت سے بچنے کیلئے تیمم پر اکتفاء کرے اور

لے قال ابن عابدین: قال في شرح المنيّة: وهو غير مسلم لان ترك المنهي مقدم على فعل المأمور۔ وللغسل خلف وهو التيمم فلا يجوز كشف العورة لاجله عند من لا يجوز نظره اليها۔ (رد المحتار على الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۶)

جب موقع ملے تو پھر غسل کر لے۔

قال ابراهيم الحلبي: وللغسل خلف وهو التيمم ولا يجوز كشف العورة عند من لا يجوز نظره اليها لاجله۔ ركبيري۔ فرائض الغسل ص ۱۵۱ لہ

شہوت کے باوجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم | سوال :- اگر کسی نے راس الذکر پر پھر

منی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- طرفین کے نزدیک ایسی صورت میں غسل واجب رہے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک خروج منی کے وقت شہوت کی موجودگی ضروری ہے۔ صورت مذکورہ میں خروج منی

کے وقت شہوت نہ ہونے کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں رہتا، لیکن

مفتی بہ قول طرفین کا ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص کہیں مہمان ہو اور احتلام کی صورت میں میزبان کی طرف سے شک پیدا

ہونے کا امکان ہو تو پھر احتلام کے وقت اسی طریقہ کو اختیار کرنے پر امام ابو یوسفؒ کے

قول پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ فتویٰ اس پر نہیں دیا جاسکتا۔

قال المحصفي: وشرطه ابو يوسف: وبقوله يفتي في ضيق خاف ريبته واستحي

كما في المستصفى وفي القهستاني والتا تاريخا نية معزيا للنوازل: وبقول ابى يوسف: ناخذ

لانه ليسر على المسلمين قلت ولا سيما في الشتاء والسكر۔ وقال ابن عابد بن

قوله وشرطه ابو يوسف: اى شرط الدفق، واثرة الخلاف يظهر فيما لو احتلم

او نظر بتمهوتة فامسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم ارسله فانزل وجب

عندهما لا عند (وبعد اسطر) قوله قلت) ظاهرة الميل الى اختيار ما في النوازل ولكن

اكثر الكتب على خلافه حتى البحر والنهر ولا سيما قد ذكروا

ان قوله قياس وقولهما استئذان وان له الا حوط فينبغي الا فتاء

لہ قال ابن عابد بن: ولا يخفى ان تاخير الغسل لا يقتضي عدم التيمم

فان المبيع له وهو العجز عن الماء قد وجدنا فهم۔

رہا المختار علی الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۱

بقوله في مواضع الضرورة - فقط ردة المختار على الدر المختار - اباحت الغسل ج ۱ ص ۱۶

غسل کرتے وقت جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو تو اس کا حکم | سوال :- ختنے کے وقت

بعض اوقات حشفہ کے ارد گرد چمڑہ جالتا ہے جس کی وجہ سے غسل کے وقت حشفہ تک پانی پہنچانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بغیر کسی تکلف اور سخت کوشش کے پانی داخل نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب :- جس جگہ میں پانی داخل کرنا شاق ہو تو وہاں کانوں کے سوراخ کی طرح ظاہر پر پانی ڈالنے سے غسل صحیح ہوتا ہے، ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں جو موجب حرج ہوں۔

قال المحصني: ولو كان خاتمه ضيقاً نزعاه او حرکه وجوباً كقرط ولو لم يكن بثقب اذنه قرط قد دخل الماء فيه الى الثقب عند مروره على اذنه اجزاه كسرة

واذن و خلهما الماء رواكلام يدخل ادخله ولو با صبعه ولا يتكلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبته ظنه يا لوصول - الدر المختار على صمد ردة المختار اباحت الغسل ج ۱ ص ۱۵

غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا حکم | سوال :- کیا غسل کرنے کے بعد دوبارہ وضو ضروری ہے یا غسل کے ضمن میں کیے گئے وضو پر اکتفاء

لہ قال ابن نجيم: ثم اتفق اصحاب المذهب انه لا يجوب الغسل اذا انفصل عن مقربه من الصلب بشهوة الا اذا خرج على رأس الذكر وانما الخلاف في انه هل يشترط مقارنة الشهوة الخروج فعند ابى يوسف نعم وعندهما لا وقد اشار الى اختيار قولهما بقوله عند انفصاله اي فرض الغسل عند خروج منى موصوف بالدفق والشهوة عند الانفصال عن محله عندهما - البحر الرائق - مبحث الغسل ج ۱ ص ۵۵

لہ قال ابراهيم الحلبي: امرأة اغتسلت هل تتكلف في ايصال الماء الى ثقب القرط ام لا قال اي محمد تتكلف فيه اي في ايصال الماء الى ثقب القرط كما تتكلف في تحريك الخاتم ان كان ضيقاً والمعتبر فيه غلبته الظن بالوصول وبعد اسطر، ولا تتكلف لغير الامراد من ادخال عود ونحوه فان المخرج مدقوع - ركيزي - فرائض الغسل ج ۱ ص ۳۸
ومثله في الهندية الفصل الاول في فرائض الغسل ج ۱ ص ۱۲ -

کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ غسل کرنے سے قبل وضو کر لیا جائے البتہ اگر غسل سے قبل وضو نہ کیا گیا ہو تو غسل میں ضمناً وضو پر اکتفاء ہو سکتا ہے ایسی حالت میں غسل کے بعد دوبارہ وضو ضروری نہیں، البتہ اگر غسل کرنے کے بعد کسی دوسری مجلس میں وضو کرے تو جائز ہے۔

قال ابن نجيم: واتفق العلماء على عدم وجوب الوضوء في الغسل الا اذا اود الظاهر فقال بالوجوب في غسل الجنابة واذ توضاء او لا لا ياتي به ثانياً بعد الغسل فقد اتفق العلماء على انه لا يستحب وضوءان للغسل اما اذا توضاء بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبن او فصل بينهما بصلوة كما هو مذهب المشافعي فيستحب ر البحر الرائق سنن الغسل ج ۱ ص ۱۵۰

سوال: اگر کوئی شخص صبح نیند خواب سے بیداری کے بعد محض تری کے احساس سے غسل کا حکم سے بیدار ہوتے وقت اکیلے میں بغیر کسی شہوت اور دفع کے تری محسوس کرے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ جبکہ احتلام بھی یاد نہ ہو اور نہ تری کے بارے میں منی ہونے کا یقین ہو؟

الجواب: خواب میں احتلام یاد نہ ہونے کے باوجود نفس تری کے احساس کی صورت میں غسل احتیاطاً واجب ہے، البتہ اگر مذی ہونے کا یقین ہو تو پھر غسل واجب نہیں۔
قال ابراهيم الحلي: واما اذا لم يتذكر الاحتلام وتيقن انه منى او شك هل هو منى او مذى فكذا لا يجب عليه الغسل في هاتين الحالتين ايضاً اجماعاً للاحتياط وان تيقن انه مذى فلا غسل عليه۔ (كبيري۔ اما الطهارة الكبرى نہی لاغتسال ص ۲۲) ۱۵۰

۱۵۰ قال العلامة الحصكفي: لو توضأ او لا لا ياتي به ثانياً لانه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقاً اما لو توضاء بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبن او فصل بينهما بصلوة كقول الشافعية فيستحب۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۵۱ سنن الغسل)

۱۵۱ قال طاهر بن عبد الرشيد: والثالث اذ مرى البول على فراشه ولم يتذكر الاحتلام عندهما يجب عليه الغسل وعند ابى يوسف لا غسل عليه۔ (خلاصة الفتاوى۔ الفصل الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱۳۱ ومثله في المهندية۔ الفصل الثالث في المعاق الموجهة للغسل ج ۱ ص ۱۵۱۔)

احتلام بھول جانے کی صورت میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم | سوال :- کسی شخص سے احتلام

یاد آیا کہ چند روز قبل اس کو احتلام ہوا تھا، تو اس دوران پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- اگر کسی کو چند روز کے بعد احتلام کا علم ہوا کہ فلاں دن کو مجھے احتلام ہوا
 تھا تو اسی روز سے نمازوں کی قضاء کرے گا اور اگر متعین دن کا علم نہ ہو تو آخری نوم (زیندہ) سے
 جتنی شمار ہوگا، اس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی گئی ہوں ان کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الشيخ عبدالحی :- اگر دانست کہ احتلام فلاں روز ست حکم جنابت ازال
 روز جاری نخواهد شد و اگر تعین روز معلوم نہ شد حکم احتلام از آخر نوم کہ بعد آن نخسبید است
 داد نخواهد شد۔ (مجموعۃ الفتاویٰ فارسی) ج ۳ ص ۲۶۱ باب الغسل

کنڈوم (ساقھی) کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے | سوال :- کنڈوم (ساقھی) کو
 استعمال کرنے کی صورت میں جماع

بدون انزال کے موجب غسل ہے یا نہیں؟

الجواب :- نفس التقارعتانین (دونوں شرمگاہوں کا مل جانا) جب سپاری غائب
 ہو جائے تو بغیر انزال کے موجب غسل ہے بشرطیکہ دونوں کو ایک دوسرے کی حرارت محسوس ہو
 اس لیے فقہاء نے اس ایلاج (دخول) کو موجب غسل قرار نہیں دیا جو موٹے کپڑے کے ساتھ
 ہو اور اس میں فرج داخل کی حرارت محسوس نہ ہو لیکن کنڈوم (ساقھی) میں اگرچہ ذکر
 ملفوف ہوتا ہے مگر یہ غلاف اتنا باریک ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں بھی تمام تر لذت اس میں
 ہوتا ہے اور طرفین ایک دوسرے سے لذت یاب ہوتے ہیں اس لیے کنڈوم کے ساتھ افعال بدن
 انزال بھی موجب غسل ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ومنها ایلاج بخرقۃ مانعة من وجود اللذة علی الاصح۔ قال الشيخ أحمد الطحطاوی
 (قوله مانعة من وجود اللذة) اقتصر علی ذکر اللذة هنا ورا د فیما تقدم وجود الحارۃ وعلیها متلازمان۔
 والطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۸ فصل عشر و اشیا لا یغتسل منها (

ایضاً ولولف ذکره بخرقۃ واولجه ولم یزل قال اصح انه ان وجد حرارة الفرج واللذة وجب
 الغسل والا فلا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۸ موجبات الغسل) لہ

لہ قال المحکمی: اولج حشفته او قدھا ملفوفة بخرقۃ ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا
 لا علی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۱ ص ۱۶۳ ۱۶۵ باب الغسل)

سوال :- ٹیسٹ ٹیوب بی کے ذریعے جو
ٹیسٹ ٹیوب بی سے وجوب غسل کا مسئلہ | مادہ منویہ عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے کیا

اس عمل سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- وجوب غسل کا سبب نفس خروج منی یا دخول منی نہیں بلکہ اصل علت اس میں لذت اور تسکین قلب ہوتی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب میں لذت اور تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے اور اس میں صرف مادہ منویہ عورت کے رحم میں بذریعہ مشین پہنچایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے وہ لذت و تسکین نہیں ہو مرد کے جماع کرنے سے عورت کو حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال عورت کا اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے یا غیر آدمی کے ذکر وغیرہ کو داخل کرنے کی ہے جو موجب غسل نہیں۔ البتہ اگر ٹیسٹ ٹیوب کے عمل کے وقت عورت کو انزال ہو جائے تو تب غسل واجب ہوگا اگرچہ بدون انزال کے غسل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال المحصن فی: وفرض الغسل عند خروج منی من العضو... منفصل عن مقرة هو صلب الرجل وترايب المرأة... بشهوة ای لذت و لو حکماً کمتعلم ولم يذكر الدفق يشمل منی المرأة، لان الدفق فيه غیر ظاہر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۰) باب الغسل

وايضاً قال: ولا عند ادخال اصبع ونحوه كذكر غیر آدمی و ذكر خنثی ومیت وصبی لا یشتهی ما یصنع من نحو خشب فی الدبر والقبیل علی المختار۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶) باب الغسل

سوال :- اگر ایک آدمی کسی
جانور سے وطی کرنے کی صورت میں غسل کا مسئلہ | جانور سے وطی کرے لیکن انزال

لما قال حسن بن عمار: اولها خروج المنی وهو ما دلی ظاهراً الجسد لانه ما لم یظهر لا حکم له اذا انفصل عن مقرة بشهوة من غیر جماع۔ (مراقی الفلاح علی مسقطاً فصل موجبات الغسل)
 وايضاً ومنها ادخال اصبع ونحوه كشيء ذكر مصنوع من نحو الجلد فی احد السبلین علی المختار مقصوراً لشهوة۔ (مراقی الفلاح علی مسقطاً فصل عشرة اشياء لا یغتسل منها)

انزال نہ ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- نفس ایلاج موجب غسل نہیں بلکہ ایلاج (التقاء خاتنین) کے لیے محل مشتبہ کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ بہیمہ (جانور) یا میتہ (مردہ) محل مشتبہات نہیں اس لیے نفس وطی بدون انزال کے غسل واجب نہیں۔

لما قال الحنفی: ولا عند بہیمہ او میتہ او صغیرۃ غیر مشتبہۃ بان تصیر مفضاۃ بالوطء وان غابت الحشفۃ بلا انزال لقصور الشہوۃ۔

والد المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۶۱ اجازات الغسل، سنن الغسل ۱۷

التقاء ختائین کی صورت میں غسل کا حکم | سوال :- مرد و عورت کی شرمگاہیں جب آپس میں مل جائیں تو کیا دونوں پر غسل ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث مقدسہ کے صریح اور واضح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس لتقاء خاتنین موجب غسل ہے بشرطیکہ حشفہ (سپاری) فرج میں غائب ہو جائے۔

لما اخرج الامام ابو عیسیٰ الترمذی: عن عائشۃ قالت اقبلوا الختان الختان وجب الغسل فعلتہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا۔

الجامع الترمذی ج ۱ ص ۳۱۰ باب ما جاء اذا التقی الختان وجب الغسل ۱۷

غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم | سوال :- کبھی کبھی جلدی کی وجہ سے جماع یا احتلام کے بعد غسل کیا جاتا ہے اور غسل کے بعد منی کے قطرے خارج ہو جاتے ہیں تو کیا دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یا پہلا غسل ہی کافی ہوگا؟

لہ وفي الهندیۃ، والایلاج فی البہیمۃ والمیتۃ والصغیرۃ التي لا یجامع مثلہا لا یوجب الغسل بدوہا لا انزال۔ والہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ الغسل (ومثله فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۳۱ الفصل الثانی فی الغسل۔

لما قال الحنفی: وعند ایلاج حشفۃ ہی مافوق الختان آدمی احتراز عن الجنی یعنی اذا لم یصل وایلاج قدرہا من مقطوعہا ولم یبق منه قدرہا۔۔۔۔۔ فی احد سبیلی آدمی حی یجامع مثله علیہما۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲ سنن الغسل) ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ۔

الجواب:۔ غسل کرنے کے بعد منی کے جو قطرات خارج ہوتے ہیں اس میں قدمے تفصیل ہے اگر منی کے قطرات کثرت مشی زیادہ چلنے (سمنے یا پیشاب کے بعد نکلے ہوں تو چونکہ بسا اوقات ان حالات میں بغیر شہوت و دفق کے منی خارج ہو جاتی ہے اسلئے عدم شہوت کی وجہ سے پہلا غسل ہی کافی ہے دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر ان عوارض سے قبل منی کے قطرات خارج ہو جائیں تو دوبارہ غسل واجب ہوگا۔

لما فی المہندیۃ: لو اغتسل من الجنابة قبل ان یبول او ینام و صلی ثم خرج بقیۃ المنی فعلیہ ان یغتسل عندہما خلا فلا ین یوسفؑ و لکن لا یعید تلك الصلوۃ فی قولہم جمیعاً کذا فی الذخیرۃ ولو خرج بعد ما یال او نام او مشی لا یجب علیہ الغسل اتفاقاً کذا فی التبیین۔

رد المہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبة الغسل لہ
سوال:۔ آبجکل غسل کے لیے بعض مقامات پر سوئمنگ پول بنا دیئے گئے ہیں جو درہ درہ حوض (ایک صدراع) سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، اُن میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو حوض درہ درہ ہو تو مفتی بہ قول کے اعتبار سے اس کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں سوئمنگ پول اگر درہ درہ زراع یا اس سے زیادہ ہو تو وہ ماء جاری کے حکم میں ہے اس لیے اس میں غسل کرنا جائز ہے۔ البتہ چونکہ سوئمنگ پول میں غسل کرنا کفار اور فساق کا وطیرہ ہے اس لیے ایسی جگہوں میں غسل کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال طاہر بن عبد الرشید: الحوض الکبیر مقدار بعشرۃ ازرع فی عشق ازرع۔۔۔
 وعلیہ الفتاوی۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الطہارۃ) لہ

لہ قال ابن عابدینؒ: وکذا لو خرج منه بقیۃ المنی بعد الغسل قبل النوا و البول و المشی اکثر نہرای لا بعدہ لان النوم و البول و المشی یقطع مادۃ الزائل عن مکانہ بشہوۃ فیکون الثانی ذائلاً عن مکانہ بلا شہوۃ فلا یجب الغسل اتفاقاً۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۱ مواجیات الغسل)

لہ التقدير بعشر فی عشر هو المفتی بہ قال السید احمد الطحطاوی (قوله هو المفتی بہ) هو قول عامۃ المشائخ خانیۃ و هو قول اکثر و بہ ناخذ نوازل و علیہ الفتاوی کما فی شرح الطحاوی۔ (طحطاوی حاشیۃ مرقا الفلاح ص ۲۱ کتاب الطہارۃ بحث اقسام المیاء) و مثله فی المہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۱ الباب الثالث فی المیاء۔

جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں | سوال :- عوام میں یہ بات بہت زیادہ مشہور ہے کہ بیوی سے جماع کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ ہوتا ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

الجواب :- جماع کرنے کے بعد اگرچہ غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ وجوب علی الفور نہیں بلکہ جب موقع ملے تو غسل جنابت کر لیا جائے، اگرچہ اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ فوراً غسل کر لیا جائے۔

عن ابن عمر قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول الله صلى الله عليه وسلم: انه تصيبه الجنابة من الليل فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم تَوَضَّأُوا غَسَلَ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمَ - متفق عليه - (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹۹ باب مخالطة الجنب) لہ

سوال :- موجودہ دور میں خواتین اپنے بالوں کو لمبا اور گھنا ظاہر کرنے کے لیے مصنوعی بال لگاتی ہیں، غسل یا وضو میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگرچہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے عمل کو موجب لعنت قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کر بھی لیا جائے تو غسل میں چونکہ عورتوں پر صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے اس لیے وضو اور غسل میں ان خارجی بالوں کا ہٹانا ضروری نہیں بشرطیکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح اصلی بالوں پر ہو، ہاں اگر مصنوعی بالوں پر مسح کیا جائے تو وضو جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة برهان الدین المورغینانی: ليس على المرأة ان تنقص ضفائرها في الغسل اذا بلغ المار اصول الشعر - (الهداية ج ۱ ص ۲۹۹ فصل في الغسل) لہ

لہ عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان جنباً فاداد ان يأكل او ينام تَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ - (متفق عليه) (مشکوٰۃ المصابيح ج ۱ ص ۲۹۹ باب مخالطة الجنب وما يباح له)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْأَسْلَامِيِّ وَادَّلَتْهُ ج ۱ ص ۳۸۲ الْمَطْلَبُ الْخَامِسُ مَكْرُوهُاتُ الْغَسْلِ - لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: لا يفترض نقض المصفور من شعر المرأة (إن سرى الماء في أصوله اتفاقاً الخ - (مراقي الفلاح على مدار الطحاوی ص ۸۲ فصل فرائض الغسل)

وَمِثْلُهُ فِي كَبِيرِي ص ۴۷ فَرَائِضُ الْغَسْلِ -

سوال :- اگر ایک شخص بیداری کی حالت میں صرف تری محسوس کرنا موجب غسل نہیں | بلا شہوت و دفق ا حلیل میں منی یا ندی کی کچھ تری محسوس کرے اور وہ قلیل المقدار ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہی رک جائے اور باہر خارج نہ ہو تو اس صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں غسل واجب نہیں کیونکہ وجوب غسل کے لیے خروج منی علی وجه الدفق والشہوت ضروری ہے جو کہ صورت مسئلہ میں مفقود ہے، البتہ اس تری کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر قطرات صرف ا حلیل کے اندر ہوں خارج نہ ہوئے ہوں تو وضو پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وفي الهندية : منها الجنابة وهي تثبت بسببين أحدهما خروج المنى على وجه الدفق والشهوة - (الهندية - الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل ج ۱) ۱۷۰
سوال :- اگر ایک شخص اپنی منکوحہ سے متعدد بار متعدد بار جماع کیلئے ایک غسل کافی ہے | یا دو تین بیویوں سے جماع کر کے آخر میں ایک دفعہ غسل کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں یا ہر بار جماع کے لیے مستقل غسل کرنا ہوگا ؟

الجواب :- ایک بیوی سے یا متعدد بیویوں سے کئی بار جماع کرنے کیلئے ایک غسل کرنا کافی ہے، ہر دفعہ جماع کے لیے الگ غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نسائه في غسل واحد - (ترمذی ج ۳۶ باب ما جاء في الرجل يطوف على نسائه بغسل واحد)

وقال المحصني : وكامعاودة أهله قبل اغتساله الا اذا احتلم لمريات أهله - قال الحلبي ظاهرا كاحاديث انما يفيد التذلل لا نفى الجواز

۱۷۱ قال برهان الدين : المعاني الموجبة للغسل انزال المنى على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة حاله النوم واليقظة (الهداية - فصل في الغسل ج ۱ ص ۳) ومثله في خلاصة الفتاوى الفصل الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱ -

المفاد من كلامه۔ (الدر المختار علی صمدہ رد المحتار۔ اجازات الغسل ج ۱) ۱۷۹/۱۷۵

سوال ۱۔ اگر مسجد کے باہر گرم پانی جنابت کی حالت میں بوقت ضرورت مسجد میں جانا میسر نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل میں تکلیف ہوتی ہو تو گرم پانی کے لیے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی ایسا وقتاً پانی کے پھپکا بن مسجد کے اندر ہوتا ہے، تو کیا جناب شخص پانی کی مشین چلانے کے لیے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے؟

الجواب ۱۔ اگر مسجد سے باہر غسل کا انتظام نہ ہو اور ضرورت کے تحت مسجد میں داخل ہونا ضروری ہو تو تیمم کر کے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

قال ابن عابدین: لكن لقائل ان يقول ان مراد المبتغى ان الجنب اذا وجد ماء في المسجد و اراد دخوله للاغتسال تیمم ویدخل۔ ۲۴۳

(رد المحتار علی الدر المختار۔ باب التیمم ج ۱) ۲

سوال ۱۔ جنابت کی حالت میں پورے جسم کا غسل کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نجاست تو عضو مخصوص سے نکلتی ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ صرف عضو مخصوص ہی دھویا جائے۔ آخر کار جنابت کا پورے جسم پر کیا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے غسل میں ہر بال تک پانی پہنچانا ضروری قرار دیا گیا ہے؟

الجواب ۱۔ احکامات شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ضعیف ایمان کی دلیل ہے، مسلمان کے لیے بغیر کسی چون و چرا کے احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے، احکام شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ایمان کا تقاضا نہیں، کیونکہ ایمان اور اسلام فرمانبرداری اور اطاعت کا نام ہے اس کا

۱۔ قال طاہر بن عبد الرشید: ولا یأس للجنب ان ینام ویعاً وداہلہ قبل ان یغتسل او یتوضأ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۷) ومثله فی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۹ باب مخالطۃ الجنب ویباح له الفصل الاول۔

۲۔ قال ابراہیم الحلبي: جنب وجد الماء فی المسجد ولم یجدہ فی غیرہ ولیس معہ احد یا تیہ بہ تیمم لاجل الدخول۔ (کبیری باب التیمم ص ۷۷)

یہ مطلب نہیں کہ احکام شرعیہ عقل سے متصادم ہیں بلکہ ہماری عقل ناقص ہے جس کی وجہ بسا اوقات ان حکمتوں اور فلسفوں کے ادراک سے ہم قاصر رہ جاتے ہیں۔

تاہم جنابت کی حالت میں پورے بدن کے دھونے کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سکساری پیدا ہوتی ہے۔ جنابت سے انسان کو ارواحِ طیبہ یعنی فرشتوں سے بعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ختم ہو جاتی ہے۔ جب انسان مجامعت سے فارغ ہو جاتا ہے تو حالت جنابت میں ہونے کی وجہ سے اس کا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر بوجھ سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے، اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے تب اس کی گھٹن اور سستی دور ہو جاتی ہے۔

حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن اور روح کے لیے نہایت نافع اور مفید ہے، اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن و روح کے لیے سخت مضر ہے۔ اس امر کی خوبی پر عقل و فطرتِ سلیمہ کافی گواہ ہے۔

والیہ اشار الشیخ ابن القیم الجوزیہ: حیث قال فان الاغتسال من خروج المني من انفع شيء للبدن والقلب والروح بل جميع الاضرار القائمة بالبدن فانها تقوى بالاغتسال والغسل يخلف عليه ما تحلل منه بخروج المني وايضا فان الجنابة توجب ثقلاً وكسلاً والغسل يحدّث له نشاطاً وخفةً روبرعاً اسطر وقد صرح افاضل الاطباء بان الاغتسال بعد الجماع يعيد الى البدن ويخلف عليه ما تحلل منه وانه انفع شيء للبدن والروح وتركه مضر. را اعلام الموقعين. جواب ابن القيم المفصل عن الباب الغسل من المني ج ۲ ص ۲۷۷



باب البئر

(کنوئیں کے مسائل و احکام)

سوال :- اگر کنوئیں میں یا حوض کے پانی میں مینڈک

الجواب :- مینڈک کی دو قسمیں ہیں، ایک بحری دوسری بری۔ اگر بحری مینڈک جس کا رہن سہن پانی میں ہو تو مائے المولد کے حکم میں ہو کر اس کے مرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور بری مینڈک کے بدن میں اگر خون نہ ہو تو اس سے بھی پانی نجس نہیں ہوتا البتہ اگر اس کے بدن میں خون ہو تو پھر اس کے مرنے سے پانی نجس ہوگا۔

قال المحقق: وما في مولد كسك وسرطان وضفدع الا بريالة دم سائل وهو ما لا ستر له بين اصابعه فيفسد في الاصح كحية برية ان لها دم والا لا۔

قال ابن عابدین: (قوله فيفسد في الاصح) وعليه فما جزم به في الهداية من عدم الفساد بالضفدع البري وصححه في السراج محمول على ما لا دم له سائل كما في البحر (ماد المحتار على الدر المختار - باب المياہ ج ۱ ص ۱۸۵)۔

سوال :- اگر کنوئیں میں انسان گر کر مر جائے تو اس

انسان گرنے سے کنوئیں کے پانی کا حکم

الجواب :- غیر نجس انسان کا بدن پاک ہے، اگر انسان کنوئیں میں گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو پانی پاک ہے، البتہ اگر مر گیا ہو تو پانی نجس ہوگا اور اس صورت میں کنوئیں سے

له قال قاضي خان: موت ما لا دم له كالسماك والسرطان والحية وكل ما يعيش في الماء لا يفسد ما دلا وانى وكذا الضفدع برية كانت او بحرية فان كانت الحية او الضفدع عظيمة لمها دم سائل يفسد الماء وكذا الوزعة الكبيرة۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش المندیتہ فصل فیما یقع فی البئر ج ۱ ص ۱)

تمام پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر دوسو سے لے کر تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔ تاہم اگر گڑا ہوا آدمی محدث یا جنب ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا۔
 قال ابراہیم الحلبي: وان ماتت فيها شاة او كلب او ادمي ينزع جميع الماء..... وكذا ينزع جميع الماء اذا استخرج الكلب او الخنزير حياً. ركبيري فصل في البئر ص ۱۷
 قال العلامة عالم بن العلامة الانصاري: ان كان محدثاً ينزع اربعون دلواً.
 (تاتارخانیہ ج ۱ ص ۱۸۲ مسائل البئر)

سوال :- گھروں میں بیت الخلاء کیلئے پانی کے کنوئیں اور بیت الخلاء کے درمیان فاصلہ
 گڑا کھودا جاتا ہے جس میں بول و براز بیت الخلاء سے نکل کر جمع ہوتے ہیں، چھوٹے گھروں میں اس کے قرب و جوار میں پانی کا کنواں بھی بنایا جاتا ہے، کیا اس سے پانی کے کنوئیں پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟

الجواب :- پانی کی طہارت و نجاست کا حکم گڑا اور کنوئیں کے درمیان گندگی کے وصول پر مبنی ہے اور یہ وصول زمین کی نرمی اور سختی کی وجہ سے متفاوت ہے، کوئی خاص فاصلہ اس کے بارے میں متعین نہیں۔ تاہم یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک لون طعم ریح (بو) متاثر ہونے کا خطر نہ ہو تو اتنا فاصلہ رکھ کر بیت الخلاء کا گڑا بنایا جائے جس سے کنوئیں کا پانی متاثر نہ ہو۔

قال في الهندية: بئر الماء اذا كانت بقرب البئر النجسة فهي طاهرة ما لم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه كذا في النظمهرية ولا يقدر هذا بالذم ان حتى اذا كان بينهما عشرة اذرع وكان يوجد في البئر أثر البالوعة فماء البئر نجس وان كان بينهما ذراع واحد ولا يوجد أثر البالوعة فماء البئر

له قال الحصكفي: فان اخرج الحيوان غير متنفخ ولا متفسخ ولا متعيط فان كان كادمي وكذا سقط وسخلة وجدى واو زكبير ينزع كله۔ رالدم المختار على صدر رد المختار۔ فصل البئر ج ۱ ص ۲۱۵ ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۹۱ الباب الثالث في المياه۔

قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله كادمي محدث، ای انه ينزع فيه اربعون۔ (رد المختار ج ۱ ص ۲۱۳ باب البئر)

طاہر۔ کذا فی المحيط وهو الصحيح۔ (الہندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۷۷)
سوال :- کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چیل یا لکڑی گر جانے کا حکم
 اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اگر اس گری ہوئی گندی چیز کا نکالنا ممکن ہو تو نکالنا لازمی ہے اور اگر
 نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر کنوئیں سے سارا پانی نکالنا مشکل نہ ہو تو سارا پانی نکالا جائے ورنہ
 تین سو ڈول نکالنے سے کنواں پاک منظور ہوگا۔

قال المحقق: ینزع کل ما ثلھا بعد اخراجه الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقة
 متنجسة فینزع الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطهر الکل تبعاً۔
 (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ فصل فی البیروج ص ۲۱۲) ۲۷

سوال :- اگر کنوئیں میں مری
 اس کنوئیں کا حکم جس سے مرا ہوا حیوان نکالنا مشکل ہو
 کا بچہ گر کر مر جائے اور کنوئیں سے اس
 کا نکالنا ممکن نہ ہو اور نہ تمام پانی کا نکالنا ممکن ہو تو تین سو ڈول نکالنے کے باوجود بھی کنوئیں میں
 نجاست کی موجودگی میں پانی کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- ایسی حالت میں جبکہ تمام پانی کا نکالنا ممکن نہ رہے اور نجاست کا نکالنا
 بھی انسان کے بس میں نہ ہو تو کنوئیں سے اتنی مدت تک پانی استعمال نہیں کیا جائے گا جب تک
 وہ بچہ مٹی نہ ہو جائے، بعض نے چھ مہینہ تک تحدید کی ہے۔

قال ابن عابدین: قلت فلو تعذر ایضاً ففی القہستان عن الجواہر: لو وقع

۱۔ قال طاہر بن عبد الرشید: واد فی ما یبغی ان یکون بین بئر الماء والبالوعة سبعة
 اذرع والتعویل علی نقوذ الرائحة ان تغیر لونه او طعمه او رائحته نجسة والا فلا۔
 (خلاصة الفتاویٰ الخیسیں الثالث فی الایار لا بار ج ۱ ص ۱۱۱)۔ ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار فصل فی البیروج ص ۲۱۲
 ۲۔ قال فی الہندیۃ: ولو وقعت فی البئر خشبة نجسة او قطعة ثوب نجس وتعذر
 اخراجها وتغیبت فیها طهرت الخشبۃ والثوب تبعاً بطہارة البئر کذا فی الظہیرۃ
 (الہندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۷۷) ومثله فی السعایۃ ج ۱ ص ۲۶۱

عصفور، فیہا فعجز واعن اخراجه فما دام فیہا فنجسة فتترك مدة يعلم
انه استحال وصار حماة وقيل مدة ستة اشهر۔

رد المحتار علی الدر المختار، فصل فی البیروج (۲۱۲) ۱۷

سوال :- اگر ایک کنوئیں میں کتا گر کر مر جائے تو اس سے پانی
کتا گرنے سے پانی کا حکم پر کیا اثر پڑے گا؟ ناپاکی کی صورت میں کنوئیں کے کیچڑ، ڈول
اور رسی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے، کتے کا جسم نکالنے کے بعد سارا پانی
نکالنا اگر ممکن ہو تو ضروری ہے ورنہ دوسو سے لے کر تین سو ڈول تک پانی نکالا جائے گا۔ کیچڑ
نکالنا، ڈول اور رسی دھونا ضروری نہیں۔ ایسا ہی کنوئیں کی دیواروں میں ترمی رہ جانے
سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال فی الہندیۃ: اذا وقعت فی البئر نجاسة نذحت وکان نزح ما فیہا من الماء
طہارة لہا باجماع السلف کذا فی الہدایۃ۔ (الہندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۷۹)
سوال :- کنوئیں سے مردہ جانور خواہ کھڑا
ہو یا ہو یا نہ نکالا جائے تو گرنے کے وقت سے
لا علمی کی بناء پر وہ پانی وضو یا غسل کے لیے
استعمال ہوتا ہے اور اس سے جو کپڑے اور برتن وغیرہ دھوئے گئے ہوں یا اٹا گوندا گیا ہو، اس
کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۱۷ قال محمد عبد الحی۔ وذكر القمہستانی فی جامع الرموز نقلاً عن الجواهر لو وقع فیہا عصفور
فعجز واعن اخراجه فما دام فیہا فنجسة فیتترك مدة يعلم انه استحال وصار
حماة وقيل مدة ستة اشهر انتہیٰ وهذا ایضاً یفید انه لا بد من اخراج عین
النجس فاذا تعدى فیتترك الى ان یستعجل۔ (السعاۃ ج ۱ ص ۲۲۶ فصل فی البیروج)
۱۸ قال ابن عابدین: (قوله ینزع کل ما ئھا) ای دون الطین لورود الآثار ینزع الماء
(وبعد اسطر) (یظہر لكل) ای من الدلو والرشاش والبکی۔ (رد المحتار علی الدر المختار،
فصل فی البیروج ص ۲۱۲) ومثله فی مراقب الفلاح فصل فی مسائل البیروج ص ۲۲۔

الجواب: کنوئیں میں نجاست مل جائے اور اس کا وقت وقوع معلوم نہ ہو تو علم وقوع سے قبل اگر اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا گیا ہو یا پاک کپڑے دھوئے گئے ہوں تو بالا جماع کسی چیز کا اعادہ نہیں، اور اگر حالت حدث میں وضو یا غسل کیا گیا ہو یا نجس کپڑے دھوئے گئے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر حیوان نجاست (گلا سڑا ہو تو تین دن و رات کی جملہ عازوں کا اعادہ ضروری ہے، اسی طرح ان دنوں کے دوران جو کپڑے یا برتن دھوئے گئے ہوں تو ان کا دوبارہ دھونا لازمی ہے اور جو آٹا گوندھا گیا ہو اگر وہ موجود ہو تو کسی حیوان کو کھلا دیں۔ اور صاحبین کے ہاں کسی چیز کا اعادہ نہیں بلکہ جس وقت اس کا علم ہوا اسی وقت سے اس کی نجاست کا اعتبار ہوگا۔ بعض علماء نے صاحبین کے قول کو راجح کر کے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے، تاہم اگر صحراء وغیرہ ہو اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو تو پھر صاحبینؒ کی رائے کو اپنانا بھی درست ہے۔

لما قال شيخ الاسلام ابو بكر بن علي الحدار: اذا وجد في البئر فمارة ميتة او غيرها.... ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ اعادوا صلوٰة يوم وليلة وان كانت قد انتفخت او تقسخت اعادوا صلوٰة ثلثة ايام وليا ليها في قول ابي حنيفةؒ اذا كانوا توضوا منها، اي وهو محدثون وغسلوا كل شيء اصابه ماؤها اي غسلوا ثيابهم من نجاسة امان توضوا منها وهو متوضون وغسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعاً.... وقال ابو يوسفؒ ومحمد ليس عليهم شيء حتى يتحققوا متى وقعت۔
 (الجوهرة المنيرة ج ۱ ص ۲ فصل في البئر)

قال ابن عايدين: (قوله قيل وبه يفتي) قاله صاحب الجوهرة وقال العلامة قاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوى العتباتي قولهما هو المختار قلت: لم يوافق على ذلك، فقد اعتمد قول الامام البيهقي والنسفي والموصلي وصدر الشريعة، وراجع دليله في جميع المصنفات۔

رد المختار ج ۱ ص ۲۱۹ مطلب مهم في تعريف الاستحسان) لے

لے قال ابن نجيم: اعلم ان البئر تنجس من وقت وقوع الحيوان الذي وجد ميتاً فيها (د باقی حاشیہ الگلہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

باب الحوض

(حوض کے مسائل و احکام)

سوال :- بعض علاقوں میں چھوٹے چھوٹے حوض بنائے جاتے ہیں، پانی کی روانگی کے وقت تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا لیکن جب پانی جاری نہ ہو تو ایسے حوض (تالاب) سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر اس وقت جبکہ حوض کے ایک جانب کتوں یا دوسرے حیوانات کی نجاست پڑی ہو۔

الجواب :- جو حوض وہ در وہ سے کم مقدار کا ہو تو صرف نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور جو حوض وہ در وہ یا اس سے زیادہ مقدار کا ہو تو جب تک پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوئے ہوں نفس نجاست گرنانا پانی کی کاسبب نہیں بنتا۔ لہذا مسئلہ حوض اگر وہ در وہ سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑی ہوئی ہو تو پانی کے نجس ہونے کی بناء پر اس سے وضو کرنا جائز

در بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ان علم ذلك الوقت وان لم يعلم فقد صار لما مشكوكا في طهارته ونجاسته فاذا توضؤا منها وهم متوضؤون او غسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعا لان الطهارة لا تبطل بالشك وان توضؤا منها وهم متحدون او اغتسلوا من جنابة او غسلوا ثيابهم عن نجاسة في الاول والثاني خلاف فعند ابي حنيفة التفصيل المذكور في الكتاب وقال لا يحكم بنجاسة وقت العلم بها ولا يلزمهم اعادة شيء من الصلوة ولا غسل ما اصابه ماؤها قبل العلم وهو القياس لان اليقين لا يزول بالشك - (البحر الرائق - كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۲۳)

وقال ربيع اسطر في تصحيح الشيخ القاسم وفي فتاوى العتبات المختارة قولهما قلت هو المخالف لعامة الكتب فقد رجح دليله في كثير من الكتب وقالوا انه الاحتياط فكان العمل عليه وذكر الاسدي جاني ان ما عجن به قال بعضهم يلقى الى الكلاب وقال بعضهم يعلف المواشي - (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۵ كتاب الطهارة) ومثله في السعاية ج ۱ ص ۲۳۹، ۲۴۰ كتاب الطهارة في احكام الاسرار -

نہیں البتہ جاری ہونے کی صورت میں وہ درودہ سے کم حوض بھی نجس نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود المودود والماء الراكد اذا وقعت فيه نجاسة لا يجوز به الوضوء الا ان يكون عشرة اذرع في عشرة۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۱ حکم الماء الداكد ان وقعت فيه نجاسة) لہ
سوال :- طول وعرض کی مقدار بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے
گول حوض کا حکم کہ حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری ہے، لیکن بسا اوقات حوض
 گول ہوتا ہے تو کیا چالیس گز گولائی والے حوض کو حوض کبیر کہا جاسکتا ہے؟

الجواب :- حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری نہیں، طہارت کا دار و مدار پانی
 کی کثرت پر ہے لہذا گول حوض ہونے کے باوجود جب وہ درودہ جتنا رقبہ بنتا ہو تو یہ
 ماہ جاری کے حکم میں ہوگا۔

قال ابن عابدین: قوله ای فی المربع، اشارات المراد من اعتبار العشر فی العشر ما
 یكون وجهه مائة ذراع سواء كان مربعاً، وهو ما یکون کل جانب من جوانبه
 عشرة وحول الماء أربعون ووجهه مائة او كان مدوراً او مثلثاً۔
 (رد المحتار علی الدر المختار باب المیاہ ج ۱ ص ۱۴۲) لہ

سوال :- اگر حوض کی لمبائی اور چوڑائی متفاوت
متفاوت کناروں والے حوض کا حکم ہو، پھر بھی اوسط رقبہ وہ درودہ سے زیادہ ہو تو

لہ قال العلامة ابراهيم الحلبي: والماء الراكد الاصل عندنا ان الماء القليل ما
 لم يكن عشرًا في عشر يتنجس بوقوع النجاسة فيه وان لم يظهر فيه
 اثرها من لون ونحوه۔ رکبیری ص ۹۴، فصل فی احکام الحياض) ومثله
 فی خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۷۱ احکام الحياض۔

لہ قال ابن نجيم: فان كان الحوض مدوراً ففي الظهيرية يعتبر ستة وثلاثون
 وهو الصحيح وهو مبني عند الحنابلة۔ وفي الخلاصة وصورة الحوض الكبير المقدس
 بعشرة في عشرة ان يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء أربعون
 ذراعاً۔ (البحر الرائق۔ کتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۷۱)

کیا اس کو حوض کبیر کے حکم میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

الجواب :- حوض کبیر کے ماء جاری کے حکم میں ہونے کا دار و مدار تناسب اطراف پر نہیں بلکہ پانی کی کثرت پر ہے، اگر اوسط رقبہ درہ درہ سے زیادہ بنتا ہوا اور مبتلی بہ کی رائے میں پانی زیادہ ہو تو پھر طول اور عرض متفاوت ہونے کے باوجود یہ حوض درہ درہ کے حکم میں ہو کر ماء جاری کے حکم میں رہ جائے گا۔

قال المحصن: ولوله طول لا عرض لكنه يبلغ عشرًا في عشر جاز تيسرًا۔
قال ابن عابدین: (قوله تيسرًا) ای جازا لوضوء منه بناء على نجاسة الماء المستعمل أو المراد جاز وان وقعت فيه نجاسة، وهذا أحد قولين، وهو المختار۔
(رد المحتار على الدر المختار۔ باب المياه ج ۱ ص ۱۹۳) لے

سوال :- ایک بڑا حوض ہونے کی صورت میں اگر وضو بڑے حوض سے وضو کا حکم کرتے وقت ماء مستعمل کے کچھ قطرے گرتے رہیں اور پانی نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو تو کیا اس حوض سے وضو کرنا درست ہے؟

الجواب :- بڑے حوض میں جب تک پانی کے اوصاف یعنی رنگ، ذائقہ اور بو متغیر نہ ہو تو ماء مستعمل کے قطرے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، از روئے شرع ایسا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل دونوں جائز ہیں۔

قال المحصن: وكذا يجوز براكذ كثير كذا لك ای وقع فيه نجس لم يراثره ولو في موضع وقوع المرئية به يفتي بمحو الدار المختار على هامش رد المختار
باب المياه ج ۱ ص ۱۹۱ (۲) لے

لے قال ابن نجيم: فان كان الحوض مدوراً ففي الظهيرية يعتبر ستة وثلاثون وهو الصحيح وهو مبرهن عند الحساب وفي الخلاصة وصورة الحوض الكبير المقدس عشرة في عشرة ان يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء أربعون ذراعاً۔ (البحر الرائق۔ كتاب الطهارة ج ۱ ص ۸۲)
لے قال ابن نجيم: (قوله) والا فهو كالجاري ای وان يكن عشرًا في عشر فهو كالجاري فلا يتنجس الا اذا تغير احد اوصافه ثم في قوله كالجاري إشارة الى انه لا يتنجس موضع الوقوع۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۸۲)
ومثله في الهندية۔ الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۸۱۔

سوال :- اگر بڑا حوض جس کی مقدار عشرائی زیادہ پانی تغیر اوصاف کے بغیر پاک ہے عشر سے زیادہ ہو، گو بیابول و براز واقع

ہونے سے اس کے پانی پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :- واضح ہو کہ پانی خواہ حقیقتاً جاری ہو یا حکماً، اس میں نجاست واقع ہونے کی صورت میں تغیر اوصاف کے بغیر پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن یہی واضح ہو کہ وہ درودہ گزر حوض ماہ جاری کے حکم میں ہونا احناف کے مذہب میں ایک روایت ہے جو امام ابوحنیفہ سے منقول نہیں، لیکن زمانہ حال میں جہل کی بناء پر فقہاء کرام وہ درودہ پر فتویٰ دیتے ہیں۔

قال طاہر بن عبد الرشید: النجاسة اذا وقعت في حوض ان كان كبيراً فهو بمنزلة البحر لا يتنجس الا ان يتغير طعمه اولونه او ريحه.... قال (بعد اسطر) الحوض الكبير مقدّر بعشرة اذرع في عشرة اذرع وعليه الفتوى۔

ر خلاصۃ الفتاویٰ - کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱۷

سوال :- بڑی بڑی نہریں آبادیوں کے قریب سے گذرتی ہیں تو لوگ عموماً اس میں

نجاست اور گندگی پھینکتے رہتے ہیں یہاں تک کہ گاؤں سے بیت الخلاء کا پانی بھی انہی نہروں میں شامل ہوتا ہے، بسا اوقات نجاسات کے ڈھیر تک پانی میں نظر آتے ہیں تو ایسی نہروں کے پانی سے وضو اور غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- نہروں کا پانی جاری ہے اور جاری پانی میں جب تک اوصاف متغیر نہ ہوں یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں فرق نہ آیا ہو تو نجاست کے وقوع سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، ایسی بڑی نہروں میں عموماً نجاست مغلوب ہو جاتی ہے اور پانی میں اس کا کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے نہروں کا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔

قال الحنفی: ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة والجارى هو ما يعد جارياً عرقاً۔

لہ والتقدیر بعشر فی عشر هو المفتی بہ وذكر السيد احمد الطحطاوی فی تحت (قوله هو المفتی بہ) هو قول عامة المشائخ خاتمة وهو قول الاكثر وبہ نلخذ نوازل وعليہ الفتاویٰ۔

الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح مباحث اقسام الیام ومثله فی الہندیۃ۔ البنا الثالث فی المباح ۱۸

ان لم یزای یعلم اثره فلو فیه جیفة او بال فیه رجال فتوضاً اخر من اسفله جاز ما لم
یرقی البحریة أثره وهو ما طعم اولون اوریم۔ رالدر المختار علی صدر رد المحتار
باب المیاہ ج ۱ ص ۱۷۱ لہ

باب التیمم

(تیمم کے احکام و مسائل)

سوال: تیمم کی نیت کیسے کرنی چاہیے؟ اگر عربی کی نیت انسان کو یاد نہ ہو
تیمم کی نیت | مادری زبان میں نیت کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز عربی میں نیت کے الفاظ
کیا ہیں؟

الجواب: تیمم کی نیت دل کے ارادہ سے عبارت ہے، اگر دل میں ارادہ ہو تو نیت
صحیح تیمم کے لیے کافی ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی نیت کی جائے، اگر عربی میں نیت
یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کرے، البتہ عربی میں نیت یوں ہے: نیت ان
أتیمم لرفع الحدث ولا ستباحة الصلوة، لیکن نیت پر تلفظ کرتے وقت متعلقہ
فعل کا دل سے ارادہ کرنا ہوگا تاکہ زبان اور دل کے ارادہ میں یکسانیت رہے۔
قال الحسن بن عمار: وهو لغة القصد وشرعاً مسح الوجه واليدين عن صعيد مطهر
والقصد شرط له. (رو بعد اسطر) يشترط لصحة نية التيمم أخذ ثلاثة أشياء أمانة لطهارة
من الحدث القائم به أونية استباحة الصلوة أونية عبادة مقصودة لا تصح بدن طهارة. (مراقی الفلاح باب التیمم ص ۲۷)

لہ قال فی الہندیۃ: وفي النصاب والفتاوی فی الماء جاری اذ لا یتنجس ما لم یرتفع
طعمہ اولونہ اوریمہ من النجاسة کن فی المضمرات۔ (الہندیۃ۔ الباب الثالث
فی المیاہ ج ۱ ص ۱۷۱) ومثله فی البحر الرائق۔ کتاب الطہارت ج ۱ ص ۸۲۔
لہ وفي الہندیۃ: منها النية وكيفيتها ان ينوي عبادة مقصودة لا تصح الا بالطهارة
أونية الطهارة واستباحة الصلوة تقوم مقام ارادة الصلوة۔۔۔ الخ (الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶۰۲۵
باب التیمم) ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹، باب التیمم۔

مسجد کی مٹی پر تیمم کا حکم | سوال :- تیمم کی ضرورت پڑنے پر مسجد کی دیواروں سے تیمم کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- مسجد کی دیوار یا فرش پر تیمم کرنا مکروہ ہے کیونکہ تیمم کی صورت میں یہ مٹی حدت کے لیے مزیل ہے، جو مٹی یا پتھر مسجد میں نصب اور قائم ہو وہ واجب التعظیم ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ازالہ حدت کی نسبت بے ادبی کے مترادف ہے، البتہ اگر دیوار یا فرش کی مٹی کسی نے جمع کر کے مسجد کے ایک کونے میں رکھی ہو تو پھر اس پر تیمم جائز ہے کیونکہ مٹی کو اکٹھا کر کے کسی کونے میں رکھنا مسجد سے خارج ہونے کے معنی میں ہے اور مسجد کی مٹی جب مسجد سے باہر نکالی جائے تو اس کا تقدس اور حرمت باقی نہیں رہتی۔

قال قاضی خان: ويكره مسح الرجل من طين والردغة بأستوانة المسجد وبجائطه وان مسح بتراب في المسجد ان كان ذلك المتراب مجموعاً في ناحية غير منبسطة لا بأس به وان كان منبسطة منسوخاً يكره لانه بمنزلة ارض المسجد - (فتاویٰ قاضی خان علی هامش المندية - فصل فی المسجد ج ۱ ص ۶۵) ۱

تیمم میں تخلیل لمحہ کا حکم | سوال :- وضو کے وقت دائرہ کی کا خلال تو ہوتا رہتا ہے لیکن تیمم کے وقت دائرہ کی کا خلال کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- تیمم میں دائرہ کی کا خلال مسنون ہے تاہم اس کے لیے متقل ضرورت کی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: وفي الفيض: ويخلل لحيته وأصابعه ويحرك الخاتم والقرط كالوضوء والغسل اه قلت: لكن في الخاتمة ان تخليل الاصابع لا بد منه لينتم الاستيعاب وقال في البحر وكذا نزع الخاتم او تحريكه ام فبقى تخليل اللحية من السنن - (مرآة المختار علی الدر المختار - باب التيمم ج ۱ ص ۲۳۲) ۲

۱۔ قال العلامة اشرقي على تھانوي: "اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے۔" (امداد الفتاویٰ ج ۳۹ فصل فی التیمم)

ومثله في امداد الاحكام ج ۴۴ - آداب المساجد -

سوال :- پانی کی موجودگی میں اگر جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو نماز جنازہ کے لیے تیمم یا نہ ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہر وہ نماز جس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی تلاوتی بصورت قضاء ممکن ہو اور اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے اس کی ادائیگی کے لیے تیمم کرنا مخصص ہے، لہذا نماز جنازہ فوت ہونے کے خدشہ کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے تاہم ولی میت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

قال الحنفی: وجاز لحوف فوت صلوٰۃ جنازة ای کل تکبیراتھا ولو جنبا۔ او فوت عید بفراغ إمام او زوال شمس۔

قال ابن عابدین: قوله وجاز لحوف فوت صلوٰۃ جنازة ای لو کان المأد قریبا (قوله کل تکبیراتھا) فان کان یرجو ان یدرأک البعض لا یتیم لانه یملکناہ اداء الباقی وحده۔ بحر عن البدائع والقنیة۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب التیمم ج ۱) لہ
سوال :- کیا تلاوت قرآن مجید کے لیے بلا غدر تیمم جائز ہے؟

الجواب :- تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، ہر وہ عبادت جس کے لیے طہارت شرط نہ ہو تو اس کی ادائیگی بلا وضو بھی جائز ہے تاہم اس کے لیے تیمم کرنا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صرف سلام کے جواب کے لیے تیمم فرمایا تھا۔

قال محمد عبدالحی: ویتیم لذكر الله وكل خير ولو السلام قال ابن عمر مر رجل من المهاجرين علی رسول الله صلی الله علیہ وسلم وهو یبول فسلم علیہ ولم یرد علیہ حتی کاد الرجل یتواری عنہ ثم تیمم فرد السلام وقال لم یمنعنی ان ارد علیک السلام الا انی لمرأکن علی طهر ففی هذا الحديث دلالة علی کراهة الکلام وعدم استعباب السلام واردة فی هذا المقام وعلی انه یستحب ان یکون

لہ قال فی الہندیۃ: ویجوز التیمم اذا حضرته جنازة ولی غیرہ فحاف ان اشتغل با لطہارة ان تفوتہ الصلوٰۃ ولا یجوز للولی وهو الصحیح کذا فی الہدایۃ۔ (الہندیۃ الفصل الثالث فی المتفرقات ج ۱ ص ۳) ومثله فی مختصر القندوری ص ۱۵۱ باب التیمم۔

ذكر الله على الموضوء والتيمم لان السلام اسم من اسماء الله تعالى كذا في المصباح
ونحوه اي يتيمم ايضاً لمثل ذلك المذكور كس المصحف وقرأة القرآن عنه او
عن ظهر القلب. وفي يامة القبور ودفن الميت والاذان والاقامة والدخول
في المسجد او خروجه وتوعد وجود الماء صرح به في شرح النقاية نقلاً من
الميسوط - (السعاية باب التيمم ج ۱ ص ۵۳۲) له

صاحب عذر کیلئے خادم نہ ہونے کی صورت میں تيمم کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں
شخص خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو تو کیا یہ شخص خدمت کے لئے خادم رکھے گا یا تيمم کرے گا؟
الجواب :- اس پر خادم رکھنا ضروری نہیں، جب خادم یا معاون کی کوئی ممکن صورت
بیشتر ہو تو وضو کرے ورنہ تيمم کر کے نماز پڑھے۔

قال ابن نجيم: او كان لا يجد من يؤضئه ولا يقدر بنفسه اتفاقاً وان وجد
خادماً كعبدة وولده واجيرة لا يجزیه التيمم اتفاقاً. (المحرر الرئق باب التيمم ج ۱ ص ۵۳۲)
جنابت کے تيمم پر وضو ٹوٹ جانے کا کوئی اثر نہیں پڑتا | سوال :- جناب اگر کسی عذر کی وجہ
سے تيمم کرے اور اسکے بعد وضو ٹوٹ
جائے لیکن تاہتو غسل پر قادر نہیں تو کیا وضو کے ساتھ ساتھ جنابت کے لیے دوبارہ تيمم کی
ضرورت ہوگی یا وہ ایک تيمم کافی ہے؟

الجواب :- جب تک عذریاتی ہو تو جنابت کے لیے یہ ایک تيمم کافی ہے، موجب غسل
اگر دوبارہ متحقق نہ ہو تو قدرت علی الماء تک جنابت کے لیے دوبارہ تيمم کی ضرورت نہیں، البتہ
نواقض وضو کی موجودگی میں وضو باقاعدہ کرنا پڑے گا تاہم اگر دوبارہ احتلام ہو جائے یا جماع

له قال العلامة محمد يوسف البتوري: ويجوز التيمم مع وجود الماء لیس الطهور شرطاً في فعله
وحله كدخول المسجد للمحدث وكذا التيمم او قرأة القرآن على ظهر القلب۔ الخ
رمعارف السنن ج ۱ ص ۲۹۴ بیان مسئلہ جواز التيمم مع وجود الماء لیس الطهور شرطاً۔
له قال المحقق: او لم يجد ضئه فان وجد ولو بأجرة مثل وله ذلك لا يتيمم في ظاهر
المذهب۔ (الدر المختار علی مصلحتہ رد المحتار باب التيمم ج ۱ ص ۲۳۳) وقيل في المفدية باب التيمم
ج ۲ ص ۲۸۔

کرے تو پھر دوبارہ تیمم ضروری ہوگا۔

قال ابراہیم الحلبي: وان كان الماء يكفي للوضوء ولا يكفي للمعة يتوضأ به ولا ينتقض تیمم الجنابة لان الماء في حق المعة كالمعدوم لعدم كفايته لها۔
(کبیری۔ باب التیمم ص ۱۶) لہ

باب المسح على الخفين

(موزوں پر مسح کے مسائل)

ٹخنوں تک موزوں پر مسح کرنے کا حکم | سوال :- اگر موزے مضبوط قسم کے چمڑے اس طرح بنائے جائیں کہ ان میں ٹخنے چھپ جائیں تو کیا ایسے

موزوں پر مسح جائز ہے ؟

الجواب :- موزوں پر مسح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں ٹخنے چھپے ہوں بلکہ اگر پنڈلی کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے تو بھی مسح کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال في الهندية: منها ان يكون الخف مما يمكن قطع السفر به وتتابع المشي عليه وليسترا لکعبین وستر ما فوقهما ليس بشرط هكذا في المحيط حتى لو لبس خفا لا ساق له يجوز المسح ان كان الکعب مستورا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ الباب الخامس فی المسح علی الخفین ج ۳ ص ۲) لہ
جرابوں کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص پہلے سوتی جراب پہن کر اس کے اوپر موزے پہن لے تو کیا ایسی

لہ قال في الهندية: لو كان مع الخف ما يكفي للوضوء يتيمم ولا يجب التوضوء به الا اذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء۔ (الهندية الفصل الثالث في المتفرقات ج ۳ ص ۲) لہ قال المحقق: بشرط مسحه ثلاثة امور الاول كونه ساترا محل فرض غسل القدم مع الکعب۔ (الدر المختار علی صمد رما المختار باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۱)

صورت میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں مسح حقیقتاً موزوں پر ہی رہتا ہے، موزوں کے نیچے جراب پہننا کوئی مانع مسح عمل نہیں لہذا جرابوں کے ہوتے ہوئے بھی موزوں پر مسح شرعاً مقبول ہے۔

قال ابن عابدین بن قولہ او جرموقیہ ولو فوق خفّ او لفافۃ ای سواد کانت ملفوفۃ علی الرجل تحت الخفّ او کان مخبطۃ ملبوسۃ تحتہ کما افادہ فی شرح المنیۃ - (رد المحتار علی الدر المختار - باب المسح علی الخفین ص ۲۶۸، ۲۶۹) لہ

سوال :- جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ٹیلوں کی بنی ہوئی

جرابوں پر مسح کرتے ہیں، از روئے شرع ایسی صورت میں وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث متواترہ سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے، موزے عموماً چمڑے

کے بنے ہوتے ہیں اس لیے مطلق جراب پر مسح جائز نہیں، البتہ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کیلئے چار شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) ایسی گاڑھی اور موٹی ہوں جن میں تین میل (بارہ ہزار قدم) بغیر جوتے کے چلنا ممکن ہو۔

(۲) پتھنے کے بعد پنڈلیوں پر خود چپکی رہیں اور نیچے نہ گریں۔

(۳) پانی نیچے سے جذب نہ کریں۔

(۴) جرابوں میں دیکھنے سے اندر پاؤں کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

چونکہ موجودہ ٹیلوں کی جرابوں میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے ان پر مسح کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں وضو ناقص رہے گا۔

قال المحصّنیؒ: او جورہیہ ولومن عزل او شعر الثخینین بعیت یمشی فرسخاً

لہ قال ابراہیم الحلّیؒ: یعلم منہ جواز المسح علی خفّ لبس فوق خفّ مخیط من کسّ یاس او جوخ او نحوہما مما لا یجوز علیہ المسح لان الجرموق اذا کان بدلاً عن الرجل وجعل الخفّ مع جواز المسح علیہ فی حکم العدم فلان یکون الخفّ بدلاً عن الرجل ویجعل ما لا یجوز المسح علیہ فی حکم العدم اولیٰ کما فی اللفافۃ - (کبیری - فصل فی المسح علی الخفین ص ۱۱۲) ومثله فی البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۱

وینتبت علی الساق بنفسه ولا یرى ماتحته ولا یشف الا ان ینفذ الی الخف وتمر
 الفرض۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۹) ۱۷
بوٹ پر مسح کرنے کا حکم | سوال :- اگر ایسے بوٹ پہنے ہوئے جن میں ٹخنے چھپ جائیں اور
 مضبوطی بھی اس درجہ کی ہو کہ ان میں پھٹن نہ ہو تو کیا ان پر مسح کرنا
 جائز ہے۔ واضح ہے کہ ان میں پیدل چلنا بھی تین میل سے زائد ہو سکتا ہو؟
الجواب :- ایسے بوٹوں میں جواز مسح کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں لہذا ان پر مسح
 کرنا جائز ہے۔

قال المحقق: شرط مسحه ثلاثة امور الاول كونه سائراً لقدم مع الكعب
 او يكون نقصانه اقل من الخرق المانع فيجوز على الزربول لو مشدوداً والثاني
 كونه مشغولاً بالرجل ليمنع سرایة الحدث الثالث كونه ممایمكن متابعة
 المشی المعتاد فيه فرسغاً فاکثر قال ابن عابدین: (قوله لو مشدوداً) لان
 شدة بمنزلة الخياطة وهو متمسك بنفسه بعد الشد كالخف الخيط بعضه
 ببعض فافهم۔ وفي البحر عن المعراج ويجوز على الجاروق المشقوق علی ظهر
 المقدم وله ازرار يشدها عليه تسده لانه كغير المشقوق۔ الخ
 رد المحتار علی الدر المختار باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۹ تا ۲۷۳ ۱۸

انگلیوں میں ورم پیدا ہونے سے پاؤں پر مسح | سوال :- سردی کے موسم میں بسا اوقات
 پاؤں میں سوہن پیدا ہو کر انگلیاں متورم
 ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے، کیا ایسے پاؤں پر مسح

۱۹ قال ابن نجیم: وقوله والجورب المجلد والمنعل والثخين اي يجوز المسح على الجورب اذا كان مجلداً او منعلًا
 او ثخيناً وبعد اسطر، والثخين ان يقوم على اساق من غير شد ولا يسقط ولا يشق وفي التبیین ولا یرى
 ماتحته۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۲) ومثله فی خلاصة الفتاوی باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۸۔
 ۲۰ قال ابن نجیم: ويجوز على الجاروق المشقوق علی ظهر المقدم وله ازرار يشده عليه يسده لانه كغير
 المشقوق وان ظهر من ظهر المقدم شیء فهو كخروق الخف۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۳)
 ومثله فی خلاصة الفتاوی باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۸

کرنا جائز ہے؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے تو گرم پانی استعمال کرے اور اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو یا گرم پانی کا استعمال بھی باعث تکلیف ہو تو پھر اس پر مسح کافی ہے گا۔ تاہم اگر جبیرہ کے نیچے مسح کرنے سے تکلیف نہ ہو تو جلد پر مسح کرے گا، اور اگر جلد پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جائے کا خطرہ ہو تو جبیرہ کے مسح پر اکتفاء ہو سکتا ہے۔

قال ابن نجيم: وفي شرح الجامع الصغير لقاضي خان والمسح على الجباثر على وجوه ان كان لا يضتره غسل ماتحته يلزمه الغسل وان كان يضتره الغسل بالماء البارد ولا يضتره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار وان كان يضتره الغسل ولا يضتره المسح يمسح ماتحت الجبيرة ولا يمسح فوقها۔ (البحر الرائق باب المسح على الخفين ج ۱ ص ۱۸۴) لہ

باب الحيض

(حيض کے مسائل و احکام)

سوال :- دورانِ حیض و نفاس عورت قرآن کریم کی تلاوت **حالت حیض میں تسبیح پڑھنے کا حکم** | تو نہیں کر سکتی، لیکن کیا تسبیحات اور قرآنی دعائیں پڑھ سکتی ہے؟

الجواب :- حالتِ حیض و نفاس میں عورت کے لیے تسبیحات یا دعائیں پڑھنا جائز ہے، البتہ قرآنی ادعیہ بہ نیت تلاوت پڑھنا حرام ہے جبکہ دعا کی نیت سے جائز ہے۔

قال المحمدي: ولا يكره النظر اليه اى القرآن لمجنب وحائض ونفساء لان الجنب لا يحل العين كما لا تکره ادعية اى تحريماً، والا فالوضوء مطلق الذكر مندوب

لہ قال ابراهيم الحلبي: والمسح على الجبيرة على وجوه ان كان لا يضتره غسل ماتحته يلزم الغسل باكلاجماع وان كان يضتره الغسل ماتحته بالماء البارد ولا يضتره بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار وان كان يضتره الغسل ولا يضتره المسح يمسح ماتحت الجبيرة ولا يمسح ما فوق الجبيرة۔ (صغیری۔ باب المسح ص ۶۵) ومثله في الهندية باب المسح ج ۱ ص ۳۵۔

وترکہ خلاف الاونی وهو مرجع کراہۃ التنزیۃ - (الدر المختار علی صدمہ رد المحتار
مطلب یطلق الدعاء علی ما یشمل الشارح امکا) ۱۷

سوال :- آیام حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا
حالت حیض میں جماع کرنے کا حکم کیا حکم ہے؟ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- عائضہ عورت کے ساتھ بھی قرآنی جماع حرام اور ناجائز ہے ایسی حالت
میں جماع سے احتراز اور اجتناب لازمی ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وَیَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِضِ قُلْ هُوَ أَذًی فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِضِ
وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ یُطْهَرْنَ۔

ابستہ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل یا بوقت ضرورت مافوق الاذار استفاہ جائز اور مخص ہے۔
قال المحصن: وقربان ما تحت ازار یعنی ما بین سرۃ و رکتہ ولو بلا شہوة
وحل ما عداہ۔

وقال ابن عابدین: تحت قوله یعنی ما بین سرۃ و رکتہ فیجوز الاستمتاع
بالسرۃ وما فوقها والركبة وتحتها ولو بلا حائل وكذا بما بينهما بمعاثل
بغیر الوطی۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الحيض ج ۱ ص ۲۹۲) ۱۸

سوال :- اگر کسی عورت کا بچہ نام الخلق
ناقص الخلق نہ پچھے کی ولادت پر نفاس کا حکم
بالکل نہ ہوں بلکہ گوشت کا ایک ٹوٹکا ہو تو اس ناقص الخلق یا علقہ کے خروج کے بعد عورت
سے جو خون نکلتا ہے اس پر نفاس کا حکم جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۱۹ وفي الهندية: ولا يكره قوأت القنوت في ظاهرها الرواية كذا في التبيين وعليه الفتوى كذا في التجنيس
والظهيرية ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلك كذا في السراجية۔
(الهندية۔ الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس ج ۱ ص ۳۸)

۲۰ قال العلامة ابوبكر بن علي الحداد: حرمة الجماع وله ان يقبلها ويضاجعها وليست منع بجميع
بدنها ما خلا ما بين السرۃ والركبة۔ (المجوهرة النيرة ج ۱ ص ۳۵ باب النفاس)
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۹ الفصل الرابع في احكام الحيض۔

الجواب :- اگر حمل گوشت کا ایک ٹکڑا ہو یعنی اعضاء بالکل نہ بنے ہوں اور وہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کے بعد نکلنے والا خون حیض کے حکم میں شمار ہوگا بشرطیکہ مدت حیض تک خون جاری رہا ہو اس سے زائد وقت میں خون استحاض میں سے شمار ہوگا البتہ اگر اعضاء بنے ہوں تو اس کی پیدائش کے بعد نکلنے والے خون کا حکم نفاس کا ہوگا۔

قال فی الہندیۃ : والسقطان طهر بعض خلقه من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصیرہ نفساء ہکذا فی التبیین وان لم یطهر شیء من خلقه فلا نفاس لہا فان امکن جعل المرئی حیضاً یجعل حیضاً والا فہو استحاضۃ۔ والہندیۃ الفصل الثانی فی النفاس ج ۱ ص ۳۷۱

ایام حیض میں استعمال ہونیوالے کپڑوں کا حکم | سوال :- بعض خواتین ایام حیض میں استعمال شدہ کرسف (کپڑا) باہر گلی کوچوں میں پھینک دیتی ہیں جس سے انسانی ذہن میں عجیب و غریب قسم کے گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں سوال یہ ہے کہ ایسے کپڑے کے بارے میں شریعت اسلامی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- غیرت اور حیاء کا یہ تقاضا ہے کہ ایام حیض میں استعمال ہونے والا کرسف (کپڑا) دوبارہ استعمال نہ ہو سکتا ہو تو اسے جلا دیا جائے، ایسے کپڑے کو گلی کوچوں میں بہرے مناسب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی : کل عضو لا یجوز النظر الیہ قبل الانفصال لا یجوز بعدہ کشرعانتہ وشعر رأسہا وعظم ذراع یجرۃ مینتہ وساقہا وقلامۃ زفرہ جلہا دون یدہا وان النظر الی ملأۃ الاجنبیۃ بشہوۃ حرام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۱ کتاب النکاح فیہ فصل فی النظر ۲۷۱)

لہ قال الحصکفی : وسقط طهر بعض خلقه کید اور جل او اصبع او ظفر او شعر ولد حکماً فتصیر المرأۃ بہ نفساء والامۃ ام ولد فان لم یطهر لہ شیء فلیس بشیء والمرئی حیض ان دام ثلاثاً وتقدمہ طهر تام والاستحاضۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب حوال السقط ج ۱ ص ۳۷۱) ومثلہ فی البحر الرقۃ۔ باب الحيض ج ۱ ص ۲۱۸

۳۷۱ فی خیر الفتاویٰ : اگر دھونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہو سکیں تو جلا دیا جائے۔

(خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۹ باب الحيض)

سوال: حضرت مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ حیض کی ابتداء کب، کیسے اور کس سے ہوئی جو آج تک جاری و ساری ہے، ازراہ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

الجواب: حیض ایک مرض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم کو مبتلا کیا ہوا ہے، حضرت حواءؑ نے گندم یا کسی اور شے کو جو ان کے لیے ممنوع تھی کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حواءؑ کو اسی وجہ سے اس مرض میں مبتلا فرمایا اور آج تک ان کی اولاد میں یہ بیماری چلی آرہی ہے۔

لما قال الحسکفی: وسببه ابتداء ابتلاء الله لحواء لما كل الشجرة وفي الشامي ای وبقی فی بناتھا الی یوم القیامة وما قیل انه اقل ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل فقد مرده البخاری بقوله وحديث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکبر وهو ما رواه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحیض هذا شیء کتبہ اللہ علی بناتِ ادم قال النووی ای انه عام فی جمیع بناتِ ادم۔ (رد المحتار ج ۲۸۳ باب الحیض) لہ

سوال: ایام حیض میں عورت کو مختلف رنگ کا پانی آتا ہے، کیا یہ سب رنگ حیض ہے یا صرف سرخ رنگ والا خون؟

الجواب: ایام حیض میں ہر قسم کا رنگ حیض شمار ہوگا علاوہ سفیدی کے، کیونکہ یہ حیض نہیں بلکہ طہر کی علامت ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں مسلمان خواتین اپنے کمرے پر جو خون کو روکنے کے لیے عورتیں استعمال کرتی ہیں، آپ بھی کرتی تھیں، آپ فرماتی تھیں کہ ابھی انتظار کرو حتیٰ کہ سفیدی آجائے۔

لما قال المرغینانی: وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرة حیض حتی تری البیاض حائضاً۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۴۶۱ باب الحیض) لہ

لہ قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: قول وسببه ابتداء ای السبب فی حصوله اولاً (قوله ابتداء الله لحواء) فیہ رد علی من قال انه اول ما ارسل علی بنی اسرائیل فان الحدیث دال علی عمومہ لجمیع بناتِ ادم والحدیث اقوی وهو ما روی عن عائشہؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحیض هذا شیء کتبہ اللہ تعالیٰ علی بناتِ ادم۔ (المطالعہ حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص ۲۸۳ باب الحیض)

لہ قال الحسکفی: وما تراه من لون كدرة وتربية فی مدته المعتادة سوى بیاض خالص۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۹ باب الحیض)

سوال :- حالت حیض میں حائضہ عورتیں اوقات نماز میں ذکر و اذکار کو معمول بنائیں | عورت کو نماز پڑھنا تو جائز نہیں کیا ایسی عورت اپنے معمول پر دوام کے لیے اوقات نماز میں مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- حائضہ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں وضو کر کے اپنے مصلیٰ پر آکر بیٹھ جائے اور اتنی دیر تک تسبیح و تحمید، ذکر و اذکار میں مشغول رہے جتنے وقت میں یہ عورت نماز پڑھتی تھی تاکہ معمول میں کوئی فرق نہ آئے۔

قال ابن عابدین: ويستحب لها ان تتوضأ لوقت كل صلاة وتقعدها على مصلاها وتسبح وتهلل وتكبر بقدر ادائها كي لا تنسى عاداتها وفي رواية يكتب لها احسن صلاة كانت تصلي - (رد المحتار ج ۲۹ باب الحيض) -

سوال :- بعض لوگ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں، حیض کی حالت میں جماع کرنا اُن کو حیض و نفاس کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، اس لیے وہ دورانِ حیض اپنی بیویوں سے مہبستری کر جاتے ہیں، کیا از روئے شرع ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب :- حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنص قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتات کی روشنی میں حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اس دوران اپنی بیوی سے مہبستری نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص غلطی یا عدم علم کی وجہ ابتدائی ایام میں مہبستری کرے تو ایک دینا اور اگر آخری ایام میں ہو تو نصف دینا صدقہ کرنا افضل ہے اور توبہ و استغفار واجب ہے۔

لما قال العلامة حسن بن عماد: ويحرم بالحیض والنفس الجماع والاستمتاع بما

له قال العلامة عالم بن العلامة الانصاری: ويستحب للمرأة الحائض اذا دخل عليها وقت الصلاة ان توضأ وتجلس عند مسجد بيتها - وفي السراجية مقدار ما يمكن اداء الصلاة لو كانت طاهرة وتسبح وتهلل كيلا تتول عنها عادة العبادة -

والفتاوى الثمارة ج ۳۳۲ باب الحيض، نوع في الاحكام التي تعلق بالحیض
ومثله في المهدية ج ۳۸ الباب السادس في الدائم المختص بالنساء - الفصل الرابع في الحكم بالحیض -

تحت السرة الى تحت الركبة لقوله تعالى: وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ وقوله صلى الله عليه وسلم: "لك ما فوق الازار" فان وطئها غير مستحل له يستحب ان يتصدق بدينار ونصف ويتوب ولا يعود وجزاً في المبسوط وغيره بکفر مستحله -

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۱۶ باب الحيض) له

سوال :- آجکل بنات (لڑکیوں) کے مدارس میں مستورات **حالت حیض میں تعلیم قرآن کا حکم** | استاذ ہوتی ہیں، تو کیا ان کے لیے حالت حیض میں بچیوں کو

قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تعلیم ناگزیر ہے!

الجواب :- شریعت مقدسہ میں عائشہ کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن جہاں تلاوت ناگزیر ہو تو وہاں مفتی بہ قول کے اعتبار سے بہ نیت تعلیم بھی سے پڑھنا جائز ہے، اگرچہ امام طحاویؒ کی تحقیق کے مطابق نصف آیت بھی پڑھ سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: (قوله وقراءة القرآن) ای ولودون آية من المركبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعلیمه كلمة كلمة كما قدمناه انتهى (رد المختار جلد ۱ ص ۲۹۳) له

سوال :- حالت حیض میں خواتین **حائضہ عورت کیلئے دینی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے** | دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب :- حالت حیض میں قرآن کریم کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کا مطالعہ شرعاً ممنوع نہیں البتہ

له وفي الهندية: فان جامعها وهو عالم بالتحريم فليس عليه الا التوبة والاستغفار ويستحب ان يتصدق بدينار ونصف دينار - (الهندية ج ۱ الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس الخ)

وَمَثَلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِ الدَّرِّ الْمُخْتَارِ ج ۱ ص ۲۹۴ باب الحيض

۲ له قال الشيخ السيد احمد الطحطاوي: قوله وقراءة القرآن) ای يمنع الحيض ومثله الجناية قولة قرآن و شمل اطلاقه الاية وما دونها وهو قول الكرخي وصححه صاحب الهداية في التجنيس وقاضيان في شرح الجامع الصغير والولاجي في فتاوه ومثي عليه المصنف في المستصفي وقواه في الكافي ونسبه صاحب البدائع الى عامة المشائخ -

(طحطاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۱ باب الحيض)

وَمَثَلُهُ فِي التَّائِدِ خَانِيَةِ ج ۱ ص ۳۳۳ باب الحيض نوع في الاحكام التي تتعلق بالحيض

مطالعہ کے لیے بغیر غلاف کے اٹھانا اور اس کی ورق گردانی کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال ابن الہمام: قالوا یکرہ من کتب التفسیر والفقه والسنن لانہا لا تخلوا عن آیات القرآن وھذا التعلیل یمنع شروح النحوا یشاء۔ (فتح القدیر ج ۵۱ باب الحيض) ۱۷

حالت حیض میں آیتہ الکرسی پڑھنا | سوال: میں رات کو اکثر خواب میں ڈرجاتی ہوں، ایک صاحب نے مجھے آیتہ الکرسی پڑھنے کو کہا ہے، کیا حالت حیض

میں مجھے آیتہ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- ویسے تو شرعاً حائضہ اور جنب کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن اگر کوئی آیات قرآنی دعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے البتہ تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

لما قال ابن عابدین: (وقراءة القرآن بقصدہ) ای فلو قرأت الفاتحة علی وجه الدعاء أو شيئاً من الآيات التي فیہا معنی الدعاء ولو ترددت القراءة لأبأس به الخ

(رد المحتار ج ۲۹۳ باب الحيض) ۱۸

حائضہ عورت کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم | سوال: حائضہ عورت ایام مخصوص میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے اور بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے،

تو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ نیز حالت حیض میں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام دین فطرت ہے، اس میں نہ تو یہودیوں کی طرح اس حالت میں عورتوں کو ایک گندی شے سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے نہ نصاریٰ کی طرح پاک اور سابقہ حالت کے مطابق جان استعمال کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ جہاں جہاں پر سہیز ممکن ہو وہاں منع فرمایا اور جہاں سے لابدی ہو

لما قال ابن نجیم: قالوا یکرہ من التفسیر والفقه والسنن لانہا لا تخلوا عن آیات القرآن وھذا التعلیل یمنع من شروح النحوا یشاء۔ (البحر الرائق ج ۲۱ باب الحيض)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارُخَانِيَةِ ج ۳۳۳ باب الحيض نَوْمٌ فِي الْأَحْكَامِ الَّتِي تَتَعَلَّقُ بِالْحَيْضِ۔

۱۷ قال الشيخ السيد أحمد الخطاوي: (قوله بقصدہ) أما إذا قرأ على قصد الشفاء أو افتتاح أمر لا يمتنع في أصح الروايات والشمية لا تمتنع اتفاقاً إذا كانت على قصد الشفاء أو افتتاح أمر خلاصة: وفي العيون لا يثبت ولو قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئاً من الآيات التي فيها معنی الدعاء ولو تردد به القراءة فلا بأس به۔ (مخطاوی حاشیہ الدر المختار ج ۵۱ باب الحيض)

وہاں کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسیلئے حائضہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی اشیاء کے کھانے یا بچے کو دودھ پلانے سے کوئی اور چارہ نہیں، اسیلئے حائضہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا اس کو اسی حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد یہ کام کا ج کرے۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: وله ان یقبلها ویضا جعها ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرها۔ (طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح ۱۱۶ باب الحيض)

سوال :- آبکل بسا اوقات بچے کے آپریشن سے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کا حکم

کے بعد جو خون آتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ خون نقاس میں شامل ہے یا نہیں؟
الجواب :- نقاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد رحم سے آئے چاہے بچہ مفقود ذریعہ فطری طریقہ سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے۔ اب اگر آنے والا خون رحم سے ہو تو نقاس میں شمار ہوگا اور اگر آپریشن کی جگہ سے خون آتا ہو تو وہ نقاس نہیں، اس میں عورت پر روزہ نماز لازم ہوں گے۔

لما قال المحقق: والنقاس لقة وكلادة المرأة وشرعاً دم ویخرج من رحم فلو ولدته من سرتها ان سال الدم من الرحم فنفساء والا فذات جرح وان ثبت له احكام الولد عقب ولدا او اکثر ولو منقطعاً عضواً عضواً لا اقله۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۲۹۹ باب الحيض) ۲

۱۔ قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرها الا اذا توضأت بقصد القرية كما هو المستحب الخ۔ (طحاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۹ باب الحيض)
۲۔ قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: قوله فلو ولدته من سرتها بان كان بها جرح فان شقت وخرج الولد منها (قوله فنفساء) لانه وجد خروج الدم من الرحم عقب الوکلادة (قوله الافذات جرح) یعنی لا تعطى حکم النفساء (قوله وان ثبت له احكام الولد) من انقضاء العدة وصيرورة الامه به ام الولد ولو علق الطلاق بولادتها وقع لوجود الشرط۔ (طحاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۳ باب الحيض)

۳۔ وقوله في الهندية ج ۱ ص ۲ الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس۔

ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم | سوال :- کبھی کبھی کسی عورت کو ولادت سے پہلے خون آنا شروع ہو جاتا ہے ۔ اس خون کا کیا حکم ہے ؟ اور اس دوران اس عورت کو نماز وغیرہ احکامات کا بجالانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- نفاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہو اور حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سبب کے رحم سے آئے ، صورتِ مسئلہ میں اس خون پر نہ نفاس کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے کہ بچے کی ولادت سے قبل ہے ، اور نہ حیض کی ، اس لیے کہ رحم کا منہ بچے کی وجہ سے بند ہے ، اس لیے یہ خون استنحاض کا خون ہے ، اس دوران ہر قسم کی عبادت جائز ہے ۔

قال برهان الدین المرغینانی: والدم الذي تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل الولد استنجا (الهداية ج ۱ ص ۵۲ کتاب الحيض) لہ

سوال :- حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنا تو حائضہ عورت سے انتفاع جائز ہے | بنہیں قرآن حرام ہے لیکن کیا اس سے مطلقاً انتفاع جائز ہے یا کچھ گنجائش ہے ؟

الجواب :- اسلام نے حائضہ سے صرف جماع کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس کے علاوہ دیگر استمتاع میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ۔ اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ آدمی کے لیے حائضہ سے استمتاع مافوق السرة اور ماتحت الركبة بلا حائل جائز ہے اور اس کے علاوہ سے مع حائل کے جائز ہے ۔

لما قال ابن العابدین: (تحت قوله یعنی ما بین سرة و رکبة) فيجنو الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل وكذا بهما بينهما محائل بغیر لوط و لوطی و لوطی و لوطی (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۲ باب الحيض) لہ

لہ وفي الہندیۃ: وكذا ما تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل خروج الولد - والہندیۃ ج ۱ ص ۳۸ الباب السادس في الدماء المختصة الخ الفصل الثالث في الاستحاضة - ومثله في الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۲۶۵ البحث الثاني تعريف الناس ومدة -

۲ وفي الہندیۃ: وله ان يقلبها ويضعها ويستمتع بجميع بدنهما ما خلا بين السرة والركبة عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف (الہندیۃ ج ۱ ص ۳۹ الباب السادس - الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس)

انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم | سوال :- آجکل ایسے انجکشن ملتے ہیں جن کے لگانے سے

خواتین کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے خصوصاً حج کے ایام میں خواتین وہ انجکشن لگواتی ہیں، اگر ایک عورت کو حیض آنے کی میعاد مقرر ہو کہ ہر ماہ اس کو حیض آتا ہو اور اس انجکشن کے ذریعے اُس ماہ اُسے خون نہ آئے تو کیا یہ عورت اپنی میعاد حیض میں جبکہ انجکشن کی وجہ سے خون بند ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات کر سکتی ہے نہیں؟

الجواب :- حیض کا تعلق اُس خون کو دیکھنے سے ہے جو بلا کسی سبب کے رحم سے آئے، گویا کہ حیض نام ہے خون آنے کا، صورتِ مسئلہ میں چونکہ خون بذریعہ انجکشن بند ہے اس لیے صرف ایام کو حیض نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ اس قسم کی خاتون کو نماز، روزہ، طواف وغیرہ سب کچھ جائز اور لازمی ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: يجب ان يعلم بان حكم الحيض والنفاس المستحاضة لا يثبت الا بخروج الدم وظهوره وهذا هو ظاهر مذهب اصحابنا وعليه عامة المشائخ۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۳۳ کتاب الحيض، نوع في بيان متى يثبت حكم الحيض) ۱۷

سوال :- اگر کسی عورت کو ایک حیض گزر جانے کے پندرہ دن طہر کرنے سے قبل خون آنے کا حکم | دس بارہ دن بعد دوبارہ خون آئے تو کیا یہ خون

حیض شمار ہو گا یا نہیں؟ نیز اقل مدت طہر کتنے دن ہیں؟

الجواب :- فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق اقل مدت طہر پندرہ دن ہے، اگر خون پندرہ دن گزر جانے سے قبل شروع ہو جائے اور اس عورت کی کوئی عادت مقرر نہیں تو یہ خون جو پندرہ دن سے قبل آیا ہے پندرہ دن تک استفاضہ شمار ہو گا اور باقی حیض شمار ہو گا۔

لما قال الحصكفي: واقل الطهر بين الحيضتين او النفاس والحيض خمسة عشر يوماً ولياليها اجماعاً۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۵ باب الحيض) ۱۷

۱۷ وفي الهندية: اذا رأت المرأة الدم تترك الصلوة من اول ما رأت قال الفقيه وبه

نلخذ۔ (الهندية ج ۳ ص ۳۸ الباب السادس، الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس) ۱۷
 ۱۸ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: ومن جملة ذلك الدم المتخلل في اقل مدة الطهر ولا يمكن معرفة ذلك الا بعد معرفة اقل الطهر واقله خمسة عشر يوماً۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۳ ص ۳۲ کتاب الحيض)

حالت جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم | سوال :- جنابت کی حالت میں قرآنی آیات کی کتابت بذریعہ ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :- شریعت مقدسہ میں قرآن کریم کا احترام اصلاً مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ جنابت آدمی کے لیے قرأت قرآن تلاوت کرنا درست نہیں، اسی طرح فقہاء کرام نے جنابت کے لیے قرآن کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالت جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اسلئے درست نہیں، البتہ بے وضوان جدید ذرائع سے کتابت قرآن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔

لما فی الہندیۃ: والجنب لا یکتب القرآن وان کانت الصغیفۃ علی الارض ولا یضع یدہ علیہا وان

کان مادون الایۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحيض الخ) ۱۰

حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم | سوال :- حائضہ، نفاس والی عورت یا جنبت آدمی بیمار ہو جائے تو قرآنی آیات پڑھ کر اس کو دم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- وظائف یا اوراد کے لیے طہارت شرط نہیں بغیر طہارت کے بھی دم کیا جاسکتا ہے جب دم کرنے والے کا ظاہر ہونا ضروری نہیں تو جس پر دم کیا جانا ہو اس کا ظاہر ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری نہ ہوگا، لہذا حیض و نفاس والی عورت اگرچہ خود پاک نہیں مگر اس پر دم کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحسکفی:۔ ولا بأس لحائض وجنب بقراءة ادعیۃ ومہما وحملها و ذکر

اللہ تعالیٰ وتسبیح و زیارۃ قبور ودخول مصلی عید۔ (الدر المختار علی صدرد المحتار

جلد ۱ ص ۲۹۳ باب الحيض) ۲

۱۰ قال السيد احمد الطحطاوی: وما کتابت القرآن فلا بأس بہا اذا کانت الصغیفۃ علی الارض عند ابی یوسف لانه یس بعامل للصغیفۃ وکرۃ ذلک محمدؐ وبہ اخذ امشائخ بخاری۔

(الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۵ باب الحيض)

۲ قال السيد احمد الطحطاوی: (تحت قوله ویقرأ قراءۃ ایۃ من القرآن الا بقصد الذکر) ای أو الثناء أو الدعاء ان اشتملت علیہ فلا بأس بہ فی اصح الروایات قال فی العیون ولوانہ قراءۃ الفاتحۃ علی سبیل الدعاء وشيئاً من الایات التي قيمها معنى الدعاء وليرد به القرآن فلا

بأس بہ۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۱۲ باب الحيض)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۱۹۹ باب الحيض۔

مستحاضہ کا حکم | سوال :- بسا اوقات ایک عورت کو مدت حیض و نفاس میں زیادہ یا کم خون آتا ہے، اس دوران اس عورت کو کیا کرنا

چاہیے ؟

الجواب :- حیض و نفاس کی مدت شرعی سے زیادہ یا کم خون آنے کو استحاض کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی عورت پر یہ لازمی ہے کہ مدت حیض و نفاس کو پورا کرنے کے بعد غسل کرے اور پھر ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، بلکہ اس قسم کی عورت کو ہر وہ کام (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) جو حالت حیض میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو چکے تھے کمنے کی اجازت ہے۔

لما قال المحصن : ودم الاستحاضة حكمه كرعاف دائم وقتاً كاملاً لا يمتنع صوماً وصلوة ولونفلاً وجماعاً لحديث توفى وصلى ان قطر الدم على الحصى - (الدر المختار على مداردة المختار ج ۱ ص ۲۹۱ باب الحيض) وفيه : حكمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لكل فرضٍ للآل الوقت.... ثم يصلى به فرضاً ونفلاً - (الدر المختار على مداردة المختار ج ۱ ص ۳۰۱ باب الحيض) له

سوال :- شریعت میں معذور کی تعریف کیا ہے ؟
الجواب :- جب کسی مریض کو تمام وقت نماز میں کوئی ایسا وقت نہ ملے جس میں وہ مرض لاحق نہ ہو، ایسا شخص معذور کہلائے گا۔

قال المحصن : بان لا يجد في جميع وقتها مناً يتوضأ و يصلى فيه خالياً عن الحدث - الخ وهذا شرط العذر في حق الأبتداء وفي حق البقاء كفي وجودة في جزء من الوقت

له قال المرغيناني : والمستحاضة ومن يده سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذي لا يرقا يتوضئون لوقت كل صلوة فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاؤ من الفرائض والتوافل - (الهداية على صدق البناية ج ۱ ص ۲۴۹ باب الحيض) ومثله في الهداية ج ۱ ص ۳۹۱ الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في احكام الحيض -

ولومرة الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۳ مطلب فی احکام المعذور) ۱
 ایسے معذور شخص کا حکم جس کا روئی رکھنے سے پیشاب رک جائے **سوال** :- اگر ضعف مثانہ
 کی وجہ سے انسان کو قطرے
 آتے ہوں اور اس کی روک تھام کے لیے روئی رکھی جائے تو کیا اس حالت میں بھی وقت گزر جانے
 سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- وضو ٹوٹنے کا دار و مدار پیشاب کے اھلیل تک نکلنے پر ہے، لہذا اگر کسی
 وجہ سے پیشاب کے قطرات کو روکا جائے تو جب تک قطرات اھلیل تک نہ پہنچیں تو وضو برقرار
 رہے گا البتہ جب روئی نکالی جائے اور کرسف تر ہو تو اسی وقت وضو ٹوٹ جائے گا۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحطاوى: وفي المصنوعات عن النصاب به سلسل
 فجعل القطنه في ذكره ومنعه من الخروج وهو يعلم انه لو لم يخش طهر البول
 فاخرج القطنه وعليها بلة فهو محدث ساعة اخراج القطنه فقط وعليه الفتوى
 (طحطاوى حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۱۹ باب الحيض) ۲



۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ولا يصير من ابتلى بناقض معذوراً حتى
 يستوعبه العذر وقتاً كاملاً ليس فيه انقطاع لعذره بقدر الوضوء والصلوة اذ لو وجد
 لا يكون معذوراً۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۱۹ باب الحيض)
 ومثله في الهندية ج ۲ الباب السادس الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس
 ۲ قال الشيخ عبد الحمى الكهنوی: اذا خاف الرجل خروج البول فحشى احليله بقطنه ولولا
 يخرج البول فلا بأس به ولا يتقضى وضوءه حتى يظهر البول على القطنه وان ابتل
 الطرف الداخل كذا لك ما لم يبتل الظاهر منه۔ (السعاية ج ۱ ص ۲۰۱ باب الحيض)

باب الانجاس

(پلیدیوں اور ناپاکیوں کے بیان میں)

نیند کی حالت میں منہ سے نکلنے والے پانی کا حکم | سوال :- میرے منہ سے حالت نیند

وہ پانی میرے کپڑوں پر بھی لگ جاتا ہے، کیا اس سے کپڑے پلید (ناپاک) ہو جائیں گے یا نہیں؟
الجواب :- زندہ آدمی کے منہ سے نکلنے والا پانی پاک ہے اگرچہ حالت نیند میں پیٹ سے
ہی کیوں نہ نکلے، البتہ مردہ شخص کے منہ کا پانی نجس ہے۔ اس لیے خواب میں یا بیداری میں اگر
لُعَاب دین یا منہ سے نکلنے والا پانی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے۔

لما فی الہندیۃ: لعاب النائم طاهر سواء کان من الفم او متبعثا من الجوف عند
ابی حنیفۃؒ و محمد و علیہ الفتاوی و اما لعاب المیت فقد قیل انه نجس۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۱ باب الانجاس)۔

غسل کرتے وقت پانی کے برتن میں چھینٹے پڑنے سے پانی کا حکم | سوال :- غسل کرتے وقت اگر

بے احتیاطی سے یا احتیاط کے باوجود
ماء مستعمل کے کچھ قطرے پانی کے برتن میں پڑ جائیں تو اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- اگر پانی کے ان قطرات میں ظاہری نجاست نہ ہو یعنی اس سے نجاست
ظاہری کا ازالہ نہ ہوا ہو تو محض قطرے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا انسان
کے بس میں نہیں تاہم ممکن حد تک احتیاط برتنا چاہیے۔

قال المحکمی: وانتضاح غسالۃ لا تطہر مواقع طرہا فی الاناء عفو۔
وقال ابن عابدینؒ وفی الفتح وما ترشش علی الغاسل من غسالۃ المیت

لہ قال الشیخ الدکتور مہبۃ الزجلی: عرفنا فی انواع المطہرات فی الاکادمی المیتۃ قول
الحنفیۃ انه نجس عملاً بفتوی بعض الصحابۃ (ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ) کسائر المیتات۔۔۔۔۔

واما الماء السائل من فم النائم وقت النوم فہو طاهر کما صرح الشافعیۃ والحنابلۃ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۱۶۶) الاکادمی میت وما یسپل من فم النائم

مما لا يمكنه الا امتناع عنه مادام في علاجه لا ينجسه لعموم البلوى۔
 رد المحتار على الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۳۵ لہ

پلاٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ | سوال :- پلاٹک کے برتن پر اگر گندگی لگ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب :- از روئے شرع جو برتن جازب نہ ہو یعنی نجاست جذب نہ کرتا ہو تو اس قسم کے برتن کے ساتھ اگر نجاست لگ جائے تو تین دفعہ پانی ڈال کر دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تثلیث غسل کے لیے برتن کا خشک ہونا ضروری نہیں۔

قال ابن عابدین: ای ما لا یتشرب النجاسة ما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاثاً ولو دفعة بلا تجفيف كالخزف والآجر المستعملین کما مرّوا کالسیف والمرأة ومثله ما یتشرب فیہ شیء قلیل کالبدن والنعل۔

رد المحتار على الدر المختار۔ مطلب فی حکم الوشم ج ۱ ص ۳۳۲ لہ

جُنُب کے پسینے کا حکم | سوال :- اگر جنابت کی حالت میں کچھ وقت گزر جائے اور گرمی کی وجہ سے بدن سے پسینہ نکلے تو اس پسینہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پسینہ سے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں؟

الجواب :- انسان کا پسینہ ہر حالت میں پاک ہے خواہ جُنُب ہو یا پاک اور اس کی تخصیص اسلام کے ساتھ ہے فقہاء نے جھوٹے (سُورم) اور پسینے کا حکم ایک قرار دیا ہے۔

لہ قال ابن نجیم: ما ترشش علی الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكنه الا امتناع عنه مادام في علاجه لا ينجسه لعموم البلوى۔ (البحر الرائق۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۲۳۶) ومثله في مراقی الفلاح۔ باب الانجاس ص ۱۵۔

لہ قال فی الہندیۃ۔ وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاث مراتٍ والتجفيف فی کل مرة لان للتجفيف اثر فی استخراج النجاسة وحد التجفيف ان یخلیه حتی ینقطع التقاطر ولا یشرط فیہ الییس هذ ا اذا شربت النجاسة کثیراً وان یتشرب فیہ او شربت قلیلاً یطهر بالغسل ثلاثاً هکذا فی المحيط۔
 (الہندیۃ۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۴۲)

البتہ اگر کسی عضو پر ظاہری نجاست ہو اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑے پر لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک ہوگا۔

قال المحصن فی فسئود ادمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأة و ما کول اللحم طاهر الفم طاهر طهور بلا کراهة (و بعد اسطرح و حکم عرق کسئور۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب فی السئور ج ۱ ص ۲۲۲، ص ۲۲۸) لہ

سوال :- اگر منی کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کیا کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ صرف رگڑنے سے پاک ہوگا یا دھونا بھی ضروری ہے؟

نیز رقیق اور سخت قسم کی منی کے حکم میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟
الجواب :- منی سے طہارت کے دو طریقے ہیں، اگر نرم ہو تو دھونے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں، البتہ اگر سخت اور خشک ہو تو پھر سوکھ جانے کے بعد رگڑ کر اثرات زائل ہونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق کے مطابق یہ حکم غلیظ منی سے خاص ہے اور اگر منی کسی بیماری کی وجہ سے رقیق (پتلی) ہوگئی ہو تو دھونا ضروری ہے۔

قال المحصن فی: ویطهر منی ای محله یا بس بفرك ولا یضر بقا اثره ان طهر اس حشفة کان کان مستنجیا بماء و فی المجتبى اولج فذرع فانزل لم یطهر الا بغسله لتلوثه بالنجس انتسلی ای برطوبة الفرج فیکون مفرعاً علی قولهما بنجاستها، اما عنده فھی طاهرة کسائر طوبات البدن جوهره۔ والا یکن یا یساً اولاً رأسها طاهر فیغسل کسائر النجاسات ولو دماً عیظاً علی المشهور بلا فرق بین منیه و لور قیقاً لمرض به و منیها۔ قال ابن عابدینؒ (قوله و منیها) ای منی المرأة کما صححه فی الخاتمة وهو ظاهر الرواية عندنا کما فی مختارات التوازل و جزم فی السراج و غیره بخلافه و رجحه فی الحلیة بما حاصله ان کلاهم متظاقر علی ان الاكتفاء بالفرك فی المنی استحسن بالاثار علی خلاف القیاس، فلا یلحق به الا ما

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ: وعرق کل شیء معتبر بسئوره طهارة و
ونجاسة وکراهية۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۶ باب الانجاس)
ومثله تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۱ باب الانجاس۔

فی معناه من کل وجه والنص ورد فی منی الرجل ومنی المرأة یس مثله لرقته وغلط
منی الرجل والفرك انما یؤثر ذوال المفروک او تقليله وذلك فیما له جرم والرقیق
المائع لا یحصل من فركه هذا الغرض فیدخل منی المرأة اذا كان غلیظاً ویخرج
منی الرجل اذا كان رقیقاً لعارض۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۳، ۳۱۴

سوال :- کیا منی، مذی اور ودی سے کپڑے کو
منی، مذی اور ودی سے طہارت کا حکم پاک کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اس کو پانی سے

دھویا جائے یا اس میں کوئی فرق بھی ہے؟

الجواب :- ودی اور مذی سے طہارت صرف پانی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے البتہ منی
کے طریقہ طہارت میں یہ بھی ہے کہ خشک ہونے پر رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو سکتا ہے بشرطیکہ
منی رقیق نہ ہو ورنہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال طاهر بن عبد الرشید۔ اذا احت النجاسة لم یجز الا فی المنی الیابس
فان كان رطباً لا یطهر الا بالغسل وهو نجس عندنا وبعده اسطر۔ ولكن هذا
اذا لم یخرج المذی قبل خروج المنی اما اذا خرج المذی ثم خرج المنی لا
یطهر الثوب بالفرك۔

ر خلاصۃ الفتاوی۔ الفصل السادس فی غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۲
سوال :- گلیوں اور غلاظتوں میں گھونٹنے پھرنے والی مرغی اگر
دبا بھجڑ کا جھوٹا پانی سے بھرے ہوئے برتن میں پونچ ڈال دے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟
کیا پالتو مرغی جو کہ پنجرہ اور ڈربہ میں بند ہو اور باہر پھرنے والی مرغی کا حکم ایک ہی یا دونوں
میں فرق ہے؟

۱۔ فی الہندیۃ: (ومنها) الفرك فی المنی اذا صاب الثوب فان كان رطباً یجب غسله وان جف
على الثوب اجزأ فیہ الفرك استحصاناً۔ الہندیۃ۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۴۴

۲۔ قال ابراہیم الحلبي۔ واما الفرك فی المنی فی طهر الثوب من المنی
به ای بالفرك اذا یبس المنی علی الثوب۔ (کبیری۔ فصل فی الاسرار ص ۱۸)

الجواب :- سٹور یعنی جھوٹا ہمیشہ کے لیے گوشت کا تابع رہتا ہے جس حیوان کا گوشت حلال ہو تو اس کے لعاب کا پانی سے ملنے کی صورت میں پانی پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ لہذا اگر پالتو مرغی کی چونچ غلاظت سے پاک ہو اور جس برتن میں مرغی منہ ڈال دے یہ پانی پاک ہے البتہ گلی میں پھرنے والی مرغی کا منہ عموماً نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ایسی مرغی کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن نجاست پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

قال حسن بن عمار: وسئور الذجاجة المخلاة التي تحول في القاذورات ولم يعلم طهارة منقارها من نجاسة فكرة سئورها للشك فان لم يكن كذلك فلا كراهة فيه. (مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۲۲ فصل فی احکام السئور) ۱۷

سوال :- کیا کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی عام کتابوں میں چمڑوں کی طہارت کا طریقہ دباغت لکھا ہے؟

الجواب :- احناف کے نزدیک کتا نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، البتہ حشرات الارض سانپ، بچھو، خنزیر کا چمڑا قابل دباغت نہیں ہے۔

قال المحصن: وكل اهاب دليغ ولو بشمس وهو يحتملها طهر فيصلي به ويتوضأ منه وما لا يحتملها (فلا وعليه) فلا يطهر جلد حية وفارة خلا جلد خنزير فلا يطهر روبرو بعد اسطر، واذا دكلامه طهارة جلد كلب وقيل وهو المعتمد۔
والدم المختار على صدر رد المختار۔ مطلب فی احکام الدباغة ج ۱ ص ۲۱۷ ۱۸

۱۷ قال ابن عابدین: واما المخلاة فلعا بها طاهر فسئورها كذلك، الكت لما كانت تأكل العذرة كره سئورها ولم يحكم بنجاسة للشك حتى لو علمت النجاسة في فمها تنجس ولو علمت الطهارة انتفت الكراهة۔

رد المختار علی الدر المختار۔ باب المیاہ ج ۱ ص ۲۳۱ ومثله فی البحر الرائق۔ مسئلة السئور ج ۱ ص ۱۳۲
۱۸ قال حسن بن عمار: ويطهر جلد الكلب لانه ليس نجس العین فی الصحيح بالدباغة۔
(مراقی الفلاح۔ فصل یطهر جلد المیتة ص ۹) ومثله فی کبیری۔ فصل فی النجاسة الحقيقية ص ۱۷۱

گتے کے جھوٹے (سور) برتن میں کھانے اور اسکے پاک کرنے کا طریقہ | سوال: بعض لوگ

گتے پالتے ہیں، کبھی گتے اچانک کھانے پینے کے کسی برتن میں منہ ڈال دیتے ہیں ایسے برتن میں کھانے پینے کا کیا حکم ہے اور اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ گتے کا جھوٹا نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے لہذا جس برتن میں کتا منہ ڈالے تو یہ برتن اگر جاذب نہ ہو تو دفعہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر جاذب ہو تو پھر ہر دفعہ کے لیے خشک کرنا یعنی اتنا انتظار کرنا کہ پانی ٹپکتا بند ہو جائے، ضروری ہے۔

قال حسن بن عمار: والقسم الثاني سور نجاسة غليظة وقيل خفيفة لا يجوز استعماله اي لا يصح التطهير به بحال ولا يشربه الا مضطرا كالميتة وهو اي السور النجس ما شرب منه الكلب سواء فيه كلب صيد او ماشية وغيره لما روى الدارقطني عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في الكلب ولغ في الاناء انه يغسل ثلاثا او خمسا او سبعا۔

قال الشيخ احمد: انه يغسل ثلاثا... الخ وما ذاك الا لنجاسته ويندب عندنا التسبيع وكون احدهن بالترايب (عطارد حشيرة مرق الفلاح) ۲۳ فصل في بيان احكام السور له
سوال: نجس کپڑا دھونے کے بعد کتنی بار پھوڑنا ضروری ہے؟ کیا طہارت کا دار و مدار پھوڑنے

پر ہے؟
الجواب:۔ کپڑے کے ساتھ اگر نجاست مٹی لگ جائے تو عین نجاست زائل ہونے سے کپڑا پاک ہوگا اس کو پھوڑنا ضروری نہیں، البتہ اگر نجاست غیر مٹی ہو تو طہارت کا دار و مدار غلبہ ظن پر ہے، تین بار پھوڑنے سے عموماً طہارت کا یقین ہو جاتا ہے اس لیے تین دفعہ پھوڑنے کے بعد کپڑا پاک منصور ہوگا، تاہم واضح ہو کہ آخری بار پھوڑنا مضبوط طریقہ سے ہو۔

لہ قال محمد عبدالحی: وقول خامس ذهب اليه اصحابنا الحنفية من عدم وجوب التسبيع والتمان مع نجاسة السور وكفاية الثلاث كسائر النجاسات (السعاية۔ سور الكلب ج ۱) ومثله في الهندية الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء ج ۱ ص ۲۴۔

قال ابراهيم الحلبي: اما اذا اصاب الثوب نجاسة هذا شروع في كيفية تطهير النجاسة بالغسل فان النجاسة امان تكون مرتبة او غير مرتبة فان كانت مرتبة فطهارته نوال عينها الا ما يشق (وبعد اسطر) وان لو تكن النجاسة مرتبة يغسلها حتى يغلب على ظنه انه قد طهر وهذا اذا لم يكن له هاتج فان كان يجب الغسل الى زواله الا ما يشق وقيل اذا غسل الثوب من غيره مرة وعصر بالماء الغة يطهر وقيل انه لا يطهر ما لم يغسل ثلاث مرات يعصر في كل مرة والفتوى على الاول - (كبيري - فصل في الاسرار ۲۱۲، ۲۱۱) له

غير ملکی کپڑوں سے بغیر دھوئے نماز پڑھنا | سوال :- آبِ کل بازاروں میں غیر ملکی استعمال کپڑے مثلاً سویٹر، کوٹ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، بظاہر ان پر کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ پاک ہوں گے یا نہیں؟ کیا ایسے کپڑوں کا بغیر دھوئے نماز کے لیے استعمال جائز ہے؟

الجواب :- اگر بظاہر نجاست نہ ہو اور غلبہ ظن یہ ہو کہ اس میں نجاست نہیں تو یہ کپڑے پاک ہیں اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ دھونا بہتر ہے۔

قال ابن عابدین: ومن ههنا قالوا لا بأس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوة فيها الا الانهار والسراديل فانه تكره الصلوة فيها لقربها من موضع الحدث ونحوه لان الاصل الطهارة، وللتوارث بين المسلمين في الصلوة بثياب الغنائم قبل الغسل، وتمامه في الحلية - (رد المحتار على الدر المختار - احكام الذباغة ج ۲۵، ۲۰۶) ۲

له قال المحصفي: وكذا يطهر محل نجاسة مرتبة بقلعها اي بزوال عينها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلاث في الاصم ولا يضر بقاء اثره - ويطهر محل غيرها اي غير المرتبة بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلا عذر وبه يفتي وقد مر ذلك لموسوس يغسل وعصر ثلاثا - (الدر المختار على صدر رد المحتار - مطلب في حكم التيمم ج ۳۲۸، ۳۳۱) ومثله في خلاصه الفتاوى - الفصل السادس في غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۱ - له قال المحصفي: ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة - (الدر المختار على صدر رد المحتار - فصل في الاستنجاء ج ۳۵) ۳

سوال :- موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خاص کر جب پچوڑنا ممکن نہ ہو؟

الجواب :- ایسے کپڑے پر اگر نجاست دکھائی دے تو نجاست کے ازالہ سے کپڑا پاک ہوگا اور اگر نجاست غیر مرئی ہو تو کپڑے کی طہارت دھونے والے کے غلبہ ظن پر مبنی ہے، اور اگر کوئی شخص غلبہ ظن کا ادراک نہیں کر سکتا تو تین بار دھوئے اور ہر دفعہ دھونے میں اتنی تاخیر کرے کہ پانی کے قطرات بند ہو جائیں تب کپڑا پاک ہوگا۔ علاوہ ازیں کسی بڑے حوض یا جاری میں پانی میں ڈبو کر کچھ وقت گزرنے کے بعد پانی سے نکالنے پر بھی پاک متصور ہوگا۔

قال المحقق یویطهر محل غیرہا ای غیر مرئیة بغلبۃ ظن غاسل لو مکلفاً والا فمستعمل طہارة محلہا بلاعد دہ یفتی وقد ذلک لموسوس بغسل وعصر ثلاثاً اوسبعاً فیما ینعصر مبالغاً بحیث لا یقطر ولو کان لوعصر غیرہ قطر طہر یا لنسبۃ الیہ دون ذلک الغیر ولو لم یبالغ لوقتہ هل یطہر الا ظہر نعم للمضروۃ وقد بتشلیت بحفات ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر من عصر مما یتشرب النجاسة ولا یقلعہا کما مر و هذا کله اذا غسل فی اجانۃ، اما لو غسل فی غدیرا و صب علیہ ما کثیرا و جری علیہ الماء طہر مطلقاً بلا شرط عصر و تجفیف و تکرار غمس هو المختار۔

والدر المختار علی صدرہ ذالمختار باب الانجاس ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۳۱

سوال :- ڈرائی کلیئر کے ذریعے کپڑے پٹرول سے پاک کیے جاتے ہیں لیکن اس میں کپڑا پچوڑنا نہیں

ہوتا بلکہ حرارت سے کپڑا سوکھ جاتا ہے، کیا اس طریقہ سے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟

الجواب :- اگر کپڑا پاک ہو صرف میل کچیل ڈرائی کلیئر کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے کپڑے کی طہارت متاثر نہیں ہوتی تاہم یہ ضروری ہے کہ مائع چیز میں اس کے ساتھ ناپاک کپڑا

لہ قال ابراہیم الحلیمی: وفي فتاویٰ ابی الیث خف بطنۃ ساقہ من الکریاس فدخل فی جوفہ ماء نجس فغسل الخف دلکہ بالید ثم ملأ الماء الخف ثلاثاً و اھر قہ الا انہ لم یتھیا لہ عصر الکریاس فقد طہر الخف ای بمجرّد جریان الماء ظاهراً و باطناً و لم یشرط فیہ عصر الخف ولا الکریاس لتعسرة قیاساً علی مسئلۃ البساط۔ (رکبہ فی الفصل فی الاسرار ص ۱۸۲)

نہ ملا یا گیا ہو، اور اگر کپڑا ناپاک ہو تو پھر اگر اس پر اتنا پٹرول ڈالا جائے کہ اس سے کپڑے کو چوڑا جاسکے تو ایسی صورت میں بھی کپڑا پاک ہوگا، کیونکہ کپڑے کی نجاست ہر مائع مزیل سے پاک ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر میل کچیل حرارت کے ذریعہ سوکھ جاتا ہو اور کپڑا ناپاک ہو تو پھر میل کے چلے جاتے کے بعد بھی کپڑا ناپاک ہی رہے گا، دوبارہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال المحصن: يجوز رفع نجاسة حقيقية عن محلها ولو اناء او ما كولا علم محلها او لا بما رولو مستعملاً به يفتى وبكل مائع طاهر قالع للنجاسة۔
والدرا المختار على صدره رد المحتار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۰۹

دودھ میں مینگنی یا گوبر گر جانے پر دودھ کا حکم | سوال :- بکری، گائے یا بھینس سے دودھ لیتے وقت دودھ میں مینگنی یا گوبر

گر جائے تو اس سے دودھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- اگر یہ نجاست دودھ میں حل نہیں ہوئی بلکہ گرنے کے ساتھ ہی نکال لی جائے تو اس سے دودھ کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ حل ہونے کی صورت میں دودھ ناپاک ہو کر قابل استفادہ نہیں، تاہم واضح ہو کہ یہ حکم دودھ نکالنے کے وقت سے خاص ہے اگر ایسے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں گوبر یا مینگنی دودھ میں گر جائے تو دودھ علی الفور ناپاک ہو جائے گا۔

قال المحصن: ويعرق ابل وغنم كما يعطى لو وقعتا في محلب وقت الحلب فرميتا فوراً قبل تفتت وتلون۔

قال ابن عابدین: قال في الفيض: فلا ينجس الا اذا كان كثيراً سواء كان مرطباً او يابساً صحيحاً او منكسراً ولا فرق بين ان يكون للبئر حاجز او لا هو الصحيح وفي التاتارخانية ولم يذكر محمد في الاصل روث الحمار والخثي واختلفوا فيه فقيل ينجس ولو قليلاً او يابساً وقيل لو يابساً فلا واكثرهم على انه لو فيه ضرر او بلبوى لا ينجس والا بنجس قوله وقت الحلب فلو وقعت في غير زمان الحلب فهو

لہ لما قال العلامة ابوالبركات النسفی: يطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزیل كالجل وما۔
الورد۔ (کنز الدقائق۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۵) ومثله في الاختيار ج ۱ ص ۳۵ باب الانجاس

کو قوعھا فی سائر الاوانی فتنجس فی الاصحح قوله والتعبیر یا بعر تین ای فی مسئلتی
البئر والمعلب۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ فصل فی البئر ج ۱ ص ۲۲۱) ۱۷
سوال :- اگر کسی برتن میں گنے کا رس پڑا ہو، گنے
ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ | نے اس برتن میں منہ ڈال کر اس سے کچھ چاٹا، تو کیا باقی ماند
شربت کو بہا دیا جائے یا گڑ بنانے میں استعمال کیا جائے؟ از روئے شرع اس کی طہارت کا کوئی
امکان ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسی مائع چیز گنے کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں
اس سے گڑ بنانا یا پینا ناجائز ہے، البتہ فقہاء کے کلام سے اس کی طہارت کا ایک طریقہ معلوم
ہوتا ہے، وہ یہ کہ شربت کی مقدار سے تین گنا پانی اس میں ڈالا جائے اور پھر آگ سے اس کو
اتنا جوش دیا یعنی ابالا جائے کہ یہ زائد مقدار پانی آگ کے ذریعے ختم ہو جائے تو باقی ماندہ حصہ پھر پاک
ہوتا ہے۔

قال ابن عابدین بقوله ویطهر دهن وعسل قال فی الدر المنثور وتنجس العسل
فتطهیره ان یصب فیہ ماء بقدرہ فیغلی حتی یعود الی مکانہ والدهن یصب
علیہ الماء فیغلی فیعلو الدهن الماء فیرفع بشئ هكذا ثلاث مرات۔ ۱۸
رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب فی تطهیر الدهن والغسل ج ۱ ص ۳۲۲) ۲
۱۷ قال ابراہیم الحلبي: وان وقعت ای البعرة وابعرتان فی اللبن وقت الحلب فاخرجت
حين وقعت ولم یبق لها لون لم یتنجس اللبن (وبعد اسطر) وفي الکافی قال لا فرق بین
الرطب واليابس والصیحم والمنکسر والروث والخثی والبعرة لان الضرورة تشمل الكل
والروث اذا کان صلباً فهو بمنزلة البعرة فی الحكم۔ (کبیری۔ فصل فی البئر ص ۱۶۲، ۱۶۱)
ومثله فی الھندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۹
۲ قال ابراہیم الحلبي: الا یروی عن ابی یوسف فی تطهیر الدهن النجس
انه اذا جعل الدهن فی اناء فصب علیہ الماء فیعلو الدهن علی وجه الماء
فیرفع بشئ ویراق الماء ثم یفعل هكذا حتی اذا فعل کذا لک ثلاث مرات
یحکم بطہارة الدهن۔ (کبیری۔ فصل فی الاسرار ص ۱۷۳)
ومثله فی الھندیۃ۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۳۲۷

انقلاب حقیقت سے حکم بدل جاتا ہے | سوال :- اگر نمک کی کان میں ناپاک پانی جمع ہو کر

الجواب :- از روئے شرع حقیقتِ اشیاء کی تبدیلی سے اس کا سابقہ حکم باقی نہیں رہتا، لہذا صورتِ مذکورہ میں جب ناپاک پانی یا دوسری نجس چیزیں نمک کی کان میں نمک بن جانے کی وجہ سے پاک ہو کر اس نمک کا کھانا حلال ہے۔

قال المحقق: ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً ولا قدر وقع في بئر فصار حمأة لا انقلاب العين، بل يفتى

قال ابن عابدین: مقتضى ما مرثبوت انقلاب الشئ عن حقيقة كان له من الحس الى الذبح وقيل انه غير ثابت لان قلب الحقائق محال والمقدرة لا تتعلق بالمحال والحق الاول - (رد المحتار على الدر المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۲۲۶) -

نجس چیز سے بنے ہوئے صابن کا حکم | سوال :- اگر نجس چیز سے صابن بنایا جائے تو اس صابن کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ صابن پاک ہے اور اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ صابن بنانے سے نجس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے اور انقلاب حقیقت کی صورت میں سابقہ حکم بحال نہیں رہتا لہذا یہ چیز نجاست سے بدل کر طہارت کے حکم میں داخل ہوئی۔

قال المحقق: ويطهر من ريت نجس يجعله صابوناً به يفتى للبلوى كتنويره بشيء من نجس لا بأس بالخبر فيه كطين تنجس فجعل منه كونه بعد جعله على لنا يطهران لم يظهر فيه اثر النجس بعد الطبخ ذكره الحلبي. (الدر المختار على صدر رد المحتار - باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۶) -

له قال ابراهيم الحلبي: ولو احرقت الغدق او الرث فصار كل منهما رما داً او ما الحار في الملة فصار ملماً او وقع ولو ونحوه في لبير فصار حمأة زالت نجاسته وطهر عند محمد حتى لو اكل الملح او صلى على ذلك لم ينجس. (رد المحتار على الدر المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۶) -

له قال ابراهيم الحلبي: واكثر المشائخ اختاروا قول محمد وعليه الفتوى لان الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وقد زالت بالكلية فان الملح غير العظم واللحم فاذا صارت الحقيقة ملماً ترتب عليه حكم الملح (وبعد اسطر) وعلى قول محمد فرعوا طهارة صابون صنع من دهن نجس وعليه يتفرع ما لو وقع انسان او كلب في قدة الصابون فصار صابوناً يكون طاهراً لتبدل الحقيقة - (كبيرة - فصل في الاسرار ۱۸۹) ومثله في خلاصة الفتاوى - الفصل السادس في غسل الثوب والرجل ج ۱ ص ۲۳

سوال :- حلال جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہو ان کا پیشاب اور بول و براز نجاستِ خفیفہ ہے یا نجاستِ غلیظہ؟

اور اگر یہ نجاست کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- جن جانوروں کا گوشت حلال ہے تو ان کا پیشاب نجاستِ خفیفہ کے حکم میں ہے، البتہ گوبر نجاستِ غلیظہ ہے، نجاستِ خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے (مثلاً استین) کے ریع کے مقدار سے کم میں لگا ہو تو یہ مانعِ صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ مانعِ صلوٰۃ ہے جبکہ نجاستِ غلیظہ ایک درم سے زائد مانعِ صلوٰۃ ہے۔

قال المحصن: وعفا الشارع عن قدماء درهم وهو مثقال في نجس كثيف له جرم وعرض مقعر الكف في رقيق من مغلظة كعذرة ودم وخمر وخرأكل طيركا يذرق في الهواء كبطأهلى ودجاج وروث وختى افاد بهما نجاسة خراكل حيوان غير الطيور وعنى روع جميع بدن وثوب ولو كبيراً من نجاسة كبول ماكول قال ابن عابدین: قوله ولو كبيراً الخ اعلم انهم اختلفوا في كيفية اعتبار الربع على ثلاثة اقوال فقول ربع ظرت اصابته النجاسة، كالذيل والكم والدخريص ان كان المصاب ثوباً وربع العفو المصاب كاليد والرجل ان كان بدنأ وصححه في التحفة والمحيط والمجتبى والسراج وفي الحقائق وعليه الفتوى. رما المختار على الدر المختار. باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۶ تا ۳۲۲

سوال :- اگر کتا کسی برتن یا کنوئیں میں پیشاب کر دے تو گتے کے پیشاب کا حکم اس برتن اور کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- گتے کا پیشاب چونکہ نجاستِ غلیظہ ہے لہذا اگر پیشاب کا ایک قطرہ

له وفي الهندية: وكذا لك الخمر والدم المسفوح ولحم الميتة وبول ما لا يؤكل والروث واختار البقر والعذرة ونجوا لکلب وخرأكل الدجاج والبط والأوز نجس نجاسة غليظة هكذا في فتاوى قاضیخان۔
 رالهندية۔ الفصل الثاني في الاعيان النجسة ج ۱ ص ۱۶۱ وقوله في فتاوى قاضیخان
 علیها مشالهندية فصل في النجاسة التي نصيب الثوب ج ۱ ص ۱۶۱۔

بھی کنوئیں یا برتن میں گر جائے تو شرعاً کنوئیں اور برتن دونوں کا پاک کرنا ضروری ہے۔
 قال ابن نجيم: وانما ينجس ماء البئر كله بقليل النجاسة لان البئر عندنا بمنزلة الحوض الصغير الا ان يكون عشرين في عشرين كذا في فتاوى قاضی خان۔
 رالبحر الرائق۔ کتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۷

سوال :- ناپاک پانی پاک مٹی میں ڈالنے سے جو پاک اور ناپاک کے اختلاط کا حکم
 گھارا بنتا ہے تو اس گھرے کا کیا حکم ہے؟ کیا پانی کی ناپاکی کی وجہ سے یہ گھارا ناپاک متصور ہوگا یا پاک مٹی کی وجہ سے پاک جانا جائے گا؟
الجواب :- جب پانی اور مٹی دونوں ملائے جائیں خواہ پانی پاک ہو اور مٹی ناپاک یا اس کا عکس ہو تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعض نے طہارت اور بعض نے نجاست کو ترجیح دی ہے، قاضی خانؒ اور ابراہیم حلیمیؒ نے نجاست کا قول مفتی بہ قرار دیا ہے، لہذا ایسا گھارا ناپاک متصور ہوگا۔

قال طاهر بن عبد الرشيد: الماء الطاهر اذا اختلط به التراب النجس و صار طيناً او كان الماء نجساً والتراب طاهر فالعبرة بالنجس ايهما كان نجساً فالطين نجس وبه اخذ الفقيه ابوالليث وهكذا روى عن ابي يوسف - خلاصة الفتاوى - الفصل الثامن في النجاسة ج ۱ ص ۲۶

۱۔ قال المحصن: اذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففة او قطرة بول أو دم أو ذنب فارتد وبعد اسطر ينزع كل ماؤها الذي كان فيها وقت الوقوع۔ (الدر المختار على صدر رماد المختار۔ فصل في البئر ج ۱ ص ۲۱۲، ۲۱۱) ومثله في خلاصة الفتاوى۔ مسائل البئر ج ۱ ص ۱۷۔

۲۔ قال ابراهيم الحلبي: الماء والتراب اذا اختلطا وكان احدهما نجساً فالطين الحاصل منهما نجس لان اختلاط النجس بالطاهر ينجسه لهذا هو الصحيح كما ذكره قاضی خان وهو اختيار الفقيه ابی الیث وبعد اسطر فلیله در الفقیه ابی الیث ولله در قاضی خان حیث جعل قوله هو الصحيح مشيراً الى ان سائر الاقوال لا صحة لها بل هي فاسدة لان النتيجة تابعة لاجنس المقدمتين دائماً۔ ركبوى۔ فصل الاساور ص ۱۸۸ ومثله في الهندية الفصل الثاني في الاعيان النجسة ج ۱ ص ۱۷۱۔

واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم | سوال :- واشنگ مشین میں کپڑے کچھ اس انداز سے دھوئے جاتے ہیں کہ ایک ہی بار صابن یا صرف ڈال کر اس میں نجس اور پاک کپڑے ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دھوئے جاتے ہیں، ان کپڑوں کی پاکیزگی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگرچہ پہلے نجس پانی سے جملہ کپڑے نجس ہو جاتے ہیں مگر اس دھلائی کے بعد اس نجس صابن کو نکالتے کے لیے مشین میں ہی یا باہر پانی میں کٹی بار دھو کر ان سے یہ نجس صابن نکال دیا جاتا ہے جس کے بعد کپڑوں میں نجس پانی باقی نہیں رہتا اس لیے ازالہ نجس کے بعد کپڑے پاک ہو جاتے ہیں، لہذا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔

قال العلامة فخرالدين الزيلعي: والنجس المرقى يطهر بزوال عينه لان كنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو مرة.... وغيره بالغسل ثلاثا والعصر كل مرة اى غير المرقى من النجاسة يطهر بثلاث غسلات وبالعصر فى كل مرة والمعتبر فيه غلبة الظن - (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۵۷ فصل فى الانجاس) -

شراب کی خالی بوتل کا استعمال | سوال :- شراب کی خالی بوتل کا تیل وغیرہ کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- شراب بذاتِ خود نجس ہے، جس برتن میں شراب موجود ہو اُس کا استعمال بھی جائز نہیں مگر خوب صاف کرنے کے بعد جب یہ یقین ہو جائے کہ شراب کے آثار

له قال العلامة عالم بن العلامة الانصارى: ويحجب ان يعلم ان ازالة النجاسة واجبة وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئاً يزول اثرها ولا يعتبر فيه العذرات كان شيئاً لا يزول اثرها فاذالتها بازالة عينها ويكون ما بقى من الاثر عفواً وان كان كثيراً..... هذا اذا كانت النجاسة مرئية وان كانت غير مرئية كالبول والخنزير ذكر في الاصل قال يغسلها ثلاث مرات ويعصر فى كل مرة فقد شرط الغسل ثلاث مرات وشرط العصر فى كل مرة - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۳۰۶، كتاب الطهارة، الفصل الثامن فى تطهير النجاسات)

ومثله فى الفقه الاسلامى وادلته ج ۱ ص ۱۶ التقسيم الثالث - تقسيم النجاسة الى مرتبة الخ.

باقی نہیں رہے تو اُس بوتل یا برتن وغیرہ کو استعمال کرنا جائز ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم نهيتكم عن البئذ الا في سقاء فاشربوا فيه
الاسقية كلها ولا تشربوا سكرًا۔ (شرح طیبی ج ۱ ص ۱۳۸ کتاب الایمان، الفصل الاول)

سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر شیرخوار بچہ کپڑوں
پر پیشاب کر دے تو کپڑوں کا دھونا ضروری ہے یا کہ

شیرخوار بچے کا پیشاب پاک ہے؟

الجواب :- شیرخوار بچے کا پیشاب بھی بڑوں کی طرح نجس ہے، اس کی وجہ سے کپڑوں
کو دھونا چاہیئے، البتہ فرق اتنا ہے کہ شیرخوار بچے کے پیشاب سے بچنا مشکل ہوتا ہے
اسلئے اس صورت میں پوسے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں صرف پیشاب کی جگہ پر اتنا پانی
بھاوے کہ اس پانی سے یہ کپڑے اتنے مرتبہ بھیگ سکے، تو کافی ہے۔

قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: وبول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولورضيعة۔
قال الشيخ السيد احمد الطحطاوى: (قوله ولورضيعة) لم يطعم سواد كان ذكرًا أو
أنثى۔ (طحطاوى حاشیہ مرقا الفلاح ص ۱۲۳ باب الانجاس) ۲

سوال :- یہاں ہمارے علاقہ میں چمگاڑ بہت ہیں، کبھی کبھی وہ
پیشاب ہمارے کپڑوں پر کر جاتے ہیں لیکن ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا اور
اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگرچہ قاعدہ کی رو سے غیر ماکول اللحم کا پیشاب وغیرہ نجاست غلیظہ ہے
مگر چمگاڑ بوجہ مجبوری کے اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ ان سے احتراز (بچنا) ممکن نہیں
لہذا چمگاڑ کا پیشاب و میٹ پاک ہے اور ان کپڑوں کے ساتھ رجن پر چمگاڑ کا پیشاب وغیرہ لگا ہوا

۱۔ قال العلامة ملا علی قاری: فلما مضت مدة اياح النبي صلى الله عليه وسلم استعمال هذه الظروف فان
اثر الحزن زال عنها۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۹ کتاب الایمان، الفصل الاول)

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ مَشْكُوٰۃ ج ۱ ص ۱۳ کتاب الایمان، الفصل الاول)

۲۔ قال العلامة المحقق: وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم۔ قال ابن عابدین: (تحت
قوله لم يطعم) ای لم يأكل فلا بد من غسله۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس مطلب فی طہارۃ بولہ)

پر بھی کئی نماز بھی درست ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وبول غير ما كول ولو من صغير لم يطعم الا بول الحفاش وخرأه۔
قال ابن عابدین: تحته في البدائع وغيره: بول الحفافيش وخرأها ليس بنجس لتعذر صيانة الثوب والاواني عنها لأنها تبول من الهواء وهي فارة طيارة فلهذا يتبول اهـ۔ ومقتضاه ان سقوط النجاسة للضرورة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۹ باب الانجاس) ۱

کنوئیں میں رہنے والے سینڈک کے پیشاب کا حکم | سوال: گرامی قدر مفتی صاحب اہم کے گھر کے پیشاب کر دیں تو اس کنوئیں کے پانی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہی اصول اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سینڈک کا پیشاب ناپاک ہے اسلئے کہ بول غیر ما کول اللحم نجاست غلیظہ ہے، صورت مسئلہ میں سینڈک چونکہ پانی ہی میں رہتا ہے تو عدم احتراز کی وجہ سے بوجہ ضرورت نجس نہیں یعنی کنوئیں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: وبول غير ما كول ولو من صغير لم يطعم الا بول الحفاش وخرأه فظاهر وكذا بول الفأرة لتعذر التعرض عنه وعليه الفتوى۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس) ۲

نجس مٹی سے بنے ہوئے برتن کے استعمال کا حکم | سوال: اگر کھار برتن بنانے کے لیے مٹی کو نجس پانی سے گوندھے تو کیا پلید

مٹی سے بنے ہوئے پختہ برتن کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی نجس رپلید شے کی تطہیر کے مختلف طریقے ہیں، ان طریقوں میں آگ بھی ہے، صورت مسئلہ میں چونکہ نجس مٹی آگ میں پک چکی ہے اس لیے آگ کے ذریعے نجاست کا

۱ قال العلامة ابوبكر الكاساني: وبول الحفافيش وخرأها ليس بنجس لتعذر صيانة الثياب والاواني عنه لأنها تبول في الهواء وهي فارة طيارة فلهذا يتبول۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۲ فصل واما الطهارة الحقيقية)

۲ قال الشيخ السيد احمد الطعطاوي: بول الفأرة طاهر لتعذر التعرض عنه وعليه الفتوى يحصل على العفو۔ (طعطاوي حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۲۳ فصل فی الانجاس)

ازالہ ہو چکا ہے اور برتن پاک ہو چکا ہے اس لیے ایسے برتن کا استعمال جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجيم، في الفتاوى اذا احتوت الاكروض بالنادف تيسم بذلك التراب قيل يجوز التيقم وقيل لا يجوز والاصح الجواز۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۶، ۲۲۸ باب الانجاس) لم
سوال :- اگر کسی کا جانور مردار ہو جائے تو اس کی کھال اتارنے کے بعد
مردار جانور کی کھال کا حکم اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- حدیث شریف کی رو سے مطلقاً کسی بھی جانور کی کھال اتار کر سکھائی جائے یا کسی اور ذریعے سے اس کو رنگا جائے یا دباغت دی جائے تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے، اس لیے مردار جانور کی کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عیسیٰ الترمذی، عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما ہاب دبع فقد طهر۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۳۰۳ باب ما جاء في جلود الميتة اذا دلفت)

سوال :- آجکل دانتوں کی
خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے برش کے استعمال کا حکم صفائی کے لیے جو برش استعمال

کیا جاتا ہے بعض میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہیں، کیا ایسے برش سے دانتوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

الجواب :- دانتوں کی صفائی کے لیے جو برش استعمال کیا جاتا ہے اگر اس میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الحنفی، وشعر الميتة غیر الخنزیر علی المذهب۔ قال ابن عابدین، تحت (قوله علی المذهب) ای علی قول ابی یوسف الذی هو ظاهر الروایة أن شعرة نجس، وصححه

لہ وفي الهندية، ومنها الاجراق.... الطين النجس اذا جعل منه لكونا او القدم فطبخ يكون طاهرا كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع في الانجاس، الفصل الاول في تطهير الانجاس)
 ۲ عن ابن عباسؓ قال تصدق علی مولاة لميمونة بشاة فماتت فمر بها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال هلا اخذتم اهابها فديتموها انتفعتم به فقالوا انها ميتة قال انما حرام اكلها۔ (الصحيح البخاري ج ۱ ص ۸۳ باب جلود الميتة)
 ومثله في كبرى ۱۵۳ فصل في الانجاس

فی البدائع ورجحه فی الاختیار..... وعن محمد طاهر: ضرورة استعماله ای للحرازین۔
قال العلامة المقدسی: وفي زماننا استغنوا عنه ای فلا یجوز استعماله لزوال الضرورة الباقية
للحكم بالطهارة۔ رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۰ باب الانجاس، له

لعاب دہن سے قرآن مجید کی ورق گردانی کرنا | **سوال:** قرآن کریم کی ورق گردانی کے
وقت انگلیوں پر منہ کا لعاب لگا کر ورق اٹایا

جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی ورق گردانی کے لیے لعاب دہن لگانے کی صورت مسئلہ طہارت
سور و عدم طہارت پر مبنی ہے، چونکہ انسان کا سور (جھوٹا) پاک ہے اس لیے ورق گردانی کیلئے
انگلیوں کے ساتھ لعاب دہن لگانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

قال المحصني: فسور آدمي مطلقاً ولو جنباً أو كافراً أو امرأة..... (طاهر)
طهور بلا كراهة۔ قال ابن عابدین (قوله طاهر) ای فی ذاته طهور: ای مطهر بغیر
من الاحداث والاخباث۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۲ مطلب فی السور)

جانور کو ناپاک چیز کھلانے کا حکم | **سوال:** عموماً لوگ ناپاک چیز جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، کیا ناپاک
چیز جانوروں کو کھلانا یا پلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ناپاک چیز کا وصف نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو تو اس کا انتفاع
ہر حال میں ناجائز ہے اور اگر صفت تبدیل نہ ہوئی ہو تو جانوروں وغیرہ کو کھلانا یا پلانا جائز ہے،
البتہ متغیر الوصف ناپاک چیز کو جانور خود کھالے تو کوئی حرج نہیں۔

له قال أبو بكر الكاساني: وأما الخنزير فقد روى عن أبي حنيفة أنه نجس العين لأن الله تعالى
وصفه بكونه رجساً فيحل استعمال شعره وسائر أجزائه ألا أنه رخص في شعره للحرازین
للضرورة۔ ردائع الصنائع ج ۱ ص ۶۳ فصل فی الطهارة الحقيقية)

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۱ باب الانجاس۔

۲۔ قال مولانا شرف علی تھانوی: مسئلہ فقہیہ سور لآدمی طاہر سے لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور
تقبیل حجر اسود کی منونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے
اس طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹ فصل فی الآسار)

قال ابن عابدین، الماء اذا وقعت فيه نجاسة فان تغير وصفه لم يجز الانتفاع به بحال ولا جاز
كبد الطين وسقى الدواب۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۸)

سوال :- بعض لوگ گتوں کو شوقیہ طور پر پالتے ہیں اور ان
گتے کا منہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو۔۔۔ سے کھلتے ہیں اسی دوران گتہ قیض، شلوار یا چادر کو منہ میں
پکڑ لیتا ہے، تو اب اس قیض، شلوار اور چادر وغیرہ کی طہارت کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- گتے کا لعاب ناپاک ہے، اگر قیض وغیرہ پر لعاب کی تری ظاہر محسوس ہوتی ہو تو
کپڑا ناپاک ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الہندیۃ، الکلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبہ لاینجس ما لم یطهر فیہ اثر البسل
راضیا کان ادغصیان۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۸۱ الباب السابع فی الانجاس، الفصل الثانی)

سوال :- کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے فضلات پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب :- علماء کرام کی تحقیقات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رطوبات ظہر
ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شاربین پر نکیر نہیں فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کا نکیر نہ فرمانا حدیث تقریری ہے جو بالاجماع حجت شرعی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین، صحیح بعض ائمة الشافعیۃ طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسائر فضلاتہ۔ وبہ قال ابو حنیفۃؒ کما نقلہ فی المواہب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی
وصرح بہ البیری فی شرح الاشباہ م قال الحافظ ابن حجر تظاہرت الأدلۃ علی ذلک
وعدا لائمة ذلک من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم ونقل بعضهم عن شرح مشکوٰۃ الملاء علی
القاری أنه قال اختارہ کثیر من اصحابنا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۱ باب الانجاس مطلب
فی طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم) لہ

لہ قال الملا علی القاری فی جمع الوسائل؛ قال ابن حجر؛ وبہذا استدل جمع من
ائمنا المتقدمین وغيرہم علی طہارۃ فضلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو المختار
وفاقاً لجمع من المتأخرین فقد کثرت الأدلۃ علیہ وعدہ لائمة من خصائصہ۔
(جمع الوسائل شرح الشمائل ج ۲ ص ۳۱۱ باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

گوبر کے اُپلے استعمال کرنے اور بیچنے کا حکم | سوال :- اکثر دیہاتوں میں گوبر کے اُپلے

جلا کر کھانا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے اور بعض لوگ ان کو فروخت بھی کرتے ہیں، تو کیا گوبر کے اُپلوں کو جلانا اور فروخت کرنا جائز ہے؟
الجواب :- فقہاء کرام کی وضاحت اور صریح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر کے اُپلوں کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے جلانے اور فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: رتحت قوله كسرقين وبعروا، والمراد انه يجوز بيعهما ولو خالصين۔ وفي البحر عن السراج ويجوز بيع السرقين والبعروا الانتفاع به والوقود به۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۸ باب في البيع الفاسد۔ قبل مطلب الادنى مکرم) لہ

زندہ سانپ کے جامے کا حکم | سوال :- بعض حکیم لوگ زخمی شخص کو سانپ کا جامہ

روہ چھلکا جو سانپ خود اتارتا ہے، بطور علاج استعمال کرتے ہیں، شرعاً اس کا استعمال کیسا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟
الجواب :- مسلمان طبیب حاذق مریض کے لیے جو بھی دوا تجویز کرے اُس کا استعمال جائز ہے، جہاں تک صورتِ مسئلہ میں سانپ کے جامے کے استعمال کا مسئلہ تو فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق سانپ جب اپنا جامہ حالتِ حیات میں خود اتارتا ہے، پاک ہے۔ لہذا اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما في الهندية: قميص الحية الصحيح انه طاهر، كذا في الخلاصة۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۱ باب الانجاس) لہ



لہ قال العلامة ابن نجيم: يجوز بيع السرقين والبعروا الانتفاع به والوقود كذا في السراج الوهاج۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۶ کتاب البيوع۔ باب البيع الفاسد)
لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وفي نسخة القاضي الامام وقميص الحية الصحيح انه طاهر۔
(خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۶۱ الفصل السابع فيما يكون نجسا الخ)

باب الاستنجاء

(استنجاء کے احکام و مسائل)

کشف عورت کی صورت میں استنجاء کا حکم | سوال :- جب استنجاء کے لیے باپردہ جگہ نہ ہو تو کیا ایسی جگہ پر بیٹھ کر استنجاء کرنا جائز ہے

جہاں کشف عورت کا امکان ہو؟

الجواب :- استنجاء کرنے میں جب کشف عورت کا خطرہ ہو تو استنجاء چھوڑ
روضہ کرنا جائز ہے۔

قال المحقق: بلا كشف عورة عند احد ما معه فيتركه كما مر فلو كشف له صار
فاسقا. قال ابن عابدین: قوله فلو كشف له صار فاسقا ای للاستنجاء بالماء قال
نوح أفندی لان كشف العورة حرام ومرتکب الحرام فاسق سواء تجاوز الخمس
المخرج او لا وسواء كان المجاوز اكثر من الدرهم او اقل -
رد المحتار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸

قدر درہم سے زیادہ نجاست معاف نہیں | سوال :- پیشاب کرنے کے بعد جب
ڈھیلے استعمال کر لیے جائیں تو کیا پھر پانی
سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی جگہ پانی سے استنجاء کرنے کی فرصت نہ ہو تو کیا صرف
ڈھیلوں سے استنجاء پر اکتفا کیا جاسکتا ہے؟

الجواب :- اگر نجاست درہم کے اندازہ سے تجاوز کر گئی ہو تو دوبارہ پانی سے استنجاء
کرنا ضروری ہے، البتہ اگر درہم کے اندازہ سے نجاست کم ہو یا بالکل نہ ہو تو پھر ڈھیلوں کے
استعمال پر اکتفا جائز ہے، تاہم ایسی صورت میں بھی پانی سے استنجاء کرنا بہتر اور افضل ہے۔

لہ فی الہندیۃ: والاستنجاء بالماء افضل ان امکنہ ذلک من غیر کشف العورة وان
احتاج الی کشف العورة یتنجی بالمحرو لا یتنجی بالماء۔

الہندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱، ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ الاستنجاء ج ۱ ص ۳۵

قال ابراهيم الحلبي: اما ان زادت النجاسة المتجاوزة عن المخرج على قدر الدرهم فغسله اي النجس او المخرج فرض اجماعاً - (كبيري - آداب الوضوء ص ۲۹)

وقال ابن عابدین: ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل الاقتصاد على الماء ويليه الاقتصاد على الحجر وتحصل السنة بكل وان تفاوت الفصل كما افاده في الامداد - (مراد المختار على الدر المختار - فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۸)

سوال: آجکل خاص قسم کا کاغذ ملتا ہے جو کھٹے ٹائلٹ پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا، صرف استنجاء کیلئے

بنا یا گیا ہے، کیا اس پر کاغذ کے نام کی وجہ سے استنجاء جائز ہے؟

الجواب: کاغذ سے استنجاء کے عدم جواز کی علت، غطت اور تقدس ہے کیونکہ کاغذ عموماً کھٹے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ٹائلٹ پیپر چونکہ خصوصی طور پر استنجاء کیلئے تیار کیا گیا ہے اس لیے مروجہ ٹائلٹ پیپر میں کاغذ کی خصوصیات نہ ہونے کی وجہ سے اس سے استنجاء جائز اور مشروع ہے۔

قال ابن عابدین: واذا كانت العلة في الابيض كونه آلة للكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها اذا كان قاعاً للنجاسة غير متقوم كما قدمناه من جوارحه بالخرق البوالی وهل اذا كان متقوماً ثم قطع منه قطعة لا قيمة لها بعد القطع بكرة الاستنجاء بها ام لا الظاهر الثاني -

مراد المختار على الدر المختار فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۸

سوال: استنجاء کرتے وقت سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

له وفي الهندية: والثاني اذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمه الله قل اوكثر وهو الاحوط - (الهندية - الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱) ومثله في الهداية فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۴۷
له قال العلامة محمد يوسف البنوري: له المراد من الحجر في الحديث كل شيء طاهر غير محترم قاع للنجاسة سواء كان حجراً او مدرّاً او غيرهما -
رمعارف السنن ج ۱ ص ۱۱۱ باب الاستنجاء بالحجارة -

الجواب: فقہاء نے پیشاب کرتے وقت سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے، استنجا کرتے وقت اگر تقاطر بول یعنی پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو اس حکم کی رو سے اس وقت بھی سلام مکروہ ہے اور اگر تقاطر بول نہ ہو تو پھر بھی بے ادبی سے خالی نہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی شخص سلام کرے تو استنجا کے بعد جواب دے دے، کیونکہ سلام کے جواب میں تاخیر جائز ہے۔

قال ابن عابدین: عبارة الغزوية ولا يتكلم فيه: أي في الخلاء وفي الضياد عن بستان أبي الليث يكره الكلام في الخلاء وظاهره أنه لا يختص بحال قضاء الحاجة -
رد المحتار على الدر المختار - فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۲

پانی سے استنجا حکم | **سوال:** اگر پیشاب کرنے کے بعد ایک شخص صرف پانی کے استعمال پر اکتفا کرے یعنی ڈھیلہ استعمال نہ کرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے اور صفائی نہ ہونے کی صورت میں جب نجاست قدر الدرہم سے زیادہ ہو تو پانی سے استنجا واجب ہے البتہ صرف پانی سے اکتفا بھی جائز ہے، لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ پانی کے استعمال سے قبل تقاطر بول بند ہو ورنہ اس کے بغیر کپڑوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال المحصني: ويعتبر القدر المانع لصلوة فيما وراء موضع الاستنجاء لان ما على المخرج ساقط شرعاً - قال ابن عابدین (قوله ويعتبر... الخ) أي خلافاً لمحمد والحاصل أن ما جاوز المخرج أن زاد على الدرهم في نفسه يفترض غسله اتفاقاً وإن زاد بضم ما على المخرج إليه لا يفترض عندهما وعند محمد يفرض غسله بناءً على أن ما على المخرج في حكم الظاهر عنده فلا يستقط اعتباراً وبضم ما بعد اسطر
وقد مناعن الاختيار أنه الأحوط - رد المحتار على الدر المختار - فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۹

لہ وفي الہندیۃ: ولا یتکلم ولا یدکر اللہ تعالیٰ ولا یشمت عاصیاً ولا یرد السلام ولا یجیب المؤذن -
(الہندیۃ - الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱) ومثله فی البحر الرائق باب الانجاس ج ۱ ص ۲۱۳ -
۲ قال ابن اہیم الحلبي: ومن الآداب أن يغسل مخرج النجاسة بعد إخراجها إذا لم يتجاوز النجاسة مخرجها أما إذا جاوزت مخرجها والحال أنهما لم تكن قدر الدرهم فعليه سنة وإن كان قدر الدرهم فعليه واجب - ركبیری - آداب الوضوء ج ۱ ص ۲۸، ۲۹ ومثله فی الہندیۃ: الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱ -

سوال :- دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟
الجواب :- دائیں ہاتھ کی شرافت کی وجہ سے استنجاء یا پاکی جیسے امور میں اس کا استعمال مکروہ ہے، البتہ بوجہ غدر مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں۔

لہذا قال العلامة شرنبلالی: يكره الاستنجاء باليد اليمنى الا من عذر — قال احمد الطحاوي تخذه: فإنه يقيد عدم الكراهة باليمن حال العذر وهو كذلك۔
 والطحاوي حاشية مراقي الفلاح ۳۹ فصل فيما يجوز به الاستنجاء وما يكره (۱) لہ

سوال :- استنجاء کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص زیادہ پانی استعمال کرے تو اسراف کے حکم میں داخل ہو کر وہ شخص گنہگار ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے استعمال میں اعتدال اور میانہ روی کی ترغیب دی ہے، لیکن استنجاء کی حالت میں خاص مقدار کی تعیین نہیں، یہ نجاست کی کمی اور زیادتی یا اشخاص کے اعتبار سے متفاوت ہے، جب تک ازالتہ نجاست کے بارے میں غالب ظن نہ ہو تو پانی کا استعمال جائز ہے۔

قال الحصكفي: والغسل بالماء الى ان يقع في قلبه انه طهر ما لم يكن موسوساً فيقدر بثلاث۔

قال ابن عابدین: (قوله فيقدر بثلاث) وقيل بسبع للحدیث السوار فی ولوغ الكلب معراج عن المبسوط۔

(مراد المختار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸، ۳۳۹) ۲ لہ

لہ وفي الھندیۃ، ویکرہ الاستنجاء بالعظم والروث والموجیع والطعام واللحم والزجاج وکذا باليمن ھکذا فی التبيين — واذا کان بالیسری عذر یمنع الاستنجاء بہا جازان یتنبی بيمينہ من غیر کراہۃ۔ (الھندیۃ، الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۵) لہ قال یرھان الدین: ویستعمل الماء الى ان يقع فی غالب ظنہ انه قد طهر ولا یقدر بالمرات الا اذا کان موسوساً فیقدر، بالثلاث فی حقہ وقیل السبع۔
 (الھدایۃ فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸) وقیل فی مراقي الفلاح فصل فی الاستنجاء ص ۲۔

مغربی طرز کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا | سوال :- آجکل بعض مقامات پر مغربی طرز کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں جن میں کھڑے ہو کر

پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا اس قسم کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب :- کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اگرچہ بوقت ضرورت جائز ہے لیکن بلا ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا خلاف سنت ہے۔ البتہ آجکل مغربی تہذیب کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء کے استعمال میں ایک توفیق کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور دوسرے کفار کے ساتھ تشبہ کا لزوم، اس لیے مغربی طرز کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء میں اسی تہذیب کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب وغیرہ کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحنفی: وکرة تحریماً استقبالی قبلة واستد بارها۔ وان یبول قائماً
او مضطجعا او مجرداً من ثوبه بلا عذر۔ (الدر المختار علی حدرد المحتار ج ۱ ص ۳۳۲، ۳۳۳ فصل فی الاستنجاء) ^۱
سوال :- جہاد افغانستان میں بعض اشخاص کے پاؤں کٹ چکے ہیں اور بعض کو کمر میں شدید درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے نجاست سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں کہ اکثر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہو کر کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ویکرة البول قائماً لتنجسه غالباً الا من عذر کوجع یصلبه الخ
(مراقی الفلاح علی صدر حاشیة لطحاوی ص ۱۶۱ فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء وما یکرہ بہ الخ) ^۲

۱۔ وفقی الہندیة: یکرہ ان یبول قائماً او مضطجعا۔ (الہندیة ج ۱ ص ۵۱۵ باب الاستنجاء)
۲۔ قال السید یوسف البنوری: ان البول قائماً وان کانت فیہ رخصة والمنع للتأدیب لا للتحريم كما قاله الترمذی ولكن ایوا الفتوی علی تحريمه اولی حیث اصبح شعارا لغير المسلمين من الکفار واهل الا دیان الباطلة۔
(معارف السنن ج ۱ ص ۱۶۱ باب النهی عن البول قائماً)

استنجا کرتے وقت شمال کی طرف منہ کرنے کا حکم | سوال :- ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ بڑا قبلہ، تو کیا جس طرح پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جائز نہیں شمال کی طرف بھی ایسا ہی حکم ہے یا نہیں؟

الجواب :- احادیث مبارکہ میں قبلہ رکعبہ کی طرف استنجام کے وقت منہ یا پشت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کے متبادل بقیہ دونوں طرف منہ یا پشت کرنے کا حکم ہوا ہے، اب یہ دونوں اطراف کے علاقے جغرافیائی نظام کے مطابق ہوں گے، یعنی جہاں کعبہ مغرب یا مشرق کے جانب ہو تو اس کے دونوں اطراف شمال و جنوب ہے اور جہاں کعبہ شمال یا جنوب کی طرف ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتما بغائط لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لکن شرفوا أو غرّبوا۔ (الجامع الترمذی ج ۱ باب فی الہنی عن استقبال القبلة بغائط الخ) **سوال :-** گھاس اور درخت کے پتوں یا ہڈی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- ہر ذی شرف یا حیوان یا جن یا انسان کے ماکولات سے شریعت مقدسہ نے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ گھاس اور درختوں کے پتے مولشیوں کی خوراک ہے اور ہڈی میں جنات کے لیے خوراک ہے، اس لیے ان کے ساتھ استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔
لما قال الحسکفی: وکرة تحریماً بعظم وطعام وروث یا بس کعدرة یا بسۃ..... و فحم و علف حیوان۔ (الدر المختار علی صدد المختار ج ۱ ص ۳۳۹، ۳۴۰ باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء) ۲

۱۔ قال الحسکفی: کما کرة تحریماً استقبال قبلۃ و استدبارھا لاجل بول او عائط..... ولوفی بنسیان لا طلاق الہمی۔ (الدر المختار علی صدد المختار ج ۱ ص ۳۴۱ فصل فی الاستنجاء)
وَمِثْلُهُ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۳۴۱ فصل فی الاستنجاء۔
۲۔ وقی الہندیۃ: ویکرة الاستنجاء بالعظم والروث والرجیم والطعام واللحم والزجاج والخزف وورق الشجر والشعر۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴ فصل الثالث فی الاستنجاء)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴ فصل فی الاستنجاء۔

استنجا کر کے ہاتھ دھونے کے باوجود بدبو محسوس ہوتے کا حکم | سوال :- پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر کبھی کبھی بدبو محسوس ہوتی ہے جبکہ ہاتھوں پر نجاست کا کوئی وجود بھی نہیں ہوتا، کیا اس طرح بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب :- پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر بدبو رہ جائے تو بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں جیسا کہ ہندیہ میں ہے: وتطهر الید مع طهارة موضع الاستنجاء۔ (الہندیہ ج ۱ ص ۲۹) لیکن بہتر یہ ہے کہ استنجا کے بعد دوبارہ بھی ہاتھوں کو دھویا جائے تاکہ خوب تنقیہ و نظافت حاصل ہو جائے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے: ویغسل یدہ کما یکون یغسلہا قبلہ لیکون اتقٰ وانظف وقد روی ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) غسل یدہ بعد الاستنجاء وذلک یدہ علی الحائط، کذا فی التجنیس۔ (الہندیہ ج ۱ - الفصل الثالث فی الاستنجاء) ص ۲۹

سوال :- مرد کے لیے تو پیشاب و عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے کا استعمال ضروری ہے | وپاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجا

ضروری ہے تو کیا عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے؟

الجواب :- ڈھیلے کے ساتھ استنجا کرنا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے، ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے مزید پاکی حاصل کرنا زیادہ اولیٰ ہے البتہ مردوں پر استبراء ضروری ہے عورتوں پر نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: قلت بل صرح فی الغزنویۃ بانہا تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانہا لا استبراء علیہا بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطيفة ثم تمسح قبلها ودرہا بالاحجار ثم تستنجی بالماررد المختار ج ۱ ص ۳۳ فصل فی الاستنجاء ص ۲
لے قال الشیخ عبدالحی الکھنوی: بزوال عین نجاست وجرش طہارت بدن میشود واما اثر نجاست یعنی دنگ و بوئی، پس باید کہ بآب شستہ این راز اکل نماید و از ہمین جا ست کہ بغیر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) دست مبارک خود را بعد استنجا میشود و بدبو از مرے مالیتہ تا اثر باقی نماند و اگر از آلہ آن دشوار بود یعنی محتاج صابون وغیرہ باشد بقا آن لا باس بہ است الخ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ رسی) ج ۳ ص ۳۳ فصل فی الاستنجاء

لے وفي الہندیۃ: والمرأۃ تفعل فی جمیع الاوقات مثل ما یفعل الرجل فی الشتاء۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۲۸ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

سوال :- اگر کوئی شخص ڈھیلے سے استنجا کرنے
صرف ڈھیلے سے استنجا پر اکتفا کرنا | کے بعد پانی سے استنجا کرنا بھول جائے اور فوراً وضو
کر کے نماز شروع کرے تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں سے استنجا کیا جائے ورنہ
ایک پر اکتفا بھی جائز ہے، اس لیے اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ڈھیلے سے کیے ہوئے استنجا پر
اکتفا کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز درست ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل لاقتصار على الماء
ويليه لاقتصار على الحجر وتحصل السنة بالكل وان تفاوت الفضل كما افاد في الامم وغيره. (رد المحتار ج ۳۸ فصل في الاستنجا)
سوال :- کیا چاند و سورج کی طرف
پیشاب کستے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرتا | منہ کر کے پیشاب پاخانہ کرنا جائز ہے؟

اور اگر جائز نہیں تو سورج یا چاند بادلوں میں مستور ہوں تو بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟
الجواب :- فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت سورج چاند
یا تیز ہوا کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر سورج یا چاند بادلوں میں چھپے ہوئے ہوں تو اس
صورت میں پیشاب کرتے وقت ان چیزوں کی طرف منہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: والذي يظهر ان المراد استقبال عينهما مطلقاً لاجهتهما ولا
ضوءهما وان كان سا تراً يمنع عن العين ولو سحاباً فلا كراهة وان الكراهة اذا
لحريكونا في كبد السماء. (رد المحتار ج ۳۲ باب الاستنجا د ۲)

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ولا فضل في كل زمان الجمع بين استعمال الماء والحجر مرتباً في مسح
الخارج ثم يغسل المخرج.... ويجوز اي يصح ان يقتصر على الماء فقط وهو يلى الجمع بين الماء والحجر
في الفضل اذا الحجر وهو دونهما في الفضل. (مراقى الفلاح على صمد الطحاوى ج ۳ فصل في الاستنجا)
ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۸ الفصل الثالث في الاستنجا۔

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ويكره استقبال عين الشمس والقمر لأنها آيتان عظيمتان
ام قال السيد احمد الطحاوى تحت قوله يكره استقبال الخ اطلاق الكراهة يقتضى التحريم
وقيد بالعين اشارة الى أنه لو كان في مكان مستور ولم تكن عينها برأى منه لا يكره
بخلاف القبلة الخ (طحاوى حاشية مراقى الفلاح ج ۱ فصل في الاستنجا)

استنجا سے عاجز شخص کیلئے استنجا کا حکم | سوال: میرے ایک رشتہ دار کے دونوں ہاتھ روس کے ساتھ جہاد میں کٹ گئے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ ہے

تو کیا اس کو استنجا کروانا ضروری ہے؟

الجواب:۔ جو شخص بذات خود استنجا سے عاجز ہو چاہے بیماری کی وجہ سے ہو یا ہاتھ کٹ گئے ہوں اور اس کی بیوی یا باندی بھی نہ ہو اور خود کسی بھی صورت میں استنجا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے استنجا کرنا معاف ہے، البتہ اگر صرف ایک ہاتھ سے عاجز ہو تو جہاں تک ہو سکے استنجا کرے ورنہ بصورتِ مجبوری معاف ہے۔

قال العلامة عالم بن علاء الانصاری: الرجل المریض اذا لم یکن له امرأة ولا امه وله ابن واخ وهو لا یقدر علی الوضوء قال یتوضئ ابنه او اخوه غیر الاستنجاء فانه لا یمس فرجه ویسقط عنه والموت المریض اذا لم یکن له زوجة ولا یتوضئ علی الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ویسقط عنها الاستنجاء امره یمحی ان هذا التفصیل یجری فیمن شلت یداه لانه فی حکم المریض۔ (الفتاوی التاتاریخانیة ج ۱ کتاب الطہارة)

سوال:۔ مرد اور عورت کے استنجا میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟
الجواب:۔ مرد اور عورت کے استنجا میں کوئی فرق نہیں، یعنی جس طرح پانی اور ڈھیلے دونوں مرد استعمال کر سکتے ہیں عورت کیلئے بھی جائز ہے، البتہ مرد کیلئے استبرار یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر تک انتظار کرنا کہ پیشاب کے قطرے بند ہو جائیں، ضروری ہے عورت پر اس قسم کا استبرار لازم نہیں۔

قال ابن عابدین: قلت بل صرح فی الغزوة بانہا تفعل كما یفعل الرجال الا فی الاستبراء فانہا لا استبراء علیہا بل كما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطيفة ثم تمسح قبلها وديرها بالاحجار ثم تستنجی بالماء۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۸ فصل فی الاستنجاء) ۷

۸ قال العلامة ابن عابدین: (تحت قولہ سقط اصلاً المریض) والتاتاریخانیة والرجل المریض اذا لم یکن له امرأة ولا امه وله ابن واخ وهو لا یقدر علی الوضوء قال یتوضئ ابنه او اخوه غیر الاستنجاء فانه لا یمس فرجه ویسقط عنه والمرأة المریضة اذا لم یکن لها زوجة ولا یتوضئ علی الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ویسقط عنها الاستنجاء ولا یخفی ان هذا التفصیل یجری فیمن شلت یداه لانه فی حکم المریض۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۸ فصل فی الاستنجاء)

وَمَثَلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۰، ۵۱ فصل فی الاستنجاء۔
۹ قال حسن بن عمار: يلزم الرجل الاستبراء والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتى ينزل اثر البول ولا يحتاج المرأة الى ذلك بل تصبر قليلاً ثم تستنجی۔ (مرآة المفاتيح ص ۲۸۸ فصل فی الاستنجاء)
ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۱۸۸ باب الانجاس۔

سوال :- ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ خود استنجاء کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کوئی شخص بیماری یا بیماری کے بعد کمزوری کی وجہ سے خود استنجاء کرنے پر قادر نہیں تو اس کے لیے کسی دوسرے سے استنجاء کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی بیوی یا باندی اُسے استنجاء کرائے، ان کے علاوہ کسی اور سے استنجاء کرنا درست نہیں، ایسی صورت میں اُس کے لیے استنجاء معاف ہے۔

لما فی الہندیۃ :- الرجل المریض اذا لم یکن لہ امرأۃ ولا أمتہ ولہ ابن أو أخ وهو لا یقدم علی الوضوء فانہ یوضیہ ابنہ أو اخوہ غیرا کلا استنجاء فانہ لا یمس فرجہ و سقط عنہ الاستنجاء کذا فی المخیط :- والمرأۃ المریضۃ اذا لم یکن لہا زوج وعجزت عن الوضوء ولہا بنتہ أو اخت توضیہا وسقط عنہا الاستنجاء۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۸۸ الفصل الثالث فی الاستنجاء)۔

سوال :- پتلون پہننے کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مجبوری عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے ورنہ عمومی حالات میں آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص پتلون پہتے ہوا اور بیٹھ کر پیشاب کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے ورنہ بامِ مجبوری کھڑے ہو کر کرنا جائز ہے لیکن پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

لما قال الحنفی :- وکذا یکرہ ان یمس قائماً أو مضطجعا أو مجرداً من ثوبہ

لہ قال العلامة فخر الدین قاضی خان :- وکذا قالوا فی المریض اذا لم یکن لہ امرأۃ وعجز عن الوضوء ولہ ابن أو أخ فانہ یوضیہ الا انہ لا یمس فرجہ الا من یحل لہ وطؤها والمرأۃ المریضۃ ان لم یکن لہا زوج وعجزت عن الوضوء ولہا بنت أو اخت توضیہا ویسقط عنہا الاستنجاء۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۳۳ فصل فی صفۃ الوضوء)

بلا عذر اھ۔ قال العلامة ابن عابدین: (تحت قول ان یمول قائماً) لما ورد من النہی عنہ لقولہ عائشۃ رضی اللہ عنہا من حدثک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمول قائماً فلا تصدقوہ ما کان یمول الا قاعداً۔۔۔۔۔۔ فلذا قال العلماء بیکرہ الا لعذر، وہی کراہۃ تنزیہیۃ لا تحریم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۱ باب الاستنجاء) ۱۷

پیشاب کراتے وقت بچے کو قبلہ رخ کر کے پکڑنا | سوال :- خواتین میں یہ عادت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی وہ بچے کو پیشاب یا پاخانہ

کے لیے قبلہ رخ کر کے پکڑتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- قبلہ کی طرف استدبار واستقبال دونوں مکروہ ہے، فقہی ذخائر میں عورتوں کے اس عمل کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو پیشاب یا پاخانہ کے لیے قبلہ رخ کر کے پکڑیں، اس لیے ایسے عمل سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

كما قال المحقق:۔۔ وكن ايكرة هذه تعم التحريمية والتنزيهية للمرأة امساك صبغیبول او غائط نحو القبلة۔ (الدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۱ باب الاستنجاء) ۱۸

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں نے ایک **بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ** | شخص سے سنا ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پاؤں کو داخل کرنا چاہیے اور نکلنے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر کرنا چاہیے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب :- معاشرہ میں دو قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک وہ اعمال جو عظمت اور کرامت

۱۹ قال العلامة يوسف بنوری: ان البول قائماً وان كانت فيه رخصة والمنع للتأديب لا للتحريم كما قال الترمذی ولكن اليوم الفتوى على تحريمه اولى حيث اصبح شعاراً لغير المسلمين من الكفار۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۱۰۶ باب ما جاء من الرخصة في ذلك)

۲۰ قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: ويكره امساك الصبي نحو القبلة للبول۔ قال السيد احمد الطحطاوی: (تحت قول يكره امساك الصبي)۔۔۔۔۔۔ ويكره امساكه حال قضاء حاجته نحو القبلة وعين القمرين ونحو ذلك۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۲۱ باب الاستنجاء) وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۲۲۳ فَصْل فِي الْاِسْتِنْجَاء۔

والے ہوتے ہیں اور دوسرے خیس اور بے عظمت و حرمت والے اعمال، شریعت مقدسہ میں ہر عظمت والے عمل کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے اور ہر خیس عمل کو بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ بیت الخلاء خیس اور غیر ذی شان والے اعمال سے تعلق رکھتا ہے اس لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں سے داخل ہونا چاہیے اور نکلنے وقت دائیں پاؤں کو پہلے نکالنا چاہیے اور یہی آداب بیت الخلاء سے ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يدخل الخلاء برجله اليسرى ويخرج برجله اليمنى لاكل ما كان من التكريم بيداء فيه باليمين وخلافه باليسار لمناسبة اليمين للمكرم واليسار للمستقذر۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳ ص ۲۰۳) خامساً آداب قضاء الحاجة ۱۷

سوال :- اگر قضاء حاجت کے دوران کسی کو چھینک آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو کیا وہ الحمد للہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنا یا ذکر کرنا وغیرہ مکروہ ہے، البتہ اگر کسی کو دوران قضاء حاجت چھینک آجائے تو اس کو دل میں الحمد للہ پڑھ لینا چاہیے، زبان سے اس کا ورد نہ کرے۔

لما في الهندية : فان عطس حمد الله بقلبه ولا يحرك لسانه الخ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۸ فصل في الاستنجاء) ۱۸

سوال :- جناب مفتی صاحب! قضاء حاجت کو بیٹھنے کے لیے کس وقت کپڑا اٹھائے؟

جب کوئی شخص قضاء حاجت کیلئے

۱۷ وفي الهندية : ويستحب له عند الدخول في الخلاء ان يقول اللهم اني اعوذ بك من الخبيث والخبائث ويقدم رجله اليسرى وعند الخروج يقدم اليمنى۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۸ فصل في الاستنجاء)

ومثله في معارف السنن ج ۱ ص ۱۷ باب ما يقول اذا دخل الخلاء۔

۱۸ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي : واذا عطس حمد الله بقلبه ويقول بعد الاستنجاء اللهم طهر قلبي من النفاق الخ۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳ ص ۲۰۴) خامساً آداب قضاء الحاجة ۱۸

بیت الخلاء جائے تو وہ کس وقت اپنے کپڑے کو اٹھائے ؟
الجواب :- قضاء حاجت کے لیے بیٹھتے وقت اپنے کپڑے کو تب اٹھائے جب وہ زمین کے قریب ہو جائے ۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يستحب الا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض لان ذلك استتر له ولما روى ابو داود عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان اذا اراد الحاجة لا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۱ ص ۲۰۲) خامساً آداب قضاء الحاجة (۱) لے
سوال :- کیا قضاء حاجت بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا احادیث کے اوراق سمیت جانا کے لیے بیت الخلاء میں جاتے وقت جیب میں آیات قرآنی یا احادیث کے اوراق ہوں تو ایسی حالت میں بیت الخلاء میں جانا اور قضاء حاجت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعت اسلامی میں ہر معظّم شے کی تعظیم و احترام کا حکم ہے، چونکہ آیات قرآنی اور احادیث وغیرہ کے اوراق انتہائی معظّم و مکرم ہیں اور بیت الخلاء میں ساتھ لے جانے سے اُن کی تحقیر ہوتی ہے اس لیے قصداً ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بیت الخلاء جاتے وقت اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے جس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا البتہ اگر ایسے کاغذات جیب باہر رکھنے پر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر ساتھ لے جانے میں کوئی قباحت نہیں ۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: لا يحمل مكتوباً ذكر اسم الله عليه او كل اسم معظم كالملئكة والعزیز والكریم ومحمد واحمد۔ لما روى النسائي ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ وكات فيه

لے عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا اراد حاجة لا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض ۔ قال الشيخ خليل احمد السهارنفوري تحت هذا الحديث وهذا لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن التعري في الخلوت ۔ ايضاً وقال فالله احق ان يستحي منه من الناس وهذا يدل على ان جواز التعري في الخلوت للضرورة فلا ينبغي ان يرفع ثوبه قبل الضرورة ۔ (بذل المجهود ج ۱ ص ۱) باب كيف التكشف عند الحاجة

محمد رسول الله فان احتفظ به واحتوز عليه من السقوط فلا بأس -

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۲۲ آداب قضاء الحاجة) ۱۷

قضاء حاجت کے دوران برش یا مسواک کرنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام دین مسئلہ کہ ایک شخص قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء

میں بیٹھا ہوا ہے مگر اسی دوران وہ مسواک بھی کر رہا ہے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- قضاء حاجت کے مستحبات میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے دوران قضاء حاجت کے علاوہ اور کوئی عمل نہ کرے، نہ آسمان کو دیکھے اور نہ اپنی شرمگاہ پر نظر رکھے اور نہ دائیں بائیں طرف دیکھے، اسی طرح اس دوران مسواک یا برش کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يستحب الا ينظر الى السماء ولا الى فرجه ولا الى ما يخرج منه ولا يعيث بيده ولا يلتفت يمينا ولا شمالا ولا يستاك لان ذلك كله لا يليق بحاله - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۲۲ آداب قضاء الحاجة) ۱۷

بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم | سوال :- بعض مساجد کے استنجی خانے مسجد میں ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں جوتوں سمیت جانا

صحیح نہیں، اس لیے کہ مسجد کے صحن سے گزرنا پڑتا ہے، تو کیا ایسے استنجی خانوں یا بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- ویسے تو جوتے پہن کر بیت الخلاء وغیرہ میں جانا آداب قضاء حاجت سے ہے اور مستحب ہے، لیکن صورتِ مشولہ میں مسجد کی عظمت اور حرمت کے پیش نظر جوتوں کے بغیر

۱۷ قال الشيخ خليل احمد السهاري نفوساً: رتحت قول النبي ﷺ عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه يعني ينزع خاتمه من الاصبع ثم يضعه خارج الخلاء ولا يدخل الخلاء مع الخاتم وهذا العظيم اسم الله عز وجل ويدخل فيه كلما كان فيه اسم الله من القرطاس والدرهم - الخ (بذل المجمود ج ۱ باب الخاتم كونه ذكر الله تعالى يدخل به الخلاء) ۱۷ لما في المهدية: ولا ينظر لعورته الا للحاجة ولا ينظر الى ما يخرج منه ولا يبزق ولا يمتخط ولا يتنحج ولا يكثر الا لتفات ولا يعيث بيده ولا يرفع بصره الى السماء - الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵ فصل في الاستنجاء)

جانے میں کوئی قباحت نہیں، تاہم مناسب یہ ہے کہ مساجد کے استنجا خانے کسی ایسی جگہ بنائے جائیں جہاں سبوتوں سمیت جانا ممکن ہو۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي : ان يلبس نعليه ويسترد رأسه و يأخذ
حجار الاستنجاء ويهيئ ويعد المزيل للنجاسة من ماء ونحوه -
(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۱ باب خامساً آداب قضاء الحاجة)

استعمال شدہ ڈھیلوں کے دوبارہ استعمال کا حکم | سوال :- بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلے سے دوبارہ استنجا کرتے ہیں، از روئے شرع ڈھیلوں کے سوکھ جانے کے بعد ان سے دوبارہ استنجا کیا حکم ہے؟

الجواب :- استنجا بالاجار کے لیے ضروری ہے کہ ڈھیلے وغیرہ پاک ہوں۔ اسی بنا پر فقہاء نے مستعمل ڈھیلے سے استنجا کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اگر ڈھیلہ بڑا ہونے کے ساتھ اس کے کئی کونے بھی ہوں تو متعدد ڈھیلوں کے حکم میں ہو کر ہر ایک کونے سے مستقل طور پر استنجا کرنا بالکرات درست ہے۔

قال العلامة ابن ہمام: ولا يجرئ الاستنجاء بحجر استنجى به مرة إلا ان يكون له حرف اخر لم يستنج به - (فتح القدیر ج ۱۹ فصل فی الاستنجاء) لہ



لہ قال فی الہندیۃ: וכذا لا یتنجی بحجر استنجی به مرةً ہوا وغیرہ
الا اذا كان حجراً له احرف له ان یتنجی کل مرةً بطرف لم یتنج به فیجوز
من غیر کراہۃ کذا فی المحیط - (الہندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱۵)
ومثله فی خلاصۃ الفتاوی - باب الاستنجاء ج ۱ ص ۲۷ -

مسائل شتی

(غسل اور وضو کے متفرق مسائل)

غسل اور وضو کے لیے پانی کی مقدار | سوال :- وضو یا غسل کے لیے کتنا پانی ہوتا چاہیے، شرعاً اس کے لیے پانی کی کوئی مقدار

مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت میں وضو یا غسل کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کہ اس سے کم و بیش پانی کے ساتھ وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہو۔ البتہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور غسل کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ صاع کی مقدار موجودہ حساب سے ۲۷۰ تولہ اور مد ۶۸ تولہ اور چند ماشے بنتا ہے۔

لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوی : واعلم انه نقل غیر واحد لاجماع علی عدم التقدير فی ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الکفاية لاختلاف طباع الناس۔ وعن عائشة رضي الله عنها جرت السنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغسل من الجتابة صاع ثمانية ارطال وفي الوضوء رطلان هما مد فالمد ربع صاع۔ (طحطاوی ص ۶۲ کتاب الطہارۃ، فصل في المکرهات) لہ

گنجه سروالے آدمی کے چہرے کی حدود کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! فقہ کی بعض کتابوں میں چہرے

کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے اور ایک کان سے دوسرے کان تک

لے قال العلامة الکسائی: مقدار الماء الذي يغتسل به فقد ذكر في ظاهر الرواية وقال ادنی ما يكفي في الغسل من الماء صاع وفي الوضوء مد..... ثم هذا التقدير الذي ذكره محمد بن الحسن في صاع والمد في الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم بحيث لا يجوز التقصا عنه او الزيادة عليه بل هو بيان مقدار ادنی الکفاية عادتی من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزاء وان لم يكن فيه زاد عليه لان طباع الناس ولحوالهم تختلف۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۵ مطلب ادا ب الوضوء)

مذکور ہے، اب اگر کسی شخص کے سر کے نصف سے بال شروع ہوئے ہوں تو اس بالے میں اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب :- فقہاء کرام کی عبارات میں جو یہ مذکور ہے کہ چہرے کی حد سر کے بالوں سے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر جہاں سے سر کے بال اُگنے شروع ہوتے ہیں یعنی عرف میں بال اُگنے کی جو حد ہو اس کا اعتبار ہے، اس لیے جو آدمی بالکل گنجا ہو یا اس کے بال سر کے نصف سے شروع ہوتے ہوں تو اسے عرف کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وَحَدَّ اِیْ جُمْلَةِ الْوَجْهِ طَوْلًا مِّنْ مِّبْدَا سَطْحِ الْجَبْهَةِ سِوَا دِکَانَ بِهِ شَعْرًا لَا۔ قال السيد احمد الطعطاویؒ: (قوله سِوَا دِکَانَ بِهِ شَعْرًا لَا) اِشَارَةٌ اِلَى اَنْ الْاُغْمَ وَالْاَصْلَحَ وَالْاَقْرَعُ وَالْاَنْزَعُ فَرَضَ غَسْلَ الْوَجْهِ مِنْهُمْ مَا ذَكَرَ۔ (طعطاوی و مراقی الفلاح ص ۵۸ احکام الوضوء)۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنے کا حکم | سوال :- کیارات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا مسنون ہے یا ہر نیند (چاہے دوپہر کا قیلولہ ہو یا رات کی نیند) سے اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مستنون ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے مطلقاً نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے چاہے رات کی نیند ہو یا دوپہر کا قیلولہ، اس لیے ہر نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ: وَیَسْتَحِبُّ لِتَغْيِيرِ الْقَمَمِ

لہ قال العلامة المحصنؒ: مِّنْ مِّبْدَا سَطْحِ جَبْهَتِهِ اِیْ الْمَتَوَضِّعُ بِقَرْنِيَةِ الْمَقَامِ اِلَى اسْفَلِ ذَقْنِهِ اِیْ مَنِبِتِ اسْنَانِهِ السِّفْلَى طَوْلًا کَانَ عَلَیْهِ شَعْرًا وَلَا عَدَلَ مِنْ قَوْلِهِمْ مِنْ قِصَاصِ شَعْرَةِ الْجَارِیِ عَلَی الْغَالِبِ اِلَى الْمَطْوَرِ لِيَعْمَ الْاُغْمَ وَالْاَصْلَحَ وَالْاَنْزَعُ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۹ کتاب الطہارۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۹ کتاب الطہارۃ۔

والقیام من النوم - (مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۳۷ فصل سنن الوضوء)

سوال :- جناب مفتی صاحب! میری

مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم | دادی بیمار اور بہت کمزور ہے، ڈاکٹر کی

نے اُن پر وضو وغیرہ کے لیے پانی استعمال کرنا منع کر دیا ہے، اس وجہ سے میں ان کو تیمم کراتی ہوں، تو کیا تیمم کی نیت کرنا میرے لیے لازم ہے یا میری دادی کے لیے؟

الجواب :- تیمم میں نیت کا وجوب ہر اُس شخص پر لازم ہے جو پاکی (طہارت) حاصل کرنا چاہتا ہو، چونکہ صورتِ مسئلہ میں پاکی آپ کی دادی حاصل کرتی ہیں اس لیے تیمم کی نیت کرنا ان کے لیے لازمی ہے آپ کے لیے نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : مریض تیممہ غیوہ فالنیۃ علی المریض دون المتیمم۔ انتہی۔ (الاشباہ والنظائر ج ۱۸ القاعدۃ الثانیۃ ۳۳۲) ص ۲

سوال :- جنابت کے غسل | **غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا** | کے دوران اگر استعمال شدہ پانی کے چھینٹے پانی کے برتن میں گر جائیں تو کیا اس باقی پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر جناب آدمی کے بدن سے غسل کے دوران گرنے والے پانی کے چھینٹے صاف پانی میں گر جائیں تو اس سے صاف پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس سے غسل کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : ویستحب فی خمسۃ مواضع اصفرار السن وتغیر الرائحة والقیام من النوم والقیام الی الصلوۃ وعند الوضوء۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۱ سنن الوضوء، مطلب فی دلالة المفہوم)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۱۱۱ سنن الوضوء۔

کہ قال الشیخ المفتی عبدالرحیم لاجپوری : مذکورہ لاچاری اور مجبوری کی صورتوں میں دوسرا شخص تیمم کر دے تو تیمم ہو جائے گا مگر نیت معذور کو ہی کرنا ہوگی، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیۃ ج ۸ ص ۹۱ کتاب الطہارۃ)

لما في الهندية : جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في انائه لم يفسد عليه الماء - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۳ الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء)

تجس اشياء کے دھوئیں کا حکم | سوال :- بسا اوقات کوڑا کرکٹ کی جگہ دھواں سا اٹھتا ہے اگر وہ انسان کے کپڑوں پر یا اس کے

بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب :- نجاست سے اٹھنے والا بھاپ نما دھواں اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے کپڑے اور بدن نجس (نا پاک) نہیں ہوتے، اگرچہ بعض اقوال ناپاک ہونے کے بھی مروی ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوتے۔

لما في الهندية : دخان النجاسة اذا اصاب الثوب او البدن الصحيح انه لا ينجسه -

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۴ الفصل الثاني في الاعيان النجسة)

شیر خوار بچے کی قے کا حکم | سوال :- اگر چھوٹا شیر خوار بچہ کسی پر قے کر دے تو کیا اس کی قے پاک ہے یا نہیں؟

الجواب :- قے جو ب منہ بھر کے آئے تو مطلقاً نجس ہے چاہے بڑے آدمی کے معدے سے آئے یا شیر خوار بچے کے منہ سے، تاہم اگر قے منہ بھر کے نہ آئے تو ناپاک نہیں۔

قال العلامة الحصكفي : ينقضه قمي ملافاه من مرقا وعلق او طعنا او ماء اذا وصل الى معدته وان لم يستقر وهو نجس مغلظ ولو من صبي ساعة ارتضاعه وهو الصحيح - لمخالطة النجاسة ذكره الحلبی - (الدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۴ مطلب نواقض الوضوء)

کہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری : جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في انائه لم يفسد عليه الماء - (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۳۴ کتاب الطہارت ، الفصل الاول)

کہ قال العلامة حسن بن عمار الشریانی رحمہ اللہ : وبعاد الكيف والاصطبل والحمام اذا قطر لا يكون نجسا استمسائا - (مراقی الفلاح علی صدر المطاوی ص ۱۳۲ قبل الفصل يطهر جلد الميمنة)

چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا | سوال :- اگر کوئی چھوٹا بچہ پانی کے ٹکٹے میں ہاتھ ڈال دے تو اس پانی کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورت مشورہ میں پانی کی طہارت اور ناپاکی بچے کے ہاتھوں کی طہارت اور ناپاکی پر منحصر ہے، اگر بچے کے ہاتھ یقینی طور پر پاک و صاف ہوں تو بلاشبہ پانی بھی پاک ہے اور اگر بچے کے ہاتھ نجس ہوں تو پانی بھی ناپاک نہ تاہم اگر شک کی سی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال نہ کیا جائے اور اگر استعمال کر بھی لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة فخرالدین قاضی خان: وكذا الصبي اذا دخل يده في البئر أو في
الناء لا يتوقضا منه استعساناً ما لم ينزع وان لم ينزع وتوضاء جازماً.
فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۹ فصل فی البئر۔

وضو کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اسی اذان شروع ہو جائے تو کیا شخص وضو کی

دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے، شرعاً کون سا عمل افضل ہے؟
الجواب :- وضو کرتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا اور اذان کا جواب دینا دونوں سنت ہیں، لہذا دونوں میں سے جو بھی چاہے پڑھ سکتا ہے، تاہم اذان کا جواب دینا زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان سننے والے کو سلام کا جواب دینا بھی مناسب نہیں، حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة الكاساني: ولا ينبغي ان يتكلم السامع في حال الاذان والاقامة ولا يشتغل
بقراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوى الاجابة ولو كان في القراءة ينبغي ان يقطع ولا يشتغل^{بالا} شئ من
والاجابة۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۵ فصل ما يجب علی السامعین عند الاذان) لہ

لہ قال العلامة ابن عابدین: وينبغي للسامع ان لا يتكلم ولا يشتغل بشئ في حالة
الاذان والاقامة ولا يرد السلام ايضاً لان الكل يخل بالنظم
رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۹ باب الاذان۔ مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد

سوال :- پانی کتنی مسافت کی دوری پر ہو
تیمم کرنا جائز ہوتا ہے ؟

الجواب :- جب آدمی سے پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تو تیمم جائز ہے اور میل سے
مراد چار ہزار ذراع ہے یعنی جب آدمی سے چاروں طرف ایک ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کرنا
جائز ہے ۔

قال لعلّا الحصى ومن عجز عن استعمال الماء لم يبعد ولو مقيماً في المصر ميلاً اربعة آلاف
ذراع وهو اربع عشرون اصبعاً وهي ست شعيرات ظهر لبطن وست شعرات
بغل ۔

سوال :- کوئلہ دو قسم کا ہوتا ہے ۔ (۱) جبلی دیہاڑی (۲) کوئلہ جو کہ کان سے
نکالا جاتا ہے ، اور ایک وہ جو کٹڑی کو جلا کر اس سے کوئلہ بنایا جاتا ہے
کیا جبلی دیہاڑی کوئلہ اور اس کی بنی ہوئی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے ؟

الجواب :- جبلی کوئلہ چونکہ حکماً پتھر ہے اس لیے یہ جنس الارض سے شمار ہوگا جس پر
تیمم صحیح اور درست ہے ، اسی طرح اس کی راکھ پر بھی تیمم صحیح ہے ۔

قال الحصى : ومتمد با لا حلق الا رماد الحجر فيجوز كحجر صدق
او مغسول ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۳ باب التيمم) ۲

سوال :- راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- تیمم کے لیے جنس الارض ہونا ضروری ہے ، فقہاء کرام
نے جنس الارض کی پہچان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جنس الارض ہر وہ شے ہے جو جلانے سے

لہ وفي الهندية : يجوز التيمم لمن كان بعيداً من الماء ميلاً هو المختار في المقدار سواء
كان خارج المصر اوفيه وهو الصحيح وسواء كان مسافراً او مقيماً ان الميل هو ثلث
الفرسخ اربعة آلاف ذراع طول كل ذراع اربع وعشرون اصبعاً وعرض كل
اصبع ست حبات شعير ملحقة ظهر البطن ۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۲۲۳ الباب الرابع فی التيمم)
لہ قال الشيخ خليل احمد : يشترط ان يكون جبلي او اس کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا
حکم حجر کا ہوگا ۔ (فتاویٰ خلیلہ جلد ۱ ص ۱۵۷ کتاب الطہارۃ ، باب التيمم)

نہ رکھنے اور پھل جائے۔ چونکہ رکھ اُس شے سے بنتی ہے جو جل کر رکھ بن جاتی ہے جس کی جنس الارض کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لیے طہارت کے باوجود اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة ابوبکر السائی: جنس الارض فكل ما يخرق بالنار فيصير رماداً كالخطب والحشيش ونحوهما او ما ينطبع ويلين كالحديد والصفرة والنحاس والزجاج وعين الذهب والفضة ونحوها فليس من الارض وما كان بخلاف ذلك فهو من جنسها۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۵ فصل في بيان ما يتيمم به) **سوال:** ایک شخص صاحب فراش ہے اور ڈاکٹروں نے اس کو گدایا تکیہ پر تیمم کا حکم پانی کے استعمال سے منع کیا ہوا ہے، کیا وہ گدایا تکیہ پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا صاحب فراش جس کو ڈاکٹروں نے پانی کے استعمال سے منع کیا ہو اس کیلئے گدایا تکیہ پر تیمم کرنا جائز ہے جبکہ اس پر غبار ہو جیسا کہ فتاویٰ تاتاریخانیہ میں ہے۔ والصحيح قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ: وصورة التيمم بالغبار ان يضرب بيداً ثوباً اوليداً او سادةً او ما أشبهها من الاعيان الطاهرة التي عليها غبار فاذا وقع الغبار على يده تيمم۔ (تاتاریخانیہ ج ۱ ص ۲۴۷ باب التيمم) ^۱

له وفي الهندية: ما يخرق بالنار فيصير رماداً كالخطب والحشيش ونحوهما او ما ينطبع ويلين كالحديد والصفرة والزجاج وعين الذهب والفضة ونحوها فليس من جنس الارض وما كان بخلاف ذلك فهو من جنسها۔

(الهندية ج ۱ ص ۲۴۷ الباب الرابع في التيمم، الفصل الاول)

^۲ قال ابراهيم الحلي: ولا يجوز عندنا بما ليس من جنس الارض وهو ما يلين بالنار او يترمد كالذهب والفضة والحديد والرصاص والصفرة والنحاس ونحوها ينطبع ويلين بالنار او كالحنطة وسائر الحبوب والاطعمة من الفواكة وغيرها وانواع النباتات مما يترمد بالنار اذا لم يكن عليها غبار وان كان على هذه الاشياء المذكورة غبار يجوز التيمم بغبارها عند ابی حنیفة۔ الخ (كبیری ص ۱۷۸ باب التيمم) ومثله في مجموعة الفتاوى ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الطهارة۔

ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمم کرنا | سوال :- ایک ہی جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمم کرنا فقہاء کرام کی تصریح سے جواز معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایک جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے۔

لما قال العالم بن العلاء الا نصاری : واذا تیمم مرارا من موضع واحد جائز۔

(التاتارخانیة ج ۱ ص ۲۲۲ قبل نوع من یجوز له التیمم ولا یجوز له)

تلاوت قرآن کیلئے کئے گئے تیمم نماز پڑھنے کا حکم | سوال :- جو تیمم تلاوت یا دیگر اذکار کیلئے کیا جائے اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جس کیلئے طہارت شرط ہے مثلاً نماز، سجدہ تلاوت وغیرہ۔ (۲) وہ جس کے لیے طہارت شرط نہیں مثلاً تلاوت قرآن، دخول مسجد، تعلیم دین وغیرہ۔

اب اگر تیمم ان عبادات کے لیے کیا جائے جن کے لیے طہارت شرط ہے تو اس تیمم سے جملہ عبادات ادا کرنا جائز ہے اور اگر تیمم اس عبادت کے لیے کیا گیا ہو جن کے لیے طہارت شرط نہیں تو اس سے وہ عبادات جن کے لیے طہارت شرط ہے ادا کرنا صحیح نہیں۔ لہذا تلاوت قرآن یا دیگر اذکار کے لیے چونکہ طہارت شرط نہیں اس لیے اس تیمم سے نماز پڑھنا بھی درست نہیں۔

لما قال المحصنفی : لو تیمم لدخول مسجد أو لقراءة ولو من مصحف.... لم تجز الصلوة به عند العامة۔ قال ابن عابدین : (قوله لم تجز الصلوة به) أي لفقد الشرط، وهو امران ! كون المنوع عبادة مقصودة وكونها كالتحلل الا بالطهارة۔

رمحا المختار ج ۱ ص ۲۲۵ باب التیمم ۲۷

۱۰ وفي الهندية : واذا تیمم مرارا من موضع واحد جاز كذا في التاتارخانية۔

(الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب الرابع التیمم، الفصل الثالث في المتفرقات)

۱۱ قال ابن نجيم : وصرحوا بأنه لو تیمم لدخول المسجد أو لقراءة ولو من المصحف أو مسه أو زيارة القبور.... لا تجوز الصلوة بذلك التیمم عند عامة المشائخ لان بعضها ليست بعبادة مقصودة

وان كان عبادة مقصودة لكن يصح بدون الطهارة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۱ باب التیمم)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب الرابع في التیمم، الفصل الاول۔

تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا درست نہیں | سوال :- اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ غسل کی بھی ضرورت ہے اور نماز کا وقت بھی کم ہے، کیا

تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کیا جاسکتا ہے؟

الجواب :- وقت کی تنگی کوئی ایسا عذر شرعی نہیں کہ جس کی وجہ سے غسل کو چھوڑ کر تیمم پر اکتفا کیا جائے بلکہ ہر حال میں غسل کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: لا یتیم لفوت جمعة ووقت ولو وترا لفواتها الى بدل۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۶ باب التیمم) ۱

جیل خانہ میں پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم | سوال :- افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں جو لوگ کفار کی جیلوں میں محبوس ہیں اگر دشمن باوجود پانی کی موجودگی کے ان کو وضو یا

غسل کے لیے نہ چھوڑیں تو کیا یہ لوگ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- تیمم کے جواز کے لیے پانی پر عدم قدرت ضروری ہے اور یہ عدم قدرت چاہے مسافت کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا دشمن کی وجہ سے ہو تو ان تمام صورتوں میں تیمم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، لہذا اگر قیدی تیمم کر کے نماز ادا کریں تو جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی: من عجز عن استعمال الماء..... بعده ولو مقيماً في المصر
ميراً..... او لمرض يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم..... او برؤية هلك
الجنب او بمرضه..... او خوف عدو كحيلة او نادر على نفسه ولو من فاسق او حبس
غريم او ماله..... او عطش ولو لكلبه او رفيق او قافلة حالاً او مآلاً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۲ تا ۲۳۵ باب التیمم) ۲

۱۔ قال العلامة ابراهيم الحلبي: ولو خاف خروج الوقت واشتغل بالوضوء في سائر الصلوة
ماعد الصلوة الجنادة والعيد لا يتييم عندنا۔ (كبيري ص ۱۳۰ فصل في التيمم)
۲۔ قال الشيخ السيد احمد الطحطاوي: (ومنه خوف عدو) آدمي او غيره سواء خافه على نفسه
او ماله او امانته او خافت فاسقا عند الماء او خاف المديون المفلس الحبس ولا اعادة عليهم
ولا على من حبس في السفن بخلاف المكرة على تراث الوضوء فتييم فانه يعيد الصلوة۔

(مراقي الفلاح علی صدر الطحطاوي ص ۹۱ باب التيمم)

سوال :- اگر کوئی شخص اتنا زخمی ہو کہ اس کے لیے غسل کرنا ممکن نہ ہو
زخمی تیمم کر سکتا ہے تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر کسی شخص کے نصف بدن یا اس سے زیادہ پر زخم ہوں تو وہ شخص تیمم کر سکتا ہے
 البتہ اگر بدن کے زخم کم ہوں اور غسل کرنا ممکن ہو تو وہ شخص غسل کرے گا اور زخم کی جگہوں پر مسح
 کرے گا، اور اگر زخم کم ہوں لیکن پانی کے اثر سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو پھر بھی تیمم جائز ہے۔
 ویجوز التیمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان یقله البرد او یسر صله :-

وان كان به جراحات یعتبر الاكثر محدثا كان او جنباً فقی الجناۃ یعتبر اکثر البدن
 وفي الحدث یعتبر اکثر اعضاء الوضوء فان كان الاكثر صحیحاً والاقل جریحاً
 یغسل الصحیح ویمسح علی الجریح ان امکنه وان لم یمكنه المسح یمسح علی الجائر
 اوفوق الخرقۃ ولا یجمع بین الغسل والتیمم۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۳۸) لہ

سوال :- کیا جنب آدمی سخت سرد علاقوں مثلاً سوات،
سرد علاقوں میں تیمم کا حکم سیاحین وغیرہ میں سردی کی وجہ سے نماز اور دوسری عبادات

کے لیے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے بلا عذر
 شرعی تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، سخت سردی بھی تیمم کے لیے عذر شرعی ہے لیکن تب
 جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں بیمار
 پڑھنے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، البتہ صرف وضوء ٹھنڈے پانی سے کیا جائے گا
 اس لیے کہ وضوء میں نقصان کا خوف زیادہ نہیں ہوتا۔

لما قال الحنفی: او برد یهلك الجنب او یمرضه ولو فی المصر اذ الم تکن له اجرة الحمام ولا ما
 یدفعه۔ قال العلامة ابن عابدین: قید بالجنب لان المحدث لا یجوز له التیمم للبرد فی الصحیح۔
 (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۴ باب التیمم)

لما قال العلامة الحنفی: او المرض یشتد او یمتد بغلیۃ ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرک۔

والدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳ باب التیمم

ومثله فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۱۱۱ باب التیمم، المرض او بطل البرد۔

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! ایک آدمی نمک کی کان
نمک پر تیمم کرنے کا حکم میں کام کرتا ہے، اگر وہاں اس کو تیمم کی ضرورت پڑ جائے اور
گرد و نواح میں مٹی بھی موجود نہ ہو تو کیا یہ شخص نمک پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- پہاڑی نمک چونکہ زمین ہی کے اجزاء میں سے ہے اس لیے اس پر
تیمم کرنا شرعاً جائز ہے، تاہم جو نمک سمندر کے پانی سے بنا ہوا ہو اس پر تیمم کرنا جائز
نہیں ہے۔

كما قال العلامة ابوالہیم الجبلی رحمہ اللہ: ولو تیمم بالملح نظر ان كان ماءً ای
كان ماء فجمد لا يجوز لانه ليس من اجزاء الارض وان كان جبلها ای معدنيا
وهو ما استحال ملحاً من اجزاء الارض يجوز به التيمم لانه جئس الارض۔

(کبیری ص ۷۶ باب التیمم) لے

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک شخص اتنا بیمار ہے
ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمم کرنے کا حکم کہ وہ چار پانی سے نیچے نہیں اتر سکتا، اس نے تیمم کرنے
کے لیے اپنے پاس مٹی کا ایک ڈھیلہ رکھا ہوا ہے اور وہ اس پر بار بار ہر نماز کے لیے تیمم کرتا
ہے، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ یا یہ کہ ہر تیمم کے لیے مٹی کا نیا ڈھیلہ لینا
پڑے گا؟

الجواب :- جو شخص بیمار ہو اور طبیب کے نزدیک پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو
تو شرعاً اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ اب چاہے تو بیمار مٹی کے ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار
تیمم کرے یا ہر بار تیمم کے لیے نئی جگہ یا ڈھیلہ استعمال کر سکتا ہے، شرعاً اس بارے میں
گنجائش ہے۔

لما فی الہندیۃ: اذا تیمم مراداً من موضع واحد جاز کذا فی التاتارخانیۃ۔
الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۱ باب التیمم

لے قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: اختلفوا فی الجبلی والصمیم ہوا الجواز۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۶۱ فصل فیما يجوز به التيمم)
ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۱ باب التیمم۔

نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

نائلون کے موٹی جرابوں پر مسح کے بارے میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ کانیہ تحقیقی فتویٰ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان صاحب نامہ الحق نے شائع کیا تھا، فتویٰ کے اہمیت کے پیش نظر اب اسے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (موتبہ)

فی الدرا المختارا وجوربید ولومن غزل او شعرا لثخنین بیث یمشی فرسخاً
ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یرى ماتحتہ ولا یشف الخ۔ (جلی کبیر ص ۱۲۱)
وحد الجورب الثخنین ان یستمسک ای یثبت ولا ینسدل علی الساق من غیر
ان یشد بشی ھکذا افسرہ کلہم ویبغی ان یقید بما ادا لہ ین ضیقاً فاتا نشاہد
ما یكون فیہ ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکر یا س۔
عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کرنا مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ۔ اول یہ کہ
گاڑھی اور اتنی موٹی ہوں کہ اگر صرف جرابیں پہن کر کم از کم تین میل ان میں چلا جائے، اسے باندھا
بھی نہ ہو اور وہ پنڈلی پر سے نہ اتریں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے فوری طور پر پانی نہ چھنے۔
مکا صرح بہذا القید فی الشرح الکبیر ص ۱۲۱۔ تیسرے یہ کہ ان کے اندر سے کوئی چیز نظر
نہ آئے، یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھیں تو کچھ دکھائی نہ دے۔ چوتھے یہ کہ پنڈلی
سے نہ گرتا تنگی کی وجہ سے نہ ہو۔

پس نائلون کی جرابیں جتنی ہمارے مشاہدہ میں آئی ہیں ان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں،
کیونکہ نائلون میں ربڑ کی طرح پھیلنے اور سکڑنے کی خاصیت موجود ہے تو پہننے کے بعد ان کا
نہ گرتا انقباض اور تنگی کی وجہ سے ہے، پھر بسا اوقات تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد وہ
وہ پنڈلی سے گر جاتی ہیں لہذا یحقی علی من جرب۔ اور جب ان جرابوں میں سے اتنا کھینچ کر

دیکھا جائے جتنا ان کے پہننے کے وقت کھینچا جاتا ہے تو ان سے ہر چیز دکھائی دیتی ہے، پھر فوری طور پر ان میں سے پانی بھی چھتا ہے بخلاف ٹاٹ کی جرابوں کے۔ تو اس بنا پر ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر نائلوں کی ایسی جرابیں موجود ہوں جن میں یہ تمام شرائط موجود ہوں تو پھر مفتی بہ قول کے مطابق ان پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ ہذا ما اعتدی و لعل عند غیر احسن من ہذا۔ (مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ)

اس مسئلہ کے متعلق مزید وضاحت کیلئے حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ سے بھی استفسار کیا گیا تھا، حضرت افغانی کی تحقیق حسب ذیل ہے:-
تجینین کے بارہ میں کتب فقہ میں سے رد المحتار جلد ۱ ص ۱۸۸ کی عبارت ذیل تجینین کے تحت ملاحظہ ہو:-

بحیث یمشی فرسغاً ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا یشف (الدر)
وفی الدر وفی بعض الکتب ینشف وفسر فی الحانیۃ الاول بان لا یشف الجوارب الماء
الی نفسہ کالادیم والصرم وفسر الثانی بان لا یجاوز الماء الی القدم وقال تحت بنفسہ
ای من غیر شدادہ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جواز مسح علی التجینین کے لیے شخانہ کا وجود ضروری ہے جو کہ امور ثلاثہ سے متحقق ہوتا ہے۔ (۱) شرعی تین میل یا اس سے زیادہ بغیر جوتنے کے آدمی اس میں چل سکے (۲) باندھنے کے بغیر پٹلی سے پیوست رہے (۳) پانی اگر اس پر ڈالا جائے تو اندر نہ جاسکے۔ ان تین امور کا مجموعہ بالخصوص امر سوئم نائلوں کی جراب میں متحقق نہیں لہذا مسح درست نہیں۔ اس میں احتیاط اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں غسل البرجلین مذکور ہے جو قطعی ہے اور احادیث مسح علی الخفین متواتر یا مشہور ہیں، اس لیے تخصیص کے لیے کافی ہیں۔ مسح علی الجوارب بین فقط میں میرے نزدیک ایسی صحیح السند صریح الدلالت احادیث شہرت کے درجہ میں موجود نہیں اور قیاس علی الخفین کے لیے ان سے مشاکلہ اور مشابہت قویہ کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

(احقر شمس الحق افغانی بہادری)

سوال :- فقہی ذخائر میں پڑھا ہے کہ جرابوں پر مسح مجلدين و منعلين جرابوں کا کیا حکم ہے | کرنا جائز نہیں مگر مجلدين یا منعلين جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے تو مجلدين و منعلين کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :- مجلدين یا منعل جراب کا مطلب یہ ہے کہ منعل اُس جراب کو کہا جاتا ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو اور مجلدين وہ ہے کہ تمام جراب پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

قال الحصکفی: يسکون النون ما جعل علی اسفله جلدۃ۔ وقال ابن عابدین (رقوله ما جعل علی اسفله جلدۃ) ای کانعل للقدم وهذا ظاهر الروایة وفي رواية الحسن ما یكون الى الکعب ابن کمال (رقوله والمجلدين ما جعل الجلد علی اعلاه واسفله ۱ھ)

رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۰ باب المسح علی الخفین ۱ھ

سوال :- سوتی جراب پر تو مسح جائز نہیں

البته اگر سردی کی وجہ سے اس جراب کے اوپر

ایسے بوٹ پہن لیے جائیں جو ٹخنوں کو ڈھانپ کر رکھے کیا ایسے بوٹوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سوتی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں اس لیے کہ اُن پر موزے کی تعریف صادق

نہیں آتی، چوتھ یہاں صورت مسئلہ میں بڑے بوٹ موزے کے حکم میں ہیں اس لیے ایسی صورت

میں بوٹوں پر مسح کرنا درست ہے بشرطیکہ بوٹ کے نیچے کا حصہ پاک ہو۔

قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: والخف الساتر لکعبین ما خوض من الخفة کان الحکم

به تخف من الغسل الى المسح صم ای جاز المسح علی الخفین فی الطهارة من الحدث

الاصغر الخ (مواقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۰۲، ۱۰۱ باب المسح علی الخفین) ۲ھ

۱ھ قال حسن بن عماد الشرنبلالی: جواب منعل بوضع الجلد اسفله کانعل للقدم واذ جعل اعلاه

واسفله یقال له مجلدين (مواقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۰۳ باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُهُ فِي الْفقه الاسلامی وادلتہ ج ۳ ص ۳۲۳ سابقاً المسح علی الجوارب۔

۲ھ قال الحصکفی: والخف شرعاً: الساتر لکعبین فاكثر من جلد ونحو شرط مسحه ثلاثة امور

الاول کونه ساتر محل فرض الغسل للقدم مع الکعب والثانی کونه مشغوب بالرجل يمنع سرية الحد

والثالث کونه مما یکن متابعه المشی وهو جائز بسنة مشهورة (رد المحتار علی صدر المختار، باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُهُ فِي الْفقه الاسلامی وادلتہ ج ۳ ص ۳۲۲ خلاصة الشروط فی المذهب۔

سوال :- کیا متوضی عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مسح کا ثبوت خلاف القیاس ثابت ہے اس لیے صرف موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کے علاوہ عمامہ، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں۔

لما قال الشيخ الدكتور هبة الزهيلي: قال الحنفية لا يصح المسح على عمامة وقلنسوة و برقع وقفازين لان المسح ثبت بخلاف القياس فلا يلحق به غيره -

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳۱ باب المسح، سادسا المسح على العمامة) ۱۷

سوال :- پٹی پر مسح کب تک باقی رہتا ہے، کن کن حالات میں مسح ختم ہو جاتا ہے ؟

الجواب :- پٹی پر مسح دو حالتوں میں ٹوٹ جاتا ہے: (۱) اتارنے یا اتونے کی حالت میں جب زخم منڈل ہو جائے، اس لیے کہ جس علت کی وجہ سے مسح شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا۔ (۲) حدث کی وجہ سے یعنی وضو ٹوٹنے کی حالت میں جبیرہ کا مسح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: يبطل المسح على الجبيرة في حالتين هما (۱) نزعهما وسقوطهما قال الحنفية يبطل المسح على الجبيرة ان سقطت عن برء لزوال العذر (۲) الحدث: يبطل المسح على الجبيرة بالاتفاق بالحدث -

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳۱۵ نواقض المسح على الجبيرة) ۲۷

سوال :- اگر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو کیا کرنا چاہیے ؟

الجواب :- اگر ظاہر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہو تو پٹی وغیرہ کے اوپر مسح کرے اور اگر اس سے بھی شدید تکلیف کا احساس ہو تو پھر بوجہ مجبوری اس کا ترک کرنا

لہ قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: ولا يجوز اي لا يصح المسح على عمامة وقلنسوة و برقع وقفازين لان المسح ثبت بخلاف القياس فلا يلحق به غيره -

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی مکتا فصل المسح علی الخفین)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَجَةِ الْمَخْتَارَةِ عَلَى صَدْرَةِ الْمُخْتَارِ ج ۲۲۲ باب المسح على الخفين -

۲۷ قال العلامة ابوبكر الكاساني: فسقوط الجبائر عن برء ينقض المسح -

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۱۷ مطلب نواقض المسح على الجبيرة)

جائز ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي، واذا رمد وامره طبيب مسلم حاذق ألا يغسل عينه أو انكسر ظفره أو حصل به داء وجعل عليه دواء، جاز له المسح للضرورة وإن ضره المسح تركه لأن الضرورة تقدر بقدرها۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۳۵۵) توافق المسح على الجبيرة له

سوال :- ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کے ٹوٹ جانے کی صورت میں پلستر پر مسح کرنے کا حکم

ڈاکٹر حضرات اس عضو کو جوڑنے کے لیے پلستر لگاتے ہیں، کیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پلستر کا استعمال ٹوٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنے کے لیے ہوتا ہے اور ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اس کا کھونا عموماً مضر ثابت ہوتا ہے اور اگر مضر نہ بھی ہو لیکن بار بار اس کو کھول کر باندھنا مالی اعتبار سے بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے جبیرہ کی طرح پلستر کے اندر ملفوف اعضاء کا دھونا ضروری نہیں بلکہ مسح کافی ہے۔

لما قال المحصفي: ويمسح نحو (مفتصد وجريح على كل عصابة مع فرجة لها في الاصح۔ قال ابن عابدین: (قوله على كل عصابة) اي على كل فرد من افرادها سواء كانت عصابة تحتها جراحة وهي بقدرها او زائدة عليها كعصابة المفتصد، ولعمري تحتها جرحاً أصلاً بل كسرا وكى وهذا معنى قول الكنتز: كما تحتها جراحة اولا، لكن اذا كانت زائدة على قدر الجراحة فان ضره الحل والغسل مسح لكل تبعاً والا فلا۔ (رد المحتار ج ۲۸ باب التيمم مطلب لفظ كل اذا غلت على منكر او معروف) ۲۔

۱۔ قال المحصفي: انكسر ظفرك فجعل عليه دواء ووضع على شقوق رجله أجري الماء عليه وإن قدره ولا مسحه ولا تركه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۱ باب المسح على الخفين) ومثله مراق الفلاح على صدر الطحطاوى ص ۱۰۹ فصل في مسح الجبيرة۔

۲۔ قال ابراهيم الحلبي الجبيرة ما تحتها جراحة وما ليس تحتها تبعاً لو صح الجراحة لان الجبيرة والعصابة لا توضع على وجه تأتي على موضع الجراحة فحسب بل تكون على ما حول الجراحة ايضاً فتحقق الضرورة الى جواز المسح على الزائد على الجراحة الخ۔ (كبيري ص ۱۱۱ باب المسح على الخفين)

ومثله في مراق الفلاح على صدر الطحطاوى ص ۱۰۹ فصل في الجبيرة ونحوها۔

سوال :- سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم؟
تو اس کنوئیں یا حوض کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- سانپ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ سانپ جو صحرا میں ہوتے ہیں، اگر ان میں خون شامل ہو اور ایسے سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائیں تو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں خون نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری قسم کے سانپ وہ ہیں جو پانی میں ہی رہتے ہیں اگر وہ پانی میں مر جائیں تو پانی مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا۔

لما قال الحنفی: ومائى مولد ولوکلب الماء وخنزیرہ (کسمک و سرطان) وضفیع
 الابریا له دم سائل فیفسد فی الاصح کحیة بریة ان لہا دم واکالا۔ قال ابن عابدین:
 (قوله کحیة بریة) أما المائیة فلا تفسد مطلقاً کما علم مما مر وکالحیة البریة والونزغة
 لوکبیرة لہا دم سائل منیة (قوله واکالا) ای ان لم یکن للضفدع البریة والحیة البریة
 دم سائل فلا یفسد ۱۵۰۔ (رد المحتار ج ۱۵۱ باب المیاء مطلب فی مسائلہ لوضو من الفساق) لہ

سوال :- کسی حیوان کا اندام (کوئی عضو) اگر کنوئیں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟
کے کنوئیں سے چڑیا کا پر

نکل آیا ہے، اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس میں ۲۰ سے ۳۰ ڈول پانی نکالنا کافی ہے؟
الجواب :- اگرچہ چڑیا کے مقدار جانور کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ ۲۰ سے ۳۰ ڈول تک پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے مگر حیوان کے اندام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس میں چھوٹے اور بڑے جانور سب برابر ہیں، اور یہ عضو ایک بڑے حیوان کے مساوی ہے، لہذا اس صورت میں کنوئیں یا حوض کا پورا پانی نکالاجائے گا یا ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله حیوان دموی واشفع) لو وقع ذنب قارۃ ینزع الماء

لہ قال الشیخ اشرف علی التھانوی: اگر خشکی کا سانپ ہو پس اندازہ کر کے دکھا جاوے کہ اس میں کتنے سو ڈول پانی ہے
 اتنا نکال دیا جاوے اگرچہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا، البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں
 بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔۔۔۔۔ اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی
 کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳۲ فصل فی البیئر)

كله يجوز به ظهرا نه لوجرح الحيوان بلا تفسخ ونحوه ينزح الجميع كما في الفتح وان قطعة منه كتفسحه ولهذا قال في الخانية قطعة من لحم الميتة تفسده -

(رد المحتار ج ۲۱۳ فصل في البيئر) ۱۰

چھپکلی کرنے سے پانی کا حکم | سوال :- ہمارے گھر میں چھپکلیاں بہت ہیں اور کبھی کبھی وہ پانی میں گر کر مر جاتی ہیں، کیا اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- عام چھپکلیوں میں بہنے والا خون نہیں ہوتا اس لیے اگر چھپکلی پانی میں گر کر مر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضو و غسل وغیرہ جائز ہے۔

قال العلامة ابوبکر الكاساني: أما الذي ليس له دم سائل فالذباب والعقرب والنمل والسرطان ونحوها فإنه ليس بنجس عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۲۲ فصل اما الطهارة الحقيقية) ۱۰

پرندوں کی بیٹ کرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا | سوال :- ہمارے گھر کے کنوئیں کے پاس ایک درخت ہے جس پر کافی تعداد میں پرندے ہوتے ہیں، کبھی کبھی ان پرندوں کی بیٹ اُس کنوئیں میں گر جاتی ہے، شریعت مطہرہ میں اس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں پرندوں کی بیٹ سے بچنا انتہائی مشکل اور متعذر ہے اسلئے شریعت مقدسہ میں اس کے کرنے سے پانی پر کچھا اثر نہیں پڑتا اور نہ پانی کا استعمال ممنوع ہے بلکہ یہ پانی پاک اور قابل استعمال ہے۔

۱۰ قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن الديوبندي: در صورت مسئلہ کشیدن مقدار جملہ آب چاہ لازم است و تا وقتیکہ مقدار مذکورہ کشیده نشود و نوشیدن از آب و طعام با آن پنجه خوردن ناجائز و حرام است۔ قال مولانا السيد ابوالسعود في حاشية المسكين معزيا الى الحموى وقطعة الحيوان في الحكم كالحیوان المتفسخ۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۵۱ فصل في البيئر، مرتبہ: مولانا ظفر الدین)

وَمِثْلُهُ فِي السَّهْدِيَّةِ ج ۱ ص ۲ الباب الثالث في المياه۔

۱۰ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: ولا ينجس الماء ولا الماء على الاصح بموت ما معني حيوان كادم له سواء البر والبحري فيه اي الماء والمائع۔ (مرآة الفلاح على مدار الطحاوی ص ۱۳ فصل في الابار)

قال العلامة الحصكفي: ولا نزح في بول فاردة في الاصح ولا بخرو حمام و
عصفور وكذا سباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه -

(الدر المختار على صدر رد المختار ج ۲۲ فصل في البير) ۱۵

چشمہ دار کنوئیں کی پاکیزگی میں امام محمد کا قول مفتی بہ ہے | سوال :- چشمہ دار کنوئیں کی تطہیر

میں علماء احناف کے مختلف اقوال ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہ کے ہاں رائے مبتنی بہ یاد و عادلین اشخاص کی رائے کا اعتبار ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک کنوئیں میں جس قدر پانی ہے اتنی ہی مقدار میں نکالنا چاہیے جبکہ امام محمد سے ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک کا قول مروی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال میں کون سا قول مفتی بہ ہے۔

الجواب :- علماء احناف کے ہاں اگرچہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں مگر متاخرین فقہاء کرام نے آسانی کے لیے امام محمد کے قول (۲۰۰ سے ۳۰۰ تک ڈول پانی نکالنا) کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اگرچہ بعض نے امام صاحب کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وقيل يفتى بمائتين الى ثلاثمائة وهذا أيسر - قال ابن عدي: وجزم به في الكنز والملتقى وهو مروى عن محمد وعليه الفتوى خلاصة وتنا نارخانية عن النصاب وهو المختار معراج عن العنابية وجعله في العناية رواية عن الامام وهو المختار والايسر كما في الاختيار - (رد المختار ج ۲۱۵ فصل في البير) ۱۶



۱۵ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: ولا يفسد اي لا ينجس الماء بخرو حمام.... ولا ينجس بخرو عصفور وتحوها مما يوكل من الطيور غير الدجاج والا ونر والحكم بطهارته استحسن الخ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوى من ۳ فصل في مسائل الابار)

۱۶ قال العلامة ابن نجيم المصري: ان الفتوى على انه ينزح ثلثمائة وكذا في معراج الدراية معنى يا الى فتاوى العنابي ان المختار ما عن محمد.... والا فتاربما عن محمد اسهل على الناس - (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۳ كتاب الطهارة)

فرج سے نکلی ہوئی ہو اناقض الوضو نہیں | سوال :- نماز کے دوران اگر کسی عورت کی

اگلی شرمگاہ سے ہوا خارج ہو جائے تو کیا وہ عورت نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے گی یا وہی وضو کافی ہوگا؟

الجواب: جو ہوا دُبر سے نکلے وہ ناقض الوضو ہوتی ہے اور جو ہوا عورت کی فرج یا سرد کے ذکر سے خارج ہو وہ ناقض الوضو نہیں۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں مبتلی یہ عورت کا وضو نہیں ٹوٹا اور وہ اسی وضو سے ہی نماز کو پورا کرے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن الحداد: والريح الخارجة من الذکر و فرج المرأة لا تنقض الوضوء علی الصحيح الا ان تكون المرأة مفضاة فانه يستحب لها الوضوء۔ (البحر الحرة النيرة ج ۱ ص ۱۸۱ کتاب الطهارة۔ نواقض الوضوء) ۱۷

عادت پہلے دم نفاس بند ہو جانے کی صورت میں جماع کا حکم | سوال :- اگر کسی عورت کا

پانچ چھ دن قبل بند ہو جائے تو کیا اس کا شوہر اس سے قربان (مبستری) کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس عورت کا خون نفاس عادت سے قبل بند ہو جائے تو جب تک اس کی عادت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک شوہر کے لیے بیوی سے قربان (مبستری) ممنوع ہے، البتہ اگر خون بند ہونے کے بعد ایک نماز کا وقت گزر جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے۔

لما قال العلامة الزیلعی: ولو انقطع دمها دون عادتھا یکره قربانها حتی یبضی عادتھا وعلیها ان تصلي وتضوء۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹ کتاب الحيض) ۱۸

۱۷ لما قال العلامة الحسکفی: ولا خروج ریح من قیل غیر مفضاة اما هی فیندب لها الوضوء وتقبل یحب وقیل لو منتنة الخ۔ (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۱ ص ۱۲۶ باب نواقض الوضوء)

ومثله فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۹۹ باب نواقض الوضوء۔

۱۸ لما قال العلامة ابن نجیم المصری: اذا انقطع اما دون العشرة دون عادتھا لا یقربھا وان اغتسلت ما لم تمض عادتھا۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۰۳ کتاب الحيض)

پکی اینٹ پر تیمم کرنا | سوال :- ایک شخص جو کہ بیمار ہے اور پانی سے وضو کرنے پر قادر نہیں، اس لیے وہ پکی اینٹ پر تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس شخص کے تیمم اور اس سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو چیز زمین کے اجزاء سے ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، پکی اینٹ کا تعلق بھی چونکہ جنس الارض ہی سے ہے، اس لیے پکی اینٹ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے سالم ہو یا مدقوق۔

لما قال العلامة ابراہیم الحلبي: واما التيمم بالأجر فعند أبي حنيفة يجوز مطلقاً
دق اولاً لانه من اجزاء الارض وان شوى وتصلب بمنزلة النورة۔

(کبیری ص ۵۷ باب التيمم) ۱۷
استنجا کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جانے پر استنجا کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص سے استنجا کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جائے تو کیا طہارت کے لیے اسے دوبارہ استنجا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی مقعد ابھی تک گیلی ہے؟

الجواب: :- ہوا خارج ہونے سے اگرچہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ کرنا پڑتا ہے لیکن استنجا کرنا لازمی نہیں ہوتا چاہے مقعد گیلی ہو یا خشک۔ لہذا صورت مسئلہ میں بھی اس شخص پر دوبارہ استنجا کرنا لازمی نہیں صرف وضو کرنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فلا یسن من ریح کان عینھا طاهرة وانما نقضت
لانبعاثھا عن مواضع النجاسة ام لان بخروج الريح لا یكون علی السبیل شیء
فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۴۶ فصل فی الاستنجاء) ۱۸

۱۷ لما قال العلامة ابن نجيم: ويجوز بالاجدى وهو الصحيح لانه طين مستحجر۔
(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۴۸ باب التيمم) — ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۷۰ باب التيمم، الفصل الاول۔
۱۸ لما قال العلامة ابن نجيم: وقد علم من تعريفه ان الاستنجاء لا یسن الا من حدث
خارج من احد السبيلين غير الريح لان بخروج الريح لا یكون علی السبيل
شیء فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۰ باب الانجاس)

ہوا خارج ہونے کا شک ہونے پر وضو کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کو وضو کرنے کے بعد اس بات کا وہم ہو جائے کہ اس کی ہوا خارج

ہو گئی ہے مگر حقیقت میں اس سے کوئی ہوا وغیرہ خارج نہیں ہوئی ہوتی، تو کیا صرف شک کی بناء پر وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- جب تک ہوا خارج ہونے کا کامل یقین نہ ہو تو صرف شک کی بناء پر وضو نہیں ٹوٹتا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: اليقين لا يزول بالشك۔

(الاشباه والنظائر ج ۱ ص ۱۸۳) لہ

جگالی کے دوران جانور کے منہ سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! جگالی کرتے وقت اگر

کوئی چیز جانور کے منہ سے نکل کر پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ مواد معدہ سے واپس منہ میں آتا ہے اور جانور اس پر جگالی کرتے ہیں؟

الجواب :- جگالی کے دوران جو چیز جانور کے منہ سے نکل کر منہ میں واپس آتی ہے وہ حکماً پاخانہ کی طرح ہوتی ہے، اس لیے اگر وہ کسی پاکیزہ پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لما قال مولانا محمد رشيد، مسئلہ: ہر جانور کا پتہ اس کے پیشاب کے برابر ناپاک ہے اور جگالی میں جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے پاخانہ کے برابر ناپاک ہے۔ (مہشتی زیود ص ۸۲)

پنج سورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلا جانا | سوال :- اگر کسی شخص کی جیب میں پنج سورہ یا سورۃ یسین وغیرہ ہو اور اُسے

بیت الخلا جانے کی حاجت ہو اور یہ چیزیں وہاں رکھنے کی جگہ بھی نہ ہو تو کیا شرعاً آدمی ان کے ساتھ بیت الخلا جاسکتا ہے یا نہیں؟

لہ لما قال العلامة مفتی عبد الرحيم لا بچوری: جب ہوا نکلنے کا یقین نہیں ہے تو صرف وہم ہوتے رہتے سے وضو نہیں ٹوٹے گا اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱۰ ص ۱۰۰ کتاب الطہارۃ)

الجواب :- منبرک اشیاء اور قرآنی آیات کا بیت الخلا میں یا کسی ایسی جگہ جہاں گندگی پڑی ہو۔
لے جانا صحیح نہیں البتہ اگر جیب میں رکھ لی جائیں تو جائز ہے مگر پھر بھی خلاف اولیٰ ہے، گوش
کمر کے ایسی چیزیں بیت الخلا سے باہر کسی محفوظ اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دی جائیں ورنہ بصورت
مجبوری بلا کراہت منخص ہے۔

لما قال العلامة کا شعریؒ : ویکره دخول المخرج لمن فی اصبغہ خاتم فیہ شیء من القرآن
او من اسماء اللہ تعالیٰ لما فیہ من ترک التعظیم۔

وقال العلامة ابراہیم الحلبيؒ فی شرح المنیة : وقیل لا یکرہ ان یجعل قمیصہ الخ
باطن اکت ولو کان ما فیہ شیء من القرآن او من اسماء اللہ تعالیٰ فی جیبہ لا یأس
یہ وکذا ولو کان ملفوفاً وشیء والتحرز اولیٰ۔ (مبصری ص ۵۸) لے

نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم | سوال :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے
کی ولادت کے بعد عورت جب تک ناپاکی کی
حالت میں ہو تو اتنے دنوں (چالیس دن) تک اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا جائز نہیں، اس کا
شرعی حل مطلوب ہے ؟

الجواب :- اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں افراط و تفریط اور یہود و ہنود
کے مفروضہ نظریات و خیالات کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں تک مذکورہ بالا سوال کا تعلق ہے تو یہ
یہودیوں کا عمل و نظریہ ہے، یہ لوگ ان مخصوص ایام میں عورتوں کو بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں،
نہ تو ان کے ہاتھوں کا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ دیگر سماجی و معاشرتی تعلقات رکھتے ہیں۔
اسلام نے حیض و نفاس کی حالت میں صرف جماع کرنے سے منع فرمایا ہے اور باقی سب امور
کو جائز قرار دیا ہے، لہذا نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانا پینا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مستنہ من
عجین او ماء او نحوہا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۲ باب الحيض)

لے لما قال الشیخ اشرف القہانویؒ : ایسی چیز جس پر خدا یا کسی نبی یا کسی فرشتے یا کسی معظّم کا نام یا کوئی آیت
یا حدیث یاد آئی ہوئی ہو اپنے ساتھ رکھنا البتہ اگر ایسی چیز جیب میں ہو یا تعویذ کپڑے
وغیرہ میں پیٹا ہو تو کراہت نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۸۳۹ کتاب الطہارة)

پیشاب اور پاخانہ کے وقت کن امور سے بچنا چاہیے؟ سوال۔ جناب مفتی صاحب! دیتے پر معذرت خواہ ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ قضاء حاجت (پیشاب اور پاخانہ) کے وقت کن امور سے بچنا ضروری ہے؟

الجواب:- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس نے ہر عمل کے لیے کچھ آداب اور کچھ امور سے بچنے کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت بعض امور سے بچنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً بلا ضرورت باتیں کرنا، کھانا، قرآن کریم کی کوئی آیت، حدیث یا کوئی دوسرے متبرک کلمات پڑھنا، کوئی ایسی چیز جس پر خدا، رسول یا فرشتے کا نام ہو، کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوئی ہو یا کوئی دعا تحریر ہو ساتھ لے جانا، بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر یا لیٹ کر پیشاب اور پاخانہ کرتا، تمام کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہو کر قضاء حاجت کرنا، قبلہ رخ بیٹھنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، کھانے پینے کی اشیاء سے استنجاء کرتا، جاتوروں کے چارے سے استنجاء کرنا وغیرہ، ان امور سے دوران قضاء حاجت بچنا چاہیے۔

لکذا فی کبیری ص ۳۹ و بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۱۱

سوال:- ایک شخص بواسیر کا مریض ہے، اٹھتے بیٹھتے بواسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم؟ بواسیر کی رطوبت اس کے کپڑوں پر لگ جاتی ہے۔ تو کیا اس رطوبت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ رطوبت عام پانی کی طرح بہنے والا نہیں، نیز یہ بھی بتائیں کہ اس رطوبت سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ وضو ہر اس نجس چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے جو انسان کے بدن سے نکل کر پانی کی طرح بہہ جائے، اگرچہ یہ نہیں تو پھر وہ چیز ناقض وضو نہیں۔ لہذا صورت مسئلہ میں اگر رطوبت بواسیر کے زخم سے نکل کر بہتی نہ ہو تو اس سے وضو ختم نہیں ہوتا اور نہ کپڑے ناپاک ہونگے، کیونکہ فقہاء کرام کا قاعدہ کلیہ ہے: مالیس بمحدث لیس بنجس، کہ جو چیز محدث نہ ہو وہ نجس نہیں۔

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمن: (الجواب) جو رطوبت زخم سے باہر نہ بہے اور اور سائل نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ اور کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء قاعدہ کلیہ لکھتے ہیں: مالیس بمحدث لیس بنجس۔ پس جو صورت اب نے تحریر

فرمائی ہے اس میں نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے ۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۲۱ ترتیب مفتی ظفر الدین صاحب، کتاب الطہارۃ

سوال :- ایک شخص معذور ہے یعنی معذور کا قبل از وقت وضو کر کے اس سے نماز پڑھنا اس کو سلسلہ البول کی بیماری ہے، وہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرتا ہے، اگر کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے قبل اس نے وضو کیا ہو تو کیا وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- معذور شخص کے لیے ضروری ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے، اگر اس نے وقت داخل ہونے سے قبل وضو کر لیا تو وہ وضو درست نہیں اور وہ اس قبل از وقت کئے گئے وضو سے کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا ۔

لما قال العلامة الحصکفی: حکمہ الوضو لکل فرض اللام للوقت ثم یصلی بہ فیہ فرضاً ونقلاً فاذا خرج الوقت بطل۔ والدر المختار علی ہاشم المختار ج ۱ احکام المعذور ص ۲۸

سوال :- ایک عورت کے رحم سے نکلنے والی سفید رطوبت سے وضو کا حکم

سے ہر وقت سفید رطوبت نکلتی رہتی ہے، تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کیا یہ عورت معذور سمجھی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :- اگر کسی عورت کے رحم سے سفید رطوبت ہر وقت بہتی رہتی ہو تو وہ ناقض الوضو ہے یعنی وضو ختم ہو جاتا ہے، البتہ جو رطوبت فرج خارج سے آتی ہو تو وہ پسینہ ہے اس سے وضو ختم نہیں ہوتا، صورت مذکورہ میں چونکہ ہر وقت اس عورت کے رحم سے رطوبت نکلتی ہے، اس لیے وہ معذور سمجھی جائے گی ۔ لکھنؤی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۶

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمن ج ۱ (الجواب) جبکہ وہ شخص معذور ہے تو اس کو قبل از وقت وضو کرنا درست نہیں ہے، بس وقت کے بعد ہی وضو کرے اگرچہ جماعت قوت ہو جائے ۔

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۶۲ ترتیب مفتی ظفر الدین صاحب]
[کتاب الطہارۃ، فصل رابع، معذور سے متعلق احکام]